ف/۱
۹
9
2168

رودکی سے بہار تک ۔ ایرانی شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ

از گلستانِ عجم

اردو ترجمہ و تنقید

با کاروانِ حلّہ

تألیف

ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب

ترجمہ

ڈاکٹر مہر نور محمد خان   ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سیّد

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

اسلام آباد

Marfat.com

رودکی سے بہار تک۔ ایرانی شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ

از گلستانِ عجم

اردو ترجمہ و تنقید

با کاروانِ حلّہ

تالیف

ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب

ترجمہ

ڈاکٹر مہر نور محمد خان   ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سیّد

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
اسلام آباد

Marfat.com

60237

Marfat.com

کوائفِ کتاب

کتاب کا نام : ازگلستانِ عجم

(ترجمہ و تنقید کتاب با کاروان حُلّہ تألیف ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب)

مترجمین : ڈاکٹر مہر نُور محمّد خان ۔ ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سیّد

سخنِ مدیر و تنقیدی ضمیمہ : مدیر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

طباعت : اوّل

سلسلہ نمبر : ۹۸

تعداد : ۷۵۰

مطبع : غوث پرنٹرز۔ راولپنڈی

صفحات : ۱۲ + ۵۲۳ = ۵۳۵

تاریخِ اشاعت : ۱۴۰۵ھ.ق = ۱۳۶۴ھ.ش : جون ۱۹۸۵ء

ناشر : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان. اسلام آباد

قیمت : ۱۲۰ روپیہ

Marfat.com

انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

سلسلہ نمبر: ۹۸

ادارهٔ ہذا کا قیام حکومتِ ایران و پاکستان کے درمیان آبان ماہ ۱۳۵۰ھ ش (نومبر ۱۹۷۱ء) میں طے پانے والے معاہدہ کے تحت عمل میں آیا۔

Marfat.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
سخن مدیر	الف ـ ب
مقدمۂ مصنف	ایک ـ تین
تعارف	پانچ ـ نو
رودکی : شاعر روشن نگاہ	۱ - ۱۵
فردوسی : خالق رستم	۱۷ - ۳۳
فرخی : سیستان کا ایک شاعر	۳۵ - ۴۷
منوچہری : شاعر فطرت	۴۹ - ۷۲
ناصر خسرو : یمگان کا غریب‌الوطن شاعر	۷۳ - ۹۷
مسعود سعد : ایک قیدی شاعر	۹۹ - ۱۱۶
خیام : پیر نیشاپور	۱۱۷ - ۱۳۱
سنائی : غزنی کا ایک شوریدہ سر شاعر	۱۳۳ - ۱۷۸
انوری : مدح سراؤں کا پیغمبر	۱۷۹ - ۱۸۹
خاقانی : شروان کا نجار زادہ	۱۹۱ - ۲۰۳
نظامی : گنجہ کا داستان نگار شاعر	۲۰۵ - ۲۱۸
عطار : پیر اسرار	۲۱۹ - ۲۳۸
جلال‌الدین مولوی : مولانائے روم	۲۳۹ - ۲۷۵
سعدی : شیخ شیراز	۲۷۷ - ۳۰۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ
امیر خسرو : طوطی ہند	۳۰۷ - ۳۱۷
ابن یمین : ایک کسان شاعر	۳۱۹ - ۳۲۹
حافظ : خواجۂ رندان	۳۳۱ - ۳۴۹
جامی : عارف جام	۳۵۱ - ۳۶۲
صائب : سر زمین ہند کا زائر	۳۶۳ - ۳۷۴
بہار : نغمہ سرائے آزادی	۳۷۵ - ۳۹۳
اشاریہ	۳۹۴ - ۴۲۵
تکملۂ اشاریہ	۴۲۶ - ۴۳۲
فہرست منابع و مآخذ	۴۳۳ - ۴۳۵
ضمیمہ	۴۳۷ - ۵۲۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخن مدیر

فارسی میں تذکرہ نویسی ، شعراء کی زندگی کے حالات کی تحقیق اور چھان بین اور ان کے اشعار کے انتخاب کی ترتیب و تدوین کا کام طویل عرصے سے ہو رہا ہے ۔ تحقیق کی ضرورت اور احساس ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ ظاہراً اس قسم کی سب سے پہلی کتاب برصغیر میں بخارا کے رہنے والے عوفی نے تالیف کی اور اس کے بعد بھی اس میدان میں جو بہترین کتابیں تالیف ہوئیں وہ اسی خطہ میں لکھی گئیں ۔ اس کے باوجود شعراء کی انفرادی یااجتماعی زندگی کے بارے میں منطقیانہ اور مفید تحقیق اور صحیح خطوط پر ان کے فکر و فن کا تجزیہ و تحلیل اور نقد کا کام نسبتاً نیا ہے اور اس کے زیادہ نمونے دستیاب نہیں ۔

کتاب " با کاروان حلہ ''، ان چند کتابوں میں سے ایک ہے جس میں فارسی شاعری کے آغاز سے لے کر تیس چالیس سال قبل تک کے عظیم شعراء کے فکر و فن کا نہایت احسن طریقے سے تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اورخارج از موضوع مطالب ، غیر مفید جزئیات اور اشعار نقل کر کے کلام کو طول دینے کی بجائے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایرانی ادب اور ثقافت کے بعض درخشاں چہروں کی صحیح اور روشن تصویر پیش کی جائے ۔اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ جس معاشرے میں ان شعراء نے زندگی گذاری اور تاریخ کے جس دور میں زندہ رہے اس میں ان کے مقام کا تعین کیا جائے

Marfat.com

اس کے علاوہ ہر ایک کے اشعار کا تنقیدی جائزہ لے کر ان عوامل اور دور رس اثرات کی نشاندہی کی جائے جو ان کی تشکیل میں کار فرما رہے۔ مزید یہ مقصد بھی پیش نظر رہا ہے کہ ان تمام حقائق کو نہایت دل نشین انداز اور مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیا جائے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے یہ کام اس خطے میں جو فارسی علم و ادب کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے فارسی زبان کی بہترین کتابوں کے متعارف کرانے اور ایران و پاکستان کی مشترکہ ثقافت کی ترویج میں ایک اہم قدم ثابت ہو گا۔

آخر میں اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ اس کتاب کی تمام تر اہمیت اور افادیت کے باوجود اس میں کہیں کہیں تاریخی اور واقعاتی اغلاط موجود ہیں۔ میں نے ان کا جائزہ لیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی نشاندہی کی کوشش کی ہے۔ امید ہے یہ جائزہ جو کتاب کے آخر میں ضمیمے کے طور پر شامل ہے قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہو گا۔

مدیر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

Marfat.com

مقدمہ مصنف

محققین اور ادباء نے ہمارے شعرا کے بارے میں اب تک بہت کچھ لکھا ہے اور اس طرح انہوں نے ہماری بہت سی مشکلوں کو آسان کردیا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض محققین کی تحقیق وتدقیق تمام شور و ہنگامہ کے باوجود بذات خود کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ البتہ بعض دانشوروں کی تحقیق نے شعراء کے بارے میں صحیح نقد و تنقید کا نمونہ ضرور پیش کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ رودکی اور اس کی شاعری کو سمجھنے کے لئے ضروری نہیں کہ ماوراء النہر کی قدیم و جدید تاریخ کا مطالعہ کیا جائے لیکن عصر رودکی کی تحقیق سے اس کے اشعار کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حافظ کی زندگی کے حالات اور اس کی تصنیفات کو سمجھنے کے لئے آغاز اسلام سے فارس کی تاریخ و جغرافیہ کا مطالعہ ضروری نہیں لیکن حافظ کے زمانے میں ہونے والے واقعات و حوادث کی آگہی سے اس کے شعرکوسمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے اشعار میں اس زمانے کے واقعات کی طرف بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ اہم نکتہ یہی ہے کہ ایک نقاد کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور وہ ان ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے یہی جاننا کافی نہیں کہ اس کو کیا لکھنا چاہیئے بلکہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسے کیا نہیں لکھنا چاہیے اور اسی سے ایک حقیقی نقاد و محقق کے فہم و فراست کا پتہ چلتا ہے۔ اس مرحلے پر بہت سے سخت

Marfat.com

کوش حضرات بھی لغزش کھا جاتے ہیں اور اصلی مقصد سے دور ہو جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہمارے محقق نہایت صبر و حوصلے کے ساتھ جو قابل تعریف بھی ہے اور باعث تعجب بھی ان قدیم شعراء کے بارے میں بہت کچھ لکھتے رہے ہیں۔ اب نقاد حضرات کی باری ہے کہ ان متقدمین شعرا کے اشعار کو ادبی نقطہ نظر سے پرکھیں اور ان کا مقام متعین کریں تاکہ تمام لوگوں کو ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔ یہ صحیح ہے کہ آج کی تنقید جیسا کہ اخباروں، رسالوں اور مختلف کتابوں کے مقدمات میں نظر آتی ہے بہت ہی عامیانہ، سطحی اور ذاتی پسند نا پسند تک محدود ہے البتہ متقدمین کے بارے میں یہ نا انصافی روا نہیں رکھی گئی اور اب بھی ایسے لوگ ہیں جو تعصب اور لاعلمی سے بلند ہو کر ان کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ یہی وہ کام ہے جس کی ہمارے آج کے ادب کو ضرورت ہے۔ حقیقت میں آج جس کو "تاریخ ادبیات" اور "سبک شناسی" کہا جاتا ہے "ادبی تنقید" اس سے جدا نہیں ہے کیونکہ آج کی نسل ایک نقاد اور ادیب سے جس چیز کی توقع رکھتی ہے وہ قدیم شعر و ادب کا صحیح ادراک اور اس کے بارے میں صائب رائے کا اظہار ہے۔ شاعر کے حالات زندگی اور اس کے ماحول کے بارے میں تحقیق، موجودہ نسخوں میں شاعر کے کلام کا مطالعہ، زبان و بیان کا انداز اور اس قسم کے دیگر مباحث اہم سہی لیکن بقدر ضرورت ان پر توجہ دینی چاہئے۔ ان مباحث کو بہت زیادہ اہمیت دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اور خصوصاً نوجوان طبقہ اس حقیقی ادب سے جن کی انہیں ضرورت ہے محروم رہ جائے گا اور وہ ہمیشہ اسی جستجو میں سرگرداں نظر آئے گا۔

اس لئے زیر نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ شعراء کے کلام پر نئے انداز اور نئے رخ سے بحث و تنقید کی جائے۔ امید ہے کہ اس کتاب سے

Marfat.com

نوجوانوں اور طالب علموں کو قدیم شعراء کے کلام کو سمجھنے میں مدد ملے
گی اور ان کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوگا۔

تہران

مہر ماہ ۱۳۴۷ ھ ش : اکتوبر ۱۹۶۸

عبدالحسین زرین کوب

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

فارسی زبان غزنوی عہد میں ایران کی سرحدوں کو پار کر کے برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئی تو کسی کو بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ یہ زبان نہ صرف سات صدیوں تک یہاں کی علمی ، ادبی اور سرکاری زبان رہے گی بلکہ آیندہ صدیوں میں بھی ایران اور برصغیر، خاص کر پاکستان کے لوگوں کے درمیان ثقافتی رابطے کا کام بھی دیتی رہے گی ۔ یہاں کی سرزمین فارسی کو بہت راس آئی ۔ مغلیہ دور میں فارسی کی اتنی سرپرستی ہوئی کہ اس دور کو فارسی کی بہار سے تعبیر کیا جانے لگا ۔ لیکن یہ بہار زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی اور یورپی استعمار کے تند و تیز جھونکوں نے اس تنومند درخت کو پژمردہ اور کمزور کر دیا ۔ انگریزوں نے ایران اور یہاں کے مسلمانوں کے درمیان قائم روحانی اور ثقافتی رشتے کو ختم کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم جو اٹھایا وہ فارسی کی سرکاری حیثیت کا خاتمہ تھا ۔ اس کے بعد بھی اس کو نقصان پہنچانے کی کوششیں جاری ہیں ۔ لیکن فارسی یہاں کے لوگوں کے دلوں میں اتنی رچ بس چکی تھی کہ تمام تر کوششوں کے باوجود اسے مکمل طور پر ملک بدر نہ کیا جا سکا اور آج بھی پاکستان کے متعدد کالجوں اور دانشگاہوں میں فارسی کی تدریس و تعلیم جاری ہے ۔

شمع فارسی کو روشن رکھنے اور فارسی ادب کے درخشاں ستاروں سے روشناس کرانے کے لئے ہمارے ہاں کئی کتابیں لکھی گئیں ۔ بجائے خود یہ

Marfat.com

کتابیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں لیکن ان سب میں ایک چیز جو نظر آتی ہے وہ تنقیدی نقطہ نظر کا فقدان ہے سب مروجہ اور روائتی اسلوب کی حامل ہیں۔ شعرا کی سوانح عمری اور کلام کے نمونے نقل کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کسی میں بھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ تذکرہ نویسی کے اسلوب سے ہٹ کر شعرا کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ ان کو دنیا کے بڑے بڑے شعرا کے کلام سے تقابل کر کے عالمی ادب میں ان کے مقام کا تعین کیا جائے۔ اس لئے ادبی حلقوں میں عرصۂ دراز سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا جس میں ادبی تنقید کے جدید اصولوں کو مدنظر رکھ کر شعرا کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہو۔ اس نقطہ نظر سے " با کاروان حلہ " جس کا اردو میں " از گلستان عجم " نام رکھا گیا ہے نہ صرف پاکستان میں بلکہ ایران میں بھی شاید پہلی کتاب ہے جس میں پرانی روش سے ہٹ کر تنقیدی لحاظ سے مختلف شعرا کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف نے دنیا کے بڑے بڑے شعرا کے کلام کے ساتھ تقابل کر کے عالمی ادب میں فارسی شعرا کی اہمیت اور مقام کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح فارسی ادب میں ادبی تنقید کی نئی راہیں متعارف کروائی ہیں۔

مصنف نے " با کاروان حلہ " کا نام غزنوی دور کے شاعر فرخی کے معروف قصیدہ کے ایک شعر " با کاروان حلہ برفتم زسیستان۔ با حلۂ تنیدہ زدل بافتہ زجان " سے لیا ہے۔ مصنف کی پیروی کرتے ہوئے مترجمین نے بھی کتاب کا اردو نام " از گلستان عجم " طوطی ہندوستان میرزا غالب کے لطیف شعر " بود غالب عندلیبی از گلستان عجم۔ من ز غفلت طوطی ہندوستان نامیدمش " سے اخذ کیا ہے۔

" با کاروان حلہ " ایران کے مایہ ناز محقق ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب کی تالیف ہے۔ جناب زرین کوب تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ آپ کو علوم

Marfat.com

انسانی، ادبیات اور معارف اسلامی پر دسترس حاصل ہے - انہیں درس و تدریس کے علاوہ تحقیق و تدقیق سے بھی بہت شغف ہے - تاریخ اسلام اور ادبی تنقید پر آپ کی تحقیقات بہت اہمیت کی حامل ہیں - آپ متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں جن میں سے بعض کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور وہ ایران کی مختلف درس گاہوں میں پڑھائی جاتی ہیں - آپ کی قابل ذکر تالیفات مندرجہ ذیل ہیں -

(۱) ارزش میراث صوفیہ
(۲) از کوچۂ رندان
(۳) با کاروان اندیشہ
(۴) با کاروان حلہ
(۵) بامداد اسلام
(۶) تاریخ ایران بعد از اسلام
(۷) تاریخ در ترازو
(۸) تکدرخت
(۹) دو قرن سکوت
(۱۰) سیری در شعر فارسی
(۱۱) شعر بی دروغ شعر بی نقاب
(۱۲) فرار از مدرسہ - دربارۂ زندگی و اندیشۂ ابو حامد غزالی
(۱۳) فن شعر (ترجمہ)
(۱۴) کارنامۂ اسلام
(۱۵) نقد ادبی، ۲ جلد
(۱۶) نہ شرقی، نہ غربی، انسانی

Marfat.com

ترجمہ عموماً تین قسم کا ہوتا ہے، لفظی ترجمہ، آزاد ترجمہ اور نیم آزاد ترجمہ، ہم نے خیرالامور اوسطہا کے مصداق درمیانی راہ کو اپنایا ہے۔ نہ تو بالکل ہی لفظی ترجمہ کیا ہے اور نہ ہی بالکل آزاد ترجمہ۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ مؤلف کے خیالات کی بہتر صورت میں ترجمانی کی جا سکے۔ اگر یہ مقصد لفظی ترجمہ سے پورا ہو گیا ہے تو لفظی ترجمہ کیا گیا ہے اور اگر کہیں اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آزاد ترجمہ کی ضرورت پیش آئی ہے تو آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔ اب اس بات کا فیصلہ قارئین کرام فرمائیں گے کہ ہم اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ بہر حال ادبی امانت کو ملحوظ رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور حتی المقدور غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے ہر قسم کے تصرف و ترمیم سے اجتناب کیا گیا ہے۔ صرف ملک الشعرا بہار کے باب میں ایک دو جگہوں پر جہاں مذہبی شعائر کا ذکر تھا، اشعار کو حذف کردیا گیا ہے۔ بایں ہمہ مؤلف نے اس کتاب میں اپنے جن نظریات و خیالات کا اظہار کیا ہے مترجمین کا اس سے اتفاق ضروری نہیں۔

مؤلف نے تصریحات کو کتاب کے آخر میں درج کیا تھا اور ان کی ستاروں کی علامت سے نشاندہی کی تھی۔ قارئین کی سہولت کے لئے اردو متن میں تصریحات ہر باب کے آخر میں نقل کی گئی ہیں اور ستاروں کی بجائے نمبروں سے انکی نشاندہی کی گئی ہے۔ مترجمین نے اپنی طرف سے جو توضیحات دی ہیں انہیں حواشی میں درج کیا گیا ہے۔ مؤلف نے اشاریہ یکجا درج کیا ہے۔ ہم نے سہولت کے لئے اشخاص، اماکن اور کتب کے نام علیحدہ علیحدہ درج کئے ہیں۔ اسی طرح مؤلف نے اشاریہ میں بعض یورپی ناموں کے بارے میں توضیح دی تھی۔ انہیں بھی قارئین کی سہولت کے پیش نظر تکملۂ اشاریہ کے عنوان سے علیحدہ درج کیا گیا ہے۔

Marfat.com

آخر میں ہم جناب پروفیسر ذکی احمد صدیقی صاحب کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مسودہ پر نظر ثانی کی اور بڑی ہی محنت و تن دہی سے زبان کی نوک پلک درست کی ۔ اسی طرح جدید زبانوں کے قومی ادارہ کے شعبہ عربی کے اساتذہ خاص کر جمیل قلندر صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے عربی اشعار اور عبارات کے ترجمہ میں ہماری مدد فرمائی ۔

ڈاکٹر مہر نور محمد خان ۔ ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سید

جون ۱۹۸۵ء اسلام آباد

Marfat.com

Marfat.com

رودکی

شاعر روشن نگاہ

رودکی نے اپنے ایک خوبصورت قصیدے میں اپنی طویل عمر کے آخری ایام کی جو درد انگیز تصویر کشی کی ہے(۱) وہ حیرت انگیز بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔ فارسی کا یہ مایہ ناز شاعر جو ایام جوانی میں بخارا کے پر شکوہ دربار میں اپنے اشعار، غزلوں، گیتوں اور بربط وچنگ کے دلنشین نغموں سے کیسے کیسے جادو جگاتا اور سنگ دل نازنینوں اور طرح دار حسینوں کے ناز و غرور کو خاک میں ملا دیتا تھا اپنی عمر کے آخری ایام میں ایک خاک بسر، مفلوک الحال، شکستہ دل بوڑھا نظر آتا ہے جس کے دانت گر چکے ہیں، بال سفید ہو چکے ہیں اور جس کی کمر زندگی کے بارگراں سے جھک گئی ہے، مفلسی اور بیچارگی کے ہاتھوں اتنا مجبور کہ کشکول گدائی اٹھائے پیشہ ور بھکاریوں کی طرح گلی کوچوں میں بھیک مانگتا نظر آتا ہے۔ کبر سنی کے اس عذاب اور اس کیفیت میں دقیقی نے مزید اضافہ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کا ذکر کیا ہے جو بینائی سے یکسر محروم تھیں(۲) معلوم نہیں اس کی آنکھوں میں کبھی روشنی تھی بھی یا نہیں۔

کیا رودکی مادر زاد اندھا تھا یا کسی حادثے کے تحت بینائی سے محروم ہو گیا تھا اس کا جواب مشکل ہے۔ اس کے ہم عصر شعراء دقیقی، ابو زراعہ جرجانی اور ناصر خسرو (۳) کے بعض بیانات اور اشاروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب آسے نابینا شاعر کی حیثیت سے ہی پہچانتے تھے۔

Marfat.com

ابو حیان توحیدی اور مسکویہ (۴) کے مابین ایک گفتگو سے بھی اس بیان کی تائید ہوتی ہے عوفی نے اسے مادر زاد اندھا قرار دیا ہے - لیکن رودکی کے کلام سے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ زندگی بھر میں کبھی ایک دن کے لئے بھی آنکھوں کی روشنی سے محروم ہوا ہو اور دنیا اس کے لئے تاریک ہو گئی ہو - اس کے برعکس وہ نہ صرف دیکھنے کا دعوی کرتا ہے بلکہ اس کے اشعار میں محسوس تشبیہات کی فراوانی ہے - خصوصاً رنگوں کی وہ دنیا جو نابیناؤں سے اوجھل ہے اس کے کلام میں پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے - اس کے علاوہ اس کے بڑھاپے کے کلام میں ایام جوانی کے جو رومانوی تجربات اور سرمستی و شادمانی کی جو کیفیات پائی جاتی ہیں وہ ایک عاجز اور معذور انسان کے بس کی بات نہیں - بخارا کے اس شاعر کا معشوقان طرح دار اور کنیزان پری چہرہ کو اس قدر اپنا فریفتہ کر لینا کہ رقیبوں کے خوف کے باوجود راتوں کو چھپ کر اس سے ملاقات کو آئیں (۵) روشن آنکھوں کے بغیر ممکن نہیں - اس سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو اس کے اشعار میں روشن اور درخشاں تشبیہات اس قدر ہیں کہ ان کی موجودگی میں اسے نابینا تصور کرنا ممکن نہیں - یہ صحیح ہے کہ بشار بن برد اور ابوالعلاء معری جیسے دوسرے نابینا شاعروں نے بھی دیکھنے کا دعوی کیا ہے لیکن بخارا کا یہ شاعر اپنے عہد شباب کو جس طرح یاد کرتا ہے وہ کیفیت ان کے یہاں نہیں پائی جاتی - رودکی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایام پیری میں ضعف و ناتوانی کے ساتھ ساتھ وہ بینائی سے بھی محروم ہو گیا تھا یا شرح یمینی کے مطابق (۶) شاید اس کو تشدد کے دوران اندھا کر دیا گیا تھا - جو کچھ بھی ہے رودکی کی زندگی کا آخری حصہ یونانی داستانوں کے خالق ہومر (۱) سے

۱. Homere

Marfat.com

مشابہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رودکی بھی کسی حد تک ہومر کی طرح اپنے ہم وطن شاعروں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔

رودکی بخارا کے دربار کا شاعر تھا جیسا کہ معلوم ہے صدیوں تک بادشاہوں کے دربار ہی علم و ادب کی سرپرستی کا مرکز تھے۔ شعراء، ادباء، اہل قلم، فن موسیقی کے ماہرین و دلدادہ اور وہ لوگ جو فنون لطیفہ اور ثقافت سے شغف رکھتے تھے اور اہل ذوق و ہنر کی سرپرستی کر سکتے تھے بادشاہوں کے درباروں سے وابستہ تھے۔ جہاں کہیں بھی کوئی ادیب یا حکیم یا فقیہ ہوتا کسی امیر کے دربار کا رخ کرتا اور جو کوئی بھی اپنے فن کی نمائش کا خواہاں ہوتا کسی نہ کسی بادشاہ، امیر یا رئیس کے دربار سے وابستہ ہوتا۔ اس زمانے میں نصر بن احمد امیر سامانی کے دربار میں شعر و ادب کی گرم بازاری تھی۔ یہ نوجوان بادشاہ سپہ سالاری اور کشور کشائی کی طرح شعر اور موسیقی کا بھی دلدادہ تھا۔ اس کا تیس سالہ دور حکومت سامانی عہد کی ترقی اور عظمت کا دور تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کے عدل و انصاف اور علم دوستی کے جو واقعات ملتے ہیں اس سے بھی اس بیان کو تقویت ملتی ہے۔ رودکی کو اس نوجوان بادشاہ کے دربار میں مقبولیت کے ساتھ ساتھ اثر و رسوخ بھی حاصل تھا۔ اس کے علاوہ ماوراءلنہر کے اکابرین اور بلعمیوں، عدنانیوں، جیہانیوں، مصعبیوں جیسے خاندان بھی کم و بیش اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ رودکی کو بادشاہ اور اس کے امراء و وزراء کی سرپرستی اور داد و دہش سے بے پناہ دولت حاصل ہوئی اور اس کا شمار بخارا کے ثروتمند لوگوں میں ہونے لگا تھا۔

جعفر بن محمد رودکی جو بعد میں ابو عبداللہ کے نام سے بھی مشہور ہوا سمر قند کے علاقے رودک میں پیدا ہوا اور وہیں اس کی پرورش ہوئی بچپن میں وہ غیر معمولی قوت حافظہ کا مالک تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آٹھ

Marfat.com

سال کی عمر میں اس نے قرآن پاک حفظ کر لیا اور پھر شعر و شاعری کی طرف راغب ہوا ۔ وہ بڑا خوش لحن تھا اور اسی خوش لحنی کی بدولت وہ اپنے زمانے کے معروف و مشہور مطربوں اور موسیقاروں سے متعارف ہوا ۔ بختیار نے جو موسیقی کا استاد تھا اسے اپنی شاگردی میں لے لیا اور بربط بجانے کی تعلیم دی ۔ جب جعفر بخارا گیا تو آل سامان کے دربار سے منسلک ہوگیا ۔ جلد ہی اسے اپنے شعر و فن کی بدولت اثر و رسوخ حاصل ہو گیا اور وہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ۔ بخارا کا بادشاہ نصر بن احمد اس کے ذوق اور صلاحیتوں کا معترف تھا ۔ اس نے اس کو الطاف و اکرام سے اسقدر نوازا کہ وہ اہل ثروت میں شمار ہونے لگا ۔ رودکی نے بھی اپنے ہنر و فن کو بادشاہ کے لئے مختص کر دیا تھا ۔ وہ اپنے اشعار اور بربط کی دلنواز سروں سے شاہانہ محفلوں کو کیف و سرور کی انوکھی لذتوں سے آشنا کر دیتا تھا ۔ ان تقاریب جن میں ماوراءالنہر کے اکابرین، عمائدین اور زعما بھی شرکت کرتے تھے اس کے اشعار اور گیتوں سے عجیب سماں اور عجیب کیفیت پیدا ہوتی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ بلعمی کے خیال میں عرب و عجم میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا(۷)اس کے اشعار کی تاثیر اور مقبولیت کا اندازہ چہار مقالہ(۸) کی اس مبالغہ آمیز روایت سے بھی ہوتا ہے جب اس نے جوے مولیان کا اس انداز سے ذکر کیا کہ بادشاہ اور اس کے تھکے ماندے لشکری جو ایک عرصے سے خراسان کی خاک چھان رہے تھے فوراً واپس بخارا لوٹ آئے ۔ اگر چہار مقالہ کی صداقت کا اعتراف کر لیا جائے تو یہ رودکی کی بہت بڑی کامیابی تھی ۔

رودکی کی یہ شہرت و مقبولیت بے سبب نہ تھی وہ شاعری میں مہارت تامہ رکھتا تھا خصوصاً توصیف احوال اور منظر کشی میں اسے مہارت حاصل تھی ۔ اس کی تشبیہیں بہت ہی لطیف اور بلیغ ہیں ۔ کسی نے بھی اس کی طرح شراب کو عقیق گداختہ، دانتوں کو ستارہ سحری اور قطرہ باراں سے تشبیہہ

Marfat.com

نہیں دی - اس نے اس قسم کی خوبصورت اور درخشان تشبیہوں کا استعمال بڑی فراوانی سے کیا ہے(۹) قصاید کے علاوہ رودکی نے چند مثنویاں بھی لکھیں ہیں - کلیلہ دمنہ اور سند باد نامہ اسی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے لیکن افسوس کہ آج ان مثنویوں کے چند پراگندہ اشعار کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں - اس کی غزلیں عنصری کیلیے باعث رشک تھیں - رودکی کے انداز غزل گوئی کو اس نے بے حد سراہا ہے - شاید اس میں اس کی دلنشین اور سریلی آواز اور بربط کی دھنوں کے ترنم کو بھی دخل ہو - لیکن یہ امر باعث تاسف ہے کہ اس کی غزلیات کا بیشتر حصہ حوادث روزگار کی نذر ہوگیا - یہ امر تحقیق طلب ہے کہ ایک عرصے تک رودکی کو رباعی کے وزن کا موجد بھی قرار دیا گیا ہے -

بعض روایات کے مطابق رودکی کے اشعار کے مجموعے سو بیاض پر مشتمل تھے - ایک مبالغہ آمیز شعر کی رو سے جو رشیدی سے منسوب کیا جاتا ہے رودکی کے اشعار کی تعداد ۱۳ لاکھ تھی(۱۰) لیکن جو اشعار دستیاب ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے - اس میں شک نہیں کہ فرخی، عنصری اور رشیدی کے زمانے تک اس کے تمام اشعار محفوظ تھے جو بعد میں شاید ضائع ہو گئے - رودکی کے اشعار کے اس طرح ضائع ہو جانے سے یہ گمان بھی ہوتا ہے کہ شاید کسی زمانے میں اس کے اشعار کو دانستہ طور پر ضائع کر دیا گیا ہو - آج بھی تاریخ بیہقی، تاریخ سیستان، لغت فرس اسدی، ترجمان البلاغہ، چہار مقالہ حدائق السحر، لباب الالباب، المعجم اور تحفتہ الملوک میں اس کے اشعار کے بہترین نمونے ملتے ہیں - لیکن مختلف بیاضوں اور مطبوعہ نسخوں میں اس کے کلام کو دوسرے شعرا خصوصاً قطران تبریزی کے کلام میں ملا دیا گیا ہے بہر حال اس کے انہی معدودے چند پر تاثیر اشعار سے اس کی قدرت و مہارت کا اندازہ ہوتا ہے - اس کے انداز بیان میں بڑی سادگی اور روانی ہے اور

Marfat.com

ساتھ ہی ساتھ فن کی پختگی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ وصف و تشبیہ میں بھی وہ گزافہ گوئی اور مبالغہ آرائی سے پرہیز کرتا ہے۔ مدح و تمجید میں بھی وہ خوبصورت الفاظ اور ابلاغ کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ تکلف و تصنع کا قائل نہیں ۔ اس کے باوجود وہ تخلیق معانی میں پوری مہارت رکھتا ہے۔ اس کا کلام سادگی اور روانی کے باوجود جدت مضمون اور لطف خیال سے خالی نہیں عنصری باوجود کوشش کے اس کے انداز غزل کو نہ اپنا سکا۔ وہ غزلیں جو غزنوی شعراء کے تاجدار سخن کے لیے باعث رشک رہیں اب کم یاب ہیں۔ جو کچھ باقی ہے اس میں الفاظ کی سادگی سے زیادہ شاعر کی نازک خیالی زیادہ نمایاں ہے ۔ بعض اہل تحقیق کی نظر میں وہ تصنع جو اس کی عاشقانہ غزلوں میں پایا جاتا ہے(١١) اس کا رودکی کے مزاج سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس کی غزل کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فرخی اور دوسرے غزنوی شاعروں کی طرح امرد پرستی کو موضوع سخن نہیں بناتا بلکہ خوبرو کنیزوں کےناز و انداز کی توصیف کرتا ہے۔ جب وہ عشق و فراق کی تلخیوں کو بیان کرتا ہے تو اس میں کبھی بے بصارتی کی حرمان نصیبیوں کا گہرا احساس بھی ملتا ہے اور جہاں کہیں شاعر شراب کی ستایش کرتا ہے اور عیش کوشی اور لذت پرستی کی طرف راغب نظر آتا ہے تو انسان کے ذہن میں بشار اور ابو نواس کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اگر آج اس کے اشعار کا معتدبہ حصہ باقی ہوتا(١٢)تو رودکی اور بعض عرب شاعروں کا دلچسپ تقابلی مطالعہ کیا جا سکتا تھا ۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ خود رودکی کے اشعار میں عرب شعراء سے برتری اور رقابت کا احساس ملتا ہے۔

جہاں تک رودکی کے پیام اور تعلیمات کا تعلق ہے وہ رومی شاعر ہوراس(١) کی طرح ہے جو ہر حال میں لذت و مسرت کا جویا تھا اور

١. Horace

Marfat.com

دنیا کو ناپائیداری کے باوجود ذوق و شوق سے دیکھتا تھا اور اگست(۱) کے سنہری دور میں" آج کو غنیمت جانو " (۱۳) کا نعرہ لگاتا تھا۔ رودکی بھی لذتوں اور آسودگیوں کے ان لمحات کو جو اسے "سیاہ چشمان" کی قربت میں حاصل ہوتے ہیں غنیمت سمجھتا ہے اور هوراس ہی کے لب و لہجے میں کہتا ہے :

شاد زی با سیاہ چشمان شاد　　کہ جہان نیست جز فسانہ و باد

ترجمہ :۔ سیاہ چشم محبوبوں کی رفاقت میں شاد و خرم رہو ۔ کیونکہ دنیا کی حقیقت ایک افسانے سے زیادہ نہیں ۔

زآمدہ شاد مان بباید بود　　وز گذشتہ نکرد باید یاد

ترجمہ :۔ جو ملے اسے غنیمت سمجھو اور گذشتہ کو بھول جاؤ ۔

باد و ابرست این جہاں فسوس　　بادہ پیش آر ہر چہ بادا باد

ترجمہ :۔ یہ دنیا باد و ابر کی طرح ہے نہائت ناپائیدار ۔ جام شراب کو گردش میں لاؤ جو ہو سو ہو ۔

اس کے اشعار قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود بخارا کی عیش و نشاط میں ڈوبی ہوئی درباری زندگی کی بھر پور عکاسی کرتے ہیں ۔ دقیق نظر قاری شاعر کی اس مختصر سی شعری میراث سے بھی بخارا کے سیاہ چشم محبوبوں کے دل کی دھڑکنوں اور اس دربار کے فراموش شدہ زعما اور اکابرین کے دکھ سکھ کا اچھی طرح اندازہ کرسکتا ہے ۔

رودکی کے اشعار میں ایام بخارا کی افراتفری اور انتشار کے عکس بھی ملتے ہیں ۔ ایک جگہ فارسی زبان کے عربی گو شاعر ابوالحسن مرادی کی موت پر نوحہ کناں ہوتا ہے تو رنج و تاسف کے اس ایک لمحے میں پورا بخارا سوگوار نظر آتا ہے ۔ دوسری جگہ شاعر اور حکیم شہید بلخی کی موت ادبی حلقوں میں ایک نئے دردو اضطراب کو جنم دیتی ہے ۔ رودکی جو شہید کو اس دنیا سے گذرتے

۱. Auguste

Marfat.com

ہوئے دیکھتا ہے تو اسے اپنی زندگی بھی ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اس کا ایک قطعہ جو حکمت و عبرت سے عبارت ہے بخارا میں زبان زد خاص و عام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور المناک موت بھی ہے جو بخارا کی پر نشاط اور درد آشنا زندگی میں درد و کرب کی لہر دوڑا دیتی ہے وہ بخارا کے وزیر ابوالفضل بلعمی کے خوش شکل و محبوب بیٹے کی دردناک موت ہے۔ ابوالفضل پر اس جانکاہ سانحہ کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس کے اس صدمے میں بخارا کے امراء اور وزراء بھی برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ رودکی جو ابوالفضل بلعمی کا دوست اور اہل بخارا کا ترجمان ہے اس موقعہ پر نہایت حکیمانہ انداز میں فرانسیسی شاعر مالرب (ا) کی طرح جس نے دوپریہ (ب) کی غمخواری کی تھی بلعمی کی دلجوئی کرتا دکھائی دیتا ہے اور اس کو تحمل و برد باری کی تلقین کرتا ہے:

ای آنکہ غمگنی و سزاواری
وندر نہان سرشک می باری

ترجمہ :۔ اے کہ تم غمزدہ ہو اور تمہیں اس کا حق بھی پہنچتا ہے اور تم چھپ چھپ کر آنسو بہا رہے ہو۔

رفت آنکہ رفت و آمد آنک آمد
بود آنچہ بود خیرہ چہ غم داری

ترجمہ :۔ جو گیا سو گیا اور جو آیا سو آگیا جو تھا سو تھا بےسبب کیوں غم کھاتے ہو۔

هموار کرد خواهی گیتی را
گیتی است، کی پذیرد هموارى

ترجمہ :۔ تم دنیا کو ایک جیسا دیکھنا چاہتے ہو یہ دنیا ہے اس میں یکسانیت کہاں۔

شو تا قیامت زاری کن
کی رفتہ را بزاری باز آری

ترجمہ :۔ جاؤ قیامت تک آہ و زاری کرو لیکن آہ و زاری سے جانے والے کو کب واپس لا سکو گے۔

ا. Malberbe   ب. Duperier

Marfat.com

لیکن ہر بڑے شہر کی طرح غم و الم کی یہ فضا بخارا میں بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی - امیر بخارا کی ناپسندیدگی کے باوجود جن غبار آلود اور تنگ و کثیف گلی کوچوں کی ہجویں لکھی گئیں انہی گلی کوچوں میں زندگی اپنی تمام گہما گہمی اور حشر انگیزیوں کے ساتھ محو رقص نظر آتی ہے - یہ وجہ ہے کہ رودکی کے آن قلیل مقدار اشعار میں بخارا کے آسودہ خیال اور غم نا آشنا لوگوں کے طرب انگیز قہقہوں کی صدائے باز گشت سنائی دیتی ہے۔ اس کے سادہ لیکن پرتاثیر اشعار میں بخارا کی دلفریبیوں اور رعنائیوں کو اچھی طرح محسوس کیا جا سکتا ہے - اور خاص کر عیش و نشاط کی محفلوں کی آن دلفریبیوں کو جن میں رودکی بربط کی دھنیں بکھیرتا ، ساز و آواز کا جادو جگاتا اور شراب و شباب کا اس انداز سے ذکر کرتا کہ پوری محفل پر کیف و سرور کی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ، ایک ایسی ہی محفل میں شاعر بربط اٹھاتا ہے ، اور امیر خراسان کے حضور جو عرصہ سے لشکر کشی کے باعث بخارا سے دور ہے " جوے سولیان " (۱۴) کے سواحل کی خوبصورتی کا اس انداز سے ذکر کرتا ہے کہ ایک روایت کے مطابق امیرنصر عالم بیخودی میں پابرہنہ بخارا کا رخ کرتا ہے - رودکی نے اپنے قصیدے " مادرمے " میں بھی ایک ایسی ہی محفل کی تصویر کشی کی ہے - اس قصیدے کے متعلق جو کچھ تاریخ سیستان میں لکھا ہے اس سے عیش و نشاط کی محفل کی رونقوں اور ہنگامہ خیزیوں کا پتہ چلتا ہے جس میں امیر خراسان امیر ابو جعفر کی یاد میں شراب نوشی کرتا دکھائی دیتا ہے - اس کیف آور پرانے گیت میں بخارا کے بادشاہوں اور سامانی دور کے امراء کے شوخ و سرمست قہقہوں کی گونج سنائی دیتی ہے :

مادر می را بکرد باید قربان   بچہ او را گرفت و کرد بزندان

ترجمہ - مادرمے کو قربان کرنا چاہیے اور اس کے بچے کو پکڑ کر قید کر

Marfat.com

دینا چاہیے ۔

جب رودکی نے اپنی مثنوی کلیلہ و دمنہ کو امیر نصر کی خدمت میں پیش کیا تو بادشاہ کے عطا کردہ چالیس ہزار درہم کے علاوہ دربار سے وابستہ اکابرین نے بھی ساٹھ ہزار درہم شاعر کی نذر کیے ۔ داد و دہش کے ان عطیات نے شاعر کو ایسی آسودگی بخشی کہ ایک عرصہ تک، وہ فکر معاش سے بے نیاز ہو گیا ۔(۱۵)

یہ وہی زمانہ تھا جبکہ بعض روایات کے مطابق رودکی کے پاس دو سو غلام تھے اور اس کا سامان چار سو اونٹوں پر لادا جاتا تھا ممکن ہے یہ بیان مبالغہ آمیز ہو لیکن خود رودکی کے اشعار اور اس کے معاصرین کے کلام سے بہت سے ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاعر بخارا کے دربار میں آسودہ حال اور ہر قسم کی دنیوی نعمت و دولت سے بہرہ ور تھا ۔ امیر نصر، اس کا وزیر بلعمی اور دوسرے امراء و زعما اس کو انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے ۔ بخارا کا یہی عیش و طرب کا دور ہے جس کے اکابرین کی محفلوں کی دلکشی اور رونق کو رودکی نے اپنے جاودانی اشعار میں منعکس کیا ہے ۔ صدیاں گذر گئیں لیکن زندگی کی وہ ہنگمہ خیز اور مسرتوں سے بھرپور آواز آج بھی اس کے باقی ماندہ اشعار میں سنائی دیتی ہے ۔

غرض کہ بخارا کے دربار میں اس شاعر کا عہدشباب اسی عالم کیف و مستی میں گزرا کہ خوبرو اور سیاہ و چشم محبوبوں کی ہم نشینی بھی حاصل تھی اور توجہ بھی ۔ عشق ' موسیقی ' شراب اور زر و جواہر نے اس کی زندگی کو مسرت و شادمانی سے ہمکنار کر دیا تھا ۔ لیکن آخر کار عہد پیری آن پہنچا ۔ کمزوری اور ناتوانی نے اس کے کندھوں کو جو اہل و عیال کے بارگراں سے جھک چکے تھے اور بھی کمزور و ناتوان کر دیا ۔ وہ اپنی ان بے نور آنکھوں کے ساتھ زندہ رہا جن کے نصیب میں مہر عالمتاب

Marfat.com

کی سکون بخش تمازت کے سوا کچھ نہیں تھا ۔ شہید کی موت کے بعد وہ بالکل نڈھال ہو گیا تھا اور عمر کے اس طویل سفر کا اثر اس کے گرد زمانہ سے اٹے سفید بالوں سے کچھ زیادہ ہی نمایاں تھا ۔ وہ آہستہ آہستہ سائے کی طرح موت کے سفر پر روانہ ہوا اور آخر کار جب ۳۲۹ ھ میں وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوا تو اس کا عزیز شہر بخارا بھی انتشار کا شکار ہو رہا تھا ۔ سیاست نامہ اور الفہرست کی روایات کے مطابق ماوراء النہر (۱۶) میں باطنیوں کی سرکوبی اور قتل عام کے باعث یہ بساط عیش درہم برہم ہوگئی اور امیر نصر کا عہد نشاط و طرب بھی انقلاب و حوادث کی نذر ہو گیا اور اس طرح اس آدم الشعراء اور شاعروں کے استاد کی داستان زندگی بھی تاریکیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہوگئی ۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) قصیدہ کا مطلع یہ ہے :

مرا بسود و فرو ریخت ہرچہ دندان بود   نبود دندان لابل چراغ تابان بود

ترجمہ :- میرے سارے دانت فرسودہ ہو کر گر گئے ۔ وہ دانت نہیں تھے بلکہ روشن چراغ تھے ۔

(۲) کہتا ہے، نابینا اور روشن نگاہ شاعر سے اس کی مراد رودکی ہے :

استاد شہید زندہ بایستی   وان شاعر تیرہ چشم روشن بین

ترجمہ :- کاش استاد شہید زندہ رہتا ۔ اور وہ بے نور آنکھوں والا روشن نگاہ شاعر بھی ۔

تا شاہ مرا مدیح گفتندی   بالفاظ خوش و معانی رنگین

ترجمہ :- تاکہ اپنے خوبصورت الفاظ اور رنگین معانی سے میرے بادشاہ کی مدح کرتے ۔

(۳) ابو زراعہ کا قطعہ لباب الا لباب (مطبوعہ لیدن، صفحہ ۱۰) میں اس مطلع کے ساتھ آیا ہے :

اگر بدولت با رودکی نمی مانم   عجب مکن سخن از رودکی نہ کم دانم

ترجمہ :- اگرچہ طالع و بخت کے لحاظ سے میں رودکی جیسا نہیں لیکن تعجب نہ کرو شعر میں ۔ رودکی سے کمتر نہیں ہوں ۔

اور ناصر خسرو کہتا ہے (دیوان، اشاعت دوم صفحہ ۳۲۳) :

اشعار زہد و پند بسی گفتہ است   آن تیرہ چشم شاعر روشن بین

ترجمہ :- اس تاریک آنکھوں والے روشن نگاہ شاعر نے زہد و نصائح سے متعلق بہت سے شعر کہے ہیں۔

Marfat.com

(۴) الهوامل والشوامل 'مطبوعہ مصر' صفحہ ۸۰

(۵) کہتا ہے (دیوان ' جلد ۳ صفحہ ۹۷۹)

بسا کنیزک نیکو کہ میل داشت بدو بشب زیارت او پیش او بہ پنہان بود

ترجمہ :- بہت سی خوبرو کنیزیں جو اس کی طرف راغب تھیں راتوں کو چھپ کر اسے ملنے آتی تھیں -

بروز چون کہ نیارست شد بدیدن او نہیب خواجہ او بود و بیم زندان بود

ترجمہ :- کیونکہ دن کے وقت ملاقات ممکن نہ تھی - مالک کا خوف اور قید خانے کا ڈر تھا -

(۶) عتبی نے شرح یمینی میں لکھا ہے "وقد سمل فی اواخر عمره" یعنی وہ عمر کے آخری حصے میں نابینا ہوا - رجوع کریں سعید نفیسی' احوال و اشعار رودکی' جلد ۲' صفحہ ۵۵۴ -

(۷) سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ ابوالفضل بلعمی نے جو والی خراسان اسماعیل بن احمد کا وزیر تھا کہا کہ عرب و عجم میں رودکی کا کوئی ثانی نہیں' صفحہ ۲۲۲ -

(۸) چہار مقالہ' مطبوعہ لیدن' صفحہ ۳۴ - ۳۱

(۹) شراب کی تعریف میں کہتا ہے :

زان عقیقین می کہ ہرکہ بدید از عقیق گداختہ نشناخت

ترجمہ :- اس عقیق جیسی شراب کو جس نے بھی دیکھا - اس میں اور عقیق گداختہ میں امتیاز نہ کر سکا -

اور دانتوں کے بارے میں کہتا ہے :

سپید سیم زده بود و در و مرجان بود
ستاره سحری بود و قطره باران بود

ترجمہ :- وہ چاندی کی طرح سفید تھے (بلکہ) در و مرجان تھے -

Marfat.com

وہ ستارہ سحری کی مانند درخشان اور قطرہ باران کی طرح روشن تھے ۔

(۱۰) لباب الالباب میں صفحہ ۱۲۷ پر یہ قطعہ رشیدی سے منسوب ہے ۔

گرسری یابد بعالم کس بہ نیکو شاعری
رودکی را بر سر آن شاعران زیبد سری

ترجمہ :- دنیا میں اگر کوئی اعلی شاعر ہو بھی تو رودکی آن سب پر سردار کی حیثیت رکھتا ہے ۔

شعراو را من شمردم سیزدہ دہ صد ہزار
ہم فزون آید اگر چونانکہ باید بشمری

ترجمہ :- میں نے اس کے اشعار کو شمار کیا تو ان کی تعداد ۱۳ لاکھ تھی ۔ اور شاید اس سے بھی بڑھ جائے اگر صحیح طریقے سے شمار کیا جائے تو ۔

(۱۱) دار مستتر ' منابع شعر فارسی ' ترجمہ مولف مجلہ دانشنامہ میں درج شمارہ ۲' تہران' صفحہ ۱۳۲۶/۱۰۰

(۱۲) دیوان' اشاعت سعید نفیسی' احوال و آثار رودکی' ج ۳' صفحہ ۱۱۱۲-۹۶۶ میں رودکی سے منسوب مجموعاً ۸۳۲ شعر موجود ہیں جن میں سے کچھ در حقیقت اس کے لکھے ہوئے نہیں ہیں ۔

(۱۳) Horace , Carpe Diem

(۱۴) جوے مولیان اور ان عمارتوں کے بارے میں جو امیر نصر نے وہاں تعمیر کروائیں تاریخ بخارا ' اشاعت مدرس رضوی' صفحہ ۳۵-۳۳

(۱۵) لباب الالباب صفحہ ۱۲۷ ان اشعار سے موازنہ ہو ۔

شد آن زمانہ کہ او شاد بود و خرم بود
نشاط او بفزون بود و غم بہ نقصان بود

ترجمہ :- وہ زمانہ بیت گیا جب وہ شاد و خرم تھا ۔ اس کی خوشیاں

Marfat.com

روز افزون اور غم کمتر تھے۔

همی خرید و همی سخت بی شمار درم
بشهر هر که همی ترک نار پستان بود

ترجمہ :- وہ شہر میں ہر خوبرو محبوب کو ہر قیمت پرخرید لیتا تھا۔

(۱۶) سیاست نامہ، اشاعت خلخالی، صفحہ ۱۶۷-۱۶۱ -

Marfat.com

Marfat.com

فردوسی

خالق رستم

وہ تمام خوبصورت اور حیرت انگیز کہانیاں اور قصے جو دادی اماں مجھے بچپن میں سنایا کرتی تھیں میں بھول چکا ہوں ۔ وہ طاقتور دیو، خوفناک اژدھے، حیرت انگیز خزانے اور پریوں کے عالی شان قلعے جو بچپن میں میرے خوابوں کو رنگین اور پر اسرار بنا دیتے تھے اب وہم و گمان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔ وہ راتوں کو جاگنے والے خلیفہ ہارون الرشید جوجعفر برمکی کے ساتھ دجلہ کے کنارے مچھلیوں کے شکار میں مشغول نظر آتے تھے اور اصفہان کے شاہ عباس جو فقیروں کا بھیس بدل کر ہر شب نئی واردات کا مشاہدہ کرتے تھے میرے ذہن سے محو ہو چکے ہیں ۔ ان کا صرف دھندلا سا ایک تصور باقی ہے ۔ اب ان نامور افسانوی کرداروں کا وجود ایک خیالی ہیولا سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ۔ میں جیسے جیسے بچپن سے دور ہوتا جا رہا ہوں بچپن کے خواب و خیال کے یہ سائے بھی تاریکی میں گم ہوتے جا رہے ہیں ۔

لیکن ان پرانی داستانوں کا ایک کردار ایسا ہے جو ذہن میں روز بروز واضح سے واضح تر ہوتا جا رہا ہے ۔ یہ زندہ جاوید کردار رستم کا کردار ہے ۔ میں اسے نہیں بھلا سکا ۔ کیوں ؟ کیا اس لئے کہ رستم معمولی ذہن کی تخلیق نہیں ہے یا اس لئے کہ اس کردار کو میری دادی اماں نے تخلیق نہیں کیا تھا ۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ میں دیوؤں اور پریوں کی کہانیوں

Marfat.com

اور ہارون الرشید اور شاہ عباس کے واقعات کو بھی ان کی اختراع نہیں سمجھتا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان فراموش شدہ کہانیوں اور کرداروں کے خالق بہر حال عام لوگ تھے - ان لوگوں کی ذہنی سطح شاید میری دادی اماں کی ذہنی سطح سے زیادہ بلند نہیں تھی - لیکن جہاں تک رستم کا کردار ہے یہ بجائے خود ایک داستان ہے - اگر فردوسی کی ذہنی تخلیق یا ہنرمندی ، اس کی عظمت اور طاقت کے معیار کے مطابق نہ بھی ہو پھر بھی یہ ایک غیر معمولی اور اعلی ذوق کی تخلیق ضرور ہے - یہی وجہ ہے کہ اس کا وجود ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور کبھی ذہن سے اوجھل نہیں ہوتا - تاریخ اور واقعیت کے مقابلے میں، جہاں دوسری چیزیں اپنا وجود کھو دیتی ہیں وہاں رستم کا کردار حقیقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتا ہے - اس کی ہستی ایک افسانوی وجود سے بہت بالا و برتر ہے - وہ ایک ایسا شعر ہے جو اپنی عظمت کے لحاظ سے فطرت سے بھی اعلی و ارفع ہے ایسا خیال ہے جو اپنی وسعتوں میں زمان و مکان کو سمولیتا ہے - اس کی شخصیت میں صرف افسانوی عصر کے ایک ہیرو کو تلاش کرنا بہت بڑی غلطی ہوگی - اس کا وجود ان خام خیالیوں سے ماوراء ہے وہ نہ تو تیتان (ا) ہے جس کا یونانی اساطیر میں ذکر ملتا ہے اور نہ " مرد برتر " جسے نٹشے (ب) کے شاعرانہ تخیل نے تراشا ہے (۱) یہ دونوں کے اوصاف سے متصف ہونے کے باوجود ان سے برتر بھی ہے اور مختلف بھی - ایک مکمل سرمدی انسان جسے فطرت آج تک تخلیق نہ کر سکی - صرف ظاہری قد و قامت ہی نہیں جس سے روم اور یونان کے پہلوانوں اور صاحبان جمال کی یاد تازہ ہوتی ہے بلکہ معنوی اور اخلاقی عظمت میں بھی ملکوتی خداؤں کے شایان شان ہے - اس کا تفوق فقط حیرت انگیز کارناموں میں پوشیدہ نہیں - اسکے انداز و اطوار کا کون سا

ا. Titans ب. Nietzsche

Marfat.com

پہلو ہے جو خردمندی ' ہوشیاری ' بردباری ' نرم خوئی ' کامرانی و توانائی سے خالی ہو؟ حتی کہ مصیبت و بدبختی میں بھی وہ بے نظیر ہے ' ہمارے افسانوی کرداروں میں کوئی دوسری ایسی مثال نہیں ملتی جو اس کی طرح اپنے خوفناک مقدر کی نحوست کا شکار ہوا ہو۔ ایسے صدمے سے دوچار ہوا ہو جو فانی و خاکی انسان کی قوت برداشت سے باہر ہو ' ایسی صورتحال جس میں ایک باپ اپنے ہاتھوں سے اپنے جوان بیٹے کو قتل کردے۔ یہ رستم کے بے مثال کردار کی عظمت تھی کہ وہ مقدر کے اس الم ناک اور روح فرسا غم و اندوہ کو نہایت بردباری' جذبہ تسلیم و رضا اور انتہائی نیازمندی کے ساتھ برداشت کرسکا۔

شاید یہ صحیح ہو کہ معاملات عشق میں وہ بےتابانہ گرمجوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ وہ اعلی مقاصد کے حصول کی آرزوؤں میں اس قدر کوشاں ہے کہ جسمانی لذت وشہوت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود اس کا دل عشق کے جذبے سے خالی نہیں تھا لیکن جیسا کہ فروید (۱) نے توجیح کی ہے ''وہ اپنی راہ سے منحرف نہیں ہوا ''۔ ''ہفت خوان'' کے خاموش ' ملال انگیز اور بے کراں ماحول میں جب وہ محفل مے نوشی میں بربط کو تھام لیتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ کس طرح اپنی بے سرو و سامانی ' پریشانی اور ناکامیوں کی شکایت کرتا ہے لیکن جہاں راز و نیاز کا معاملہ در پیش ہوتا ہے وہاں اس کی پاکبازی اور پارسائی قائم رہتی ہے۔ اس شب محفل عیش و نشاط کے خاتمے پر جب شاہ سمنگان کی بیٹی اس کے سرہانے آ کھڑی ہوتی ہے اور شرم و ناز کے ملے جلے اور جذبات کو برانگیختہ کر دینے والے ہوس انگیز انداز میں چاہتی ہے کہ اپنے آپکو اس نامور مہمان کی باہوں میں ڈال دے اس موقع پر کون ہو گا جس کے جذبات برانگیختہ نہ ہو جائیں اور وہ

۱- S. Freud

Marfat.com

ہوس کا شکار نہ ہو جائے۔ لیکن اس کے کردار و اطوار کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جو، بلند، واجب التعظیم، قابل ستایش اور حیران کن نہ ہو۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دور کے اطالوی اور فرانسیسی نقادوں نے کہا ہے کہ رزمیہ انسانی زندگی کی سرگذشت کا خلاصہ اور اس کے افکار و کردار کا آئینہ ہوتی ہے اور انسان کی روشن ترین تصویر کو اسی آئینہ میں تلاش کرنا چاہیے۔ میرے خیال میں دنیا کے کسی بھی عظیم رزمیہ میں، انسان کامل کی اس سے روشن اور دلکش تصویر نہیں ملتی۔ غرض کہ رستم، شناہنامے کا ایک بے مثال ہیرو ہے اور جب وہ شاہنامے کے اسٹیج سے ہٹ جاتا ہے تو شاہنامہ کی رنگا رنگ دنیا میں وہ جوش و جذبہ اور زندگی کی ہنگامہ خیزی باقی نہیں رہتی یہ صحیح ہے کہ اردشیر، شاپور، بہرام گور، بہرامِ چوبینہ اور رستم فرخزاد ایک نیا ولولہ پیدا کر دیتے ہیں لیکن رستم کے بغیر شاہنامے میں وہ عظمت اور اولوالعزمی باقی نہیں رہتی۔ اس حقیقت کا ادراک ایک حد تک خود محمود غزنوی کو بھی تھا اور شاید اسی لئے تاریخ سیستان کی روایت کے مطابق اس نے فردوسی سے کہا تھا کہ: شاہنامہ سرگذشت رستم کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ رستم کے خالق، فردوسی کی اپنی داستان بھی بہت طویل، حیرت انگیز اور افسانوی ہے۔ جس سال ماوراء النہر کی شعری دنیا رودکی سے محروم ہوگئی اسی سال یا ایک سال بعد ابوالقاسم فردوسی طوس کے ایک گاؤں طبران میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ طوس کا ایک زمیندار تھا اور اسی علاقے میں اس کی جائیداد تھی۔ اس جائیداد کی بدولت فردوسی نے ایام جوانی کا زمانہ امراء کے احسان کے بغیر آرام و آسائش سے گذارا۔ جہاں تک اس کی تعلیم کا تعلق ہے ابتدا میں اس نے عربی اور فارسی ادب پڑھا، اسے شروع سے ہی پرانی داستانیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ خصوصاً ایران کی

Marfat.com

قدیم تاریخ سے تو آسے عشق کی حدتک گہرا لگاؤ تھا اور یہی عشق شاہنامہ لکھنے کا محرک ہوا ۔ دقیقی کی موت کے بعد جو فردوسی کا ہم عصر بھی تھا اور ہم وطن بھی، فردوسی نے اس کے منثور شاہنامہ کو جس کا نام غالباً شاہنامۂ ابو منصوری تھا منظوم کرنے کا ارادہ کیا ۔ یہ کتاب نایاب تھی اور بقول فردوسی وہ مدتوں اس کی تلاش میں رہا ۔ آخرکار اس کا ایک نسخہ اس کے کسی دوست کے ہاتھ لگا جس نے اس کی خدمت میں پیش کیا ۔ فردوسی نے فوراً کمر ہمت باندھی اور تقریباً تیس سال کی محنت شاقہ کے بعد اس شاہکار کو مکمل کیا ۔ اس کی تکمیل میں وہ جوان سے بوڑھا ہو گیا ۔ رفتہ رفتہ اس کی تمام پونجی اور جائیداد بھی ختم ہوگئی ۔ وہ تنگدستی اور افلاس کا شکار ہو گیا ۔ سنہ ۴۰۲ھ کی شدید قحط سالی کے دوران رستم کے عظیم کردار کے اس خالق کی حالت نا گفتہ بہ ہو گئی ۔ حالات سے مجبور ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ کسی سرپرست کی تلاش کی جائے ۔ اس خیال سے کہ غزنی کا بادشاہ، سلطان محمود جس کی علم دوستی اور ادب نوازی کا تمام عالم میں شہرہ تھا شاید اس کے کام کی قدر کرے، فردوسی نے شاہنامہ کو اس کے نام منسوب کیا اور غزنی کی راہ لی ۔ لیکن غزنی کے دربار میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہوئی کیونکہ وہاں باہمی رقابتوں، خود غرضیوں اور حرص و طمع کا جال بچھا ہوا تھا ۔ سلطان نے فردوسی کی قدر نہ کی کیونکہ وہ قدیم تاریخ کے دلیروں اور دلاوروں کے کارناموں کے مقابلے میں اپنی مدح و توصیف اور اپنے حق میں شاعروں کی مبالغہ آمیز تعریف کو پسند کرتا تھا ۔ بعض لوگوں نے سلطان کو فردوسی سے بیزار کرنے کے لئے اس پر ارتداد کی تہمت بھی لگائی تھی ۔ اس کا بھی امکان ہے کہ حاسدوں نے رستم اور ایران کے قدیم دلاوروں کی داستانوں کو، سلطان کے سامنے جسے خود بھی ناموری اور کشور کشائی کا جنون تھا، حقیر اور پست کر کے پیش کیا ہو ۔ بہر حال سلطان محمود

Marfat.com

نے شاہنامہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس کے مرکزی کردار رستم کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کئے ۔ تاریخ سیستان کے مؤلف کی روایت کے مطابق اس نے نفرت اور رعونت کے انداز میں کہا "شاہنامہ میں رستم کی سرگذشت کے سوا کچھ نہیں اور میری فوج میں ہزاروں رستم ہیں" (۲) کہا جاتا ہے کہ اس بے اعتنائی اور بے قدری کو دیکھ کر فردوسی بے حد رنجیدہ ہوا ۔ اسی عالم میں اس نے سلطان کی ہجو لکھی اور خوف کے مارے غزنی سے بھاگ نکلا ۔ کچھ عرصے تک وہ ہرات ، رے اور طبرستان کے شہروں میں روپوش رہا ۔ بعد میں طوس چلا گیا اور وہیں سن چار سو گیارہ یا چار سو سولہ میں نہایت بے کسی اور بے سر و سامانی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا ۔ اگر مشہور روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو کچھ عرصے کے بعد کسی بات پر سلطان محمود کو فردوسی کا خیال آیا اور اسے اپنے رویے پر پشیمانی ہوئی ۔ اس کی تلافی کے لئے اس نے حکم دیا کہ فردوسی کے لئے شایان شان تحفہ غزنی سے طوس روانہ کیا جائے ۔ شاید اس قصے کو زیادہ دلکش اور مؤثر بنانے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جب سلطان کے ان عطیات کو طوس کے ایک دروازے سے اندر پہنچایا جا رہا تھا تو دوسرے دروازے سے شاعر کا جنازہ باہر لایا جا رہا تھا ۔ چنانچہ شاعر کو سلطان کے انعام و اکرام سے کوئی فائدہ نہ پہنچا اور وہ سلطان کے لطف و کرم سے مستفید ہونے سے پہلے ہی چل بسا اس کے پس ماندگان میں صرف اس کی بیٹی تھی کیونکہ بیٹا تو باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا ۔

جیسا کہ شاہنامہ سے ظاہر ہے فردوسی طبع لطیف اور پاکیزہ صفات کا مالک تھا ۔ اس کا کلام طعن و طنز اور دروغ و بدگوئی اور چاپلوسی سے پاک تھا ۔ وہ حتی الامکان رکیک ، پست ، مبتذل کلمات ، سوقیانہ اور نا شایستہ تعبیرات کے استعمال سے پرہیز کرتا ہے ۔ جیسا کہ شاہنامہ کے بعض حصوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھا ۔ قدیم ہیرو اور

60237

Marfat.com

دلاوروں سے آسے عشق تھا ۔ جن لوگوں نے ایران کو نقصان پہنچایا ان سے وہ شدید نفرت کرتا تھا ۔ آسے حضرت علی اور اہل بیت سے محبت اور عقیدت تھی اور شاید اس عقیدے کی وجہ سے بھی سلطان محمود کے دربار میں اس کی پذیرائی نہیں ہوئی ۔

شاہنامہ نہ صرف سامانی اور غزنوی عہد کا ایک بیش بہا عظیم شعری کارنامہ ہے بلکہ در حقیقت یہ فارسی کی عظمت و شان کی اہم ترین سند اور ایران قدیم کی شاندار تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار بھی ہے ۔ یہ الفاظ کا عظیم خزانہ بھی ہے اور فصاحت کا دریائے بے پایاں بھی ۔ اس میں ایرانی قوم کے قدیم مشاہیر اور ملی داستانوں کو بہترین اسلوب میں پیش کیا گیا ہے ۔ اس میں وطن پرستی اور اخلاقیات کا درس بھی ہے ۔ شاہنامہ کا اسلوب بیان سادہ اور غیر مبہم ہے ۔ اکثر مواقع پر فردوسی نے اختصار و ایجاز سے کام لیا ہے ۔ وہ صناعی اور غیرضروری طوالت سے بھی گریز کرتا ہے اس نے منثور شاہنامے کی داستانوں کو منظوم کرنے میں باریک بینی سے کام لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اصل متن میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہونے پائے ۔ بیشتر داستانیں پرانے شاہناموں سے اخذ کی گئی ہیں ۔ کچھ اوستا(ا) اور پہلوی کتب سے لی گئی ہیں

فردوسی کے کلام میں اتنی پختگی اور شیرینی ہے کہ اس کی شاعری کا وہ حصہ جو رستم سے متعلق ہے بقول لونگینوس(ب) ادب عالیہ کا مظہر ہے (۳) طرح طرح کی تعبیرات کے استعمال میں آسے جو مہارت حاصل ہے اس کی وجہ سے اس کے کلام کو ایک ایسی بے نظیر لطافت اور زیبائی عطا ہوئی ہے جو دوسروں کی شاعری میں مفقود ہے ۔ وہ معانی کی اختراع وصف نگاری اور فطرتی تشبیہات کے استعمال میں تمام شعراء سے بازی لے گیا ہے ۔ وہ '' اختصار '' اور '' حذف '' کے تقاضوں کو اتنی عمدگی سے ملحوظ

ا. ایرانی پیغمبر زرتشت کی کتاب ب. Longinus

Marfat.com

نظر رکھتا ہے کہ '' ایجاز '' اعجاز بن گیا ہے (۴) شاہنامہ میں ضعیف اشعار گنجلک معانی اور متنافر الفاظ کی تعداد زیادہ نہیں اور اس تصنیف کی وسعت اور عظمت کے مقابلے میں انکی کوئی اہمیت نہیں - چند اشعار یا مصرعوں کے تکرار میں ' اگر کاتبوں کی غلطی یا تصرف کا دخل نہیں ہے تو یہ اس منثور متن کے باعث ہے جو شاعر کا ماخذ تھا - پہلوی نثر میں جس صنعت تکرار سے جگہ جگہ کام لیا گیا ہے شاعر نے بھی اس سے انحراف نہیں کیا - اس سے قطع نظر ' ایسا تکرار مضمون اور تکرار تضمین دوسرے شعراء کے کلام میں بھی موجود ہے اور اس کے باعث رستم کے خالق کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا - ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شاعر نے اپنے ہمعصر دوسرے شعرا کی طرح ' فارسی کے متروک اور نامانوس الفاظ کے استعمال میں بے احتیاطی کا مرتکب ہوئے بغیر عربی کی تراکیب اور کلمات کے استعمال سے کافی حد تک اجتناب کیا ہے - حتی کہ عربی کے جن مضامین اور عبارات کو فارسی میں استعمال کیا ہے ' ان پر ایرانی رنگ غالب نظر آتا ہے - اس نے ہر حالت میں خواہ یہ قدرتی مناظر کی تصویر کشی ہو یا احوال انسانی کی تجسیم یا حکمت و عبرت کا بیان ' بلاغت کے دقیق نکات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا شاید ہی کوئی ایسی مثال ملے جیسا کہ رستم کی سر گذشت میں ہم دیکھتے ہیں کہ فردوسی نے انسان کے خورد و خواب جیسے معمولی اعمال کو ایک آسمانی اور ملکوتی کام کے درجے تک پہنچا دیا ہے -

شاہنامہ میں تاریخی پہلو سے قطع نظر جس سے لوکن(ا) کی تصنیف فارسال (ب) کی یاد تازہ ہوتی ہے (۵) رزمیہ اور اساطیری مواد اور عناصر بھی وافر مقدار میں ملتے ہیں - ظاہر ہے شاعر کا بنیادی مقصد اساطیری مواد جمع کرنا نہیں تھا وہ تو ان کہنہ روایات و واقعات پر مشتمل ایرانی تاریخ کو منظوم

ا. Lucain ب. Pharsale

Marfat.com

کرنا چاہتا تھا ۔ اس لحاظ سے شاہنامہ ایک منظوم تاریخ ہے۔ لیکن اس عظیم منظوم‌تاریخ کے بطن میں متعدد رزمیہ داستانیں بھی ملتی ہیں جو عظمت و کمال کے اعتبار سے قابل توجہ ہیں۔ ہیئت و مواد کے لحاظ سے ایرج، سیاوش، سہراب اور اسفند یار کی داستانیں رزمیہ کہلانے کی مستحق ہیں (۶) ممکن ہے ان میں سے بعض داستانیں اخذ و اعادہ کی گئی ہوں مثلاً یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اصل متن میں، موبدوں (ا) نے ہفت خوان رستم کی اساس پر، ہفت خوان اسفند یار وضع کر لئے ہوں تا کہ وہ عظیم مذہبی ہیرو، رستم سے کسی چیز میں کمتر نہ ہو ۔

لیکن بہر حال ان میں سے ہر ایک داستان ایک علیحدہ رزمیہ ہے۔ اس لحاظ سے شاہنامہ کو رزمیہ داستانوں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں ۔ یہ رزمیے اپنی جگہ مکمل، عظیم اور اعلی پایہ کے ہیں۔ ان رزمیوں میں اس قدر زور و قوت ہے کہ شاہنامہ کو جو ایک لحاظ سے منظوم تاریخ ہے دنیا کی اعلی ترین رزمیہ تصانیف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جدید مفہوم کے مطابق فنی کمال کے لحاظ سے ہم اس کا تقابل ہومر (ب) کی ایلیڈ (ج) کے ساتھ کر سکتے ہیں ۔

ایلیڈ قدیم یونان کی قدیم ترین رزمیہ سمجھی جاتی ہے. یہ جنگ تروا (د) کے اس معروف قصے سے ماخوذ ہے جو ہومر کے زمانے میں یونان کے مطربوں اور گلوکاروں کا موضوع تھا ۔ اس حماسہ میں جس جنگ کا وصف بیان کیا گیا ہے اس کی کہانی محبت اور عورت سے تعلق رکھتی ہے ۔ تروا کا شہزادہ پاریس(ہ) یونان جاتا ہے اور منلاس(و) کی بیوی ہیلن(ذ) کو فریب دیکر اپنے ساتھ تروا لے جاتا ہے۔ اس عورت کی خاطر تروا کی دس سالہ جنگ

ا. آتش پرستوں کے مذہبی رہنما ب. Homere ج. Iliade د. Troie
ہ. Paris و. Menelas ذ. Helene

Marfat.com

کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آرگوس(ا) کا بادشاہ آگامنون(ب) آشیل(ج) نامی نامور پہلوان سے ایک جنگی اسیر لڑکی کو چھین لیتا ہے۔ یہ بات پہلوان اور بادشاہ کے درمیان شدید رقابت اور مخاصمت کا بیج بوتی ہے جو یونانی فوج کے لئے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ زیادہ تر دشمنیوں اور جنگوں محرکات کا تعلق عورت اور محبت سے ہے، لیکن شاہنامہ میں بیشتر جنگوں کے محرکات فخر و افتخار، آزادی سے عشق اور انتقامی جذبات ہیں۔ یہ ایرج کا کینہ اور سیاؤش کا خون ہے جو اہل ایران کو تورانیوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ افتخار کا جذبہ اور شہرت طلبی کا احساس ہے جو رستم اور اسفندیار کو ایک دوسرے کا مد مقابل بنا دیتا ہے۔ ناموری کی خواہش اور شہرت کی تمنا ہی نے اسفندیار کو ایک نہ ختم ہونے والی ہولناک جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کیا۔ اس جنگ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا جو جذبہ رستم کے اندر پیدا ہوا وہ بدنامی اور رسوائی کا خوف ہے۔ اسی طرح رستم و سہراب کی دردناک داستان کا الم ناک انجام بھی احساس افتخار اور جذبۂ انتقام کا نتیجہ ہے۔ اس میں محبت یا عورت کی کمزوری کا دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہنامہ میں دلاوروں کی شجاعت و عظمت کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

شاہنامہ کے جری پہلوان اپنی ہمت و طاقت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے زور بازو پر بھروسہ ہے لیکن ایلیڈ میں ایسا نہیں ہے۔ ہر پہلوان کسی نہ کسی دیوتا یا خدا پر انحصار کرتا ہے اور شکست و کامیابی کو انکی حمایت و نصرت پر محمول کرتا ہے۔ جیسا کہ دیوتاؤں کی ماں تتیس (د) اپنی تمام عقل و آگہی و قوت پریام (ھ) خاندان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں کی محفل میں ہیبت ناک

ا. Argos ب. Agamemnon ج. Aschyle د. Thetis ھ. Priam

Marfat.com

دیوتا زئوس(۱) کے ساتھ جنگ و جدال پر اتر آتی ہے۔ بے شک اسی حلیہ ساز دیوتا کی پر ہیبت اور وحشتناک طاقت کی وجہ سے تروا کا سقوط اور پریام خاندان کی بربادی امکان پذیر ہوتی ہے' اور پھر آشیل اپنی تمام تر شجاعت اور قوت کے باوجود دیوتاؤں کی خواہشات کی تکمیل کیلئے محض ایک آلہ کار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دیوتاؤں کا جنگ میں اس حد تک عمل دخل ایلیڈ کے ناموروں کی حیثیت کو کم کر دینے کے مترادف ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایلیڈ کے دیوتاؤں کے عادات و خصائل انسانوں جیسے ہیں۔ وہ اکثر مواقع پر بالکل انہیں جذبات و خواہشات کا اظہار کرتے ہیں جو بنی نوع آدم کے لئے مخصوص ہیں یہاں تک کہ جب زئوس اعظم ایک مرتبہ اپنے آپ کو انسانی سطح تک نیچے گرا کر اس کے کاموں میں دخل اندازی کرتا ہے تو اس میں وہی ناتوانی اور بے بسی دیکھنے میں آتی ہے جو انسانی سرشت کا خاصہ ہے۔ ایک موقع پر جبکہ تمام دیوتا محو خواب ہیں وہ مسائل کے حل کی فکر میں بے خوابی کے کرب میں مبتلا نظر آتا ہے۔ دوسری جگہ جب دیوتا مے نوشی کرتے ہوئے میدان جنگ کا نظارہ کر رہے ہوتے ہیں وہ اپنا سر اپنی بیوی کے سر کے ساتھ لگا لیتا ہے۔ غرض کہ ایلیڈ کے دیوتا ایسے انسان ہیں جو عام انسانوں سے زیادہ طاقتور' زیادہ خوبصورت اور زیادہ پر عظمت ہیں لیکن ایک عام اور کمزور انسان کی طرح اپنے احساسات و احوال سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں خور و خواب اور غصہ و شہوت کے خصائل موجود ہیں۔ وہ زندہ جاوید ہیں لیکن رنج و تکلیف سے محفوظ نہیں۔ شاید زخمی بھی ہوتے ہیں۔ وہ دونوں برسرپیکر گروہوں میں شامل ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدال کرتے ہیں۔ ان دیوتاؤں کی جماعت پر زئوس کی جابرانہ حکمرانی ہے۔ مجموعی طور پر یہ دیوتا بسا

۱. Zeus

Marfat.com

اوقات ظالم اور کبھی کبھار تو غدار اور حیلہ ساز بھی نظر آتے ہیں ۔ بعض موقع پر غیر مہذب ' درشت اور تند مزاج ہیں۔ ان میں سے اکثر نیکی اور اخلاق کے میدان میں نامور انسانوں سے فروتر ہیں۔

لیکن شاہنامہ میں مافوق الفطرت قوتوں کا اثر و رسوخ ایلیڈ کی حد تک نہیں ہے۔ صرف سیمرغ کا وجود ایسا ہے جو کسی حد تک حیرت انگیز ہے۔ زال اور رستم کی سرگذشت میں اس پر اسرار غیر انسانی وجود کی دخل اندازی قابل غور ہے۔ اسے پوشیدہ باتوں کا علم ہے۔ اس کا افسون و اعجاز جنگ اسفند یار میں رستم کو کامیابی عطا کرتا ہے۔ داستان سہراب میں بھی مافوق الفطرت طاقت کی مداخلت عیاں ہے لیکن اس حد تک محسوس نہیں ہوتی۔

بعض جنگوں میں دیو اور جادوگر جو انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی طاقت و قوت کے مالک ہیں رستم یا اسفند یار کے مقابلے میں آتے ہیں لیکن طینت و سرشت کے لحاظ سے ان کے اعمال انسانی اعمال سے مختلف نہیں۔ اس کے باوجود اس نوع کے عناصر کی دخل اندازی ' شاہنامہ میں شاذ و نادر ہی ہے جبکہ ایلیڈ میں واقعات کا اہم محور دیوتاؤں اور خداؤں کا عزم و ارادہ ہے۔ در اصل ایلیڈ میں ما فوق الفطرت عناصر خود سٹیج پر آتے ہیں لیکن شاہنامہ میں صرف ان کا ایک مبہم اور تاریک سایہ ہے جو سٹیج کے پس منظر سے گذر جاتا ہے۔

اگرچہ ایلیڈ کے ناموروں میں بعض انسانی صفات و عادات موجود ہیں لیکن بسا اوقات ان کے انداز و اطوار میں ایک خاص قسم کی درشتی اور سادگی پائی جاتی ہے۔ ان میں ایسی شہوت پرستی اور پست خواہشات پائی جاتی ہیں جن کو چھپانا ان کے لیے ممکن نہیں۔ وہ ضد و نقیض اور تضادات کے پتلے ہیں۔ کبھی تو وہ آزاد' دلیر اور جری دکھائی دیتے ہیں اور کبھی

Marfat.com

نہایت حقیر و ذلیل، خود غرض اور ہوس پرست - لیکن شاہنامہ کے ہیرو صحیح معنوں میں ہیرو ہیں - شدید خواہشات اور بے پایاں جذبات ان کے محرکات ہیں جن میں رفعت بھی ہے -جذبۂ افتخار و انتقام، وطن و ملت سے شدید وابستگی اور دین و مذہب کا عشق انہیں جنگ پر آمادہ کرتا ہے - ان کے تمام انداز و اطوار میں زندگی سے ایک شدید لگاؤ کا احساس ہوتا ہے- باوجود اس کے کہ رستم ہر وقت دشمن کی تاک میں ہوتا ہے وہ بیاباں نوردی بھی کرتا ہے اور عیش وعشرت کے لمحات سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے - حتی کہ ہفت خوان کے ہولناک مراحل میں بھی چند لمحے جادوگر عورت کی رفاقت میں گذارتا ہے - سہراب بھی ہومان کی نصیحت پر جنگجو لڑکی کے عشق سے اس لئے دامن کشاں گذر جاتا ہے تاکہ میدان کار زار میں عشق و لذت پرستی پر ناموری اور افتخار کا جذبہ حاوی رہے - اس کے برعکس ایلیڈ کے جنگوؤں کو عیش و عشرت کا بہت کم خیال آتا ہے- ایام جنگ میں جب پاریس، ہیلن سے ہمکنار ہونے کو ترجیح دیتا ہے، سب آسے تن آسانی اور بے حمیتی کا طعنہ دیتے ہیں - ایلیڈ کے اکثر پہلوان ایک لمحہ کے لیے بھی عیش و عشرت اور نغمہ و سرور کو روا نہیں رکھتے - ہکٹر (ا) جب معمر لوگوں اور عورتوں سے التماس دعا اور برکت کے لئے تروا جاتا ہے تو نہ صرف قصر پریام میں ماں کی طرف سے پیش کی جانے والی شراب کو پینے سے احتراز کرتا ہے بلکہ پاریس کے حرم سرا میں بھی ہیلن کی دعوت رامش و رنگ کو سرد مہری اور درشتی سے ٹھکرا دیتا ہے -

کہا جاتا ہے رزمیہ شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت حیرت وستایش کے احساس کو ابھارنا ہے - میرے خیال میں یہ صفت ایلیڈ کے مقابلے میں شاہنامے میں زیادہ مؤثر طور پر موجود ہے - ایلیڈ کے حوادث میں دیوتاؤں کی ہر جگہ

---

۱. Hector

Marfat.com

مداخلت کے باعث ' حیرت کا مقام نہیں آتا کیونکہ کوئی ایسا کام نہیں جو انکی طاقت سے باہر ہو لیکن شاہنامہ کے دلاوروں کے انداز و اطوار ہمارے لئے باعث ستائش و استعجاب ہیں۔ کیونکہ یہ انداز و اطوار ایسے لوگوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جو ہماری طرح انسانی کمزوریوں اور محدود صلاحیت کے مالک ہیں - اس طرح شاہنامہ میں دلاوروں کی شجاعت اور عظمت ایلیڈ کی نسبت زیادہ نمایاں ہے - یہ بات اس چیز کی عکاسی کرتی ہے کہ شاہنامہ میں ایلیڈ کے مقابلے میں رزمیہ روح زیادہ قوی ہے اور اس بات کی ایک حد تک جرمنی کے شاعر اور نقاد روکرٹ (ا) نے بھی تصدیق کی ہے۔

داستان رستم و سہراب شاہنامہ کا سب سے زیادہ ہیجان انگیز حصہ ہے تقدیر کے سامنے انسان کی بے بسی اور بے چارگی کو جس طرح اس داستان میں باپ اور بیٹے کے درمیان جنگ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی دنیا کی اکثر قوموں کے ادب میں ایسا واقعہ یا اس سے ملتا جلتا واقعہ موجود ہے لیکن کوئی داستان بھی اس حد تک ہیجان انگیز اور پر کشش نہیں ہے۔

سوفوکل(ب) کے ڈرامے ادیپوس(ج) میں ایک ایسے شخص کی دکھ بھری کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو انجانے میں اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے اور ماں کو بیوی بنا لیتا ہے اور تمام احتیاطوں اور دور اندیشیوں کے باوجود اس نوشتۂ تقدیر سے نہ بچ سکا جسے کاہن اور دیوتا پہلے سے جانتے تھے۔ '' عہد عتیق '' کی یفتاح کی داستان بھی جس نے عمونیوں کے ساتھ جنگ کے دوران منت مانی تھی کہ کامیابی کی صورت میں وہ اپنے استقبال کے لئے آنے والے سب سے پہلے شخص کو دیوتا کی بھینٹ چڑھائے گا ایسی ہی ہے کیونکہ اتفاق سے سب سے پہلے استقبال کو آنے والی اس کی اپنی بیٹی تھی - یہ صحیح ہے کہ یہ داستان ایک یونانی قصے ایفی گنی(د) سے مشابہ ہے لیکن اس داستان

ا. Ruckert ب. Sophocle ج. Oedipus د. Iphigenie

Marfat.com

میں یونانی داستان کی نسبت تقدیر کے سامنے انسان کی بے بسی اور ناتوانی کو زیادہ مؤثر طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ اپنے بیٹے کے ساتھ دست بدست لڑائی کرنے والے جرمن پہلوان ہیلڈ برانڈ (ا) کی ادھوری حکایت اور آئرلینڈ کی باستانی داستان کوہولین (ب) بھی اسی نوعیت کی ہیں۔ لیکن تقدیر کی ایسی وحشتناک قوت جس نے بیٹے کو باپ کے ہاتھوں قتل کرایا ایک ایسا الم ناک باب ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی اور یہی وجہ ہے کہ بعض نقادوں نے فردوسی کی اس تصنیف کو کبھی ایک عظیم شاہکار کا نام دیا ہے تو کبھی اسے یونان کے عظیم ترین المیوں کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اگر فردوسی کی اس داستان کا معاصر انگریز شاعر میتھیو آرنلڈ کی اسی نوعیت کی داستان سے تقابل کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خالق رستم نے اس داستان کی تصنیف میں ہنر کی کن بلندیوں کو چھوا ہے (۶)

شاہنامہ کے علاوہ چند قطعے اور غزلیں بھی فردوسی سے منسوب کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض لطیف اور عمدہ ہیں۔ یوسف و زلیخا کی مثنوی بھی اس سے منسوب کی گئی ہے جو یقیناً کسی اور شاعر کی ہے جو فردوسی کے انتقال کے سو سال بعد حیات تھا اور طغانشاہ بن آلپ ارسلان کا ہم عصر تھا۔

ا۔ Hilde brbslieb ب۔ Cocholin

Marfat.com

تصریحات

(۱) مرد برتر Uhermensch اور اس بارے میں نطشے کی رائے کے لئے ملاحظہ ہو : سیر حکمت در اروپا ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۲۳ ۔ قدیم یونانی اساطیر کے مطابق تیتان ، اورانوس کے بیٹے تھے جنہوں نے دیوتاؤں کے خلاف بغاوت کردی تھی ۔

(۲) ادب عالیہ اور اس بارے میں لونگینوس کی رائے کے لئے ملاحظہ ہو : مقالۂ مؤلف در مجلہ " یغما ، سال ۷ ، صفحہ ۲۲۸-۲۳۴

(۳) ایجاز بلاغت کی کتابوں میں ما فی‌الضمیر کو قلیل الفاظ میں بیان کرنے کو کہتے ہیں اور اطناب ما فی‌الضمیر کو کثیر الفاظ میں بیان کرنے کو کہتے ہیں ۔ البتہ قلیل اور کثیر کی یہ تعبیر نسبتی ہے لیکن بہر حال ایجاز کسی چیز کو حذف یا مختصر کر کے حاصل ہو سکتا ہے ۔ اس سلسلے میں تحقیق کے لئے بلاغت کی کتابیں ملاحظہ ہوں مثلاً مفتاح‌العلوم سکاکی، اشاعت مصر ، ۱۹۳۷ صفحہ ۱۳۳-۱۳۷

(۴) فارسال Pharsale پہلی صدی عیسوی کے رومی شاعر لوکن Lucain کی رزمیہ نظم ہے جس میں شاعر نے سیزر Cesar اور پمپی Pompee کے درمیان جنگ و جدال کی داستان کو منظوم کیا ہے ۔

(۵) حماسہ (رزمیہ) سے جو معنی آج مراد لئے جاتے ہیں انہیں جاننے کے لئے ملاحظہ ہو : فن شعر ارسطو ، ترجمہ مؤلف ، اشاعت اول ، صفحہ ۳۱ - ۳۲ ، ۹۵ - ۱۰۴

(۶) سہراب اور رستم کی داستان جسے میتھیو آرنلڈ نے انگریزی میں منظوم

Marfat.com

کیا ہے، کو منوچہر اسیری نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ داستان فردوسی کے ساتھ اس نظم کے تقابل اور فردوسی کی برتری کی وجوہات کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو: مقالہ مؤلف در مجلہ یغما۔ سال ۷، صفحہ ۳۷۱ - ۳۶۷

Marfat.com

Marfat.com

فرخی

سیستان کا ایک شاعر

آج کا نوجوان طالب علم جب فرخی کا دیوان ہاتھ میں لیتا ہے تو اس کے نام اور شہرت سے جو ماضی میں اس سیستانی شاعر کو نصیب ہوئی حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ فرخی کے اس قدیم دیوان میں آج کے شعری ذوق رکھنے والے نوجوانوں کے قلب و ذہن کی تسکین کا کچھ زیادہ سامان نہیں ہے البتہ مظاہر فطرت، باغ و بہار اور گل و سبزہ کا ذکر فراوانی سے ملتا ہے۔ گل و سبزہ میں ڈوبی یہ ساری بہاریں اور مناظر فطرت جن میں پرندوں کی چہچہاہٹ اور عاشقوں کی مسکراہٹ کے علاوہ کچھ اور نہیں بے نام و عنوان ہیں۔ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ فرخی نے ان بہاروں کو کہاں دیکھا اور ان بہاروں نے اس کے جسم و روح کے کن تاروں کو چھیڑا اور کیسا اضطراب پیدا کیا۔ یہ صحیح ہے کہ شاعر نے اپنی غزلوں میں عشقیہ مضامین بھی بیان کئے ہیں اور اپنے عشق پیشہ ہرجائی دل کو ملامت بھی کرتا ہے لیکن یہ عشق اپنی ذات میں عشق نہیں ایک طرح کی بیماری ہے۔ امرد لڑکوں اور عیار سپاہی سے عشق نے فرخی کی طرح اور بھی بہت سے قدیم شعراء کے دواوین کو خراب کیا ہے۔ بہر حال ان چند موضوعات کے علاوہ اس کے مشہور و معروف دیوان میں کوئی اور قابل ذکر چیز نہیں۔ اس کے باوجود قدیم اور کلاسیکی شاعری سے شغف رکھنے والوں کے لئے اس میں جو چیز قابل تحسین ہے وہ اس کے کلام کی شیرینی، روانی اور سہل ممتنع ہے۔ سادہ الفاظ اور

Marfat.com

خوبصورت معانی میں موجود لطیف و دلنواز موسیقیت کے باعث اس کا کلام ہمیشہ امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ دھوپ چھاؤں کے اس حسین امتزاج نے اس کے شعر کو ابریشم کی طرح نرم و نازک کردیا ہے جس سے اس کی سختی اور جزالت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسا ابریشم جو شاعر کے جان و دل کے نہاں خانوں میں بنا گیا ہو اور جس کو شاعر کی سادہ زبان نے سیستانی نقش و نگار سے سنوارا ہو اور جس کا احساس خود شاعر کو بھی ہے :-

با کاروان حلہ برفتم ز سیستان　　　　با حلۂ تنیدہ ز دل بافتہ ز جان

ترجمہ :- میں کپڑے کے کاروان کے ساتھ سیستان سے روانہ ہوا۔ ایسا کپڑا جس کو دل نے تانا اور جان نے بنا ہو۔

با حلہ ای بریشم ترکیب او سخن　　　　بحلہیی نگار گر نقش او زبان

ترجمہ :- ایسا ریشمی کپڑا جس کے تار و پود شعر سے بنائے گئے ہوں اور جس کو زبان کے نقش و نگار نے آراستہ کیا ہو۔

فرخی ایک دن اپنی اس متاع جان پرور کے ساتھ بغیر کسی سرمائے کے کپڑے کے تاجروں کے ایک کاروان کے ہمراہ ہوگیا جو ما وراءالنہر کی طرف عازم سفر تھا۔ سیستان کے اس شاعر علی بن جولوغ نے جو بعد میں ابوالحسن کے نام سے مشہور ہوا اپنے شہر و دیار سے دل برداشتہ ہو کر چغانیاں کا رخ کیا وہ شاعر تھا اور شاعری سے قطع نظر خوش آواز بھی تھا اور ساز بجانا بھی جانتا تھا۔ اس متاع ہنر کے ساتھ وہ اپنے شہر سے نکلا تا کہ اس غربت و افلاس سے جو اس کی ازدواجی زندگی کے اوائل ہی سے اس کے لئے باعث پریشانی رہا نجات پا سکے۔ اسے کسی ایسے ممدوح کی تلاش تھی جو اس کے فن کا پرستار ہو اور اس کے سابقہ مالک سیستانی زمیندار کی طرح سخاوت و بخشش میں اس کو خود اپنی غربت و تنگدستی کا خوف نہ ہو۔ وہ دریائے جیحون کے اس پار چغانیاں کی طرف روانہ ہوا جو کسی زمانے میں قدیم بودائیوں اور ہفتالیوں کا مرکز تھا لیکن وہاں کے لوگ اس زمانے میں آبادی

Marfat.com

اور زرخیز زمین کے باوجود تنگدستی کی زندگی گذار رہے تھے ۔ چغانیاں کا امیر، امیرابوالمظفر جو آل محتاج سے تعلق رکھتا تھا علم دوستی اور فن کی قدردانی کے لئے بہت مشہور تھا ۔ فرخی سے پہلے دقیقی بھی ایک عرصہ تک اس کے دربار سے وابستہ رہ چکا تھا اور اس کی نوازشات سے مستفید ہوا تھا ۔ فرخی کے چغانیاں آنے سے پہلے کے حالات کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں ۔ روایات کے مطابق وہ شروع میں سیستان کے کسی زمیندار کے پاس ملازم تھا ۔ لیکن جب اس نے خلف بن احمد کی آزاد کردہ کنیز سے شادی کر لی تو اس کے اخرجات میں اضافہ ہو گیا ۔ زمیندار کی طرف سے اس کو دو سو کیل غلہ اور ایک سو چاندی کے درہم ملتے تھے جو اس کے اخراجات کی نسبت بہت کم تھے ۔ وہ گشایش رزق کی خاطر سیستان سے نکلا اور ماوراءالنہر کی طرف روانہ ہوا ۔

فرخی کی امیر چغانیاں کے دربار میں آمد کی داستان چہار مقالہ میں مذکور ہے ۔ یہ غالباً ۴۰۵ھ یا ۴۰۶ھ کا زمانہ تھا ۔ اگر چہار مقالہ کی اس روایت میں اس مبالغہ آمیزی کا رنگ نہ ہو جو اس کتاب کا مصنف زیب داستان کے لئے روا رکھتا ہے تو اس سیستانی شاعر کو اس قصیدہ پر جو اس نے امیر کی داغگاہ کی تعریف میں لکھا توقع سے زیادہ صلہ ملا(۱) اس کے باوجود اس دربار میں اس کا قیام مختصر رہا ۔ فرخی نے اس سے بھی زیادہ انعام و اکرام کے حصول کے لئے غزنہ کا رخ کیا ۔

دربار غزنہ ۔ یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کا دربار اس زمانے میں بہت مشہور تھا ۔ یہ شاعروں، مصاحبوں، محرروں، امیروں اور بذلہ سنجوں کا مرکز تھا ۔ بادشاہ نے اپنے اوقات کو بزم و رزم میں تقسیم کر رکھا تھا اور اس نے اپنے محل کے دروازے ایسے تمام لوگوں کے لیے کھول رکھے تھے

Marfat.com

جو شہرت و ناموری کی خاطر ہر قسم کی ذلت و رسوائی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے - یہ صحیح ہے کہ اس کی مجالس میں دین اور خلفائے اسلام کا نام عزت و حرمت سے لیا جاتا تھا لیکن یہ سب الفاظ کی حیلہ گری تھی اور اس کے پس پردہ حصول عشرت اور جاہ طلبی کی خواہش تھی - بادشاہ خود کچھ عرصہ تک حنفی مسلک اور کچھ عرصہ تک شافعی مسلک کا حامی رہا - کبھی کرامتیوں کا خیر خواہ ہوتا اور کبھی اشعریوں کی طرف راغب نظر آتا - کبھی خلیفہ عباسی کی خوشنودی کے لئے فاطمیوں کے ایلچی کو قتل کرا دیتا اور کبھی طاقت کے استحکام اور مال و دولت کی خاطر مرتدین کی دولت و املاک ضبط کر لیتا اور کبھی قرمطیوں کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا - لیکن ان تمام کاموں میں اس کا مقصد سلطنت کی توسیع اور ذاتی شہرت حاصل کرنا تھا - صوفیائے کرام کے قصوں میں متذکرہ واقعات کے برعکس مذہب، اخلاق، نیکی اور پارسائی نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا - وہ شراب اور امرد پرستی کا دلدادہ تھا - شاعروں کی مبالغہ آرائی اور بذلہ سنجوں کی خوش کن باتوں سے وہ بے حد محظوظ ہوتا تھا - جب میگساری کی محفل جمتی تو کئی کئی دن تک جاری رہتی - مے خواری کے دوران مصاحبوں اور امیروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھائے رکھتا - اس کی مجالس کے کمسن خوبرو ملازم نہ صرف سلطان کی نگاہ ہوس کے لئے وجہ تسکین تھے بلکہ حاضرین محفل پر بھی بے خودی سی طاری رہتی تھی - ایک مرتبہ جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا ہے سلطان رشک و حسد کے عالم میں اپنے بھائی امیر یوسف کو طغرل نامی ایک خوبصورت غلام کی خاطر شدید نقصان پہنچانا چاہتا تھا (۲) ایک موقع پر ایک غلام کی خاطر اپنے وزیر ابوالعباس اسفراینی کو طرح طرح سے پریشان کیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا (۳) مے خواری اور امرد پرستی میں امراء اور وزراء بھی بادشاہ کی تقلید کرتے تھے اور پورے

Marfat.com

غزنہ میں زندگی کا یہی انداز تھا ۔ جب عیش و طرب کی یہ محفلیں اختتام پذیر ہوتیں تو سلطان جس کا وجود ایک مقدس آتش شوق سے گرم تھا ہندؤں کے ساتھ نبرد آزمائی کے لئے آٹھ کھڑا ہوتا ۔ اس کا عظیم لشکر غارتگروں ، قاتلوں اور رضا کاروں پر مشتمل ہوتا ان کے علاوہ شاعروں، ندیموں، غلاموں اور ہر قسم کے جاہ طلب لوگوں کا بھی جم غفیر ہوتا اور جہاد کے نام پر سندھ اور ہند کی راہ لیتا ۔ یہ خونیں معرکے جو مقدس اور عین ثواب سمجھے جاتے تھے ، ہندوستان کے بت خانوں کو ان کی متاع دیرینہ سے خالی کرتے اور ہندوں کے دلوں میں اسلام کے لئے نا خوشگوار جذبات پیدا کرتے ۔ اس بے پناہ مال غنیمت سے جو ہر سال ہندوستان کی غارتگری سے ہاتھ آتا غزنہ آباد تر ہوتا رہا اور سلطان اپنی داستانوی سخاوتوں کے لئے مشہور ہوتا گیا ۔ ان دوردراز مسافتوں میں شہرت کے طالب امراء کے علاوہ خوشامدی اور قصہ خوان بھی اس کے ہمراہ ہوتے کیونکہ سلطان بھی قدیم ہند کے نامور فاتح اسکندر کی طرح خوشامدیوں کی مبالغہ آرائی سے خوش ہوتا اور بیش بہا معاوضہ ادا کرتا تھا ۔

بزم و رزم کے ان ہنگاموں میں فرخی جیسا سادہ لوح اور دنیا پرست شاعر جو شہرت و زر کی طلب میں غزنی آیا تھا اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کے کلام میں اس ماحول کی عکسی زیادہ تعجب خیز نہیں ہے ۔ در حقیقت اس کے اشعار سے نہ صرف شاہانہ محفلوں کی کیفیت معلوم ہوتی ہے بلکہ امراء اور وزراء کے مابین سازشوں اور ان کی زندگی کے نشیب و فراز کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ جب تک ایک امیر یا وزیر بادشاہ کا منظور نظر رہتا ہے شاعر اس کی مدح و ستایش کرتا ہے ۔ جیسے ہی وہ قدر و منزلت کو کھو دیتا ہے شاعر بھی اسے بھول جاتا ہے ۔ اس کے قصاید میں شاہانہ عیش و نشاط کی محفلوں، امرد پرستی ، سیر و شکار اور مختلف جنگوں

Marfat.com

کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے اشعار سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ شاعر نہ صرف اس کی بزم نشاط میں شعر پڑھتا اور کبھی کبھار ساز بھی بجاتا تھا بلکہ انعام و اکرام کی آرزو میں سیر و شکار اور جنگی معرکوں میں بھی غبار راہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ان صحبتوں میں کبھی انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرتا تو کبھی غیض و غضب کا شکار ہوتا۔ جب کبھی فیلبانی کا عہدہ عطا ہوتا تو خلعت و انعام سے نوازا جاتا تھا۔ کبھی سر بلندی اور کبھی رسوائی کی اس کیفیت میں وہ غزنی کے دربار میں زندگی گزارتا رہا۔ یہ سارے واقعات اس کے اشعار کی زینت ہیں اور ان میں سب سے نمایاں احساس خوش‌دلی خوش وقتی اور خوش حالی کا ہے جو اس دور کے ماحول کا ترجمان ہے۔ فرخی نے ان تمام واقعات کو کمال ہنرمندی کے ساتھ نہایت لطیف اور شیریں انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری اس سے ناخوش ہونے کے باوجود داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس زمانے میں غزنہ کے دربار میں قصیدہ کا زیادہ رواج تھا۔ قصیدہ‌گو شعراء جنگی معرکوں میں بھی سلطان کے ہم رکاب رہتے۔ اور اس کی کشورکشائی اور شان میں قصیدے لکھتے اور گراں قدر صلہ پاتے۔ اس چاپلوسی اور خوشامد کی فضا میں سلطان محمود قدیم پہلوانوں اور شاہنامۂ فردوسی کے دلاوروں کو جن کی شجاعت اور دلاوری کے بیان میں فردوسی نے برسوں دماغ سوزی کی کیا سمجھتا؟ ان کے مقابلے میں وہ اپنی مبالغہ آمیز تعریف سن کر خوش ہوتا اور انہیں حقیر سمجھتا۔ یہ ستایشگر محمود سے شہرت و زر کے طالب تھے لیکن محمود نے فردوسی کو اپنے خیال میں شاہنامہ کے دلاوروں کے حوالے کر دیا تھا تاکہ وہ ان بے نام و نشان مردوں سے جن کی تعریف و توصیف میں اس نے اپنی ساری عمر گنوا دی انعام و اکرام حاصل کرے۔ سلطان صرف اپنی مدح و ستایش کرنے والوں کو نوازتا تھا۔ فرخی بھی دوسرے شاعروں کی

Marfat.com

طرح اس نکتہ سے خوب اچھی طرح آگاہ تھا - وہ اپنے نام و شہرت کو دوسرے بادشاہوں کے قلمرو سلطنت تک پھیلانے کا متمنی تھا اور شاید اسی نام و شہرت کو اپنے جہاں طلب لشکر کا ہراول دستہ سمجھتا تھا - وہ قصیدہ گو شاعروں کی مبالغہ آمیزیوں سے محظوظ ہوتا اور مدح خوانوں کی تعریف سے اس کا دل لذت و غرور سے سرشار رہتا - یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں شاعروں کی اس قدر گرم بازاری تھی کہ صدیوں بعد بھی عنصری اور فرخی کی امارت اور ان کے مال و اسباب پر لوگ رشک کرتے اور اس دور کو حسرت و تاسف سے یاد کرتے -

اکثر شعراء ان قصاید کا آغاز مظاہر فطرت مثلاً بہار و خزاں ، صبح و شام اور ابر و باد کے ذکر سے کرتے - اس کے بعد کسی مناسبت سے بادشاہ یا اس کے کسی وزیر یا امیر کا ذکر آتا اور پھر اپنے ممدوح کی بڑائی اور بخششوں کو یاد کرتے اور پھر اس کے بخت و دولت ، علم و دانش اورشجاعت و دلیری کے بیان میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے - آخر میں اس کو دعا دیتے ایسی دعا جس میں ذاتی خواہشوں اور تمناؤں کی آمیزش ہوتی - وہ کبھی صراحت کے ساتھ اور کبھی اشارہ و کنایہ سے صلہ و بخشش کے طلبگار ہوتے - کبھی کبھی قصیدہ کا آغاز تشبیب کے بغیر ممدوح کی توصیف و تمجید سے ہوتا اور ایسا عموماً اس وقت ہوتا جب کسی مشہور جنگ میں بادشاہ کی فتح کا ذکر یا ممدوح سے متعلق کسی موت و حیات کے اہم واقعہ کو بیان کرنا مقصود ہوتا کبھی کبھی اس کا آغاز عشق و عاشقی کی کیفیات، مئے و مینا اور بادہ نوشوں کی محفلوں کی تعریف و توصیف سے شروع ہوتا - قصیدہ کا آغاز جیسے بھی ہوتا اس کا اختتام ممدوح کی تمجید و تعریف اور اس کے تخت و بخت کی پائیداری کی دعا پر ختم ہوتا - ان قصاید میں اخلاقی و اجتماعی مسائل کا شاذ و نادر ہی ذکر ہوتا لیکن اس معاملہ میں شاعروں کو موردالزام نہیں

Marfat.com

ٹھہرایا جا سکتا ۔ کیونکہ اس زمانے میں اہل کمال اور اہل فن کی سرپرستی و قدردانی بادشاہوں اور امیروں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تھا ۔ عوام ان کی سرپرستی کرنے سے قاصر تھے ۔ اس زمانے میں شاعری کسب معاش کا ایک ذریعہ بھی تھی ۔ یہ قصاید معنی و مفہوم کے لحاظ سے زیادہ اہم نہ سہی لیکن اپنی سلاست اور روانی کے لحاظ سے فارسی شاعری کی معراج ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصائد فارسی اسلوب و بیان کے بہترین نمونے اور تاریخی نقطہ نظر سے اس زمانے کے اجتماعی حالات کے ترجمان بھی ہیں ۔ اس ضمن میں فرخی کا دیوان بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ اس زمانے کے معاشرتی حالات اور ماحول کو سمجھنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے ۔

فرخی نے محمود کے دربار میں کم و بیش بیس سال کا عرصہ گذارا ۔ وہ سفر و حضر میں بادشاہ اور امرا کے ساتھ رہا ۔ جب محمود نے داعی اجل کو لبیک کہا تو فرخی کے لئے یہ صدمہ بہت ہی جانکاہ ثابت ہوا ۔ سلطان کی وفات سے اسے یوں محسوس ہوا تھا گویا اس کی تمام آرزوئیں ، تمنائیں اور مسرتیں دم توڑ گئی ہوں ۔ جیسے غزنہ نے اپنی تمام دل آرائیوں اور دلفریبیوں کو کھو دیا ہو ۔ گویا ہر چیز ختم ہوکر رہ گئی ہو ۔ فرخی نے سلطان محمود کی موت پر جو مرثیہ لکھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ درد نا آشنا شاعر بالآخر حقیقی درد و الم سے روشناس ہو گیا ۔

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار
چہ فتادست کہ امسال دگرگون شد کار

ترجمہ :- شہر غزنہ وہ نہیں ہے جو میں نے گذشتہ سال دیکھا تھا آخر کیا افتاد آن پڑی کہ اس سال بالکل بدل کر رہ گیا ہے ۔

کویہا بینم پر شورش و سرتا سر کوی
ہمہ پر جوشش و جوشش ہمہ از خیل سوار

Marfat.com

ترجمہ :- ہر سو گلی گلی ایک ہنگامہ برپا ہے - اور یہ سارا شور و غل سوار دستوں کی آمد و رفت کے باعث ہے -

سہتران بینم بر روی زنان همچو زنان
چشم ها کرده ز خونابه برنگ گلنار

ترجمہ :- میں سرداروں اور امیروں کو دیکھ رہا ہوں کہ عورتوں کی طرح اپنا منہ نوچ رہے ہیں - آنکھیں خون کے آنسوؤں سے گلنار رنگ ہو رہی ہیں -

ملک امسال مگر باز نیامد ز غزا
دشمنی روی نهاده است درین شهر و دیار

ترجمہ :- شاید اس سال بادشاہ جنگ سے واپس نہیں لوٹا - اس شہر و دیار کو دشمنوں نے گھیر لیا ہے -

خیز شاها که رسولان شهان آمده اند
هدیه ها دارند آورده فراوان و نثار

ترجمہ :- اے بادشاہ اٹھو کہ بادشاہوں کے قاصد تمہاری خدمت میں بے شمار تحائف لیکر حاضر ہوئے ہیں -

که تواند که بر انگیزد زین خواب ترا
خفتنی خفتی کز خواب نگردی بیدار

ترجمہ :- لیکن اس نیند سے تمہیں کون جگا سکتا ہے - تم ایسی نیند سو گئے ہو کہ اب کبھی بیدار نہ ہو گے -

فرخی نے جس کے دل میں بخشش و انعام کی ہوس اب بھی باقی تھی سلطان کی موت کے بعد بھی غزنہ کو نہ چھوڑا - وہ اسی دربار سے وابستہ رہا اور شاعرانہ رسم کے مطابق محمد کے مختصر دور حکومت کی تعریف میں قصیدے لکھتا رہا اور پھر وہ مسعود غزنوی کے دربار سے منسلک ہو گیا جو محبوب

Marfat.com

و خطاؤں میں محمود کا جانشین تھا ۔ لیکن اس کے تدبر اور بردباری سے بالکل عاری تھا ۔ بیہقی کے قول کے مطابق خاندانی رقابتوں کے دوران بھی اس ظالم اور ضدی بادشاہ کا دربار سازشوں اور کینہ پروریوں کا مرکز تھا ۔ فرخی حسب سابق نام و شہرت کی فکر میں رہا ۔ آخر کار ۴۰۹ ھ میں سلجوقیوں کا غلبہ ہوا اور مسعود کا دور استبداد اختتام کو پہنچا ۔ فرخی اگرچہ ابھی جوان تھا لیکن ان بے اعتدالیوں کے باعث جو حصول طرب میں اس سے سرزد ہوئیں وہ اپنے آپ کو کمزور اور ناتواں محسوس کر رہا تھا ۔ پھر یوں ہوا کہ اچانک وہ روپوش ہو گیا ۔ کہاں اور کیسے ؟ یہ کوئی نہیں جانتا ۔ اس طرح فرخی بھی اس دربار کے بہت سے دوسرے شاعروں کی طرح خاموشی اور فراموشی کے بھنور میں گم ہو گیا ۔ کسی نے اس کا مرثیہ نہ لکھا اور اگر لکھا بھی تو منظر عام پر نہ آیا ۔ صرف ایک شاعر لبیبی نے جس پر عنصری کی زندگی فرخی کی موت سے زیادہ گراں تھی ایک قطعہ لکھا جو در اصل غزنہ کے بہت بڑے دربار کی شاعرانہ چپقلشوں اور رقابتوں کا آئینہ دار ہے ۔ اس کے باوجود اس قطعہ کو فرخی کا مرثیہ کہا جا سکتا ہے :

گر فرخی بمرد چرا عنصری نمرد پیری بماند دیر و جوانی برفت زود

ترجمہ :- اگر فرخی مر گیا تو عنصری کیوں نہ مرا ۔ ایک بوڑھا دیر تک زندہ رہا اور ایک جوان جلد اس دنیا سے رخصت ہوا ۔

فرزانہ ای برفت و ز رفتنش صد زیان دیوانہ ای بماند و زماندش ہیچ سود

ترجمہ :- ایک عاقل اس دنیا سے اٹھ گیا اور اس کے جانے سے سینکڑوں نقصان ہوئے ۔ ایک پاگل و دیوانہ زندہ رہا جبکہ اس کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔

فرخی کے شاعرانہ انداز کی ایک خوبی الفاظ کی چاشنی اور معانی کا گداز ہے اور انداز بیان کی اسی خوبی کو رودکی اور شہید نے بھی اپنایا تھا۔

Marfat.com

قصیدہ گوئی میں وہ کسی حد تک رودکی کے اسلوب نگارش کو پیش نظر رکھتا ہے۔ لیکن غزل میں وہ شہید کے طرز غزل کو اپناتا ہے۔ جس کی شیرینی اور اچھوتے پن کا وہ قائل تھا ۔ چونکہ رودکی اور شہید کے کلام کا معتدبہ حصہ ضائع ہو چکا ہے اور فرخی تعبیر و تاویل میں نئی راہوں کو اپنانے کی جو بے پناہ صلاحیت اور مہارت رکھتا ہے اس کے پیش نظر فرخی کے فکری ماخذوں کی تلاش ممکن نہیں اور فرخی کے اشعار میں رودکی اور شہیدی کے فکر و خیال اور اثر و انداز کی جستجو لا حاصل ہے۔ وہ اخذ و اثر پذیری میں اسقدر ماہر ہے کہ اس کے فکری سرچشموں کو غور و تامل کے بغیر تلاش نہیں کیا جا سکتا ۔ فرخی شہید اور رودکی سے کہیں زیادہ صنائع شعری کی طرف راغب ہے۔ لیکن اس صنعت کو اس طرح کام میں لاتا ہے کہ اس کے کلام میں تکلف و تصنع کا عنصر شاذ ہی نظر آتا ہے۔ اس کا بیان اس قدر سادہ اور سلیس ہے کہ پڑھنے والا اس کے مضمون و مفہوم کی پستی و رذالت کو بھول جاتا ہے۔ اس کے ایک قصیدہ میں گفتگو کا انداز کسی ڈرامے کے مکالمے کے مانند ہے۔ اسی کا نام سہل ممتنع ہے۔ کبھی کبھی اس کا کلام انتہائی سادگی اور روانی کی وجہ سے لطافت و نزاکت سے عاری نظر آتا ہے۔ یہی وہ انداز ہے جس کے باعث کلاسیکی شاعری کو پسند کرنے والے فرخی کے اشعار کی شیرینی اور سلاست کی تعریف کرتے ہیں، رشیدالدین وطواط نے اپنی کتاب حدائق السحرمیں لفظ و معنی کے لحاظ سے اس کے کلام کا عرب کے دو بہت بڑے شاعروں ابو فراس اور متنبی کے کلام سے موازنہ کیا ہے۔ (۴)

فرخی کا دیوان قصاید، چند تراکیب بند، کچھ غزلیات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی اور تصنیف دستیاب نہیں۔ نہ اس کی کتاب دولت نامہ جو اس نے سلطان محمود کی فتوحات کے سلسلہ میں منظوم کی باقی رہی اور نہ ترجمان البلاغہ جس کو رشیدالدین وطواط نے اس سے

Marfat.com

منسوب کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ترجمان البلاغہ جس کے متعلق خیال تھا کہ بالکل ناپید ہے گذشتہ چند سالوں میں دستیاب ہوگئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس کا مصنف فرخی نہیں بلکہ رادویانی ہے اورغلطی سے فرخی کے نام منسوب کر دی گئی تھی۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) چهار مقاله، مطبوعه لیدن، صفحه ۳۰-۳۶

(۲) تاریخ بیہقی، اشاعت فیاض، صفحه ۲۵۲-۵۳

(۳) آثار الوزراء، صفحه ۱۵۰

(۴) حدائق السحر، اشاعت عباس اقبال، صفحه ۸۷

Marfat.com

Marfat.com

منوچہری

شاعر فطرت

منوچہری کو شاعر فطرت کہنا چاہیے - اس حقیقت کا ثبوت اس کے دیوان سے ملتا ہے - اس کا بچپن دامغان میں گذرا جہاں چاروں طرف وسیع و بیکراں صحرا پھیلے ہوئے تھے اور شاید جوانی کے کچھ ایام اس نے بحیرہ کیسپین کے ساحلی علاقہ اور کوہ البرز کی وادیوں میں بسر کئے - اس ماحول کی تاثیر نے اسے فطرت سے عشق بخشا -

اسکی تخلیقات اس بارے میں خاموش ہیں کہ اسکا بچپن کیسے گذرا - تذکروں سے بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی لیکن وہ جوانی میں گرگان اور شاید طبرستان گیا - زیاریوں کے دربار سے وابستہ ہو گیا اور قابوس کے بیٹے منوچہر کے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص رکھا - یہ صحیح ہے کہ اس کے اشعار میں اس زیاری شہزادے کا نام آشکرا طور پر نہیں آیا ہے (۱) لیکن ان اشعار میں کیسپین کے ساحلی علاقے میں قیام کے بارے میں بعض نشانیاں اور اشارے ملتے ہیں - تذکرہ نگاروں نے بھی اس نکتہ کی وضاحت کی ہے - شاید جن دنوں مسعود اپنے باپ کی زندگی میں، عراق عجم (ا) میں مصروف جنگ و جدل تھے منوچہری کا اس سے رابطہ قائم ہوا - منوچہر بن قابوس کی وفات کے کئی سال بعد وہ رے گیا اور مسعود کے نامزد حاکم طاہر دبیر کی خدمت میں حاضر ہوا رے ہی سے اسے ہاتھی پر سوار ہو کر غزنی آنے کا حکم دیا گیا - اس طرح

ا. موجودہ ایران کے مرکزی علاقہ مثلاً اصفہان، قم وغیرہ

Marfat.com

منوچہری غزنی دربار سے منسلک ہو گیا (۲) لیکن اس کی آمد پرشاید دوسرے شاعروں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ معمر شعراء جنہیں بارگاہ سلطان میں قرب و مقام حاصل تھا اس نوجوان شاعر کو جذبۂ رقابت سے دیکھتے تھے۔ حاسدوں کے ستم کے خلاف اس نے بارہا داد و فریاد کی۔ ان سے تحفظ کی خاطر مجبوراً اسے عنصری کی مدح کرنی پڑی کیونکہ عنصری اگرچہ بوڑھا ہو چکا تھا لیکن سلطان کے دربار میں اسے بدستور فوقیت حاصل تھی اور سلطان مسعود اب بھی دوسروں کی نسبت اس پر زیادہ مہربان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے عنصری کی مقبولیت اور برتری کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ دشمنوں اور حاسدوں سے محفوظ رہنے کے لئے سلطان مسعود کے وزیر خواجہ احمد بن عبدالصمد اور ندیم خواجہ ابو سہل زوزنی کی ذات اس کے لئے پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی تھی

منوچہری نے اس طرح مسعود کے دربار میں اپنے لئے جگہ پیدا کی۔ تفریح، شکار اور عیش و نشاط سے بھر پور درباری زندگی اس کے لئے بڑی پرکشش تھی۔ اس دربار میں سرداروں، امیروں، اور دبیروں کی تعداد بہت تھی۔ اور سب کےسب بلخ سے غزنی اور نیشاپور سے گرگان کے درمیان ہر سفر میں مسعود کے ہمرکاب ہوتے۔ اکثر دوران سفر میں شاعر بھی دوسرے ہمراہیوں کی طرح موکب سلطانی سے بچھڑ جاتا اور دوبارہ اس تک پہنچنے کے لئے مجبوراً اسے پیدل ہی طویل راستہ طے کرنا پڑتا کیونکہ ندیموں اور دبیروں کی طرح شعراء بھی موکب سلطانی سے منسلک ہوتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دربار غزنی اپنی پہلی شان و شوکت کھو چکا تھا۔ گذشتہ رونقوں اور عظیم کارناموں کی بجائے اب زیر زمین خفیہ سازشوں کا دور دورہ تھا۔ وہاں تسخیر عالم کے صرف بلند بانگ دعوے تھے، نائے و نوش کی گرم بازای تھی اور عیش و نشاط کی خفیہ محفلیں جمتی تھیں۔ مسلسل جنگوں کے باعث گذشتہ زمانے کی وہ شجاعت و دلیری کا جذبہ باقی نہیں تھا۔

Marfat.com

محمود کی موت کے ساتھ دربار کی حالت دگرگوں ہو گئی تھی ۔ گردیزی کے قول کے مطابق گویا دنیا تباہی کی طرف جا رہی تھی ۔ پست و ذلیل قسم کے لوگ عزت دار بن گئے تھے اور قابل تعظیم لوگ ذلیل و خوار ہو رہے تھے (۳) محمود کے درباری سرداروں اور زعماء کے مقابلے میں جنہیں بیہقی نے '' اسلاف '' کہا ہے نودولتیے اور موقع پرستوں کی ایک تعداد نے ''اخلاف'' کا گروہ تشکیل دے رکھا تھا ۔ مسعود اپنی تمامتر خودسری اور استبداد کے باوجود ان کی فریب کاری اور غلط مشوروں کا شکار ہو رہا تھا ۔

عہد ماضی کی تمام آرزوئیں مر چکی تھیں ۔ اس کے باوجود لذت طلبی کی خواہش حسب دستور غزنی کے دربار میں عروج پر تھی ۔ ایام جوانی میں مسعود کو ہرات کے خشیخانہ والی خفیہ عیاشیوں کے مواقع حاصل نہیں تھے ۔ (۴) لیکن جب بھی اسے درباری ہنگاموں اور سازشوں سے فرصت ملتی وہ ضرور داد عیش دیتا ۔ اس کی یہ عیش و عشرت کی محفلیں اس کی جوانی کی عیاشیوں کی یاد تازہ کردیتیں ۔ ان محفلوں میں عیش و نشاط کی حکمرانی ہوتی لیکن بدبختی اور ذلت کا منحوس سایہ بھی ہر طرف اپنا پر پھیلائے ہوئے تھا ۔ وہ شیریں و شفاف شراب جو محمود کے درباریوں، شاعروں اور ندیموں کے لمحۂ عیش کو پر کیف بناتی تھی اب تلخ اور مکدر ہو چکی تھی ۔ ہر طرف بےاعتمادی نا امیدی اور تشویش کا دور دورہ تھا ۔ مسعود کی سرکش اور بہانہ جو عادت کے باعث کوئی بھی اپنے آپکو محفوظ نہیں سمجھتا تھا اور اس کی منفی سوچ اور تند خوئی کی بدولت کوئی بھی اپنے مستقبل کے بارے میں پرامید نہیں تھا ۔ یہ تفکرات '' اسلاف'' اور ''اخلاف '' دونوں گروہوں کو موقع پرستی اور خود غرضی پر اکساتے تھے ۔ ایسے ماحول میں انسانی احساسات کی صحیح عکاسی شعر و ادب میں بھی نہیں ہوتی تھی ۔

شعراء ابھی آئے دن کسی ایسے صاحب اقتدار حاکم کی مصاحبت اختیار

Marfat.com

کرتے جو انہیں خلعت اور صلہ سے نواز سکے اور جب اس کا اقتدار زوال پذیر ہونے لگتا تو اس کا ساتھ چھوڑ جاتے' یہاں تک کہ خود مسعود بھی تنہا رہ جاتا ہے حتی کہ اس درد ناک حادثے کا ذکر جس سے اس کی موت واقع ہوئی اس کے کسی وظیفہ خوار اور مداح کے اشعار میں نہیں ملتا ۔ یہ مدح سرائیاں یونہی تو فضول اور عبث دکھائی نہیں دیتیں ۔ ان میں صداقت دوستی اور پر خلوص نصیحت کا فقدان ہے ۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلطان نے مسعود رازی کی مخلصانہ نصیحت پر جس ردعمل کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ سے دوسرے شعرا محتاط ہو گئے تھے اور امور مملکت میں نصیحت یا مشورے کو اپنے فرائض میں شامل نہیں سمجھتے تھے(۵) یہی وجہ ہے کہ درباری شعراء سیاسی معاملات میں بہت کم دلچسپی لیتے خصوصاً نوجوان منوچہری جو ابھی درباری سیاست میں ملوث نہیں ہوا تھا سب سے کم مداخلت کرتا تھا ۔ تاریخ بیہقی جو مسعود کے دور کا شاہکار ہے اس میں منوچہری کا ذکر نہیں ہے اور ہوتا بھی کس طرح ؟ اس کا تو درباری زندگی میں کسی قسم کا عمل دخل تھا ہی نہیں ۔ وہ تو شاعر طرب' شاعر خمخانہ اور شاعر فطرت تھا ۔ یہ صحیح ہے کہ غزنی دربار سے وابستہ تھا لیکن اس کی زندگی دور ماضی کے دوسرے درباری شاعروں سے مختلف تھی ۔ وہ مشہور و معروف فتوحات کا عہد جس کی ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی اختتام پذیر ہو چکا تھا ۔ کامیابیوں' سخاوتوں اور لشکر کشیوں کا زمانہ بیت چکا تھا ۔ اب تو سازشوں' خیانتوں اور سرکشیوں کا دور دورہ تھا ۔ اب عطا کردہ صلوں کو واپس لے لینے اور گھٹیا حرکتوں اور کمینگی کا دور تھا (۶) مختلف گروہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف تھے ۔ ان گروہوں کے درمیان نہ ختم ہونے والی نفرتیں اور دشمنیاں پروان چڑھ رہی تھیں ۔

Marfat.com

اب وہ گذشتہ شاعر نوازیاں بھی قصۂ پارینہ بن چکی تھیں - جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے شروع میں مسعود شعراء کو کبھی کبھی خلعت اور صلہ عطا کیا کرتا تھا لیکن اقتدار کے آخری ایام میں شعرا پر اس کی وہ توجہ باقی نہیں رہی تھی - اس کا "زرافشاں" ہاتھ قدرے کمزور پڑ گیا تھا اور باپ کی طرح زر پرستی اس کی سرشت میں غلبہ پا چکی تھی(۷) - مدتوں اکثر درباری شعراء انعام و اکرام اور صلے سے محروم رہتے اور انہیں داد و دہش کے موقعہ پر نظر انداز کر دیا جاتا تھا -

منوچہری بڑی حسرت سے ان گذشتہ ایام کو یاد کرتا ہے اور اس کی تلخی کو خندۂ تاسف میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے - اگر بخارا، غزنی اور نیشاپور کے درباروں کے گذشتہ شعراء دوبارہ زندہ ہوجائیں تو اب وہ ہرگز شاعری کی تمنا نہ کریں - محمود کے ساتھ شوق و نشاط کے نغمے بھی مر گئے - اب تو شاعری، مدح سرائی اور ہجوگوئی سے توبہ کر لینی چاہیے - یہی وہ حالات تھے جنہوں نے شاعر کی طرب انگیز اور نشاط پرور روح کو رنجیدہ اور مضمحل بنا رکھا تھا -"خراسان کے شہید اور بلخی جیسے مفکرین کہاں ہیں؟ ان سے کہیں وہ آئیں اور ذرا ان بھلے دنوں کا بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں - پھر شاید شاعری کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں" (۸) یہ وہ دور تھا جب کوئی شعر سن کر محظوظ نہیں ہوتا تھا - مسعود نہ ختم ہونے والی جنگوں اور لاحاصل کامیابیوں میں اس حد تک الجھا ہوا تھا کہ اسے شاعر نوازی کی فرصت ہی نہ تھی ' درباری سرداروں اور زعماء کو بھی سازشوں، الزام تراشیوں اور افترا پردازیوں کے باعث شعر و شاعری میں دلچسپی لینے کی فرصت نہ تھی -

ویرانی اور نا امیدی کی اس فضا میں شاعر درباری عمائدین میں سے کسی کی حمایت اور سرپرستی کے لئے مجبور تھا - لیکن اس کی روح جو

Marfat.com

مسرت و شادمانی کی تلاش میں سرگرداں تھی، مصائب سے آنکھیں چرانے کے باوجود اذیت اور دکھ سے محفوظ نہ تھی ۔ تاریک اور ڈراؤنے چہرے اکثر اس کا پیچھا کرتے ہیں ۔ جب شاعر رنج ومصائب سے بھری اس دنیا سے جو کسی کی تکلیف اور غم سے متاثر نہیں ہوتی ، گذرتا ہے تو اپنے سر اور چہرے کو گرد و غبار سے اٹا ھوا محسوس کرتا ہے اور اپنی تمناؤں اور آرزؤں کو دفن ہوتے ہوئے دیکھتا ہے ۔ امیدوں اور آرزؤوں کی ناکامی دیکھ کر اسے اس دنیا کی بے اعتباری کا خیال آتا ہے ۔ ایسی دنیا جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ۔

بہر کار کردم ترا آزمایش سرا سر فریبی ، سرا سر زیانی

ترجمہ :- میں نے تجھے ہر طرح سے آزما لیا ہے تو سراسر فریب ہے تو سراسر زیاں ہے ۔

وگر آزمایمت صد بار دیگر همانی همانی همانی همانی

ترجمہ :- اگر پھر بھی تجھے سوبار آزماوں تو وہی ہے، وہی ہے ، وہی ہے ، وہی ہے ۔

شاعر کا یہ تلخ و نا خوشگوار لہجہ اور حکیمانہ انداز جس میں احساس برتری کا جذبہ بھی ہے نہایت زور دار صدائے احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے ۔ یہ انداز و لہجہ ایسے جہاندیدہ رواقی فلسفی کی یاد دلاتا ہے جو مصائب و بدبختیوں کے باوجود سکون قلب کی دولت سے محروم نہیں ہونا چاہتا ۔ شاعر کے غمگین اور افسردہ چہرے کے پیچھے اس کی طربناک روح جلوہ فگن ہے۔ وہ اپیکور (ا) یا اپیکٹٹ(ب) کی طرح درد ورنج کا زہر جام طرب میں ملا کر پی جاتا ہے (۹) اور خود سے سوال کرتا ہے کیا یہ ضروری ہے کہ آدمی غم دنیا میں گھلتا رہے ؟

ا. Epicure ب. Epictet

Marfat.com

اس کا اطمینان و مسرت کا جویا نفس اور اس کا زندگی سے عشق کا جذبہ دوسرے تمام جذبوں پر غالب نظر آتا ہے ۔ اس کے تمام اشعار میں زندگی سے پیار کا جذبہ موجزن ہے ۔ زندگی سراسر پر کشش، حسین اور سحرانگیز ہے ۔ اہل تصوف اور اہل زہد جو دوسری دنیا اور مرگ و فنا کی باتیں کرتے ہیں وہ اس زندگی کی کشش سے نا آشنا ہیں ۔ جسم کو بے حیثیت اور زندگی کو حقیر کیوں سمجھا جائے ؟ زندگی ہر جگہ آواز دے رہی ہے اور انسان کو اس سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دے رہی ہے ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ روح شاعر اس دل نشین آواز پر لبیک نہ کہے ؟ موت کی آرزو کیوں کی جائے ؟ ہاں اگر زندگی کیف و نشاط سے خالی ہو تو موت سے مختلف نہیں ۔ جو شخص ہنگام شب نیند کی بے معنی لذتوں میں کھو جاتا ہے اسے زندہ نہیں کہا جا سکتا ۔ لذت ہم نشینی اور عشرت سے محروم شخص جو نیند میں غلطاں ہے کیا مردے سے مختلف ہے ؟ زندگی سے پیار ہی انسان کو موت سے دور رکھتا ہے اس لئے اس لا حاصل موت سے جس کا نام نیند ہے اجتناب کرنا چاہیے ۔ کیا ضروری ہے کہ سو کر انسان اس عمر کوتاہ کو مزید کوتاہ تر کر دے ؟

شاعر نے پھولوں، پھلوں اور پرندوں کی تعریف و توصیف میں جو اشعار کہے ہیں ان میں زندگی سے عشق کا جذبہ ہر جگہ کار فرما ہے ۔ زندگی ایسی چیز نہیں جس کی تحقیر کی جائے ۔ یہ تو سراپا حسن ہے، مسرت ہے ۔ یہ ہرگز قابل تحقیر نہیں ہو سکتی ۔ بہار کی طرح خزاں میں بھی اس کا حسن قابل دید ہے ۔ خزاں کی اداسی اور بے کیفی میں شاعر پر غمگینی اور تفکر کی کیفیت طاری نہیں ہوتی ۔ موسم کی تبدیلی اسے صوفیاء اور حکماء کی باطنی دنیا کی طرف مائل نہیں کرتی ۔ اکثر حقیقت پسندوں کی طرح شاید اسے بھی باطن کی دنیا میں سوائے تاریکی اور ابہام کے کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ وہ دنیا جو

Marfat.com

اہل تصوف کی نظر میں سراپا حال اور جوش و جذبہ کی حامل ہے اس کے دروازے بھی شاعر عیش و طرب پر وا نہیں ہوتے۔ منوچہری کو خانقاہ سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ وہ تو عیش و نشاط کا دلدادہ تھا ذوق و شوق اور مستی و حال کی وہ کیفیت جس کا بلخ، غزنی اور نیشاپور کی خانقاہوں اور عبادت گاہوں میں بڑا چرچا تھا اُس کا غزنی کے شاہی محلات اور امراء کے باغات پر کوئی اثر نہ تھا۔ منوچہری کے لئے بھی وہ بے معنی دنیا تھی۔ وہ تو اس دنیا کا قائل تھا جو اس کے سامنے تھی۔ قابل حصول اور قابل پرستش حسن و احساس کی دنیا۔

زندگی بذات خود لطافت و دلکشی کا پیکر ہے۔ اس کی بہار میں حسن شناس شاعر کو انوکھی، پر کیف اور حیرت انگیز دنیا نظر آتی ہے۔ ایسی دنیا جو دربار کی پر تجمل زندگی کی شان و شوکت کی یاد تازہ کرتی ہے۔ خزاں کے پھل، اپنی جاذبیت اور دلفریبی میں بہار کے پھولوں سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ آبانماہ (اکتوبر-نومبر) کا افسردہ اور ابر آلود آسمان اپنی زیبائی اور نشاط انگیزی میں آردیبہشت (اپریل-مئی) کے روشن اور شفاف آسمان سے کمتر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر جس جوش و خروش سے بہار کی زیبائیوں کی تعریف کرتا ہے اُسی ولولے سے خزاں کی رعنائیوں کا وصف بھی بیان کرتا ہے۔ اسی جوش و خروش نے اس کے کلام کو ''مقامی رنگ'' عطا کیا ہے۔(۱۰)

اس کے بعض قصائد میں گرم و خشک صحراؤں کی جو تعریف و توصیف ہے وہ اس کی اپنی تخئیل نہیں ہے بلکہ عرب شعراء کی تقلید میں ہے لیکن وہاں بھی مقامی رنگ و اسلوب نمایاں ہے۔ یہ دشوار گذار دشت اور لق و دق خوفناک بے دراں صحرا کہ جن کا ذکر کبھی کبھی انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے اس کا کچھ حصہ شاعر کی جھونپڑی کے گرد و نواح اور دامغان کے راستے میں نظر آتا تھا۔ کئی دفعہ اسے بھی اس راستے سے گذرنا پڑا تھا اور وہ مرتے

Marfat.com

مرتے بچا تھا ۔

اونٹ کی تعریف و توصیف میں وہ عرب شاعروں کی ادبی روایت کا مقلد نہیں بلکہ اس کی بیمار اور دکھی آنکھوں نے اپنی جھونپڑی کے گرد و نواح بے آب و گیاہ صحرا کے کناروں پر خود اس صحرائی جہاز کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس طرح دامغان کی زندگی اور اس کے اطراف کے صحراؤں کے سفر نے اس کی تخلیقات کو ''مقامی رنگ'' بخشا ہے۔ رے اور بحیرہ آبسکون کے سواحل پر قیام کی یادوں کا عکس، کوہ البرز کی سر سبز و شاداب وادیوں کے بیان میں موجود ہے ۔

قدرت اور فطرت کے حسین اور اچھوتے مناظر نے منوچہری کے حساس دل اور خلاق ذہن کو بے حد متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تمام تر تخلیقی قوت کے ساتھ فطرت کے ادراک اور اظہار کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے اشعار میں رنگوں اور آوازوں کا جو احساس پایا جاتا ہے وہ اس کےمصورانہ ذہن اور ذوق موسیقی کی غمازی کرتا ہے۔ ان اشعار میں اس کا ذوق موسیقی پوری طرح نمایاں ہے۔ پرندوں کے چہچہے شاعر کو مطربوں کی نواؤں اور سروں کی یاد دلاتے ہیں۔ چکور کی کوک، ناقوس کی آواز کی مانند ہے۔ شارک کی صدا، سنتور کا نغمہ بن کر اس کے کانوں میں رس گھولتی ہے۔ فاختہ کی کوکو بنسری کی تان کی طرح اس کے کانوں میں گونجتی ہے اور مرغابی کی آواز اسے ضنبور کی یاد دلاتی ہے۔ رنگوں کی لہریں بھی اس کی حسن پرست آنکھوں میں ایک دلکش منظر پیدا کرتی ہیں۔ ریاحین اور سبزے کے رنگ اور قوس قزح کے اچھوتے پن کا اس نے بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے لیکن سب سے زیادہ پھولوں کی دلکشی اور زیبائی نے آسے متاثر کیا ہے۔ خاموش لیکن حساس پھولوں کی رعنائیوں نے اسے ایسا فریفتہ بلکہ دل باختہ بنا دیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے ۔

Marfat.com

میگساری اور بادہ خواری میں یہ شاعر دامغان' ابو نواس کا شاگرد معلوم ہوتا ہے۔ شب و روز ہمیشہ شراب کا جویا۔ اسی سے رات کو نیند سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اور دن کو خمار شب سے۔ روزانہ کے مشاغل میں اس سے زیادہ مرغوب اور مناسب مشغلہ اس کے لئے کوئی اور نہیں۔ ہفتے کے روز یہودیوں کے عقیدے کے مطابق شراب نوشی کرتا ہے۔ اتوار کو مسیحیوں کی تقلید میں بادہ خواری کرتا ہے۔ پیر کو زرتشتیوں کی رسم کے مطابق اس سے شغل کرتا ہے۔ منگل کو ہفتہ بھر کی عیش کا مزہ قائم رکھنے کیلئے اس سلسلے کو جاری رکھتا ہے۔ بدھ کے دن جسے عوام الناس کے خیال کے مطابق روز بلا سمجھا جاتا ہے' شراب سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے جس کے ذریعے وہ دن بخیر و عافیت گذر جائے؟ جمعرات کے روز جو مخصوص ہی میگساری اور خمار کے لئے ہے وہ اپنی راحت کا سامان اسی میں تلاش کرتا ہے۔ (۱۱)

اس طرح شاعر نے ہفتہ بھر کے لئے بادہ نوشی کا پروگرام بنا رکھا ہے وہ جوانی کے ہر لمحے کو مئے و مینا کی نذر کر دینے کا قائل ہے۔ وہ اس کا روادار نہیں کہ اس کی عمر لذتوں اور مسرتوں سے لطف اندوز ہوئے بغیر خالی گذر جائے۔ شراب کو تمام خرابیوں اور بربادیوں کی جڑ قرار دینے والے ناصح کے لئے اس کے پاس خندۂ تمسخر آمیز کے سوا کچھ نہیں۔ شاہی دربار میں جہاں حاسدوں کی کمی نہیں تھی منوچہری کی ان گستاخیوں اور بے احتیاطیوں کے باعث اس پر کفر کا فتویٰ لگ سکتا تھا لیکن محمود کے عہد کے برعکس مسعود اور اس کے درباریوں کے عہد میں دین داری کا احساس ختم ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر بے خوف و خطر مزے لے لے کر ان شبانہ محفلوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے کلام میں عیش و طرب کے ہنگاموں اور بدمستوں کے نعرۂ مستانہ کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔

Marfat.com

یہ محفلیں خیالی نہیں حقیقی ہیں۔ عیش کوشی میں مبتلا اس زمانے کے نوجوانوں کا عشرت کدہ جہاں خود شاعر بھی موجود تھا، اسی ماحول کی اس نے تصویر کشی کی ہے۔ ایک پر شکوہ دربار اور عیش و عشرت کے ماحول سے وابستہ شاعر اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ معاشرے کو اس سے کوئی توقع نہیں۔ صرف شاہی دربار ہی کو اپنی ستائش اور دل لگی کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ وہاں اس کی حیثیت ایک مسخرے یا مراثی کی سہی لیکن یہ زندگی بجائے خود درباریوں، ندیموں اور شہزادوں کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ ممکن ہے یہ پر مسرت زندگی اندر سے کھوکھلی اور بے معنی ہو لیکن یہی ماحول اور رنگ ڈھنگ تھا جو مسعود کے دربار سے لے کر اس محفل عیش و طرب تک نظر آتا ہے اور ان محفلوں کا ایک نمونہ تاریخ بیہقی اور دوسری کتابوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شاعر اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی زندگی میں وہ شان و شوکت نہیں لیکن درباری زندگی کی چمک دمک نے ان کے مزاج اور ذوق کو بھی متاثر کیا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ خورد و نوش کی اسے وہ نعمتیں میسر نہیں جو درباریوں کی محفل میں ہوتی ہیں تو وہ سبزہ زاروں میں اپنی محفل سجاتا ہے اور شراب و کباب پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ لیکن اس میں لطافت طبع اس حد تک ہے کہ وہ سبزہ زاروں میں رقیبوں کی آنکھ بچا کر بادہ خواری کرتا ہے تو گویا اپنے لبوں کو چنبیلی اور گلاب کی پنکھڑی سے صاف کرتا ہے۔ اس لطافت میں درباری زندگی کا عکس نمایاں ہے۔ عیش و طرب کی اس سادہ لیکن پر کیف محفل میں جب وہ جام ہاتھ میں لیتا ہے تو آسمانی گیت سنتا ہے۔ کیا اس گیت سے بہتر کوئی گیت اس محفل طرب کے لئے موزوں ہے جسے کانوں کی نسبت روح پہلے سنتی ہے؟ کہتا ہے:

Marfat.com

خیز بت رویا تا مجلس زی سبزہ بریم

کہ جہان تازہ شد و ما ز جہان تازہ تریم

ترجمہ :- اے حسین صنم اٹھو تا کہ سبزہ زاروں میں اپنی محفل سجائیں ۔ کیونکہ دنیا سر سبز و شاداب ہو گئی ہے اور ہم دنیا سے زیادہ تر و تازہ ہیں ۔

بر بنفشہ بنشینیم و بریشیم خطت

تا بدو دست و بدو پای بنفشہ سپریم

ترجمہ :- بنفشہ پر بیٹھ کر میں تیرے سبزۂ رخسار کو الجھاؤں اور ساتھ ساتھ دونوں ہاتھوں اور پیروں کے ساتھ بنفشہ کو روندیں ۔

چون قدح گیریم از چرخ دو بیتی شنویم

بسمن برگ چو می خوردہ شود لب ستریم

ترجمہ :- جب جام تھامیں تو آسمانی گیت ہمارے کانوں میں رس گھولیں ۔ جب شراب پی چکیں تو یاسمین کی پنکھڑی سے لب صاف کریں ۔

وگر ایدون بہ بن انجامدمان نقل و نبید

چارۂ کار بسازیم کہ ما چارہ گریم

ترجمہ :- اور اگر ہمارا نقل و شراب ختم ہوجائے ۔ تو کوئی تدبیر کریں کیونکہ ہمیں ہی تو تدبیر کرنا ہے ۔

بمزیم آب دھان تو و می انگاریم

یک دو بوسہ بدھیم آنگہ نقلش شمریم

ترجمہ :- تیرے آب دہان کو چوس کر یہ خیال کرتے ہیں ، کہ ایک دو بوسے لے کر انہیں ہی نقل تصور کرلیا جائے ۔

یہ درست ہے کہ سب چیزیں اس کے لئے عشق کی یاد تازہ کرنے والی ہیں ۔ بادل ، باغ ، پرندے اور ندی سب زندگی کے اس راز سے آگاہ ہیں لیکن

Marfat.com

وہ صرف دنیائے آب و گل کا عاشق ہے۔ اس کے یہاں اذیت و اضطراب اور گلے شکوے کی وہ کیفیت جو افلاطون کے عشق میں موجود ہے نظر نہیں آتی۔ ان اشعار میں عشق کے ہاتھوں رسوا ہونے اور سر تسلیم خم کرنے کی جھلک نہیں ملتی۔ اس کا عشق ایک زاہد یا صوفی کا عشق نہیں ہے۔ اس کا عشق لطف و لذت کے حصول تک محدود ہے۔ ایک ایسے شخص کا عشق ہے جو سیم و زر کے بل پر معشوق کی محبت اور دل کو اس کے جسم کی طرح خرید لینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کا عاشق معشوق کا ناز نہیں اٹھاتا اور اس کے غصے اور بگڑتے ہوئے تیور کو برداشت نہیں کرتا۔ شاید ناز و ادا اس کے لئے ناقابل برداشت ہے اور اس سے اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے وہ معشوق کی خوشنودی چاہتا ہے لیکن اس کی خواہشات اور آرزوؤں کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ اس جسمانی ہوس آلود عشق میں اس درد و الم کا شائبہ تک موجود نہیں جو سچے عشق کو کندن بناتا ہے۔ جب معشوق کے دل کو سیم و زر سے خریدا جا سکتا ہے تو عاشق کو ہجر کے مصائب برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

اس کے باوجود کون ہے جو عشق کا ستم گزیدہ نہ ہو؟ کہتا ہے "عشق کے ہاتھوں جو ستم میں نے سہے ہیں کوئی اور نہ دیکھے" لیکن وہ زخم اور درد جو ایک چوٹ کھائے ہوئے عاشق کی آہ میں اثر پیدا کرتے ہیں اس کے نغموں میں نہیں ملتے۔ فرخی، ابو نواس اور دوسرے منحرف شعرا کی طرح منوچہری کے یہاں بھی غزل مذکر (۱) موجود ہے(۱۲) کہیں وہ کسی غلام کا عاشق نظر آتا ہے تو کبھی ایک بازاری ترک اس کے دل کو لوٹ لیتا ہے۔ اکثر اوقات معشوق اس کے ساتھ ناز و تغافل سے پیش آتا ہے۔ جب تک کسی آدمی کو اسے لینے کے لیے بھیجا نہ جائے اس کے گھر نہیں آتا اور اس کی

۱. امرد پرستی سے متعلق اشعار

Marfat.com

دلجوئی نہیں کرتا ۔ شاعر کے دل و جان کے لئے عشق کا زخم و درد شاید اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہے ۔ اس کے باوجود ایک عیش پرست عاشق مزاج شاعر کے لئے اتنی سرد مہری بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے اور وہ غصے میں پیچ و تاب کھانے لگتا ہے ۔ اسی موقعہ پر شکوہ و شکایت کے لیے لب کشائی کرتا ہے اور جور و ستم کے ہاتھوں نالہ و فریاد کرتا ہے لیکن ان جھوٹے اور ریا کارانہ نالوں اور شکووں میں عاشقانہ غزلوں کا سوز و گداز نہیں ملتا ۔ گیا ان تشبیبوں میں شاعر صرف ادبی روایت کا واجب الادا قرض ہی ادا کرتا ہے (١٣) یہ امر بعید ازقیاس نہیں ۔

منوچہری کا اسلوب اس دور کے خراسان کے شعرا کے مروجہ اسلوب سے مماثلت کے باوجود قدرے مختلف ہے ۔ بعض اعتبار سے اسے شعرائے عراق (عجم) کا پیشرو کہا جا سکتا ہے ۔ عربی الفاظ و تراکیب کے آزادانہ استعمال اور نئی نئی تشبیہات کے استعمال نے اس کے اسلوب کو جدت بخشی ہے ۔ اس کے خلاق ذہن نے مسمط کی اختراع کر کے فارسی شاعری کے لئے ایک نئی راہ کھول دی ۔ اسے اس کی اختراع کا خیال فارسی کے قدیم ترانوں کو پڑھ کر آیا ہو یا عربی کے مختصر قطعات کو دیکھ کر اس کی یہ ایجاد اس کی ذہنی استعداد کی دلیل ہے ۔ اس کے اکثر مسمط ایک ہی قسم کے مضمون پر مشتمل ہیں ۔ ان اشعار کے مضمون کے ایک حصے پر رودکی کی خمریات کا اثر بھی نظر آتا ہے (١٤) مضمون کی تکرار کے لئے شاعر کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا ۔ خاقانی، انوری اور حتی کہ حافظ کے کلام میں بھی اس طرح کی مثالیں بہت ملتی ہیں ۔ فارسی غزل اور قصیدے میں مضون کی تکرار کوئی نئی بات نہیں ۔ ایک ہی مضمون یا خیال کو مختلف صورتوں اورمختلف انداز میں بیان کیا جاتا رہا ہے ۔ ایک تخلیق کار کا فن پارہ اس کے وجود کا نچوڑ اور اس کی روح کا خلاصہ ہوتا ہے ۔ لہذا اس کی صورت و انداز میں جتنی

Marfat.com

بھی تبدیلی آ جائے اس کی بنیاد اور معانی ہر حال میں وہی رہتے ہیں ۔ بعض نقادوں نے البتہ قدرے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ ہر شاعر اور تخلیق کار صرف ایک ہی فن پارہ کی تخلیق کرتا ہے ۔ اس کی دوسری تمام تخلیقات اسی ایک تخلیق کی تقلید اور تکرار ہوتی ہیں ۔ وکٹر ہوگو کی تمام تصنیفات '' بے نواؤں '' ہی کی مختلف شکلیں تصور کی جاتی ہیں ۔ داستایوسکی اپنی ساری داستانوں میں '' جرم و سزا '' کے مضمون ہی کو بیان کرتا رہا۔ کیا شاہنامہ میں داستان اسفند یار ایک دوسری صورت میں داستان رستم ہی کی تکرار و تقلید نہیں ہے؟ حافظ کی غزلیں بھی تعبیروں ' بحروں اور قافیوں میں موجود اپنے تمامتر تنوع کے باوجود چند مضامین کی تکرار کے سوا کچھ نہیں ۔ لیکن مضامین کی یہ تکرار منوچہری کی مسمطوں میں زیادہ واضح اور عیاں ہے۔ یہ مسمطیں بچے کی اس تختی کی طرح ہیں جس پر مختلف قلموں سے ایک سرمشق لکھ دی گئی ہو ۔

لیکن آج اس کی زبان قدرے عجیب اور اجنبی معلوم ہوتی ہے ۔ فرخی کی غیرآراستہ زبان کی تابندگی جو خراسان کے دہقانوں کی سادہ بیانی کی یاد تازہ کرتی ہے ' اس کی زبان میں موجود نہیں ۔ وہ عنصری کے کلام کی سنجیدگی اور استحکام سے بھی عاری ہے جسے منطق اور ہیئت نے جلا دی تھی ۔ منوچہری کی زبان اچھی ہے لیکن درشت اور ثقیل ہے ۔ کہیں کہیں اس نے اظہار علمیت کی کوشش بھی کی ہے ۔ بہر حال اس کی زبان آسمانی کھانوں کی طرح شیریں بھی ہے اور اس میں سحر و اعجاز کی کیفیت بھی ہے ۔ کہیں کہیں سخت اور درشت الفاظ ضرور ہیں جو اس آسمانی کھانے کے لطف و ذائقہ کو خراب کرتے ہیں ۔ اس کے یہاں عربی تراکیب اور مفردات کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ کہیں کہیں ایسے متروک الفاظ بھی ملتے ہیں جو اسکے کسی معاصر شاعر کے کلام میں نظر نہیں آتے ۔ شاعر نے خود فخریہ انداز میں کہا ہے کہ '' مجھے

Marfat.com

عربی شاعروں کے بہت سے دیوان از بر ہیں'' اور جیسا کہ اس کے دیوان سے پتہ چلتا ہے یہ دعوی بے جا نہیں۔ عربی ادب سے شناسائی اس کے اشعار سے عیاں ہے۔ کبھی ایک ہی قصیدے میں تیس سے زائد عربی شاعروں کے نام ردیف میں لے آتا ہے اور کبھی ایک شعر میں عربی کے ایک یا کئی قصیدوں کا ذکر کرتا ہے۔

منوچہری نے اکثر مواقع پر عرب شعراء کے ساتھ اپنا موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے اور غالباً اسی وجہ سے اپنے اشعار میں قصداً ایسے مضامین استعمال کرتا ہے جو عربی ادب میں مخصوص ہیں۔ گھوڑے کی تعریف' غراب البین سے خطاب اور طلول ودمن جیسے مضامین اس کے عربی ذوق کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس کے اشعار میں عرب کی رومانوی داستانوں کی محبوباؤں کے نام اور عربی مطربوں کا تذکرہ اتفاقیہ نہیں ہے۔ یہ عربی شعر و ادب سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہے۔ عربی زبان پر عبور اسے کبھی کبھی عربی مضامین کے انتخاب پر مائل کرتا ہے۔ اسے عربی کے اتنے دیوان از بر تھے کہ ان کے مضامین بے اختیار اس کی زبان پر جاری ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ اس کے اشعار سے عیاں ہے عربی شاعروں میں اسے امرؤالقیس۔ اعشی' بونواس اور متنبی سے خاص دلچسپی تھی۔ (١٥)

اسی عربی دانی کے باعث ہی اس کی زبان ضرورت سے زیادہ درشت' مشکل اور ناہموار نظر آتی ہے۔ صحیح ہے کہ یہ زبان اس کے معاصر شعرا فرخی اور عنصری کے ہاں مروج نہیں تھی لیکن اس زمانے میں وہ آسانی سے سمجھی جا سکتی تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں خراسان اور عراق عجم کے تعلیمی ماحول میں عربی ادب کا رواج اپنے پورے عروج پر تھا۔ خراسان کے اکثر وزراء' عمائدین اور امراء اس سے واقف تھے۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی عربی زبان و ادب کی ترویج کے لئے بھرپور کوشش کرتا تھا۔ غزنی

Marfat.com

دربار سے منسلک ابو الفتح بستی' ابو نصرعتبی اور ابو نصر مشکان جیسے زبردست ادیب اور شعراء عربی ہی میں لکھتے اور شعر کہتے تھے ۔ غزنوی اسراء بھی عربی زبان و ادب سے آشنا تھے ۔ وہ بچپن میں امرؤ القیس اور دوسرے عرب شعراء کے کلام کو حفظ کرتے اور جوانی میں عربی اشعار گنگنا کر محظوظ ہوتے تھے (١٦)

سلطان مسعود کا بھائی امیر محمد' عبدالرحمن قوال سے عربی کے گیتوں اور نغموں کی فرمائش کیا کرتا تھا ۔ شاعر کے ممدوحین میں سے بعض عربی میں بہت اچھے شعر کہتے تھے ۔ بو سہل زوزنی' مسعود کی عربی اشعار میں مدح کرتا اور شیر کا شکار کرنے کے موقعہ پر اسے عربی قصائد میں تبریک و تہنیت پیش کرتا تھا ۔ ظاہر ہے ایسے ماحول میں منوچہری کی زبان اجنبی اور غیر ہموار معلوم نہیں ہوتی ۔

منوچہری کا بچپن اور جوانی جبال(ا) اور عراق عجم میں گذری تھی۔ وہ وہاں کی زبان کو اس علاقے کی ادبی میراث کی حیثیت سے اپنے ہمراہ خراسان لے گیا ۔ اس کے بچپن اور آغاز جوانی میں جبال اور عراق عجم کے علاقے عربی ادب کی ترویج کے مرکز شمار ہوتے تھے ۔ عراق عجم میں آل بویہ اور ان کے وزراء عربی ادب کی ترقی و ترویج کے لئے اپنی پوری کوشش در رہے تھے ۔ عراق عجم میں صاحب بن عباد' ابن عمید اور خوارزمی کو سرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور ان کے ہاتھوں تربیت شدہ افراد ابھی تک عربی ادب اور ثقافت کی اشاعت کے لئے کوشاں تھے ۔ قابوس بن وشمگیر نے جسے خود بھی عربی نظم و نثر پر ملکہ حاصل تھا جبال کے علاقے میں عربی علوم کی ترویج کے لئے ٹھوس اقدامات کئے ۔ حتی کہ اس کے بعد بھی آل زیار کے دربار میں' جہاں ایک مدت تک منوچہری کی سرپرستی ہوتی رہی' عربی ادب کے فروغ کے لئے ایک

ا. موجودہ ایران کے شمال مغربی علاقے

Marfat.com

سازگار ماحول تھا ۔ یوں شاعر اوائل جوانی میں ایسے ماحول میں رہا جس نے اسے ضرورت سے زیادہ عربی ادب کے زیر اثر کر دیا ۔ اسی چیز نے اس کی زبان کو درشت اور نامأنوس بنا دیا ۔ اس کے علاوہ عامیت کا جا بجا اظہار بھی اسی اثر سے پیدا ہوا ۔

کیا منوچہری کا کوئی خاص پیغام ہے؟ اس بارے میں اس کے دیوان سے کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی ۔ اس کے کسی ایک شعر میں بھی کوئی عمیق بات یا پیغام نہیں ملتا ۔ اس کے باوجود کیا اسی سکوت کو اس کا خاص پیغام نہیں سمجھا جا سکتا؟ وہ شاعر جو حوادث جہاں سے بے اعتنا اور زندگی کے سود و زیاں سے بے پرواہ تھا اسے پندونصائح اور پیغام سے کیا رغبت ہو سکتی تھی ! وہ سیاست اور حکومت کی دنیا سے نا آشنا رہا ۔ حقیقت کی تلاش میں عرفان کی پر اسرار اور تاریک دہلیز پر اس نے کبھی بھول کر بھی قدم نہیں رکھا ۔ زاہد خلوت نشین کا دوست رہا نہ شہرت طلب اور دنیا پرست کا ۔ اسے آرام دہ اور خوش و خرم زندگی کے علاوہ کسی چیز سے کوئی سروکار نہ تھا ۔ اور ہر قسم کی زیادتی اور پھکڑپن سے بیزار تھا ۔ ان حالات میں اس سے کسی پیغام یا نصیحت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے ۔

مسائل زندگی کے بارے میں اس کا سکوت ہی اس کا پیغام ہے ۔ وہ تو زندگی اور اس کی دلکشی سے عشق کرتا ہے ۔ اسے فرصت کہاں کہ اس پر تبصرہ کرے کیا یہی نکتہ آفرینیاں آپ کو اصلی زندگی سے دور نہیں رکھتیں؟ ایسا کون ہے جو خود زندگی سے بڑھ کر زندگی کے اسرار و رموز سکھائے؟ زندگی کو دلکش اور دلآویز بنانے والی رعنائیاں بذات خود زبان کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ کون ہے جو روزانہ اس خاموش زبان سے زندگی کے راز نہیں سنتا؟ بہار و خزاں کی یہ خاموشی ہمیں ہر لحظہ زندگی سے محظوظ اور لطف اندوز ہونے کے لئے دعوت دیتی ہے ۔ کم بولنا اور زیادہ لطف اندوز ہونا ہی اس دعوت کی روح ہے ۔

Marfat.com

اس دعوت عام کے جواب میں گفتگو کی بجائے لذت یابی کو ترجیح دینی چاہیے ۔ یہی سکوت اس کا پیغام ہے اور اس کی شاعری کی روح بھی وہی معروف پیغام جسے ایک باشعور قاری ایپقور، ابی نواس اور خیام کی زبان سے کبھی فلسفیانہ استدلال اور کبھی شاعرانہ انداز کے ساتھ سنتا ہے ۔

یہ سکوت ایک درس عمل ہے جو خیام اور حافظ سے زیادہ واضح انداز میں سوقع سے فائدہ اٹھانے اور وقت کو غنیمت سمجھنے کے راز کو بیان کرتا ہے ۔ بہرحال اس طرح کے نکات اس کے اشعار میں شاذ و نادر بیان ہوئے ہیں اور ان میں کوئی ناصحانہ پہلو پیش نظر نہیں رکھا گیا ۔ اس سلسے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ خیام کی بسیارگوئی منوچہری کی کم گوئی سے زیادہ گرانقدر ہے ۔ ایک موقعہ پر جب شاعر اپنے محبوب کے ہمراہ کسی سبزہ زار پر بزم عشرت سجاتا ہے تو محبوب اور اپنے دل سے تمام تلخ اور ناگوار خدشات کو دور کرنے کیلئے کہتا ہے :

نخوریم اندہ گیتی کہ بسی فایدہ نیست
و گر ایدونکہ خوریم اندہ او جان نبریم

ترجمہ :۔ دنیا کا غم نہ کھائیں کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر اس کا غم دل کو لگا لیں گے تو جان عذاب میں ڈالنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا ۔

پیش از آن گیتی ما را بزند یا بخورد
ما ملک وار سر او را بزنیم وبخوریم

ترجمہ :۔ قبل اس کے کہ دنیا ہمیں پٹخ دے یا نگل جائے ہمیں چاہیے کہ شاہانہ انداز میں اسے مسخر کریں اور اس سے لطف اندوز ہوں ۔

یہ رندانہ انداز فکر جس میں نصیحت کی بجائے حکمت کا پہلو نمایاں ہے ایک صدی بعد خیام کے دل نشین اور نصیحت آموز ترانوں میں اجاگر ہوا(۷۱) ایک جگہ

Marfat.com

اور شاعر بہار کی تعریف میں نغمہ سرائی کرتے ہوئے بادشاہ کی توجہ زندگی کی دلکشی اور مسرتوں کی طرف مبذول کراتا ہے اور اس کے اندر دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کا شوق پیدا کرتا ہے :

نو بہار آمد و آورد گل تازہ فراز

می خوشبوی فراز آور و بربط بنواز

ترجمہ :- تازہ تازہ شگفتہ پھولوں کے ساتھ بہار آگئی ہے۔ معطر شراب لاؤ اور بربط کے تار چھیڑو۔

ای بلند اختر نام آور تا چند بکاخ

سوی باغ آی کہ آمد گہ نوروز فراز

ترجمہ :- اے بلند اقبال اور نام آور بادشاہ! کب تک محل کے اندر مقید رہو گے۔ سوئے باغ چلو کیونکہ بہار کا موسم آن پہنچا ہے۔

بوستان عود ہمی سوزد، تیمار بسوز

فاختہ نای ہمی سازد، طنبور بساز

ترجمہ :- باغ عود کی خوشبو سے معطر ہے۔ تم بھی غم و اندوہ کو نذر آتش کرو۔ فاختہ گویا بانسری بجا رہی ہے تم طنبور پر نغمے الاپو۔

بہ سماعی کہ بدیع است کنون گوش بنہ

بہ نبیدی کہ لطیف است کنون دست بیاز

ترجمہ :- اب اس اچھوتے آواز سماع کو کان لگا کر سنو۔ اور مئے پاکیزہ کا جام ہاتھ میں لو۔

گر ہمی خواھی بنشست ملک وار نشین

ور ھمی تاختن آری بسوی خوبان تاز

ترجمہ :- بیٹھنا ہے تو شاہانہ شان و انداز سے بیٹھو۔ اگر دھاوا بولنا ہے تو خوبروؤں پر دھاوا بولو

Marfat.com

منوچہری صرف شاعر فطرت ہی نہیں وہ عشق، شراب اور زندگی کا بھی شاعر ہے۔ اس کے اشعار ادھورے اور ان کہے گیت ہیں۔ ان اشعار کا مطالعہ کرتے وقت قاری ایک ایسے بچے کے روبرو ہوتا ہے جو کبھی خوشی کی کیفیت میں محو ترنم ہوتا ہے تو کبھی سیر و تفریح اور دوسرے مشاغل میں اسے چھوڑ کر دوسری چیزوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کے طرب انگیز نغمے بے وقت موت کے باعث نا مکمل رہ گئے۔ اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتا تو شاید زیادہ اچھوتے، زیادہ خوبصورت اور زیادہ دلآویز فن پاروں کی تخلیق کرتا۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) سخن و سخنوران، جلد ۱، صفحہ ۱۳۰ کا دیوان منوچہری تصحیح محمد دبیر سیاقی، اشاعت دوم، صفحہ اکیس کے ساتھ تقابل کیجئے۔

(۲) دیوان کے صفحہ ۸۱ پر کہتا ہے۔

خواست از ری خسرو ایران مرا بر پشت پیل
خود ز تو هرگز نیندیشید در چندین سنین

ترجمہ :۔ شاہ ایران نے مجھے رے سے ہاتھی پر غزنی بلا بھیجا۔ تم نے برسہا برس تک کبھی ایسا سوچا بھی نہیں ہوگا۔

(۳) زین‌الاخبار، مطبوعہ تہران، صفحہ ۳۷

(۴) سلطان مسعود کی عیش پرستی اور داستان خیشخانہ کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ بیہقی صفحہ ۱۲۵-۱۲۱

(۵) ملاحظہ کیجئے تاریخ بیہقی صفحہ ۵۹۴

(۶) ایضاً صفحہ ۲۵۶

(۷) ایضاً صفحہ ۱۳۱

(۸) دیوان تصحیح دبیر سیاقی، صفحہ ۱۴۱-۱۳۹

(۹) اپیکور Epicure جب مثانہ یا گردے کے درد کے باعث بستر مرگ پر صاحب فراش تھا تو آخری سانس تک دوستوں کے ساتھ محو گفتگو رہا۔ روم کا اشراقی حکیم اپیکتت Epictet ایک غلام تھا اور اپنے مالک کے ظلم و ستم کو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتا تھا، ملاحظہ ہو: سیر حکمت در اروپا جلد ۱، صفحہ ۶۹ اور ۸۳-۸۲

Marfat.com

(۱۰) مقامی یا لوکل رنگ کو فرانسیسی زبان میں Couleur locale کہتے ہیں ۔

(۱۱) دیوان صفحہ ۲۲۰

(۱۲) مذکر غزل سے مراد ایسی غزل ہے جس میں لڑکوں کے ساتھ عشق عاشقی کی کہانی بیان کی گئی ہو ۔ ابونواس کے کلام کی مانند فرخی اور بہت سے دوسرے فارسی شعراء کے کلام میں بیشتر غزلیں اس قسم کی ہیں ۔

(۱۳) ادبی روایت کے لئے ملاحظہ ہو : نقد ادبی صفحہ ۱۹۰–۱۸۴

(۱۴) رودکی کی خمریہ اس کے نونیہ قصیدے پر مشتمل ہے جس کا مطلع درج ذیل ہے ۔

مادر می را بکرد باید قربان بچۂ او را گرفت و کرد بزندان

ترجمہ :- شراب کی ماں (انگور کی بیل) کو قربان کر دینا چاہیئے ۔ اس کے بچے (انگور) کو پکڑ کر زندان میں ڈال دینا چاہیے اور اس قصیدے میں منوچہری کی مسمطوں کی طرح شراب کشید کرنے کا قصہ شاعرانہ انداز میں بیان ہوا ہے ۔

(۱۵) منوچہری کے دیوان میں عربی شعراء کا نام بار بار آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ان سے خاص لگاؤ تھا مثلاً ملاحظہ ہو قصیدہ ۸، ۲۰، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۵۵

(۱۶) تاریخ بیہقی صفحہ ۱۱۲

(۱۷) تاریخ بیہقی صفحہ ۷۶

اس قسم کے مضامین خیام سے منسوب اشعار میں وافر مقدار میں ملتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار میں :

برخیز و بیا بتا برای دل ما حل کن بجمال خویشتن مشکل ما

ترجمہ :- اے صنم اٹھ اور ہمارے دل کی خاطر آ اور اپنے کرشمہ حسن سے ہماری مشکل حل کر ۔

Marfat.com

یک کوزه می بیار تا نوش کنیم زان پیش که کوزه ها کنند از گل ما

ترجمہ :- شراب کا ایک کوزہ لاؤ تاکہ میگساری کریں، قبل اس کے کہ ہماری مٹی سے کوزے درست کریں -

در خواب بدم مرا خرد مندی گفت کز خواب کسی را گل شادی نشکفت

ترجمہ :- مجھے ایک دانشمند نے حالت خواب میں کہا کہ خواب سے کسی کے خوشیوں کے غنچے نہیں کھلتے -

کاری چه کنی که با اجل باشد جفت می خور که بزیر خاک می باید خفت

ترجمہ :- تو کام کس لئے کرتا ہے کیونکہ یہ عمل موت کی برابری کرنے کے مترادف ہے - شراب پیو کیونکہ آخر کار مٹی کے نیچے سونا ہے -

عمرت تا کی بخود پرستی گذرد یا در پی نیستی و هستی گذرد

ترجمہ :- خود پرستی میں کب تک مبتلا رہیگا - یا کب تک ہست و نیست کی دوڑ میں لگا رہے گا -

می نوش که عمری که اجل درپی اوست آن به که بخواب یا بمستی گذرد

ترجمہ :- مئے نوش کر کیونکہ موت گھات لگائے بیٹھی ہے - بہتر ہے کہ زندگی خواب و مستی کی کیفیت میں گذرے -

Marfat.com

ناصر خسرو

یمگان کا غریب الوطن شاعر

ہمارے قصیدہ نگار شاعروں میں ناصر خسرو کی زندگی اور اس کے حالات سب سے مختلف اور عجیب و غریب ہیں۔ اس کے دیوان اور سفر نامے کے آئینے میں بار بار ابھرنے والا اس کا سخت چہرہ اور اس کے تنومند دیہاتی وجود کے اندر اس کی عظیم اور گداز روح جو یمگان کی عظمت و استحکام کی مظہر ہے قاری کو مرعوب و مسحور کردیتی ہے۔ اس کے اشعار جو عظمت و فن کے لحاظ سے اس کی اعلی و ارفع روح کے غماز ہیں اس کے خد و خال اور داستان زندگی کی طرح منفرد و بے مثال ہیں اور فارسی ادب میں کسی حد تک اجنبی سے لگتے ہیں۔ لیکن اس کی یہ حیرت انگیز داستان زندگی کیا ہے؟ اس کے جواب میں سید حسن تقی زادہ کا وہ مقدمہ جو تیس سال قبل لکھا گیا تھا پیش کیا جا سکتا ہے اور غالباً ناصر خسرو کے بارے میں اس سے بہتر مضمون نہیں لکھا گیا اور اس کا وہ دیوان جو مجتبیٰ مینوی کی کوششوں سے شائع ہوا تھا اس کا سب سے زیادہ مستند دیوان ہے۔

ناصر خسرو ۳۹۴ھ میں مرو کے قصبہ قبادیان میں پیدا ہوا۔ یہ محمود غزنوی کے مشہور و معروف دور حکومت کا پانچواں سال تھا۔ یمین الدولہ محمود کابل، ملتان اور بھاطیہ میں پورے جاہ و جلال کے ساتھ لشکر کشی میں مصروف تھا۔ خراسان کے علاقے میں باطنی ابھی تک سیمجوریوں اور سامانیوں کے عہد حکومت کی طرح اپنے خفیہ دین کی تبلیغ میں مصروف تھے گرامی بھی

Marfat.com

اپنے مذہب کی نشر و اشاعت میں کوشاں تھے۔ کرامیوں اور اشعریوں کے باہمی نزاع اور اہل سنت و صوفیاء کی چپقلش کے باعث حکمت و معرفت سے لگاؤ رکھنے والا کوئی شخص بھی اس کشمکش اور جنگ و جدال سے محفوظ نہ تھا۔ (۱) خود محمود غزنوی کا دربار حنفی، شافعی، کرامی اور اشعری رقابتوں کا مرکز تھا۔ ان تنازعوں میں محمود کا جھکاؤ کبھی ایک طرف ہوتا اور کبھی دوسری طرف۔ کبھی تو وہ متعصب کرامی بن جاتا اور کبھی اشاعرہ کی حمایت کرتا نظر آتا، کبھی حنفی مذہب کی طرف راغب ہو جاتا اور کبھی شافعی مسلک پر کار بند ہوتا۔ نیشاپور میں صوفیائے کرام اور خاص طور پر ابو سعید مہنہ کبھی کبھی اس کے دل کو اپنی طرف راغب کرتے لیکن جو چیز اس کے لئے بالکل قابل قبول نہ تھی باطنی مذہب کی تبلیغ تھی۔

ناصر کی عمر ابھی سات سال کی تھی کہ خراسان میں ہولناک قحط پڑا اور اس کے بعد ایک عام وبا پھیلی۔ قحط اتنا سخت تھا کہ نیشاپور کے لوگ تہی دستی و مفلسی کے باعث اپنے بچوں تک کو کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بقول عتبی یہ حال تھا کہ لوگ رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں میں بازاروں اور گذرگاہوں پر گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والوں کو اغوا کر لیتے اور ان کے گوشت سے اپنے نحیف و نزار اور پشت سے چپکے ہوئے پیٹ کی آگ بجھاتے۔ اس قحط کے بعد جو وباء پھیلی اس نے سارے خراسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ وبا جس شہر میں بھی گئی موت و مصیبت کا پیغام بن کر گئی۔ (۲)

ناصر اس زمانے میں ابھی بچہ تھا۔ قبادیان یا مرو جہاں کہیں بھی وہ رہا اس نے اپنے شہر و دیار کے گلی کوچوں اور محلوں میں اپنے عزیز و اقارب اور ہمسایوں کی مفلسی اور موت کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان حادثات اور واقعات کے بارے میں جو مدتوں زبان زد خاص و عام رہے بہت کچھ سنتا

Marfat.com

رہا اور اپنی شاعرانہ طبع اور فکر و تأمل کی عادت کے باعث اس درد و خلش کو اپنے نہاں خانۂ دل میں جگہ دیتا رہا اور اس طرح ان افکار و مصائب کا خوگر ہو گیا۔ درس و تعلیم نے اس پر دنیا کا ایک نیا دریچہ کھول دیا۔ وہ اس پر شکوہ دور میں جو عظمتوں و امیدوں کا آئینہ دار تھا محرری اور فن کتابت کی طرف راغب ہوا۔ اس کے فکر و خیال کے گلستان میں شعر کی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں اور اس کی باریک بین لیکن بے اعتنا نگاہوں میں دنیا کی رعنایاں نئے نقش و نگار بنا رہی تھیں۔ اس کے دل میں مال و دولت کی محبت پروان چڑھ رہی تھی۔ عہدہ و منصب کی امید اس کو بادشاہ کے دربار کی طرف کھینچ رہی تھی۔ جوانی کے نشے میں مدہوش ہر بلندی کو سر کر لینے اور چاند کو چھو لینے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

نوجوانی ہی میں اس نے محرری کے کام میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ ابھی تیس سال کا بھی نہ تھا کہ بادشاہ و امیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا اس زمانے میں شاعروں اور محرروں کا مرکز خراسان تھا۔ جو لوگ شہرت و ناموری کے علاوہ جاہ و حشمت کے بھی طلبگار تھے اسی آستانے کا رخ کرتے اور جھوٹ، خوشامد، قدم بوسی اور سجدہ ریزی کے ذریعے وہ سب کچھ حاصل کر لیتے جنھیں ایک آزاد منش انسان کسی حال میں گوارا نہیں کرتا۔ ناصر بھی جس کا ابھی عنفوان شباب تھا جاہ و حشمت کی طلب میں اس دربار سے وابستہ ہوا۔ مسعود کے عہد میں اور لوگوں کی طرح وہ بھی عیش و عشرت کے بحر بیکراں میں جو "خیشخانہ" اور "باغ پیروزی" کے آقاؤں کی زندگی کا خاصہ تھی، غرق ہو گیا (۳) "دندانقان" کے واقعے نے بھی جس کے باعث خراسان پر ترکمانوں کا قبضہ ہو گیا اسے اس خواب غفلت سے بیدار نہ کیا۔ حتی کہ مسعود اور اس کے جانشینوں نے بھی اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ ناصر اس کے بعد طغرل اور چغری کے درباروں سے وابستہ ہوا اور محرری کے کام

Marfat.com

کو جاری رکھا۔ اگر سیاحت نامہ کو مستند سمجھا جائے تو وہ چالیس سال کی عمر تک اسی پیشے کو اختیار کیئے رہا۔ وہ عیش و عشرت اور نام و مقام کا آرزو مند تھا۔ اس راستے کے رنج و الم کو جام و مینا کے ذریعہ فراموش کرتا رہا۔

چالیس سال عمر میں اس کے ضمیر میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ ایسا انقلاب جس کا منبع اگر روشن خواب نہ تھا تو کشف و مکاشفہ سے لبریز عمیق فکر و خیال ضرور تھا۔ وہ اپنے زمانہ محرری کے دوران خراسان کے حکماء اور وہاں کی بیش بہا کتابوں سے پوری طرح واقفیت حاصل کر چکا تھا۔ اہل حکمت کی آرا سے آگاہ اور مختلف ادیان و مذاہب کے عقاید سے آشنا تھا۔ وہ طب نجوم، فاسفہ اور تفسیر کا علم رکھتا تھا اور شاید ہی کوئی ایسا علم ہوگا جس سے وہ مستفیض نہ ہوا ہو۔ وہ جب کبھی فکر و تامل کی فرصت پاتا ان کم یاب اور نادر لمحوں میں کوشش کرتا کہ الفاظ و ظواہر کے اندر کے سربستہ رازوں کو جو طالب دنیا اور عام لوگوں کے فہم میں ادراک سے بالاتر ہیں کسی طرح حاصل کرے۔ وہ ظواہر شریعت کو اور ان عقاید کو جو عام لوگوں کی تقلید کی اساس تھے کمتر اور بے اعتبار سمجھتا تھا اور ظواہر کی دوسری طرف کسی اور چیز کا متلاشی تھا۔ اس روحانی کشمکش میں جو چیز اس کی بے چین طبیعت کے لئے باعث تسکین ہو سکتی تھی وہ اہل باطن کا فلسفہ تھا لیکن اس تعصب اور تقلیدی ماحول میں جو محمود کے دور سے خراسان میں پیدا ہو گیا تھا وہ کس طرح اس حکمت کے نہاں خانے تک پہنچتا اور اس سے فیض یاب ہوتا۔ اور کیسے ممکن تھا کہ جان کا خطرہ مول لیئے بغیر وہاں تک پہنچ سکے اور اس سربستہ راز کی اہمیت کے بارے میں تحقیق کر سکے۔ لہذا اس نے ترک وطن کا ارادہ کر لیا۔

باطنیوں نے خراسان میں تبلیغ دین کا کام بہت عرصہ سے شروع کر

Marfat.com

رکھا تھا ۔ دوسری جگہوں کی طرح ایران میں بھی مسلمانوں کی طرف سے ان کی شدید مخالفت ہو رہی تھی ۔ درحقیقت خراسان میں باطنیوں کی تبلیغ دین کا آغاز تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا ۔ چوتھی صدی ہجری میں خراسان میں ابو سعید شعرانی داعی کے لقب سے مبلغ دین مقرر ہوا اور فاطمی خلیفہ عبیداللہ کی جانب سے نیشاپور میں تبلیغ دین پر مامور ہوا ۔ کتاب الفہرست کے بیان کے مطابق خراسان کے کچھ امراء بھی اس کے پیروکار ہوگئے تھے لیکن چغانیوں کے نامور امیر ابوبکر محتاج کے زمانۂ امارت میں نیشاپور میں اسے قتل کر دیا گیا اس کے قتل کے بعد حسین مروروذی جو ایک مشہور باطنی تھا اس کام پر مامور ہوا ۔ وہ مرورود ، طالقان، میمنہ، ہرات، غرجستان اور نمور کے گرد و نواح میں باطنی عقاید کی نشرو اشاعت میں مصروف رہا ۔ وہ سامانیوں کے دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوا اور تھوڑی مدت کے لئے سامانیوں کے لشکر کو سیستان کی طرف لے گیا ۔ مروروذی کے بعد تبلیغ کا کام محمد بن احمد نخشبی کے سپرد ہوا ۔ اس نے ماوراء النہر میں دین کی نشر و اشاعت کا کام شروع کیا ۔ وہ فلسفی تھا اور علم الکلام میں بھی دسترس رکھتا تھا ۔ اس نے یونانی حکماء کی تعلیمات اور باطنی عقاید و نظریات کو ایک دوسرے کے ساتھ منطبق کیا ۔ وہ سامانیوں کے دربار میں اپنے اثر و نفوذ کے باعث اکابرین دربار کے کچھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔ الفہرست کے علاوہ سیاست نامہ میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ امیر نصر سامانی پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ اسماعیلی تمایلات رکھتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ نخشبی نصر کے ہوش و حواس پر اس طرح چھا چکا تھا کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا ۔ اس کے باوجود نصر کی وفات کے بعد حالات بالکل بدل گئے ۔ نوح بن نصر کے حکم کے مطابق نخشبی اور اس کے رفقا کو قتل کر دیا گیا ۔ نخشبی کے بعد بھی فاطمیوں کی تبلیغ کا سلسلہ پوری طرح منقطع نہ ہوا ۔ کچھ عرصہ بعد یعقوب

Marfat.com

سیستانی نے اسکی جگہ لے لی ۔ یہ ابو یعقوب، ناصر خسرو کی طرح ایک مفکر تھا اور کشف المحجوب اس کی معروف تصنیف ہے ۔ لیکن اس زمانے میں خراسان میں باطنیوں کے قتل و آزار کا بازار گرم تھا اور شاید وہ خود بھی خلف بن احمد کے ہاتھوں سیستان میں ہلاک ہوا ۔ اس کے قتل کے بعد مسعود بن نخشبی نے دعوت دین کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا ۔ اس کو "دہقان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اس کی دعوت خفیہ اور شوکت و اقتدار سے محروم تھی ۔ سیستان میں خلف بن احمد اور خراسان میں سلطان محمود ان سے بر سر پیکار تھے ۔ محمود ان کی تلاش میں رہتا اور چن چن کر انہیں قتل کروا دیتا ۔ اس کے جانشین بھی اسی طریقۂ کار پر عمل پیرا تھے ۔ (۳)

اس ماحول میں ناصر خسرو آسانی کے ساتھ باطنیوں کے سرچشمۂ حکمت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا تھا ۔ ناچار عزم سفر کیا اور حج کیلئے روانہ ہو گیا ۔ اس کا دل وزارت خانہ اور وہاں کے اہلکاروں سے اچاٹ ہو چکا تھا ۔ دنیا اپنی تمام دل فریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ جو ایک چالیس سالہ آدمی کے لئے باعث کشش ہو سکتی تھی اسے خوار و حقیر نظر آرہی تھی اور اب اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی ۔ نہ شعر اور نہ ہی شراب اس کی بے چین اور مضطرب طبیعت کو سکون دیتے تھے اور نہ ہی جاہ و عیش میں وہ کشش تھی کہ دوبارہ اس کا دل دنیا کی طرف مائل کر سکے ۔ گویا ان ایام میں اس کے گرد و نواح کی دنیا قبر کے دہانے کی طرح خوفناک اور بیابان کی وسعتوں کی طرح خالی اور خاموش تھی ۔ تمام اشیاء فنا پذیر اور آمادۂ زوال نظر آرہی تھیں ۔ ہر چیز سے موت اور درد کی بو آرہی تھی ۔ خراسان جو کبھی اس کے ظاہر و باطن کا مظہر تھا اب اس کی نظر میں ایک بے روح وجود اور مفہوم و معنی سے عاری تصویر بن کر رہ گیا تھا ۔ وہ عمائدین، زعماء اور وہ عظمت و شوکت جو محمود اور مسعود کے زمانے میں آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی

Marfat.com

اب اس کے لئے سراپا ریا کی تصویریں تھیں۔ وہ شہر و دیار جہاں زندگی ریا کاری، جھوٹ، ظلم و ستم اور ہوا و ہوس سے لبریز تھی اب اس کیلئے باعث نفرت اور نا قابل برداشت ہو چکے تھے۔ ضروری تھا کہ وہ باطن کی طرف رجوع کرے اور کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں حقیقت و معانی کو پاسکے چنانچہ وہ اپنے وطن اور دوست و احباب سے دل برداشتہ سفر پر روانہ ہوا۔ مصر و مغرب کے متعلق جو اطلاعات اس کو ملی تھی اس لحاظ سے وہ مقامات اس کیلئے باعث کشش تھے۔ وہاں نہ غیر مہذب، تندخو اور متعصب لوگ تھے اور نہ ہی خلیفۂ عباسی جس نے ترکمانوں کو لوگوں پر مسلط کر رکھا تھا۔ کسے معلوم کہ اس جھوٹ اور اس فریب سے جو سلطان اور خلیفہ کے سایۂ تقدیس کے روپ میں ان پر سایہ فگن تھا نجات مل سکتی تھی؟ یہی وجہ تھی کہ اس نے آوارگی اور دربدری کو ترجیح دی اور مغرب کی سر زمین کی طرف عازم سفر ہوا۔ کئی شہروں سے گذرا اور کئی بیابانوں کو طے کیا۔ اس کا بھائی ابو سعید اور ایک ہندوستانی غلام اس چھوٹے سے کاروان میں اس کے ساتھ تھے۔ سات سال کا عرصہ اس سفر میں گذر گیا۔ چار مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی اور تقریباً تین سال مصر میں مقیم رہا۔ اس نے ہر جگہ اہل نظر اور اہل علم لوگوں سے تبادلۂ خیال کیا اور ہر موضوع پر گفتگو کی۔ ایران کے بہت سے شہروں کے علاوہ آرمینیا، ایشیائے کوچک، شام، فلسطین، حجاز، سوڈان اور قیروان کی بھی سیر و سیاحت کی اور اس طرح اس کے اپنے قول کے مطابق اس نے دو ہزار دو سو بیس فرسنگ راستہ طے کیا۔ مصر میں وہ باطنی مذہب کی طرف راغب ہوا اور ان مذہبی مراحل کو طے کرنے کی کوشش کی۔ مستجیب کے رتبہ سے ماذون اور ماذون سے داعی کے مرتبے پر فائز ہوا۔ پھر خلیفۂ فاطمی کے حکم سے باطنی مذہب کی ترویج و تبلیغ کے لئے خراسان روانہ ہو گیا۔ اس کے خراسان واپس پہنچنے پر خلیفۂ فاطمی

Marfat.com

کی طرف سے اسے " حجت خراسان " کا لقب عطا ہوا اور اس طرح فاطمی خلیفہ کے حکم سے جزیرۂ خراسان میں وہ اسماعیلی پیروکاروں کا پیشوا مقرر ہوا ـ

باطنی یا اسماعیلیہ شیعہ مذہب کا ایک فرقہ تھا ـ جس کے مقلدین اب بھی شام، ایران، افغانستان، ترکستان، برصغیر پاک و ہند اور مشرقی افریقہ میں پائے جاتے ہیں ـ یہ گروہ امام جعفر صادق کے بعد امامت کا حقدار ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو سمجھتا تھا ـ شروع میں یہ فرقہ کچھ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، بعد میں خصوصاً تیسری صدی ہجری کے بعد انہوں نے خاص عقائد اپنا لئے تھے ـ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں عبید اللہ بن محمد نے جو خود کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور محمد بن اسماعیل کے اخلاف میں سے سمجھتا تھا، افریقہ کے شمال میں امامت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو اس نے مہدی کہا ـ اس کے جانشینوں نے مصر میں خوب زور پکڑا اور اپنے مخصوص دین کی تبلیغ کا اہتمام کیا ـ لوگوں کی توجہ مبذول کرنے کیلئے ان لوگوں نے ایک منظم تبلیغی ادارے کی بنیاد رکھی ـ اس کے مبلغ مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے اور بارہا خلیفہ عباسی، سلاطین وقت اور امراء کیلئے خوف وہراس کا باعث بنے رہے ـ ان کے عقائد عام مسلمانوں کے نزدیک گمراہ کن تھے ـ اور ان کے مخالف ان کو زندیق، ملحد قرمطی، اباحی اور مجوسی کہتے تھے ـ لیکن اس خون خرابے سے صرف نظر جو ان سے منسوب ہے ان کی اپنی تالیفات و تصنیفات سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی یہ جمیعت اتنی وحشت انگیز اور قابل نفرت نہیں تھی جتنا ان کے مخالفین کا دعویٰ ہے ـ ان کی کتابوں سے خاندان نبوت سے عقیدت اور پاکی و پارسائی کے رجحانات ملتے ہیں ـ ان سے زندقہ اور الحاد کی نسبت محض تہمت ہے ـ حاصل کلام یہ کہ وہ احکام و اقوال کے باطن پر اعتقاد رکھتے تھے اور ان کی تاویل فلسفیانہ انداز میں کرتے تھے ـ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان

Marfat.com

عقائد پر جن کو وہ " حقایق " کہتے تھے کسی حد تک فلوطین و نوافلاطونیوں کی تعلیمات اور اسی طرح مسیحیت اور مانی مذہب کا بالواسطہ اثر بھی محسوس ہوتا ہے (۵) ان کے بعض عقائد پر تصوف و عرفان کی گہری چھاپ ہے۔

جیسا کہ ناصر خسرو کے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے باطنی عقائد جن کی تبلیغ و ترویج کے لئے فاطمی مبلغ کوشش کر رہے تھے گنوسی حکمت اور معتزلہ(۶) اور شیعہ عقائد کا مجموعہ تھے اور ان کے بنیادی اصولوں سے بظاہر ناصر خسرو خراسان میں آشنا ہوا تھا اور مصر میں ان کو اپنے ذوق کے مطابق پا کر اُن کی طرف مائل ہؤا حتی کہ روحانی مراتب کی ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد " حجت " کا لقب دیا گیا اور اس کے بعد وہ اس دین کی اشاعت کے لئے اپنے وطن واپس لوٹ آیا۔ واپسی کے وقت اس کی عمر پچاس سال کی تھی جبکہ اس طویل سفر کے آغاز کے وقت وہ تینتالیس سال کا تھا۔ مصر میں اگر اس کا قیام تین سال سے زیادہ ہوتا تو اس کے ذہن رسا اور ذوق جستجو سے یہ توقع تھی کہ اس پر اس عقیدہ کی کمزوریاں ظاہر ہو جاتیں اور وہ آخری عمر تک فاطمیوں کے طلسم میں گرفتار نہ رہتا۔ وہاں کے طویل قیام کے دوران یقیناً اس کی حقیقت پسند آنکھیں حقایق کو صحیح زاویے سے دیکھنے میں کامیاب ہو جاتیں۔ اور شاید اس صورت میں وہ تعصب جو باطنی عقائد نے اس کے اندر دوسرے مذاہب کے خلاف پیدا کیا تھا ختم ہو جاتا اور وہ غریب الوطنی اور دربدری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوتا۔ لیکن مصر میں وہ زیادہ عرصہ نہ رک سکا اور ایک نو معتقد کے جوش و جذبے کے ساتھ باطنی عقائد کی تبلیغ کے لیے واپس خراسان آگیا۔ لیکن باطنی مذہب کو قبول کرنے سے پہلے وہ کیا تھا؟ حنفی، شافعی، زیدی یا اثنا عشری؟ یہاں اس بحث کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر اس کے دیوان میں اس روحانی اضطراب و کشاکش اور تصمیم و تردید کا رجحان جو تبدیلی مذہب کے وقت انسان کے اندر رونما ہوتا ہے،

Marfat.com

نہیں ملتا تو یہ نتیجہ بھی بعض محققین کی طرح اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ تبدیلی مذہب کا کوئی جواز نہیں تھا۔ بہر حال! یہ سوال اپنی جگہ پر ہے کہ اس نے اپنے مذہب و مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مذہب کیوں اختیار کیا ہے) اس کا دیوان اس کی ذہنی اور روحانی کشمکش کا مکمل سفر نامہ نہیں ہے۔ شاعر اگر ضروری سمجھتا تو سر گشتگی اور تشکک کے ان لمحات کو جن سے آخر کار اس نے نجات حاصل کر لی اپنے اشعار میں زندۂ جاوید بنا سکتا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں اشارے کنائے میں اس نے اپنی ذہنی تشویش اور سر گشتگی کا اظہار کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں خاموشی کو گفتگو پر ترجیح دیتا ہے۔

جس جوش و جذبے کے ساتھ ناصر خسرو نے بلخ میں تبلیغ دین کا کام شروع کیا اس میں اسے متوقع کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ لوگوں نے سرد مہری اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا۔ بعض لوگوں نے خوف و تشویش کی کیفیت میں اس دین کو قبول کیا۔ کچھ لوگوں نے ان باتوں پر لعنت ملامت کی اور کچھ اس کے درپئے آزار ہو گئے۔ اس کو قرمطی، فاطمی، شیعی، علوی، باطنی اور غالی کے نام سے پکارا گیا۔ کچھ لوگوں نے اسے بے دین، بد عقیدہ اور گمراہ قرار دیا۔ اسے خواص کی لعنت و ملامت اور عوام کے غم و غصے کا سامنا تھا۔ بدطینت اور شرپسند دوسروں کی شہہ پر اس کے گھر کو لوٹنا اور اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔ آخر کار ان لوگوں نے اس کے گھر کو تباہ و برباد کر ڈالا بلخ میں چور و بدکار کو پناہ حاصل تھی لیکن اس حقیقت پسند فلسفی کو کوئی تحفظ حاصل نہ تھا۔ جان کے خوف سے اس نے راہ فرار اختیار کی اور اہل و عیال کے ساتھ دشت و بیابان میں مارا مارا پھرا۔ نیشاپور میں اس وقت بھی ابو یعقوب اور نخشبی کے زمانے کی طرح باطنی فرقے کے لوگ چھپ کر زندگی گذار رہے تھے۔ اس دربدری اور پریشانی کے عالم میں اس نے بھی اسی جگہ کا

Marfat.com

انتخاب کیا لیکن وہاں بھی اس کو پناہ نہ ملی۔ جیسا کہ داستانوں میں مذکور ہے وہاں کے لوگ بھی اس کے خون کے پیاسے تھے۔ البتہ مازندران میں اپنے مختصر قیام کے دوران اس نے کچھ پیرو کاروں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا تھا۔ جو بعد میں اس کے نام کی نسبت سے "ناصریہ" کہلائے۔ لیکن کہیں بھی وہ دشمنوں کے شر سے محفوظ نہ تھا۔ وہ ہر جگہ اپنے آپ کو دشمنوں میں گھرا ہوا پاتا تھا جو اس کے اور اس کے پیرو کاروں کے قتل کو عین ثواب سمجھتے تھے۔ لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ ہر جگہ اس پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ کہیں سنگ باری کی زد میں تھا تو کہیں سر پر تلوار لٹک رہی تھی۔ آخر کار بدخشاں پہنچا۔ وہاں کے بلند و بالا پہاڑوں کے اندر کوئی پناہ گاہ مل سکتی تھی۔ یہ دور افتادہ، غیر آباد اور دشوار گذار پہاڑی علاقہ اس خانماں خراب شاعر کے لئے محفوظ ٹھکانہ تھا۔ چنانچہ وہ کوہستان کی اس تنہائی میں اپنی در بدری اور بے سرو سامانی پر نوحہ کناں رہتا تھا۔ گریہ و زاری اور نالہ و فریاد کی دردناک آوازیں صدائے بازگشت کی طرح پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس آجاتیں۔ یہاں نہ تو کوئی اس کی فریاد سننے والا تھا اور نہ ہی جواب دینے والا :-

بگذر ای باد دل انگیز خراسانی

بر یکی مانده بہ یمگان دره زندانی

ترجمہ :- اے خراسان کی روح پرور ہوا درہ یمگان میں قید اس اسیر کی خبر لو۔

اندرین تنگی بی راحت بنشستہ

خالی از نعمت و از ضیعت و دھقانی

ترجمہ :- ان تنگ و تاریک گھاٹیوں میں دکھ لئے بیٹھا ہوں۔ نہ فروانی نعمت ہے اور نہ زمین زراعت۔

Marfat.com

بردہ این چرخ جفا پیشۂ بیدادی

از دلش راحت و از تنش تن آسانی

ترجمہ :- اس چرخ جفا کار کے ظلم و ستم نے اس کے دل کا سکون اور تن کا چین چھین لیا ہے۔

دل پراندوہ تر از نار پر از دانہ

تن گدازندہ تر از نال زمستانی

ترجمہ : میرا دل دانوں سے بھرپور آنار سے بھی زیادہ غمناک ہے اور میرا جسم سرمائی بانسری سے بھی زیادہ جانگداز ہے۔

بی گناہی شدہ ہموارہ برو دشمن

ترک و تازی و عراقی و خراسانی

ترجمہ : ترکی ' عربی ' عراقی اور خراسانی ہمیشہ اس بے گناہ کے دشمن جاں رہے۔

ان صعوبتوں اور پریشانیوں کے باوجود وہ خراسان کو نہ بھلا سکا۔ خراسان سلجوقی ترکمانوں کے تسلط کے باعث بدامنی و بدحالی کا شکار تھا۔ اس کے لئے خراسان کی یہ صورت حال تکلیف دہ تھی۔ اس کے ذہن میں اب تک محمود غزنوی کے عظیم الشان دور حکومت کی یادیں تازہ تھیں۔ آج صورت یہ تھی کہ چند افراد جو کم حیثیت' بدکردار' ذلیل اور غلام تھے خراسان پر قابض تھے اور اپنی جھوٹی جاہ و حشمت میں مست تھے۔ اس کے ساتھ جو بدسلوکی اور سختی روا رکھی گئی اس میں انہیں کا ہاتھ تھا۔ انہیں لوگوں نے خراسان کو تباہی اور بربادی سے ہم کنار کیا اور یہاں کے اہل علم ' اہل نظر اور اہل ہنر کے گھروں کو برباد کیا اور انہیں مفلس و نادار بنا دیا ' ان تمام حالات کے ذمہ دار یہی لوگ تھے جو اپنے نئے آقاؤں کی ہر بات اور ہر حکم کو درست سمجھتے تھے اور نہایت عجز و انکساری سے تحسین

Marfat.com

و تعریف کرتے تھے - لیکن کیا سلطان محمود کے عہد میں چاپلوسی اور خوشامد کرنے والے لوگ اس کی مبالغہ آمیز تعریف و تحسین نہیں کرتے تھے ؟ اس نے بھی غرور و تکبر کے نشے میں کونسا ظلم تھا جو روا نہ رکھا ہو - اس دور میں بھی اگر کسی کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی تو اس پر قرمطی ہونے کا الزام عاید کر کے اس کے تمام مال و اسباب کو غصب کر لیا جاتا تھا اور بعد میں اسے صحیح العقیدہ ہونے کی سند دے دی جاتی تھی - خوشامدی اس امر میں بھی تعریف و تحسین کا پہلو نکال لیتے تھے - ہندوستان میں اس کی غارتگری کو وہ جہاد گردانتے اور کتاب سوزی کی خوشی میں برپا ہونے والے جشن کو اشاعت دین کی کوشش قرار دیتے - خلیفہ مصر کے سفیر تاہرتی کے قتل پر اظہار مسرت کرتے اور اس کے بیٹے کے عہد حکومت میں تختۂ دار پر لٹکائے جانے والے حسنک وزیر کے غم انگیز و وحشیانہ واقعہ پر خوشیاں مناتے - وہ سلطان جس کو خود خواہی اور دنیا طلبی کے باعث کبھی خدا کی یاد نہیں آئی تھی اس کو خدا کی نشانی اور ظل الٰہی سمجھتے تھے - وہ لوگ دنیا کی بے ثباتی اور فسانۂ عبرت سنانے کے بجائے ہمیشہ اس کے غفلت پسند کانوں میں خواب انگیز لوریاں سناتے - یہی حالات و واقعات تھے جنھیں سوچ کر شاعر ملول و غمگین ہو جاتا تھا :-

سلام بر زمن ای باد مر خراسان را

مر اهل فضل و خرد را نہ عام نادان را

ترجمہ :- ای ہوا سر زمین خراسان کو میرا سلام پہنچا - اسی طرح اہل فضل و ہنر کو میرا سلام کہنا لیکن نادان و احمق کو نہیں -

بگویشان کہ جہان سرو من چون چنبر کرد

بہ مکر خویش و خود این است کار کیہان را

Marfat.com

ترجمہ :- ان سے کہو کہ دنیا نے میرے سرو جیسے راست قد کو اپنے مکر و فریب سے حلقے کی طرح خم کر دیا ہے اور دنیا کا تو یہی کام ہے -

نگر کتان نکند غرہ عہد و پیمانش
کہ او وفا نکند ہیچ عہد و پیمان را

ترجمہ :- مبادا کہ دنیا کا عہد و پیمان تمہیں مغرور کردے - وہ دنیا اپنے وعدوں کو کبھی وفا نہیں کرتی -

بہ ملک ترک چرا غرہ اید یاد کنید
جلال و دولت محمود زاولستان را

ترجمہ :- تم ترک بادشاہ پر کیوں غرور کر رہے ہو - متقدمین سے محمود کی جاہ و حشمت کو یاد کرو -

اس پر بد دینی اور قرمطی ہونے کی تہمت لگائی گئی - اس کو اپنے گھر اور شہر سے نکال دیا گیا تھا۔ یہ درد و غم اس کے لئے جان لیوا تھے۔ ترک و عرب، عراقی و خراسانی اس کے نا دیدہ دشمن تھے اور اس پر لعن طعن کرتے تھے - بے سر و سامانی اور غریب‌الوطنی کے عالم میں یہ غم اس کے لئے اور بھی تکلیف دہ تھے - لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اس پر بد دینی اور لامذہبیت کی تہمت تھی اور تہمت بھی ان کی طرف سے جو خود نام کے مسلمان تھے - وہ واعظ جو عوام الناس کو اس کے خلاف اکساتا خود قابل ملامت تھا - منبر پر کھڑے ہو کر صحابۂ کرام اور خلفاء کی سیرت بیان کرنے والا خود بد کردار تھا - اس میں اور ایک چور میں صرف اتنا فرق تھا کہ چور کسی زمیندار یا تاجر کی نقدی چراتا تھا لیکن یہ جائداد باغات اور سونے چاندی پر قابض ہو جاتا تھا - وہ قاضی جو شاعر کے قتل کا فتویٰ دیتا تھا خود واجب‌القتل تھا - وہ مکر و فریب سے حق کو باطل اور باطل کو حق میں بدل دینے میں مہارت رکھتا تھا - یہ تھے وہ لوگ جن کی طرف سے

Marfat.com

اس پر لادینی کی تہمت لگائی جاتی تھی۔ شاعر کے غم و غصے اور ذہنی اضطراب کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔

چنانچہ شاعر فرزندان آدم کی تباہی و بربادی پر ان لوگوں کو ایسی زبان اور انداز بیان میں ملامت کرتا ہے جو تورات کے نبیوں کا مخصوص پر شکوہ اور پر عظمت انداز ہے۔ وہ عاموس و ناحوم(۸) کی سی قوت ایمانی کے ساتھ اپنے جاوداں اشعار میں ستم کاروں کی تباہی و بد حالی کی پیشگوئی کرتا ہے۔ اس کا سرزنش آمیز لہجہ جس میں تحقیر و تنبیہ کی آمیزش ہے اس کے اشعار میں نمایاں ہے۔ وہ ایک سخت اور تند خو معلم کی طرح ہے جو تنبیہ و ملامت کے ساتھ علم و معرفت کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے کلام میں بلا کی قوت و عظمت ہے۔ وہ ایک زبردست سیلاب کی طرح بلندیوں سے اترتا ہے اور وادیوں میں موجزن نظر آتا ہے۔ وہ ہر قسم کے خس و خاشاک کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ لیکن اس وقتی مٹی اور دلدل کے باعث اس کی طراوت و تر و تازگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اس طاقت و استواری سے بات کرتا ہے کہ اس کے سامنے قاری خود کو ایسا ضعیف الوجود انسان خیال کرتا ہے جو ایک آہنی پیکر اور قوی الجثہ دیو کے زیر اثر ہو۔ لیکن یہ تنومند و قوی ہیکل دیو بدخو ضرور ہے بد خواہ نہیں۔ یہ خوش قسب اور غضب آلود دیو اس کے اشعار میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ اس کا یہ غضبناک لہجہ اور لحن جو تاسف و شکایات سے لبریز ہے اس کے کلام کو قوت عطا کرتا ہے۔ اسے اپنے آپ پر حیرت ہوتی ہے کہ جب تک وہ اور لوگوں کی طرح خواب غفلت میں رہا اور اس کا مطمع نظر عشق و عشرت کے سوا کچھ نہ تھا، لوگ اس پر مہربان بھی تھے اور اس کے مونس و غمخوار بھی۔ لیکن جب سے وہ خواب غفلت سے ہوشیار ہوا اور باطنی حقایق سے آشنا ہوا اور اپنا تزکیۂ نفس کیا لوگ اس کو نفرت اور غصے کی نگاہوں سے دیکھنے لگے

Marfat.com

ہیں اور اس کے درپے آزار ہیں۔ وہ مہربان و غم گسار جو اس کے زمانۂ غفلت و عہد طرب میں مہر و محبت سے پیش آتے تھے اب سانپ اور بچھو کی طرح اس کے دشمن بن گئے ہیں۔ ان کا یہ رویہ اس کے شعلۂ غضب کو بھڑکاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ان سادہ لوح انسانوں سے جو حرص و ہوا کا شکار ہیں اور بدکردار و رشوت خور حکام و روساء کی اغراض کا آلۂ کار ہیں برہم نظر آتا ہے۔

این چہ خلق و چہ جہانست ای کریم
کز تو کس را می نبینم شرم و بیم

ترجمہ :- ای خداوند کریم یہ کیسے لوگ ہیں اور یہ کیسی دنیا ہے کہ کسی کے دل میں نہ تو تیری شرم ہے اور نہ ہی تیرا خوف۔

راست کردند این خران سوگند تو
پر کنی زیشان کنون بی شک جحیم

ترجمہ :- ان احمقوں نے تیری قسم کو سچ ثابت کر دیا ہے۔ اب بے شک ان سے دوزخ کو بھردو۔

وان بهشت با فراخی آسمان
نیست آن از بهر این ها ای رحیم

ترجمہ :- اے رحم و مہربانی کرنے والے تیری وسیع و عریض بہشت جو آسمان کی مانند ہے ان لوگوں کے لئے نہیں ہے۔

ناصر خسرو کے تمام قصاید میں جو عظمت و بلندی کے لحاظ سے یمگان اور بدخشان کے پہاڑوں کی یاد دلاتے ہیں قہر و نفرت کا یہ لہجہ نمایاں ہے۔ تحقیر، آزردگی، نفرت اور غیض و غضب کی صدائے باز گشت پورے کلام میں موجزن ہے۔ چالیس سال تک عیش و مستی کی زندگی گذارنے کے بعد جب شاعر ہوش میں آیا اور اس کی زندگی کاانداز یکسر بدل گیا اس وقت اپنے دوسرے

Marfat.com

ہم مشربوں اور ہم جلیسوں کو جو حسب سابق عیش و عشرت میں مبتلا تھے نصیحت کرنا اور سمجھانا ذرا مشکل کام تھا - اس لئے شاعر کچھ عرصہ خاموش رہا کیونکہ اس کے خیال میں ان کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا لیکن خاموش و ویران پہاڑ پر قیام کے دوران اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا وہ مائل بہ فریاد ہوا - وہ عیش و عشرت میں غرق لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتا تھا - وہ ان کی مدہوش آنکھوں کے پردے ہٹا کر باطنی وجود اور حقایق کی طرف لے جانا چاہتا تھا - لیکن جب اس نے دیکھا کہ ظاہر بین لوگوں پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس پر غیض و غضب کی کیفیت طاری ہوئی - وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو برا بھلا کہنے لگا - انہیں ذلیل و حقیر سمجھنے لگا - لیکن اس کے باوجود ان پر کوئی اثر نہ ہوا - وہ بہرے بن گئے - پہاڑی چٹانوں کی طرح ہر قسم کے احساس سے عاری، خاموش، بے مہر اور بے نیاز - چنانچہ اس نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور اپنی زبان بند کر لی - وہ لوگ جو کل تک اس کے مونس و غمخوار تھے آج اس کی نظر میں ذلیل و خوار ٹھہرے - وہ مٹی میں رینگنے والے کیڑوں اور جونکوں کی مانند تھے - وہ کثافتوں اور آلودگیوں کے اس پار خوبصورت آفاق کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے - ناصر کا سارا دیوان اسی قسم کی سرزنش اور اس کی اپنی خود آگاہی سے معمور ہے - اس کا یہ رویہ اور اس کی یہ باتیں بسا اوقات قاری کو آزردہ اور رنجیدہ کردیتی ہیں - لیکن اگر اس کی شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ غرور و خود ستائی بد خواہ دشمنوں کی تحقیر و آزار کا نتیجہ ہے جس نے اس کو معاشرے میں قابل نفرت بنا دیا تھا اور حکمرانوں کے خلاف اس کے دل میں کدورت پیدا کر دی تھی - اسے اس کے عقیدے کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور اسے خود بین ہونے

Marfat.com

پر مجبور کر دیا گیا ۔ وہ ہر شے کے دونوں پہلوؤں پر غور کرتا تھا اور ظاہری شان و شوکت کے پس پردہ باطن کی بد کرداری کو تلاش کرتا تھا ۔ خوبصورت چہروں کے اندر چھپی بد صورتی پر نظر ڈالتا تھا ۔ اس کا دل کسی طرح ظاہر پر راضی نہ ہوتا ۔ وہ ظاہری نماز کو جس میں خشوع و خضوع نہ ہو بے مقصد سمجھتا تھا ۔ وہ روحانی ذوق و شوق کی جستجو کرتا ۔ وہ ظاہر پرستوں کی عبادت اور حج کو جس سے تھکاوٹ ' دشت پیمائی اور مالی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا نا پسند کرتا تھا ۔ وہ اس عبادت کے باطنی اور روحانی پہلو پر نظر رکھتا تھا ۔ وہ جنت کی تمنا اور دوزخ کے خوف سے بیزار نظر آتا ہے کیونکہ یہ جسمانی آسائش یا جسمانی عذاب کے سوا کچھ نہیں ۔ البتہ اذیت اور مسرت کا جو باطنی تصور اس کے اندر موجود ہے اس کے بارے میں وہ متفکر نظر آتا ہے ۔ اس کے خیال میں یہ دنیا جس میں وہ زندگی گذارنے پر مجبور ہے عجیب و غریب دنیا ہے ۔ یہاں صورت یہ ہے کہ کوئی کھا رہا ہے اور کوئی کھایا جا رہا ہے ۔ گھاس کے نزدیک بکری کا بچہ بھیڑیے کی مانند ہے لیکن بھیڑیے کے نزدیک بکری کا بچہ گھاس کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے لئے وہ ایک لقمۂ تر ہے ۔ یہاں بھیڑیا ریوڑ کو اور ریوڑ گھاس کو کھائے جا رہا ہے ۔ ہر شخص اپنے شکم کی آگ بجھانے کی فکر میں ہے ۔ یہ آگ جس طرح بھی بجھ سکے ۔ اس کے سوا کوئی آرزو نہیں ۔ لوگ خنزیروں کے غول کی طرح شکم و شہوت کی تسکین کی خاطر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اورخرگوش کی طرح آنکھیں بند کئےبغیر خواب غفلت کے مزے لے رہے ہیں ۔ وہ گرد و نواح سے بے خبر نہیں چاہتے کہ حقائق و حقیقت کی سر زمین پر قدم رکھیں ۔ وہ نہیں چاہتے کہ اشیاء کی گہرائی میں تامل و تفکر کریں ۔ وہ باطن اور اس کی گہرائی سے ہراساں ہیں ۔ وہ بیداری اور حق شناسی سے خوفزدہ ہیں ۔ وہ موت یا زوال کو جو آن کی گھات میں ہے

Marfat.com

کبھی یاد نہیں کرتے ۔ وہ چنار کے درخت کو جو زندگی کی علامت ہےاور جو نشوونما کے بعد آسمان کی رفعتوں کو چھولیتا ہے بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے غافل ہیں کہ کوئی طاقت اسے اکھاڑ پھینکنے کے در پے ہے ۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس جہان کے مالک ہیں لیکن در حقیقت وہ اس دنیا کے غلام ہو کررہ گئے ہیں ۔ دنیا کی دلفریبی نے ان کو راہ راست سے دور کر دیا ہے اور وہ زندگی کے بیکراں اور خیال پرور سرابوں میں کھو گئے ہیں جہاں ناکامی اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں ۔ ساٹھ سال کی عمر میں بڑھاپے اور غم کے احساس سے شاعر کا دل لرز اٹھتا ہے ۔ پہاڑوں کی اس گمبیھر خاموشی میں ساٹھ سال ایک طویل مدت ہے ۔ اس لمبے عرصہ نے اس کے جسم و جان کو کمزور و ناتواں کر دیا ۔ ان حالات میں ہر چیز اپنی لذت کھو چکی اور یکسانیت کا شکار ہو گئی ۔ اس طویل مدت میں ہر "نوروز" نے اپنے نو شگفتہ پھولوں اور تازہ بہاروں کے ساتھ اس کے دروازے پر دستک دی اور اپنی رعنائیوں اور سحر انگیزیوں سے اسے مسحور کیا ۔ یہ بوڑھا اور غریب الوطن شاعر سوچتا ہے کہ اگر اور ساٹھ سال تک نوروز اس کا مہمان بن کر آئے تو اس کی پرانی کشش و رعنائی اور اس کے دیرینہ رنگ و بو میں کوئی فرق نہیں پڑے گا زندگی خود فریبی اور افسانے کے علاوہ اور کیا ہے ؟

زندگی کا یہ فریب و فسوں اس کی باطن نگر اور حقیقت آشنا آنکھوں کے سامنے بے حجاب ہے ۔ ہر چیز اس کے لئے باعث پند و عبرت ہے ۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ عبرت و انجام سے ہرگز غافل نہیں ۔ بے شک اپنے گھر میں وہ بامراد ، آسودہ حال اور خوش حال رہا ہے لیکن کیا یہ گھر اسے دوسروں سے میراث میں نہیں ملا ؟ کیا یہ گھر زبان حال سے ہر عبرت پذیر اور گوش ہوش رکھنے والے کو نصیحت نہیں کرتا ؟ اس سے پہلے جو لوگ یہاں مقیم تھے وہ سب نیست و نابود ہو چکے ہیں اور صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں ۔ آج

Marfat.com

جو اس میں مقیم ہیں کل وہ بھی اس دنیا سے نا پید ہو جائیں گے۔ شاعر نے اسی نصیحت اور حرف عبرت کو نہایت مؤثر اور پر زور اسلوب میں بیان کیا ہے۔ شاعر جب اپنے سراپائے وجود پر نظر ڈالتا ہے تو اسے دو چیزیں نظر آتی ہیں ایک جسم اور دوسری روح - جسم کا تعلق خاک سے ہے اور روح کا تعلق عالم پاک سے - جسم جو مادی شے ہے اس کا تعلق ظاہر سے ہے اور روح جو معنویت کی حامل ہے اس کا تعلق باطن سے ہے - جسم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کی خاطر ہر طرح کی آسائش، آرام اور عیش و نشاط کا سامان مہیا کرے اور ساری زندگی اس کی ناز برداری کرتا رہے جبکہ روح اس قفس عنصری سے نکل کر حقائق و معرفت کی دنیا میں پرواز کرنا چاہتی ہے اور اسی فکر میں غلطاں نظر آتی ہے - روح اپنے آپ کو اس دنیا میں اجنبی محسوس کرتی ہے - یوں تو جسم و روح دونوں ہی بے چارگی کا شکار ہیں لیکن روح حوادث کی اس تنگنائی میں زیادہ ہی مجبور و بے بس ہے اور غمخواری کی زیاہ مستحق ہے :-

خرد چون بجان و تنم بنگریست

ازین هر دو بیچاره برجان گریست

ترجمہ :- عقل نے جب جسم و روح پر نظر دوڑائی اگرچہ دونوں ہی عاجز و بیچارہ تھے لیکن اس کو روح کی حالت زار پر رونا آیا -

مرا گفت کاینجا غریب است جانت

بدو کن عنایت کہ تنت ایدریست

ترجمہ :- اس نے مجھ سے کہا کہ تمہاری روح یہاں اجنبی ہے اس پر اپنی نوازشات رکھو - تمہارے جسم کا تعلق تو اسی دنیا سے ہے -

ناصر خسرو امراء اور با حشمت لوگوں کی تعریف و توصیف کو گناہ خیال کرتا تھا اور دلبر و محبوب کے لئے لکھی جانے والی غزلوں کو لغو گردانتا تھا - وہ سوال کرتا ہے کہ اس کی تعریف و توصیف سے انسان کو

Marfat.com

کون سا منصب و مقام مل جاتا ہے؟ آخر اس کا کیا فائدہ ہے کہ انسان اپنے ذہن و دماغ کو کسی بدکردار اور بے باک عورت کی تعریف و توصیف کے لئے وقف کر دے۔ ان کاوشوں کا نتیجہ ذلت و غلامی کے سوا کچھ نہیں ۔ یہ انسانی فکر و خیال کے شایان شان نہیں۔ انسانی شرف یہ ہے کہ وہ عقل کو بروئے کار لائے ، ظاہری حجاب ہٹادے اور اشیاء کی حقیقت کو دیکھے ۔ اس گنبد نیلوفری کے اسباب و عوامل کو سمجھے ۔ رموز فطرت اور اسرار کائنات کو جاننے کی کوشش کرے۔ اس جذبۂ تحقیق و تجسس نے ناصر کو درون بینی اور باطن نگری کی طرف مائل کیا اور اس کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا جہاں ظاہر پرستوں کی قیل و قال اس کو آزردہ خاطر کرتی ہے ۔ وہ اقوال و روایات کی کتابوں کو دور پھینک دیتا ہے کیونکہ ان سے اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا وہ "معلم" کی تلاش میں نکلتا ہے ۔ غزل گوئی اور نغمہ نگاری کے دلدادہ شاعروں کو حکمت و معرفت کی طرف توجہ دینے کی فرصت کہاں ؟ موسیقی کی یہ نوا جو انہوں نے ساز چغانہ پر چھیڑی ہے یہ حکمت و معرفت کے راستے کی دیوار ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں گاو خر کی طرح کھانے اور سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں ۔ ان کا شمار انسانوں میں کیسے ممکن ہے ؟ کیا شاعری کی نعمت انسان کو اس لئے دی گئی ہے کہ وہ عیش و طرب میں مشغول رہے اور نا شایستہ و نا زیبا باتیں کرے اور ایسے لوگوں کی رفاقت میں رہے جن کا کام صرف ہنسنا اور ہنسانا اور بادشاہوں کی جھوٹی و بیہودہ تعریف و توصیف کرنا ہو ۔ ناصر کی شاعری مدح ، ہجو ، ہزل اور غزل پر مشتمل نہیں بلکہ حکمت و تحقیق پر مبنی ہے اور اسی لئے دوسرے شاعروں کے کلام سے مختلف ہے۔ وہ نہ تو مجازی معشوق کی تعریف کرتا ہے اور نہ ہی شراب اور عیش پسندی کی ۔ نہ امراء کی قصیدہ خوانی کرتا ہے اور نہ ہی ان کو عمار اور بوذر جیسا زاہد سمجھتا ہے۔ وہ حیات کی رنگا رنگی ، رعنائی اور دلبری کی

Marfat.com

طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اگر خلیفہ فاطمی کی مدح کرتا ہے تو یہ آواز اس کے دل سے نکلتی ہے خوشامد اور انعام کی غرض سے نہیں۔ مظاہر فطرت کی تعریف کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ ظاہری زندگی اور حسن کو باطن پر فوقیت دیتا ہے۔ غرض وہ جو کچھ کہتا ہے اس کا تعلق حقیقت سے ہے۔ اس کا تعلق نہ تو تصوف سے ہے نہ صرف نصیحت سے۔ یہ دراصل اس کا منفرد انداز ہے اور یہی اس کا طریقہ تعلیم ہے۔ وہ شاعری کو ترویج مذہب کے لئے ایک وسیلہ سمجھتا ہے اور اسی وسیلہ سے وہ کوشش کرتا ہے کہ مخالفین کو لاجواب کردے، گم کردہ راہ کو راستی کی طرف لائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا کلام عقلی و دینی استدلال کا ایک مجموعہ ہے اوراس میں قلبی جذبات و ہیجان اور ذوق و شوق کا جو ایک شعر کا خاصہ ہوتا ہے فقدان ہے۔ فلسفہ و کلام کے معنی و مفہوم میں اس کا استغراق اور مشکل بحور و ردیف کے بار بار استعمال نے اس کے کلام کو مشکل و پیچیدہ کردیا ہے۔ لیکن ہر جگہ ماسوا نادر مواقع کے اس کا کلام پرزور، عمیق اور معانی سے لبریز ہے اور اس کا انداز بیان نہایت ہی مؤثر اور لطیف ہے۔ اس کے اشعار میں اس کا قرآنی علم بھی جھلکتا ہے۔ بعض عربی شاعروں کی جھلک بھی اس کے اشعار میں ملتی ہے۔ اسے جریر، حسان، ابو نواس اور بحتری سے پرخاش ہے۔ عربی ادب سے واقفیت نے اس کے شعر کو ایک خاص چاشنی عطا کی ہے۔ وہ مشہور فارسی شعراء کسائی اور عنصری سے برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ در حقیقت اس کے شعر کا اسلوب تاویل معانی اور انتخاب الفاظ میں کسی حد تک عنصری سے مشابہ ہے اگرچہ اس نے ایک جگہ اس کو محمود کی مدح پر مورد ملامت قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اس کو جریر کا ہم پلہ بھی سمجھتا ہے اور اس سے اپنا موازنہ کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس کے انداز نگارش پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کے باوجود ناصر خسرو اور عنصری کے کلام کے

Marfat.com

موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کے اشعار میں محمود کے ملک الشعراء جیسی سلاست و روانی نہیں ہے لیکن استحکام و مضبوطی کے لحاظ سے اس سے بہتر ہیں۔ ناصر، کسائی کی زہدیات کے انداز بیان پر بھی نظر رکھتا ہے جو پراگندہ اشعار کی صورت میں مختلف کتابوں میں اس کے نام اور حوالے سے درج ہیں۔ اس قدرت و تسلط کے باوجود جو ناصر خسرو کو الفاظ کے انتخاب میں حاصل ہے وہ لفظ سے زیادہ معانی پر نظر رکھتا ہے اور اس کے کلام کا استحکام بھی معانی کی عظمت و گہرائی کا مرہون منت ہے۔ لغو اور بیہودہ گوئی سے اجتناب کے باعث اس کا اسلوب حسن ایجاز کی حدود کو چھو لیتا ہے اور در حقیقت وہ ایجاز کلام کو اعجاز سمجھتا ہے۔ وہ مختصر لیکن مدلل بات کو پسند کرتا ہے۔ وہ ایسی بات کو جس میں کوئی عمیق و قابل ذکر نکتہ نہ ہو در خور اعتنا نہیں سمجھتا۔ اس کے خیال میں لفظ مشک ہے اور مفہوم و معانی اس کی خوشبو۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ایسی مشک جو خوشبو سے عاری ہو مٹھی بھر راکھ ہے۔ اگر خوبصورت الفاظ کے اس طرف معنی کی گہرائی نہ ہو تو الفاظ کی زیبائی سے کیا حاصل؟ (۹) وہ نہ فقط الفاظ کی لا حاصل صنعت گری کو بلکہ شاعروں کی چرب زبانی اور خوشامد کو بھی لغو و عبث گردانتے ہوئے اس کی مذمت کرتا ہے اور ایسے شاعروں کو پیشہ ور شاعر سمجھتا ہے اور مطربوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اس کے دل میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یمگان کے اس دور افتادہ گوشۂ تنہائی میں ان فریب خوردہ شاعروں کو قابل ملامت سمجھتا ہے اور ان پر سخت تنقید کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ یمگان کی ان روح فرسا تنہائیوں اور نامرادیوں میں فقط امید کی ایک کرن شاعر کے دل کو گرماتی ہے اور وہ ہے فتح کی امید یعنی فاطمیوں کی دعوت دین کی فتح۔ جب غم و اندوہ کی اس تنگ گھاٹی میں

Marfat.com

وہ سوچتا ہے کہ آخرکار فاطمی مذہب ہر جگہ چھا جائے گا تو اس کا دل مسرت و شادمانی سے لبریز ہو جاتا ہے ۔ یہ سوچ کر کہ ایک دن خلیفۂ فاطمی "بغداد" آئے گا اور " عباسی دیو" مجبوری و ناچاری کے عالم میں اپنے بیٹے کو اس کے قدموں میں قربان کر دے گا ، تو اس کو تمام جان گداز رنج و الم سے تسکین مل جاتی ہے ۔ لیکن اس وقت اس کی یہ آرزو اس کے جنون پرور فکر و خیال تک ہی محدود تھی ۔ جن دنوں عبدالملک عطاش اصفہان میں باطنی عقائد کی نشر و اشاعت میں مشغول تھا حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ عام لوگوں سے آزادنہ طور پر مل سکے ۔ دعوت فاطمی ایران میں اس سرگردان شاعر کے ذہن کے علاوہ ہر جگہ شکست سے ہمکنار تھی حتی کہ ۴۸۱ھ میں جب اس قبادیانی شاعر نے یمگان کی خاموشی اور تنہائی میں داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت بھی اس کے مسلک اور نظریے کی مقبولیت کے زیادہ امکانات نہیں تھے ۔ اس کی وفات کے صرف دو سال بعد جب حسن بن صباح نے " الموت " میں قیام کیا تو نزاری باطنی بادشاہ اور خلیفۂ وقت کیلئے خطرے کا باعث بن گئے او پورے ملک میں خوف و ہراس کی فضا پیدا ہوگئی ۔ لیکن جب الموت کے حاکموں کی وحشت ناک آوازیں طالقان، قزوین اور جبال میں گونج رہی تھیں تو یمگان کے شاعر کی آواز کو خاموشیوں کے گرداب میں ڈوبے ایک مدت گذر چکی تھی ۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) ان فرقوں اور ان کے باہمی اختلافات کے بارے میں رجوع کریں :
غزالی نامہ، جلال الدین ہمائی صفحہ ۲۰-۱۸، ۵۰-۳۰

(۲) اس عام قحط و وبا کی تفصیل ترجمۂ تاریخ یمینی میں درج ہے، لیتھو ۱۲۷۲ق، صفحہ ۳۳۱-۳۲۵، ابن اثیر کی الکامل مطبوعہ مصر جلد ۷، صفحہ ۲۵۳-۵ سے موازنہ کیا جائے۔

(۳) خیشخانہ اور باغ فیروزی کے بارے میں مزید معلومات کیلئے رجوع کریں
تاریخ بیہقی صفحہ ۱۲۱-۵

(۴) تاریخ بیہقی صفحہ ۱۸۳

(۵) Ivanow, W. Ismailiya, Sh EI Page 181

(۶) Ivanow, W. Ibidi 181-182
ملاحظہ فرمائیں۔ مقدمہ دیوان ناصر خسرو، تقی زادہ، مطبوعہ کتابخانۂ تہران موہن۔

(۷) Ivanow, W. Problems in Nasir Khusrow's biography Bombey 1956-Page 18

(۸) انبیائے تورات اور ان کی کتابوں کے بارے میں مزید معلومات کیلئے رجوع کریں : قاموس کتاب مقدس صفحہ ۸۷۳-۵

(۹) اپنے دیوان کے صفحہ ۹۴ میں کہتا ہے کہ :

مشک باشد لفظ و معنی بوی او   مشک بی بو ای پسر خاکستر است

ترجمہ :- الفاظ مشک کی مانند ہوتے ہیں اور معنی ان کی خوشبو۔
اے فرزند ! مشک خوشبو کے بغیر راکھ ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

مسعود سعد

ایک قیدی شاعر

زندان کی تاریکی، تنہائی اور مایوسی میں ایک جہاندیدہ نجومی نے جو مسعودسعد کے ساتھ قید میں تھا مسعودسعد کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ وہ اسی سال تک زندہ رہے گا ۔ مسعودسعد کے حق میں یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی - چنانچہ ۵۱۵ ھ میں جب شاعر اس دنیا سے رخصت ہوا اس وقت اس کی عمر کم و بیش اسی سال کی تھی - لیکن اس عمر کا کیا فائدہ جس کے بہترین ایام قید و بند میں گذرے - در اصل یہ نجومی مسعود کے ہمراہ قلعۂ سو میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا کریستو (ا) (۱) کے ساتھی قیدیوں کی طرح چاہتا تھا کہ ہر قیدی کے دل کو خوش آیند مستقبل کی نوید سنا کر خوش رکھے تاکہ وہ موجودہ صعوبتوں کو آسانی سے برداشت کر سکیں - لیکن اسے علم نہیں تھا کہ رہائی کے بعد بھی شاعر کو دوبارہ قید میں ڈال دیا جائے گا اور اس طرح اس کی عمر کے بہترین ایام میں سے انیس بیس سال اسی قید و بند میں گذر جائیں گے - اپنی زندگی کے آخری پندرہ سال جو مسعود نے رہائی کے بعد گذارے اور زیادہ تر لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف رہا وہ زمانہ بھی اتنا آرام و آسائش کا نہ تھا جس سے اس کی سیاہ بختی اور طویل قید و بند کی تلافی ہو سکتی - کیونکہ جب انیس بیس سالہ قید سے اسے نجات ملی اس وقت وہ ضعف اور بڑھاپے کی گرفت میں آچکا تھا - جب اسے قید میں رکھا گیا تھا اس وقت اس کی عمر چالیس سال

۱۔ Christo

Marfat.com

سے زیادہ نہ تھی اور اس کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا ۔ لیکن جب زندان سے رہا ہوا اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی اوو اب سر کا ایک بال بھی سیاہ نہیں تھا ۔ اس قید کے دوران وہ مختصر مدت کے لیے چند بار رہا بھی ہوا ۔ بلکہ ایک مرتبہ اسے ہندوستان کے کسی شہر کا حاکم بھی بنا دیا گیا تھا لیکن مجموعی طور پر اس کی عمر کے انیس یا بیس سال جیلوں میں گذرے ۔ یہ جیلیں' شیلان (ا) (۲) کی طرح تاریک اور وحشتناک تھیں اور ریڈنگ (ب) (۳) کے جیل کی طرح وہاں اذیت ناک تنہائی کی فضا تھی ۔ چنانچہ شاعر نے ان قید خانوں کی کچھ اس انداز میں تصویر کشی کی ہے کہ بائرن (ج) اور آسکروائلڈ (د) کی یاد تازہ ہو جاتی ہے

مسعود کے ان غم انگیز اشعار کا اگر گہرائی میں اتر کر جائزہ لیا جائے جن میں اس نے اپنی سر گذشت بیان کی ہے اور جو " حبسیات مسعود " کہلاتے ہیں تو ان اشعار میں زندان کی بلند دیواروں کے پیچھے اس کے سائے حرکت کرتے ہوئے نظر آسکتے ہیں اور اس سے ان خاموش ' ویران اور گمشدہ زندانوں کی واضح تصویر بنائی جاسکتی ہے ۔ یہ جیلیں غزنی اور ہند کے درمیانی علاقے میں فوجی قلعے تھے جن میں سے اکثر پہاڑوں کی سنسان وادیوں میں واقع تھے ۔ شاعر سات سال تک دہک اور سونامی دو قلعوں میں قید رہا اور کئی سال حصار نائے اور قلعۂ مرنج میں اس نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور جیسا کہ اس کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے مجموعی طور پر اس کی زندگی کے انیس یا بیس سال اسیری میں گذرے ۔ ان مستحکم اور خاموش زندانوں کی روداد جن اشعار میں بیان کی گئی ہے ان میں مرثیہ کا رنگ پیدا ہو گیا ہے ۔ اس تکلیف دہ اور طویل قید کی الم ناک داستان اس کی حبسیات میں محفوظ ہے ۔

ا. Chillon ب. Reading ج. Byron د. Oscar Wild

Marfat.com

اس کا قید خانہ جہاں بھی تھا بہر حال جیسا کہ اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے وہ ایک ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی جس میں وہ نحیف و نزار شاعر حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔ ایک چھوٹی سی تاریک کوٹھڑی جس کی چھت پتھر کے ایک ٹکڑے اور دروازہ چند اینٹوں پر مشتمل تھا۔ شاعر جس کے پاؤں پابند سلاسل تھے اس سیاہ قبر میں جو اس کے سونے اور آرام کرنے کی جگہ تھی وہ ہر وقت موت کے ہیولے کو دیکھتا تھا جو ایک خوفناک اژدہے کی طرح اسے نگلنے پر آمادہ تھا۔ اس کا بچھونا پھٹا پرانا بوریا تھا۔ قمیض بھی بوسیدہ اور کھردری تھی۔ ظاہر ہے اسے یہاں مہمان کی طرح نہیں رکھا گیا تھا۔ سنگدل دربان جو اس کی نگرانی پر مأمور تھے اور جنہیں شاعر "کریہ منظر مثور"(۴) کے نام سے یاد کرتا ہے مختلف حیلوں بہانوں سے اس کو آزار پہنچاتے تھے۔ زمانۂ آزادی میں جو عیش و آرام اور ہر طرح کی آسائش کا عادی تھا اس کے لئے اس بدبختی کے دور میں سب سے بڑا تکلیف دہ مسئلہ جس کی وجہ سے وہ رنجیدہ نظر آتا تھا' تازہ روٹی کا مسئلہ تھا خواہ وہ نان خشک ہی کیوں نہ ہو۔ وہاں صورت یہ تھی کہ اگر ہفتے میں کسی روز کھانے کی کوئی چیز مل بھی جاتی تو اسے رکھنے کے لئے کوئی برتن یا دستر خوان نہ تھا سوائے اس کے کہ اپنے ہاتھوں یا زانو پر رکھ کر کھائے۔ نان جوین اس کے بھوکے منہ میں جلیبی کا مزہ دیتی۔ اسے شام اور چاشت کے کھانوں کے لئے صرف دو روکھی روٹیاں درکار تھیں لیکن وہ بھی اس کو میسر نہیں تھیں۔ داروغۂ جیل سے اگر اس کی درخواست کرتا تو خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ ملتا۔ اس کے بر عکس بام و در پر بداخلاق اور بد زبان قسم کے دربانوں کو اس کی نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اس کی نیند اور آرام کو بھی حرام کر رکھا تھا۔ یہ جیلیں جو سر بفلک پہاڑوں میں واقع تھیں اپنی بلندیوں' تنہائیوں اور خاموشیوں کے باعث شاعر کو ہر وقت موت

Marfat.com

کی یاد دلاتی تھیں ۔ وہ قلعۂ سو کی جیل سے راتوں کو ستاروں کے ساتھ راز و نیاز کرتا تھا۔ اور اپنے دکھوں اور غموں کا حساب کرتا تھا۔ قلعۂ نائے کی جیل جو ایک نشیبی کوہستانی علاقے میں واقع تھی وہاں رات گئے چیتوں اور درندوں کی آوازوں سے شاعر کا دل کانپ کانپ اٹھتا تھا۔ غم و اندوہ میں مبتلا یہ بے بس قیدی اپنی تاریک کوٹھڑی کی چھت کے چھوٹے سے سوراخ سے پہاڑوں پر بادلوں کو آہستہ آہستہ حرکت کرتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا۔ مرنج کی جیل میں آسے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود اس کی نگرانی پر دس پہرے دار مقرر تھے جو ہر وقت اس پر کڑی نظر رکھتے تھے۔

مقصور شد مصالح کار جہانیان
بر حبس و بند این تن رنجور ناتوان

ترجمہ :- دنیا والوں کی مصلحت اسی چیز پر منحصر ہو کر رہ گئی ہے کہ اس بندۂ ضعیف و نزار کو قید و بند میں ڈال دیں ۔

در حبس و بند نیز ندارندم استوار
تا گرد من نباشد دہ تن نگاھبان

ترجمہ :- وہ مجھے قید و حبس میں رکھ کر بھی چین نہیں لینے دیتے جب تک کہ میرے اوپر دس پہرے دار مقرر نہ کر دیئے جائیں۔

ھر دہ نشستہ بر در و بر بام سمج من
با یکدیگر دمادم گویند ھر زمان

ترجمہ :- یہ دس نگران میرے قید خانے کے بام و در پر متعین ہیں اور ہر لمحہ ایک دوسرے کو خبردار کر رہے ہیں۔

خیزید و بنگرید مبادا بجادوئی
او از شکاف روزن پرد بآسمان

ترجمہ :- کہ اٹھو اور دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ جادو کے زور سے

Marfat.com

وہ روشندان کے سوراخ سے اڑ کر آسمان پر نہ چلا جائے -

قید کی تنہائی اور تکلیف کے ساتھ ساتھ دوست و احباب کا خیال بھی اس کے لئے باعث تکلیف تھا - اسے خیال آتا کہ دوستوں نے اسے بھلا دیا ہے اور اپنے پرائے ہو گئے ہیں - جب وہ اپنی سیاہ بختیوں پر نظر کرتا تو دشمنوں کی کامیابیوں پر پیچ و تاب کھاتا اور وسیع و عریض آسمان کے دامن کو نوچ کر تار تار کر دینا چاہتا - اس کے لئے یہ امر ناقابل برداشت ہے کہ گردش افلاک کے سبب اس دنیا میں کسی کے نازک جسم پر ابریشم بھی گراں ہے اور کسی کی مفلسی اور بدبختی کا یہ عالم ہے کہ اسے ٹاٹ بھی میسر نہیں - قید کے دوران شاعر کی پریشانیوں میں اضافہ کا ایک بڑا سبب عزیزوں اور رشتہ داروں کی یادیں تھیں - ماں کی یاد جو اس کی دوری اور فراق میں رو رو کر خشک لکڑی کی مانند ہوگئی اور جو ایک لمحہ کے لئے بھی بیٹے کی یاد سے غافل نہ ہوئی - باپ کی یاد جس نے ایک مدت تک سلطان کی خدمت کی لیکن اب اس کا اپنا بیٹا اسی سلطان کی قید میں گل سڑ رہا ہے - بیٹی اور بیٹے کی یاد جن کا غم و الم تلوار اور تیر کی مانند اس کے دل و جان کو زخمی کرتے رہا - سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ نہ اسے ان کی صحیح خبر تھی اور نہ انہیں معلوم تھا کہ اس پر کیا بیت رہی ہے -

تیغ و تیر ست بر دل و جگرم

غم و تیمار دختر و پسرم

ترجمہ :- میری بیٹی اور بیٹے کا غم و اندوہ میرے دل و جگر میں تیغ و تیر کی طرح پیوست ہو رہا ہے -

هم بدینسان گدازدم شب و روز

غم و تیمار مادر و پدرم

ترجمہ :- اسی طرح مجھے دن رات ماں باپ کا غم و اندوہ کھائے جا

Marfat.com

رہا ہے۔

نہ خبر میرسد مرا زیشان

نہ بدیشان همی رسد خبرم

ترجمہ :- نہ مجھے ان کی خبر مل رہی ہے۔ نہ انہیں میری خبر پہنچ رہی ہے۔

باز گشتم اسیر قلعۂ نای

سود کم کرد با قضا حذرم

ترجمہ :- مجھے پھر قلعۂ نائے میں قید کر دیا گیا ہے۔ میں نے قضا و قدر سے دور رہنے کی کوشش کی لیکن فائدہ نہ ہوا۔

اس غم و الم کے علاوہ ایک دوسرا غم بھی اسے آزار پہنچاتا رہا اور وہ قرض کی مصیبت تھی جس کا مطالبہ قرض خواہ جیل میں بھی آکر کرتے رہے اور اس طرح اس کی تکلیف میں اور اضافہ کرتے رہے۔ ان سب سے بڑھ کر بڑھاپے اور ناتوانی کا دکھ تھا جس میں وہ قید کے آخری سالوں میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تنہائی اور بے بسی کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔

شاعر ان دکھوں اور مصیبتوں کے دوران یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ یہ سب کچھ نوشتۂ تقدیر ہے۔ دنیا بے ثبات ہے۔ انسان کا وجود فانی ہے۔ ہر شخص اپنی باری کا منتظر ہے۔ یہ عارفانہ اور صوفیانہ خیالات و افکار کسی حد تک اسے تسلی دیتے اور خوش رکھتے ہیں :-

چون بدیدم بدیدۂ تحقیق

کہ جہان منزل فناست کنون

ترجمہ :- جب میں نے بغور مشاہدہ کیا کہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے

راد مردان نیک محضر را

روی در برقع حیاست کنون

Marfat.com

ترجمہ :- درویش صفت اور نیک لوگوں نے حیا کی چادر میں اپنا چہرہ چھپا لیا ہے -

طبع بیمار من ز بستر آز
شکر یزدان درست خاست کنون

ترجمہ :- تو خدا کا شکر! کہ میری بیمار طبیعت حرص و طمع سے بجا طور پر اچاٹ ہو گئی ہے -

شاعر کی تسلی اور دلجوئی کرنے والی دوسری چیز اس کے اشعار ہیں جو اس کے دل کو چند لمحات کے لیے ان مصائب سے کنارہ کش کر دیتے ہیں - وہ دل جو ان اذیت ناک جیلوں میں گوناگون درد و اندوہ کے باعث دکھوں میں مبتلا رہا ان اشعار کے ذریعے چند لمحات کے لیے آرام و سکون حاصل کرتا ہے اور اپنی محرومیوں اور تکلیفوں کو وزن و قافیہ کے دلچسپ مشغلے میں بھول جاتا ہے - کبھی ایسے ایسا احساس ہوتا ہے کہ اگر یہ جان افزا شاعری بھی نہ ہوتی تو رنج و الم کے باعث وہ ختم ہو چکا ہوتا - اس کے باوجود یہ قدیم اور تنگ و تاریک قید خانے بعض اعتبار سے آج کی جیلوں کی سختیوں اور پابندیوں کے مقابلے میں بہتر تھے - شاعر کے لئے باہر کی دنیا سے رابطہ قائم کرنا مکمن تھا - وہ اپنے دوستوں کو اپنے اشعار بھیج سکتا تھا اور ان سے بعض معاملات میں مدد طلب کر سکتا تھا - چنانچہ قلعۂ سو کی جیل میں اس نے بہرامی نامی ایک معمر اور جہاندیدہ نجومی کے ساتھ شناسائی پیدا کی اور اس سے علم نجوم سیکھا - وہاں شاعر کے لئے محمد خطیبی نامی ایک قیدی سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ پیدا کرنا بھی ممکن ہو سکا جو اس کا دوست اور رفیق کار تھا اور جس نے " نو گرفت " کی زندان میں اس کی ہر طرح غمخواری کی اور اپنے تجربات سے آگاہ کیا - اسے وہاں سمرقند شہر کے ایک معروف شاعر استاد رشیدی کے ساتھ مشاعرہ کرنے اور اسے اپنے

Marfat.com

درد و اندوہ سے آگاہ کرنے کا موقع بھی ملا - اسے وہاں اپنی پسند کی کتاب پڑھ کر کتاب کے اوراق میں اپنی درد ناک کہانی کو بھلادینے کی بھی آزادی تھی - حتی کہ اسے اپنے گرفتار کرانے والوں اور دشمنوں کا نام لینے ، انھیں برابھلا کہنے اور دھمکی دینے کی بھی آزادی تھی - اس کے علاوہ جیل کی الم انگیز فضا میں رہ کر باہر کی دنیا سے باخبر رہنے کے ذرائع بھی اسے حاصل تھے .

اس کے باوجود شاعر کو اس ختم نہ ہونے والی طویل قید اور بد زبان و پر غضب داروغوں سے ہمیشہ شکایت رہی - اس نے اپنی تکلیف اور ناپسندیدگی کو کبھی نہیں چھپایا - اکثر غم و غصے اور مایوسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وہ اپنی سیاہ بختی کا ذمہ دار علم و دانش کو ٹھہراتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ کاش وہ علم و ہنر سے بے بہرہ ہوتا تو اسے اس منحوس گھڑی سے دوچار نہ ہونا پڑتا - جیل سے اپنے بیٹے سعادت کو خط میں نصیحت کرتا ہے کہ حصول علم و دانش کی جستجو ترک کر کے بافندگی کا پیشہ اختیار کرے اور مٹھی بھر دنیا پرست کتوں اور گدھوں کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے انہیں کی طرح ہو جائے تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکے - اس تلخ نصیحت سے شاعر کی ایسی مایوسی اور الم ناکی کا اندازہ ہوتا ہے جو ان حالات میں حساس افراد میں پیدا ہوتی ہے - در اصل شاعر طویل اور نہ ختم ہونے والی قید میں اپنی رہائی اور زندگی سے مایوس ہو چکا تھا - اسے یقین ہو چلا تھا کہ جیل ہی میں اس کی موت واقع ہو گی - آخر اس ضعیف و نزار اور غریب و بے بس شاعر سے بادشاہ وقت کو کیا خطرہ تھا ؟ وہ رستم زابلی یا پوردستان نہیں تھا جس سے سلطنت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو - غرض کہ شاعر طرح طرح کے وہم و گمان اور مایوس کن خیالات میں گھرا ہوا تھا جو اس کے دل میں ہلچل پیدا کرتے تھے اور اس کی پریشانی اور تکلیف میں اضافہ کرتے تھے -

Marfat.com

نالم ز دل چونای من اندر حصار نای

پستی گرفت ہمت من زین بلند جای

ترجمہ :- میں قلعہ نائے کے اندر بانسری کی مانند آہ و فغان کر رہا ہوں۔ جیل کی بلند دیواروں کے اندر میری ہمت جواب دے گئی ہے ۔

آرد ہوای نای مرا نالہھای زار

جز نالہ ھای زار چہ آرد ہوای‌نای

ترجمہ :- قلعہ نائے کے ماحول کے باعث مجھے رونا آتا ہے۔ قلعہ نائے کی فضا میں آہوں اور نالوں کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے (یا بانسری کے نالوں میں آہ وفغاں کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے) ۔

گردون چہ خواہد از من بیچارۂ ضعیف

گیتی چہ جوید از من در ماندۂ گدای

ترجمہ :- مجھ بیچارے ضعیف و نزار سے آسمان کیا چاہتا ہے۔ مجھ مفلوک‌الحال فقیر سے آخر دنیا کیا لینا چاہتی ہے ؟

ای محنت ار نہ کوہ شدی ساعتی برو

وی دولت ار نہ باد شدی لحظہ یی بپای

ترجمہ :- اے دکھو اگر تم پہاڑ کی طرح بے حرکت نہیں ہوگئے تو چند لمحوں کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ اے خوشبختی اگر تو ہوائے گریز پا نہیں تو ایک لمحے کے لئے رک جا۔

بہر حال یہ آلام و مصائب اسے لب بہ شکایت تو کرتے ہیں لیکن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ غم و آلام کی یہ آگ جو ہر وقت اس کے اندر بھڑکتی رہتی اسے نہ تو جلا کر راکھ کر سکتی ہے اور نہ ہی اس میں نرمی پیدا کر سکتی ہے۔ ان تھپیڑوں کو کھا کر اس کا دل اور زیادہ مضبوط اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اس کا یہ عزم اور رجائیت اس پر امید

Marfat.com

پیغام میں عیاں ہے جو اس نے محمد خطیبی کو بھیجا ہے(۵) ہر طرح کی تحقیر اور دلآزاری کے باوجود نہ تو اس کے ارادے میں کمی آتی ہے اور نہ اس کے قدم لڑکھڑاتے ہیں ۔ وہ بڑے باوقار انداز میں اپنی معصومیت اور بے گناہی کا تذکرہ کرتا ہے اور نہایت سخت لہجے میں حاسدوں اور دشمنوں کو ملامت کرتا ہے۔ اس کے بیان اور اس کے دعووں کے پیش نظر کسے شک ہو سکتا ہے کہ اس پر لگائے گئے الزامات صحیح تھے ؟

از کردۂ خویشتن پشیمانم

جز توبہ رہ دگر نمی دانم

ترجمہ :- میں اپنے کئے پر پچھتا رہا ہوں۔ توبہ کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ۔

تا زادہ ام ای شگفت محبوسم

تا مرگ مگر کہ وقف زندانم

ترجمہ :- یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پیدائش سے لے کر اب تک قید و بند میں ہوں۔ شاید موت کے آنے تک جیل کے لئے وقف ہو چکا ہوں ۔

سبحان اللہ مرا نگوید کس

تا من چہ سزای بند سلطانم

ترجمہ :- سبحان‌اللہ مجھے کوئی یہ نہیں بتاتا کہ کس جرم کی پاداش میں مجھے سلطان کی قید و بند میں ڈالا گیا ہے ۔

ایزد داند کہ ہست ہمچون ہم

در نیک و بد آشکار و پنہانم

ترجمہ :- خدا جانتا ہے کہ نیکی اور بدی میں میرا ظاہر و باطن ایک جیسا ہے ۔

Marfat.com

واللہ کہ چو گرگ یوسفم واللہ

بر خیرہ ہمی نہند بہتانم

ترجمہ :- خدا کی قسم ! میں اس بھیڑیے کی طرح بیگناہ ہوں جس پر حضرت یوسف (ع) کو کھانے کا الزام لگایا گیا تھا - مجھ پر جھوٹی تہمتیں لگائی جارہی ہیں -

مسعود سعد کے آبا و اجداد کا تعلق ہمدان سے تھا لیکن اس کی پیدائش لاہور میں ہوئی اور وہیں اس نے زندگی گذاری - اس کے والد سعد بن سلیمان جو طویل مدت تک غزنوی دربار سے وابستہ رہے لاہور کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے اور انہیں بڑا جاہ و مقام حاصل تھا - ان کا فرزند مسعود، شہزادہ سیف الدولہ محمود کی خدمت میں مأمور تھا اور بڑی آرام دہ زندگی گذار رہا تھا - لاہور میں اس کا ایک عظیم الشان محل تھا - شہزادہ کے دربار میں اس کا شمار اکابرین اور مقربین میں ہوتا تھا - وہ بڑے امراء کی طرح میدان جنگ میں اس کا ہم رکاب ہوتا تھا اور کبھی کبھی دلیری کے کارنامے بھی دکھاتا تھا - مال و جاہ کے باعث سخاوت و بخشش سے کام لیتا اور اپنی مدح و توصیف کرنے والے شعراء کو انعام و اکرام سے نوازتا تھا - وہ شان و شوکت سے بھرپور درباری زندگی کے اس ماحول میں خوش و خرم اپنے بوڑھے ماں باپ اور بیٹی بیٹے کی دیکھ بھال میں مصروف تھا - شہزادہ محمود کے ساتھ اس کا مسلسل رابطہ رہتا - یہ شہزادہ اپنے باپ سلطان ابراہیم شاہ غزنی کی جانب سے لاہور کا حاکم تھا - لاہور میں وہ غزنوی سلطنت میں شامل تمام ہندوستانی علاقوں کا حاکم تھا اور اس کی شان و شوکت اپنے باپ، سلطان غزنی سے کسی طرح کم نہ تھی - اسی دوران جیسا کہ چہار مقالہ کے مؤلف نے لکھا ہے سلطان کو یہ اطلاع دی گئی کہ شہزادہ محمود عراق عجم جاکر ملک شاہ سلجوقی کے پاس پناہ لینے کا منصوبہ بنا رہا ہے -

Marfat.com

اس اطلاع نے جو بظاہر بے بنیاد بھی نہ تھی غزنہ کے سلطان کو اپنے بیٹے سے سخت بدگمان کردیا ۔ اصل میں اس بات کا امکان تھا کہ ملک شاہ اس پناہ کے بہانے لشکر کشی کرے گا اور غزنی پر قبضہ کر کے غزنوی سلطنت کے بچے کھچے اس حصے کو بھی اُن سے چھین لے گا ۔ یہ صحیح ہے کہ سلجوقیوں کی غزنویوں کے ساتھ دور کی رشتہ داری تھی لیکن دونوں خاندانوں کے درمیان دیرینہ دشمنی کے باعث سلطان ابراہیم کی تشویش بلاوجہ نہ تھی ۔ اس وجہ سے غزنہ کے سلطان نے بغیر اس کے کہ شہزادہ محمود تک یہ خبر پہنچے اور قبل اس کے کہ وہ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنائے ، محمود کو گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا ۔ اس کے ان مقربین اور امراء کو بھی گرفتار کر کے جیلوں میں پھینک دیا گیا جن کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اس منصوبے سے آگاہ تھے اور اس کے ہم خیال تھے ۔ ان مقربین میں مسعود سعد بھی شامل تھا کیونکہ وہ شہزادے کا دوست اور مصاحب تھا اور عراق عجم سے تعلق ہونے کے باعث شاید اس منصوبے میں کسی حد تک اس نے شہزادے کی حوصلہ افزائی بھی کی تھی ۔ اسی بات پر شاعر کو گرفتار کر کے قلعہ دہک کی جیل میں بھیج دیا گیا ۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے وہاں سے سوکی جیل میں منتقل کر دیا گیا ۔ سو اور دہک کی جیلوں میں اس پر سات سال تک تشدد کیا جاتا رہا ۔ بعدازآں اسے قلعہ نائے کی جیل میں بھیج دیا گیا ۔ قلعہ نائے جو غزنی سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا اس زمانے میں سیاسی قیدیوں کا جیل خانہ تھا اور عموماً شہزادوں اور سلطنت کے دعویداروں کو وہاں پر قید رکھا جاتا تھا ۔ خود سلطان ابراہیم بھی ایک طویل عرصہ تک اس میں قید رہا تھا ۔ اسی قلعے میں جہاں کسی کی فریاد نہیں سنی جاتی تھی اور جو " سادر سلک " اور " زندان شہزادگان " شمار ہوتا تھا ، مسعود تین سال تک قید رہا (۶) بہر حال اس الزام کے باعث اس کی عمر کے

Marfat.com

دس گیارہ سال دہک ، سو اور نائے کی جیلوں میں گذر گئے ۔ اس کے بعد ابوالقاسم خاص عمیدالملک کی کوششوں سے تھوڑی مدت کے لئے اسے جیل سے رہائی ملی تو وہ اپنے عزیز و اقارب کے پاس لاہور چلا گیا ۔ ایک با اثر درباری اور اپنے پرانے دوست سپہ سالار بو نصر فارسی کی سفارش پر سلطان مسعود ثانی کے بیٹے شیرزاد نے جو ان دنوں فرمانروائے ہند تھا اسے جالندھر کا حاکم مقرر کیا لیکن یہ آسائش کے دن زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوئے ۔ دشمنوں کی بدگوئی کے باعث بو نصر فارسی کو معزول کر دیا گیا ۔ اس کے زوال کے باعث اس بد نصیب شاعر کو پھر بد بختی اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ اس نے اپنی رہائی کے ایام میں احتیاط سے کام نہ لیتے ہوئے سپہ سالار کی عنایات کا شکریہ ادا کیا تھا اور شیرزاد کے بعض مقربین کی ہجو لکھی تھی ۔ اس مرتبہ اسے نہ صرف عہدے سے ہاتھ دھونے پڑے بلکہ اس کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی حتی کہ اس کے گھر کو بھی مسمار کر دیا گیا ۔ مسعود ان حالات میں سلطان غزنی کے وزیر خزانہ ثقۃ الملک طاہر سے مدد حاصل کرنے کی غرض سے لاہور سے غزنی گیا لیکن وہاں بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا ۔ انہوں نے اس کے خلاف سلطان کے کان بھرے ۔ جس کی وجہ سے اس نے اس کی گرفتاری کے احکام جاری کئے ۔ اس دفعہ بو نصر کے ساتھ اس کی دیرینہ دوستی اس کی گرفتاری کی خاص وجہ بنی ۔ چنانچہ بقول مؤلف چہار مقالہ" بو نصر فارسی کے ساتھ قربت کے باعث" اسے جیل میں ڈال دیا گیا ۔ یہ جیل مرنج کا قیدخانہ تھا وہ اس دفعہ تقریباً آٹھ سال جیل میں رہا ۔ اس طرح مجموعی طور پر اس کی عمر کے کم و بیش انیس بیس سال ان جیلوں میں گذر گئے ۔ ایک جگہ اپنے حاسد بوالفرج کو ملامت کرتے ہوئے اس نے کہا ہے کہ انیس سال قید و بند میں رہنے کے بعد اب مجھے اس کا مطلقاً ڈر نہیں ہے (۷) مرنج کی جیل میں قید کے دوران اس پر مصائب اور آلام کے کتنی پہاڑ ٹوٹے ۔ اسی

Marfat.com

دوران اس کے باپ اور صالح نامی بیٹے کی موت واقع ہوئی - اس بیٹے کے سوگ میں شاعر نے بڑے درد ناک اشعار کہے ہیں اور اپنے دوسرے بیٹے سعادت کو بڑے پیار اور محبت سے یاد کیا ہے -

الغرض شاعر کی عمر کے آٹھ سال اس جیل میں گذر گئے لیکن آخرکار ثقۃالملک طاہر کی سفارش پر آسے رہائی ملی - رہائی کے یہ چند سال اس کی عمر کے آخری سال تھے - اسی مدت میں اس نے سلطان مسعود کی موت' ملک ارسلان کا زوال اور بہرامشاہ کی سلطنت دیکھی - آسے شاہی لائبریری کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا گیا - جیسا کہ معزی نے کہا ہے (۸) بہرامشاہ نے آسے خصوصی طور پر انعام و اکرام سے نوازا اور اس کی دلجوئی کی - لیکن بڑھاپے ' بیماری اور ناتوانی کے باعث وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا - زندگی کے آخری دنوں میں اسے دنیا کی تمام آسائشیں حاصل تھیں - جب وہ مرا تو اس کی عمر اسی سال تھی اور اس بارے میں نجومی کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی .

مسعود کی حبسیات جو قرون وسطی میں ہمارے ملک کے ایک قیدی کی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں ' مؤثر اور درد ناک ہونے کے ساتھ ساتھ دلکش بھی ہیں - لیکن اس کی شاعری صرف حبسیات تک ہی محدود نہیں ہے - اسے توصیف نگاری ' مدح سرائی' غزل گوئی' ھجو نویسی اور بزلہ سنجی میں بھی کمال حاصل تھا - نظامی عروضی نے اس کی حبسیات کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی اثر آفرینی کے بارے میں لکھتا ہے : ''جب میں اس کے اشعار پڑھتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں '' رشیدوطواط کے خیال میں ان اشعار میں ایک جامع کلام کی صفات موجود ہیں اور وہ امتیازی خصوصیت کے حامل ہیں - عوفی نے کہا ہے : اس کے جو اشعار بھی سننے میں آئے وہ کامل اور پر لطف ہیں (۹)

مسعود کا فارسی دیوان دستیاب نہیں ہے - عربی کے چند اشعار بھی اس سے

Marfat.com

منسوب کئے گئے ہیں لیکن آج کسی ایسے عربی یا ہندی دیوان کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا جو اس نے تالیف کیا ہو - اس کا انداز بیان عنصری کے طرز بیان سے کافی حد تک مشابہ ہے اور اس زمانے میں اسی طرز بیان کا رواج تھا - ابوالفرج رونی اور مختاری نے بھی کم و بیش اسی طرز کو اپنایا ہے - عنصری کی طرز کے علاوہ مسعود نے غضائری ' منوچہری ' لبیبی ' رودکی اور شہید جیسے دوسرے شعرا کے قصیدوں اور اشعار کی بھی تقلید و تضمین کی ہے - بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے شاہنامہ سے خاص لگاؤ تھا - حتی کہ اس نے " اختیارات شاہنامہ " کے نام سے شاہنامہ کا ایک انتخاب تدوین کیا جو عوفی کی نظر سے بھی گذرا ہے - بہرحال مسعود نے متقدمین کے طرز بیان کو پیش نظر رکھنے کے باوجود دور از ذہن معانی اور خیالات کی تخلیق کے بجائے جدید تعبیرات کے وضع کرنے میں خاص مہارت کا مظاہرہ کیا ہے - بقول خاقانی جو روح اور اثر آفرینی اس کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ اس کے مثالی شاعر عنصری کے کلام میں بالکل نظر نہیں آتی -

Marfat.com

تصریحات

(۱) یہاں پر کریسٹو سے مراد ' کاؤنٹ دوسونٹ کریسٹو کتاب کا ہیرو اڈمنڈ ڈنٹس ہے جو ۱۸۱۵ میں بونا پارٹ کے حق میں سازش کے الزام میں جیل میں چلا جاتا ہے اور کئی سال شاتودیف Chateaudif میں محبوس رہتا ہے کچھ عرصہ بعد جیل سے بھاگ جاتا ہے اور اسے خزانہ ہاتھ لگتا ہے اور کاونٹ دو مونٹ کریسٹو کے نام سے معروف ہوتا ہے۔ قید کے دوران اس کے حالات میں سے ایک واقعہ فاریا نامی شخص کے ساتھ اس کی ملاقات ہے۔ وہ اسے جیل میں تعلیم دیتا ہے۔ صبر و استقامت کی تلقین کرتا ہے اور اسے جزیرہ مونٹے کریسٹو میں موجود خزانے کا سراغ بتاتا ہے۔ مسعود کی جیل میں بہرامی نام کا ایک منجم ہے جو اس فاریا کی مانند قیدی شاعر کو تعلیم دیتا ہے۔

(۲) شیلان جنیوا جھیل میں ایک قلعہ ہے جسے فرانسوا دو بونیوارد Froncois de Boniuard کی جیل بنایا گیا۔ اس قلعے اور اس قیدی کی مصائب و آلام کا وصف لارڈ بیرن کی نظم شیلان کا قیدی Prsoner of Shillon میں بیان ہوا ہے۔ اس نظم کو مسعود فرزاد نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ دریائے گوہر 'جلد ۲ ' صفحہ ۸۷-۷۹

(۳) زندان ریڈنگ سے مراد وہ جیلخانہ ہے جس کا وصف آسکر وائلڈ کی نظم Ballad of Reading gaol میں بیان ہوا ہے۔ اس نظم کو بھی مسعود فرزاد نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ دریائے گوہر جلد ۲ ' صفحہ ۱۱۳-۱۰۱

(۴) حبسیات میں اپنے جیلر سے بار بار شکایت کرتا ہے جیسا کہ ان اشعار میں :

گوریست سیا هرنگ دهلیزم خوکی است کریہ روی دژ بانم

Marfat.com

ترجمہ :- میری دھلیز سیاہ و تاریک قبر ہے۔ میرا جیلر کریہہ منظر خنزیر ہے۔

وانگہم سنگدل نگہبانی   کہ چو او در کلیسیا باشد

ترجمہ :- میرا سنگدل درباں ایسا ہے۔ گویا وہ کلیسا میں ہو۔

(۵) اس قصیدہ کا مطلع جو محمد خطیبی کو خطاب کیا ہے ' یوں ہے۔

محمد ای بجھان عین فضل و ذات ہنر
تویی اگر بود از فضل و ز ہنر پیکر

ترجمہ :- اے محمد تو دنیا میں عین فضل و ہنر ہے۔ اگر فضل و ہنر کا کوئی وجود ہو سکتا ہے تو وہ تو ہی ہے۔

(۶) دیوان کے صفحہ ۵۰۳ پر کہتا ہے :

نہ نہ ز حصن نای بیفزود جاہ من
داند جہان کہ مادر ملک است حصن نای

ترجمہ :- نہیں نہیں قلعہ نائے کی قید نے میرے جاہ و مقام میں اضافہ کر دیا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ نائے کا قیدخانہ "مادر ملک" ہے۔

رشید یا سمی ' دیوان مسعود ' مقدمہ کد کے ساتھ تقابل کیجیے۔

(۷) دیوان کے صفحہ ۶۳۵ پر اس بارے میں ایک معروف قطعہ ہے جو بظاہر شہر لاہور کے حاکم ابوالفرج نصر بن رستم صاحب دیوان ہند کے نام ہے نہ کہ جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے ابوالفرج رونی۔ بہر حال قطعہ کا مطلع یہ ہے :

بوالفرج شرم نامدت کہ بجہد   بہ چنین حبس و بندم افکندی

ترجمہ :- اے ابوالفرج تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نے کوشش کر کے مجھے اس قید و بند میں ڈلوا دیا ہے۔

(۸) دیوان امیر معزی ' مطبوعہ عباس اقبال ' صفحہ ۷۹۱ پر ایک قطعہ ہے

Marfat.com

جس کا مطلع یہ ہے۔

شاہ بہرامشاہ بن مسعود خواجہ مسعود سعد را بنواخت

ترجمہ :- شاہ بہرامشاہ بن مسعود نے مسعود سعد کو انعام و اکرام سے نوازا۔

دیوان مسعود، مقدمہ صفحہ ند کے ساتھ تقابل کیجئے۔

(۹) لباب الالباب، مطبوعہ لیدن، جلد ۲، صفحہ ۲۴٦

Marfat.com

خیام

پیر نیشاپور

خیام سے میں اپنی پہلی آشنائی کا واقعہ شاید کبھی نہ بھول سکوں کہ پہلی بار جب میں اس کہن سال اور سفید بالوں والے شخص سے متعارف ہوا تو میری عمر تیرہ سال تھی - مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ اس کی رباعیات کا مجموعہ جس کی طباعت و کتابت نہایت ناقص تھی اور اغلاط سے پر تھا میرے کس دوست نے مجھے دیا تھا - لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے والد جو مجھ پر کڑی نظر رکھتے تھے اور میری تعلیم و تربیت میں سخت گیر تھے اس کتاب کو جو ان کے خیال میں کفر، شرک اور الحاد پر مبنی تھی اس گھر میں لانے سے جس میں نماز اور ذکر قرآن کے علاوہ کوئی آواز نہیں ابھرتی تھی مجھے منع نہ کر سکے - انہوں نے مجھے اس کتاب کو اپنے پاس رکھنے اور اس کے مطالعہ سے نہیں روکا کیونکہ میں اس زمانے میں نہایت حساس اور ضدی تھا - اب مجھے یاد نہیں کہ اسفند ماہ (وسط مارچ) کے آخری جمعہ کو میں نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک کتنی دفعہ پڑھا لیکن یہ جانتا ہوں کہ اس دن کے اختتام تک اس کی بہت سی دلآویز اور خوبصورت باتیں میرے سادہ اور معصوم دل و دماغ پر نقش ہو چکی تھیں - در حقیقت اس دن میں الفاظ کی خوبصورتی اور اوزان کے ترنم کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اس کے باوجود ایک روحانی جذب و کیف نے میری روح کو سرشار کردیا تھا - اس پیر مرد کی بہت سی باتیں میرے لئے نا قابل فہم تھیں - اس زمانے میں نہ تو شراب کے سرور کو سمجھتا تھا اور نہ ہی ابھی عشق کی لذتوں سے آشنا ہوا تھا اور نہ ہی

Marfat.com

میری متجسس اور حیرت زدہ آنکھیں شک و تردید کی وحشت انگیز ظلمتوں سے آگاہ تھیں اور نہ ہی میری ناتواں اور کمزور انگلیوں نے ابھی دنیا کی پیچیدہ گتھیوں کی عقدہ کشائی سیکھی تھی۔ میں تو اس قدیم شاعر کے حزن آلود اور پر حرارت پیام سے لطف اندوز ہوتا تھا اور اس سے دل میں دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا ایک عجیب احساس پیدا ہوتا۔ اس زمانے میں اگر میں خیام کو سمجھتا تھا تو بس اسی قدر ۔ لیکن اس بات کو بھی محسوس کیئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کے اشعار کے کچھ اور بھی معنی ہیں ۔ ایک دن اس کی چند رباعیات میں نے اپنی دادی جان کو سنائیں تو ان کی آنکھیں بھیگ گئیں ، شاعر پر نفرین کی اور کمرے سے باہر چلی گئیں ، شاید یہی مفاہیم تھے جن کے باعث والد محترم خیام کے دشمن ہو گئے تھے ۔ اس کے چبھتے ہوئے تشکیک میں مبتلا کر دینے والے سوالات اور تصور گناہ و ثواب نے اس کی رباعیات میں جو درد واثر اور گہرائی پیدا کی تھی اسے پورے طور سمجھنا میرے لئے ممکن نہ تھا ۔ لیکن اس کے باوجود اس روحانی ، غم آلود اور تلخ شراب نے مجھے اتنا سرمست کر رکھا تھا کہ ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی باتیں میرے ذہن سے محو نہیں ہوتی تھیں ۔

اسفندہ ماہ (وسط مارچ) کے آخری ایام میں جب درو بام سے بہار و سبزہ کے باعث خوشی و مسرت جھلکتی تو خیام کی رباعیات کے مطالعے سے میرا ذہن درد ناک اور روح فرسا افکار کی آماجگاہ بنا رہتا ۔ لالے کے خودرو پھول جنھیں ہمارے شہر میں کاسہ اشکنک کہا جاتا ہے جب اسفند ماہ (مارچ) کے گرم اور دلاویز ایام میں ہمارے گھر کی در و دیوار پر اپنی بہار دکھاتے تو میرے پردہ تصور پر خوبرو و نازنین پری جمالوں کی شکل و صورت جو میرے خوابوں کی دنیا میں کینوس پر بنی کوئی تصویر یا میناکاری کا کوئی خوبصورت سانقش تھی ، ابھرنے لگتی ۔ مٹی کے وہ پیالے جو ہمارے شہر

Marfat.com

میں لوگ ایام عید کے موقعہ پر خریدتے اور ان میں پانی پیتے میرے لئے منحوس اور نفرت انگیز تھے اور مجھے ان میں بوسیدہ کھوپڑیوں اور مردہ ہڈیوں کے نقوش کے علاوہ کچھ اور نہیں نظر آتا تھا ۔ ان دنوں دنیا ویران نظر آتی تھی ۔ ہر جگہ اداسی اور ویرانی کی فضا تھی اور ہر چیز گرد آلود اور فرسودہ نظر آتی تھی ۔ گھر کے باغیچہ میں نہایت سہمے سہمے انداز میں قدم رکھتا ۔ ایسا محسوس ہوتا کہ گویا ابھی قبر اپنا منہ کھولے گی اور اس میں سے درد ناک اور غم انگیز شکل و صورت لئے ایک مردہ نکلے گا اور میرا پاؤں پکڑ کر مجھے بھی اس قبر کے اندر کھینچ لے جائے گا ۔ کوچہ و بازار میں اتنا آہستہ اور محتاط انداز میں چلتا کہ گویا میرے پاؤں کے نیچے اعزا کے دل اور رفقاء کے سر پڑے ہوں اور اگر ذرا بھی تیز چلا تو گناہ کا مرتکب ہو جاؤں گا اور تہ خاک جو بے ضرر لوگ مدفون ہیں ان کو تکلیف پہنچے گی ۔ جن دنوں موسم بہار خاک آلود راستوں پر مسرتوں اور شادمانیوں کو اپنے جلو میں لئے نمودار ہوتا مجھے خیام کی روح فرسودہ اور قدیم قبروں اور ماضی کے گرد آلود ان دیکھے راستوں کی طرف لے جاتی اور ہر وقت اس کا غم آلود زہر میرے وجود میں اس طرح سرایت کرتا رہتا کہ آج بھی میرے دل و دماغ سے وہ اثر زائل نہیں ہو سکا ۔ یہ میری درویشی اور بے نیازی ، یہ نرم دلی اور کم آمیزی جو آج مجھ میں ہے اور میرے احباب اس پر معترض ہیں اگر خیام کے افکار کے براہ راست اثر سے نہیں تو کسی نہ کسی حد تک اس کے بالواسطہ اثر سے ضرور ہے اور مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ۔ اس کے بعد بھی نہ جانے کتنے شب و روز ایسے گذرے کہ میں خیام کے فکر و اثر کا اسیر رہا اور اس مایوس لیکن بے خوف پیر مرد کی رفاقت کو ترک نہ کر سکا ۔ اس دوستی کی مدت جس قدر طویل ہوتی جا رہی ہے میں اس کی عظمت و بزرگی کا زیادہ قائل ہوتا جا رہا ہوں ۔ سچ تو

Marfat.com

بد ہے کہ بیس سال کے بعد بھی میں اسے صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا ہوں۔
خیام کے بارے میں عجیب و غریب داستانیں بیان کی جاتی ہیں غالباً آپ بھی ان سے آگاہ ہوں گے۔ ایک ایسے زمانے میں جب کہ فقیہ و محدث ہر اس چیز پر جس کا تعلق فکر و فلسفہ سے تھا خط تنسیخ کھینچ رہے تھے تو ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے ان کے عقاید و آراء بلکہ عوام‌الناس کے افکار و عقاید پر بھی شک کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ خدا کے وجود تک پر بحث کی اور لوگوں کے عقاید و اوہام کا مذاق آڑایا۔ اگرچہ یہ ایک گستاخی تھی لیکن وہ عوام‌الناس اور ان کی پسند نا پسند سے بے نیاز تھا۔ چنانچہ وہ عام لوگوں کی نظر میں ایک پر اسرار اور حیرت انگیز وجود بن کر رہ گیا تھا۔ وہ رند بلانوش جو تمام قید و بند سے آزاد تھا اس عصبیت اور منافقت کے دور میں بھی اتنا با حوصلہ تھا کہ نہ کفر سے وابستہ ہوا نہ اسلام سے۔ نہ دین کا حامی تھا نہ دنیا کا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ نہ حق کا اقرار کرتا تھا نہ حقیقت کا، نہ شریعت کا قائل تھا نہ یقین کا۔ ظاہر ہے وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ ایسی شخصیت تو پر اسرار و نادر ہونا ہی چاہیے۔ اگر اس کی زندگی میں صوفیاء و اولیاء کی طرح کرامات و مافوق فطرت واقعات ظہور پذیر نہ بھی ہوتے تو بھی اسے ایک عام آدمی جیسا تصور کرنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ افسانہ پردازوں کی جولانی طبع نے عجیب و غریب افسانے گھڑے۔ یہی وجہ ہے کہ نیشا پور کا یہ مرد کہن سال ایک عجیب و غریب شخص بن کر رہ گیا ہے۔ اس نے اپنی رباعیات میں مستی و مے پرستی کی بر ملا حمایت اور ستایش کی ہے۔ ایک مسلمان ملک میں شراب کی جب تک عرفان و تصوف کے حوالے سے تاویل نہ کی جائے اس کی تعریف و توصیف ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ اس کا نام لینا بھی گناہ ہے۔ ایسے معاشرے میں اگر کوئی شخص بر ملا اپنے گناہ کا اقرار کرے اور مئے پرستی کی تعریف کرے تو وہ احتساب و سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اگر

Marfat.com

اسے محض ایک شاعرانہ اقرار سمجھ کر شریعت اسے شرعی حد کا مستوجب قرار نہ بھی دے تو بھی وہ خدا کے قہر و غضب سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ ایزدی قہر و عقوبت رحمت و بخشش پر منتہی نہ ہو تو عام لوگوں میں اُمید و رجا کا تصور ہی متزلزل ہو کر رہ جائے اور اس سے قطع نظر توبہ و انابت کا مقصد اور فسق و فجور سے نفرت ختم ہو کر رہ جائے۔ مسلم معاشرے میں ضروری ہے کہ فاسق توبہ کرے اور خدا کی طرف رجوع کرے۔ یہی وہ حقائق ہیں جن کو افسانہ سازوں اور داستان طرازوں نے بنیاد بنا کر عجیب و غریب افسانے تخلیق کیئے۔ چنانچہ ایک ایسا ہی افسانہ خیام سے بھی منسوب ہے۔ آپ نے بھی یقیناً وہ واقعہ سنا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رات خیام نے شراب و شاھد اور شمع و ریحان سے بزم عیش و طرب سجا رکھی تھی۔ اچانک ہوا کا تیز جھونکا آیا اور شمع بجھ گئی۔ شاعر کا سبو ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گیا۔ شاعر نے جو دنیا و ما فیہا سے بے خبر کیف و مستی کے عالم میں تھا(۱) فی البدیہہ ایک رباعی کہی:

ابریق می مرا شکستی ربی
بر من در عیش را بیستی ربی
بر خاک بریختی می ناب مرا
خاکم بدھان مگر تو مستی ربی

ترجمہ :- اے میرے رب تونے میرا سبو توڑ دیا اور عیش و نشاط کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے۔ میری شراب خالص کو تو نے خاک میں ملا دیا۔ خاکم بدہن کیا تو بھی مست ہے؟

شاعر کی اس مستی پر فوراً اللہ کا غضب نازل ہوا۔ قہر الٰہی نے اسی وقت اس کا منہ سیاہ کر دیا۔ چنانچہ جب اُسے ہوش آیا اس نے فوراً توبہ کی اور کہا:

Marfat.com

نا کردہ گناہ در جہان کیست بگو

وان کس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات کنی

پس فرق میان من و تو چیست بگو

ترجمہ : ایسا کون ہے جس نے دنیا میں گناہ نہ کیا ہو؟ مجھے بتاؤ ایسا کوئی ہے جس نے بغیر گناہ کے زندگی گذاری ہو۔ اگر میں برائی کروں اور تو مجھے برائی کا بدلہ برائی سے دے تو پھر مجھ میں اور تجھ میں کیا فرق ہے؟

چنانچہ اس اعتراف گناہ پر خداوند کریم نے فوراً ہی اس کا گناہ معاف کر دیا اور اس کے چہرے کی سیاہی ختم ہو گئی۔ یہ محض افسانہ طرازی ہے جسے سننے والے پسند کرتے ہیں اور یقین بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ایک محقق کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر ہے تو صرف اتنی کہ اس فلسفی کے احوال و اطوار ایسے تھے کہ اس قسم کی داستان طرازی ممکن تھی۔ ایسی اور بھی داستانیں ہیں جو داستان پردازوں نے اس سے منسوب کر رکھی ہیں۔ خیام کے تمام اشعار میں موت و فنا کا خوف منعکس ہے۔ ”کوزہ گر اور کوزہ فروش“ کا تصور بھی تغیر و تبدل کی یاد دلاتا ہے جو ممکن ہے انسانی وجود کو مختلف صورتوں میں بدل دے۔ حیرت و تشکیک اور حجت و تکرار اس کے ذہن و دماغ پر سایہ فگن ہے اور یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات اس کے اشعار و افکار شریعت سے متصادم نظر آتے ہیں۔ شاید اسی کے پیش نظر بعض لوگوں کے نزدیک خیام کا کوئی اور مذہب تھا(۱) اور اس کا تعلق اہل اہواء و بدع سے تھا(ا) اہل اہواء و بدع کے بیشتر مذاہب آوا گون پر مبنی تھے اور شاید اسی وجہ سے اس پر یہ الزام ہے کہ وہ آوا گون کا عقیدہ رکھتا

(ا) اہل ہوا و ہوس اور بدعت کے معتقد لوگ

Marfat.com

تھا۔ اس کے علاوہ خیام نے جگہ جگہ شیخ و زاھد پر طنز کیا ہے اور ان کا تمسخر اڑایا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ انھیں اور دوسروں کو بھی نادان، نا اہل اور عقل نا آشنا گردانتا ہے ۔ یہ ہے وہ پس منظر جس کے پیش نظر داستان پردازوں نے خوبصورت داستانیں تخلیق کیں ۔ ایسی داستانیں خیام کے علاوہ اوروں سے بھی منسوب کی گئی ہیں ۔ خیام کے عقیدۂ تناسخ سے متعلق ایک حکایت یوں بیان کی گئی ہے ۔ ایک خستہ حالت مدرسے کی تعمیر و مرمت کا کام ہو رہا تھا ۔ اس کے لئے اینٹیں گدھوں پر لائی جا رہی تھیں ۔ ایک دن خیام چند شاگردوں کے ساتھ ادھر سے گذرا ۔ اس نے دیکھا کہ ایک گدھا خرکار کی پوری کوشش اور مارنے پیٹنے کے باوجود مدرسے کے اندر قدم نہیں رکھتا ۔ یہ دیکھ کر خیام اس گدھے کے پاس گیا اور اس کے کان میں کہا :

ای رفتہ و باز آمدہ بلهم گشتہ (۱)

نامت ز میان نام ھا گم گشتہ

ناخن ہمہ جمع آمدہ و سم گشتہ

ریشت ز قفا برآمدہ دم گشتہ

ترجمہ :۔ اے کہ تو مر گیا اور پھر چوپائے کے روپ میں واپس آ گیا ہے ۔ تیرا نام بہت سے ناموں کے اندر گم ہو گیا ہے ۔ تیرے ناخن جمع ہو کر سم بن گئے ہیں اور تیری ریش تیری پیٹھ سے نکل کر دم بن گئی ہے ۔

یہ سنتے ہی گدھا فوراً مدرسے کے احاطہ میں داخل ہو گیا ۔ شاگردوں نے خیام سے پوچھا کہ آپ نے گدھے کے کان میں کیا کہا کہ اس نے فوراً مدرسے میں قدم رکھ دیا ۔ خیام نے جواب دیا کہ اس گدھے کی روح اس سے پہلے

۱۔ اشارہ بہ آیۂ کریمہ : اولئک کالانعام بل ھم اضل، الاعراف ۷/۹ ۱۷

ترجمہ :۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں

Marfat.com

اس مدرسے کے ایک طالب علم کے وجود میں تھی - وہ اس لئے مدرسے میں داخل نہیں ہو رہا تھا کہ مبادا اس کے ساتھی اس کو پہچان لیں - جب اس کو معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے اور اب اخفا لاحاصل ہے تو فوراً مدرسے کے اندر داخل ہو گیا - یہ ایک دلپذیر اور پر لطف قصہ ہے لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں - اس قصے سے داستان پردازوں کا مقصد نہ تو طلاب مدرسہ کی تضحیک تھی اور نہ خیام کی تکفیر - اس قسم کی اور بھی داستانیں اس کے بارے میں مشہور ہیں -

ان داستانوں کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں - خیام کے متعلق اور بھی بہت سی باتیں مختلف تذکروں، تاریخوں اور مختلف کتابوں میں جا بجا نظر آتی ہیں - سچ تو یہ ہے کہ ان داستانوں کے باعث ہی خیام کی اصلی صورت سامنے آتی ہے - میری آنکھوں کے سامنے بھی اس کی ایسی ہی صورت ہے - ایک سن رسیدہ شخص کی شکل و صورت جو صاحب عقل و آگہی ہے لیکن حیرت زدہ اور بے پروا - جس نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور مسلسل غور و فکر کرتا رہا ہے - سال ہا سال کی تحقیق و جستجو اور غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ہم جس کو حقیقت سمجھتے ہیں وہ حقیقت نہیں بلکہ حقیقت کا سایہ ہے اور اسی بے حقیقت سایہ کو علمائے ظاہر حقیقت کا اصل اور معرفت کا لب لباب سمجھتے ہیں - ان کا یقین ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہوتا ہے - ان کی ناقص فکر اور عقل نارسا اپنی سادہ دلی کے باعث جن چیزوں کو پسند کرتی ہے وہ فوراً ان پر ایمان لے آتے ہیں - دوسری طرف اسی آسانی کے ساتھ وہ حقیقت پسند فلسفی پر بے دینی اور الحاد کی تہمت لگا دیتے ہیں - بیچارے فلسفی کا جینا دو بھر ہو جاتا ہے - سفر بغداد کے دوران جب طلباء کے ایک گروہ نے اس سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کی تو اس نے خوف و فساد کی وجہ سے انکار کر دیا -

Marfat.com

نیشاپور میں بھی اس نے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور گوشہ نشین ہو کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ اس پر بد اخلاقی، تنگ نظری اور کم آمیزی کی تہمت لگائی گئی۔ اس رنج و ملال کے تاثرات جو خیام کی رباعیات کے مطالعہ اور اس سے منسوب داستانوں سے ملتے ہیں میرے لوح ضمیر پر آج بھی مرتسم ہیں۔ میرے خیال میں خلق خدا کی کوتاہ نظری اور عقل کی نارسائی ہی تھی جو اسے شراب اور مستی کی طرف لے گئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مایوس لیکن روشن ضمیر پیر مرد کی خاموش اور حیرت زدہ نگاہیں اب بھی لذت و سکون کو جام شراب میں ڈھونڈ رہی ہیں۔ نیشاپور کی خاک میں اس کا وجود اب بھی وہاں کی پر کیف اور حسین صبحوں میں بیخودی اور کیف و مستی کی لذتوں کا جویا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے درخشاں لیکن پر شکن چہرے پر جو اس سے منسوب داستانوں اور رباعیات کے مطالعہ سے تصور میں آتا ہے دیکھا جا سکتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس کے پر اسرار ہونٹوں پر کیسا غم انگیز سکوت طاری ہے اور کیسے خواب آور کیف نے اس کی متجسس لیکن حیرت زدہ آنکھوں کو بند کر رکھا ہے؟ کیا نیشاپور کے اس سن رسیدہ شخص کی شکل و صورت کو صدیوں کے طویل فاصلوں کے باوجود ان داستانوں اور رباعیوں سے جو اس سے منسوب ہیں مجسم نہیں کیا جا سکتا؟

لیکن اس کی شخصیت کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ تاریخ کے آئینے میں اس کی تصویر کیسی معلوم ہوتی ہے؟ اس تصویر پر اقلیدس، بطلیموس اور ارسطو جیسی عالمانہ شخصیات کا سا رعب و جلال ہے۔ ابوالحسن بیہقی اور نظامی عروضی جو بچپن اور جوانی میں اس سے ملتے رہے اس کی اس عالمانہ ہیبت و عظمت کو اچھی طرح جانتے تھے (۲) تاریخ کا یہ خیام صرف شاعر ہی نہیں فلسفی بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قاری اور ادیب بھی۔ وہ ریاضی اور علم نجوم میں بھی مہارت رکھتا ہے اور جبر و مقابلہ کے میدان

Marfat.com

میں بھی نئی نئی تحقیقات کرتا ہے - سلطان کی بارگاہ میں مقرب و محترم ہے - سلجوقی شہزادہ کے مرض چیچک کا علاج کرتا ہے - رصد پر مامور ہوتا ہے - تقویم میں ترمیم کرتا ہے - سونے چاندی کے اوزان کے بارے میں تحقیق کی نئی راہیں کھولتا ہے - نئی قسم کا ترازو ایجاد کرتا ہے - الہیات و ریاضیات کے موضوعات پر فکر و تامل کرتا ہے - اور اپنے زمانے کے علوم و معارف میں نمایاں فوقیت رکھتا ہے - قانون اور شفا جیسی طب و حکمت کی کتابوں کا تحقیقی مطالعہ کرتا ہے اور مصادرات اقلیدس جیسی کتب ریاضی کا بغور جائزہ لیتا ہے - اس کے باوجود درس و تدریس اور بحث و مناظرے سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں - اس لئے کہ طریق علم سے وہ منزل مقصود کو نہیں پاسکتا بلکہ اس لئے بھی کہ بنی نوع انسان کو اس امر کے لئے آمادہ نہیں پاتا - اس پر یہ بھی الزام ہے کہ تعلیم و تدریس میں تنگدل اور بخیل ہے - لیکن اگر زمانہ اس کو آزادانہ طور پر درس و تدریس کی اجازت نہیں دیتا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے ؟ آپ نے نہیں سنا کہ ایک فقیہ اس کے پاس علم و حکمت پڑھنے آیا کرتا تھا - لیکن جب لوگوں میں جاتا تو اس کے خلاف زہر اگلتا اور اس کی حکمت سے انکار کرتا - ایک دن خیام نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اب اگر فقیہ اس کے گھر آئے تو نقارہ بجا دیا جائے - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - جب نقارے کی آواز سن کر لوگ اس کے گھر آئے تو خیام نے کہا کہ یہ فقیہ ہر روز چھپ کر میرے گھر آتا ہے اور مجھ سے علم و حکمت کی تعلیم حاصل کرتا ہے لیکن جب عام لوگوں میں جاتا ہے تو مجھے برا بھلا کہتا ہے اور مجھ پر کفر کی تہمت لگاتا ہے - اگر جو کچھ وہ میرے بارے میں کہتا ہے اس پر یقین رکھتا ہے تو میرے گھر کیوں آتا ہے اور مجھ سے کیوں علم و حکمت کا درس لیتا ہے - قزوینی نے اس داستان کو آثار البلاد میں نقل کیا ہے اور یہ بعید از قیاس بھی نہیں کیونکہ ایسی ہی

Marfat.com

داستانیں اور لوگوں نے بھی نقل کی ہیں ۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ غزالی کو بھی اس سے گفتگو رہی اور اس سے ایک مسئلہ پوچھا لیکن جواب کا حوصلہ نہ پا کر محفل سے نکل گیا ۔ (۳) اس زمانے میں جب کہ دنیا میں تعصب و جہالت کی حکمرانی تھی خیام کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اپنے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر ثبت کرے اور درس و تدریس سے ہاتھ کھینچ لے

وہ زمانہ بھی ایک عجیب زمانہ تھا ۔ نیشاپور میں رافضیوں اور اشعریوں کے درمیان شدید قسم کا تعصب و اختلاف تھا ۔ حنفی اور شافعی بھی چپقلش میں مبتلا تھے ۔ اشاعرہ مذہب نے ہر قسم کی آزادی فکر کو کچل کر رکھ دیا تھا ۔ بقول بیان الادیان کے مصنف کے فرقہ معتزلہ کا جو کسی حد تک آزادی گفتار کا قائل تھا عراق کے بعض فقہا کے علاوہ کوئی حامی نہیں تھا ۔ خراسان کے فقہا جن کا شمار ابو حنیفہ کے اصحاب میں ہوتا تھا اشاعرہ مذہب کے اصول و ضوابط کے تابع تھے (۴) اس متعصب ، خشک ، ظاہری اور سخت گیر ماحول کی جھلک خواجہ نظام الدین کی تصنیف سیاست نامہ میں بھی ملتی ہے ۔ اس میں مصنف نے ان تمام مخالف فرقوں اور ان تمام عقاید کو جو اہل سنت کے عقاید و آراء کے خلاف ہیں مورد ملامت ٹھہرایا ہے اور بڑی سختی کے ساتھ ان پر کفر کی تہمت لگائی ہے ۔ اس زمانے میں تعصب کا یہ عالم تھا کہ امام غزالی بھی (۵۰۰ ھ) میں خواص کی تہمت اور عوام کی شورش سے مجبور ہو کر نظامیہ نیشاپورمیں درس و تدریس کے فرائض سے مستعفی ہو گئے ۔ اس امام ، فقیہ اور زاہد عصر پر یہ تہمت لگائی گئی تھی کہ اس نے ابو حنیفہ پر طعنہ زنی کی ہے ۔ چنانچہ مجبوراً انہیں سنجر کے نام خط لکھ کر خود کو اس بہتان سے بری الذمہ ثابت کرنا پڑا ۔ جب ظواہر پرست اور نام نہاد علماء نے اس زمانے میں امام غزالی جیسے فقیہ عصر کو برداشت نہ کیا اور ان کو گمراہ اوربے دین کہا اور ان کی کتابوں کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا تو خیام کا وہ کیا لحاظ کرتے

Marfat.com

خیام جو بقول قفطی یونان کے حکماء سے مستفیض ہوا تھا اس کو اس زمانے کے صوفیاء مرصادالعباد کے مؤلف کی طرح مادہ پرست اور کافر سمجھتے تھے۔ (۵) بقول قفطی ان حالات میں بعید نہیں تھا کہ خیام اہل شریعت کی ہنگامہ آرائی کے خوف سے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مکہ چلا جاتا اور ان ہونٹوں کو جو حکمت و معرفت میں لب کشائی سے قاصر ہوں عوام‌الناس کی جہالت و شورش کی شکایت کے لئے وقف کر دیتا اور انہیں اپنی زندۂ جاوید رباعیات کا موضوع بناتا۔

کیا خیام ایک شاعر بھی ہے؟ اگر شاعری جذبہ و فکر کے موزوں اظہار بیان کا نام ہے تو اس کی شاعری سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ صرف شاعر نہیں اس کا مقام اس کے ما سوا ہے۔ کیونکہ علم و حکمت میں جو مقام اسے حاصل ہے وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ معزی اور انوری کی طرح صرف مدح و ستائش کو اپنا ذریعہ معاش بنائے اور اپنے سخن ہائے آب دار کو نا پاک قدموں پر نچھاور کرے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے وجود کا اصل جوہر اس کی شاعری ہے۔ اگرچہ اس کا حکیمانہ اور محققانہ پہلو اپنی جگہ پر ہے۔ خیام کے چند عربی قطعات اب بھی محفوظ ہیں جن میں سے بعض قطعات کا مضمون بعض فارسی رباعیات کے مشابہ ہے۔ لیکن ان اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔ جب عماد کاتب اپنی کتاب خریدۃالقصر میں خراسان کے شاعروں کے زمرے میں خیام کا بھی ذکر کرتا ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے فارسی اور عربی اشعار کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا شمار قابل ذکر شاعروں میں ہوتا تھا (۶) خیام نے شاعری کا آغاز کب کیا اور سوائے رباعیات کے کسی اور صنف سخن میں اس نے طبع آزمائی کیوں نہیں کی اس کا کسی کو علم نہیں۔ لیکن اس کی شہرت و اہمیت کا اہم سبب اس کی رباعیات ہیں۔ رباعی فارسی شاعری کی قدیم ترین صنف سخن ہے۔ فارسی کے قدیم ترین تذکروں میں رباعی کی ایجاد کو صفاری دور اور رودکی سے نسبت دی گئی ہے۔ رباعی کے

Marfat.com

اوزان موسیقی کے مختلف سازوں دف اور تھاپ کے لئے بہت موزوں ہیں - یہی وجہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے بڑی بڑی محفلوں میں اسے بہت مقبولیت حاصل رہی - عنصری اور معزی سے منسوب فی البدیہہ اشعار رباعی ہی کی صنف میں ہیں - صوفیائے کرام کی وجد و حال کی مجالس میں بھی رباعی بے حد مقبول رہی ہے - مختلف اذہان و طبائع پر شروع ہی سے اس کا اثر بہت نمایاں رہا ہے - شمس قیس کی کتاب المعجم میں رباعی کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ :
" خاص و عام اس صنف سخن کے دلدادہ، عالم و عامی اس کے شیدائی، زاہد و رند میں یکساں مقبول اور ہر پارسا و گنہگار کو اس سے رغبت ہے - وہ کج فہم لوگ جو نظم و نثر کے فرق کو نہیں سمجھتے اور تھاپ و وزن سے بے خبر ہیں وہ بھی رباعی کی جھنکار پر رقصاں نظر آتے ہیں - وہ نادان اور نا سمجھ جو موسیقی کی دھن اور گدھے کی آواز میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے وہ بھی رباعی کی لے کوسوں دور سے سن کر جھوم اٹھتے ہیں - بہت سی دوشیزاؤں کو رباعی کے دلربا سحر نے خانہ عصمت کے در و دیوار کو توڑنے پر مجبور کر دیا اور بہت سی خواتین کو اس کی سحر البیانی نے ایسا دیوانہ کیا کہ انہوں نے اپنی عفت وعصمت کا پیراہن خود ہی تار تار کر دیا - حقیقت یہ ہے کہ خلیل کے بعد بنائے گئے اوزان و اصناف میں رباعی سے زیادہ موثر اور دلکش صنف سخن کوئی نہیں " (۷) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیام نے اپنے افکار و خیالات کے لئے رباعی کے وزن اور ہیئت کا انتخاب کیوں کیا ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حقائق و افکار کے بیان کے لئے جو اضطراب و ہیجان سے لبریز ہیں رباعی بہترین قالب ہے کیونکہ علمائے عروض کے مطابق "در حقیقت یہ مقبول وزن پر لطف بھی ہے اور دل پسند بھی یہی وجہ ہے کہ یہ نازک خیال اور سلیم الطبع لوگوں کے رجحان و میلان کے عین مطابق ہے" (۸) خیام کی رباعیات میں مے ومطرب کا ذکر جس خاص انداز میں کیا گیا ہے اس کی

Marfat.com

وجہ سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رباعیات محفل عیش و طرب اور صوفیانہ مجالس میں پڑھی اور گائی جاتی رہی ہیں اور کیا خبر کہ خیام سے منسوب کسی نامعلوم ذہن کی تخلیق کردہ وہ آوارہ رباعیات (۹) بھی انہیں محفلوں اور طرب کدوں کی پیداوار ہوں - لیکن جب تک اس قسم کا خیال و قیاس کسی تاریخی سند پر مبنی نہ ہو اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا - اس کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ خیام کی رباعیات کو اس کے مخصوص انداز و اظہار کے آئینے میں پہچانا جاسکتا ہے - اگرچہ اس کی رباعیات کا صحیح، مستند، مکمل اور جامع مجموعہ ابھی تک دستیاب نہیں ہے اور جو طربخانۂ رشیدی اور مجموعۂ چستربیتی اور دوسرے مجموعے ہیں (۱۰) معلوم نہیں کہ وہ بھی کامل اور جامع نسخے ہوں - بہر حال خیام کی رباعیات ایک مخصوص ذوق اور لطف کی حامل ہیں اور اسی کے باعث اس کی رباعیات کو مشابہ رباعیات سے الگ کیا جاسکتا ہے - ان رباعیات کی نمایاں خصوصیت آن کی سادگی اور روانی ہے - اس کی کسی رباعی میں بھی قصیدہ نگاروں کی پر تکلف زبان اور وہ استعارات و مبالغہ آرائی نہیں ملتی جو اس دور کے غزل سراؤں اور قصیدہ نگاروں کا خاصہ تھی - اس کے تمام اشعار سے صدق و خلوص کی خوشبو آتی ہے - یہ ایک ایسے شخص کی صداقت و خلوص ہے جو ریاکاری اور پردہ پوشی سے کام نہیں لیتا - وہ جس چیز کو اپنی حس اور عقل سے محسوس کرتا ہے بغیر کسی خوف و اندیشہ کے بے کم و کاست بیان کر دیتا ہے - اس کے سادہ اور تکلف سے عاری بیان میں اس کا روشن و درخشاں فکر جلوہ گر ہے کیونکہ وہ ہر قسم کی تقلید و تکلف سے پاک ہے - وہ قاری کو الفاظ کے پیچ و خم میں الجھانے کے بغیر معنویت پر توجہ کرنے اور باطن کو دیکھنے کی دعوت دیتا ہے - اس طرح وہ انہیں متاثر بھی کرتا ہے اور ان کے اندر فکر و تامل کا جذبہ بھی بیدار کرتا ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں اس کا فن اور

Marfat.com

اس کی شاعری ہنر مندی کا کامل ترین اور اعلی ترین نمونہ پیش کرتی ہے - ممکن ہے ان میں سے بہت سی رباعیات شاید خیام کی نہ ہوں لیکن آن میں سے جو بغیر کسی شک کے خیام ہی کی کہی ہوئی ہیں وہ اس کی تعلیمات کی اصلی روح اور فکری جوہر کی نشاند ہی کرتی ہیں - اس کی تعلیمات کی روح اور فکری جوہر کیا ہے ؟ شک، قنوطیت، موقع پرستی یا عیش پرستی یہ وہ افکار و عناصر ہیں جو اس سے پہلے متقدمین کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں -

شک وہ پرانا اور غم انگیز زہر ہے جس نے اہل حکمت کے قلب و ذہن کو ہمیشہ مضطرب کیا - یونان کے حکماء بھی جن سے خیام نے بھی کسب فیض کیا ہے اس میں مبتلا تھے اور شاید یہ نا مبارک میراث آسے آنھی سے ملی ہو - مسلم زنادقہ میں بھی یہی فکر پائی جاتی ہے - لیکن زنادقہ کا شک تمسخر اور استہزاء کا پہلو لئے ہوئے ہے - البتہ خیام کا شک فکر و احساس کا مظہر ہے - زنادقہ مروجہ عقاید پر اس لئے شک کا اظہار کرتے تھے تا کہ عام لوگوں کے مذہب، عقیدہ اور عقل کو حقیر اور بے وقعت ٹھہرا سکیں لیکن خیام اگر عام لوگوں کے عقائد وعقل پر شک کرتا ہے تو وہ در اصل ان کی گمراہی، سادگی اور خوش فہمی پر اظہار تأسف کرتا ہے -

قنوطیت بھی خیام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ خیام سے پہلے محمد ز کریا رازی اور ابوالعلاء معری بھی انسان کی بد بختی اور ستم کشی پر کڑھتے رہے ہیں - رازی کے عقیدے کے مطابق برائی اور بد صورتی، نیکی اور خوبصورتی کی نسبت بہت زیادہ ہے - اگر انسان عمر بھر کی خوشیوں اور لذتوں کو آن رنج و آلام سے جن میں وہ عمر بھر مبتلا رہا موازنہ کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ آس کا وجود بد بختی و برائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں (۱۱) ابو العلاء معری بھی بدی اور برائی کا حقیقت شناس تھا - لیکن اس معاملے میں خیام اور

Marfat.com

معری میں فرق ہے ۔ خیام مستی اور مدہوشی کو آلام و مصائب سے نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے جب کہ معری کے نزدیک اس درد بے درمان کا مداوا موت کے سوا اور کچھ نہیں ۔ خیام کی قنوطیت اور رازی وسعری کی قنوطیت میں فرق ہے ۔ وہ وجوہ جن سے وہ شکایت پر آمادہ ہوا یا قنوطیت کی راہوں پر چل نکلا ان اسباب سے جو ان دونوں کی قنوطیت اور شکایت کا محرک ہوئے بالکل مختلف ہیں ۔ خیام کے لئے جو چیز اس امر کا باعث بنی کہ وہ دنیا کو اتنا تاریک ' غم ناک ' اور ناپائیدار دیکھتا ہے یہ ہے کہ دنیا کی لطافتیں ' خوشیاں اور خوبصورتیاں پائیدار نہیں اور ان کو دوام حاصل نہیں ۔ وہ معری کے بر عکس دنیا کے حسن و جمال اور مسرتوں کو بھلاتا نہیں اور نہ ہی لطف اندوزی کے مواقع ہاتھ سے جانے دیتا ہے ۔

فرصت و فراغت کی تمنا اور عیش و طرب کا محرک بھی یہی فکر ہے وہ قیامت و آخرت کے متعلق بالکل نہیں سوچتا اور نہ ہی اسے اس کی پرواہ ہے وہ موجودہ لذتوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور آنے والی وحشتوں سے پریشان نہیں ہوتا ۔ اس لحاظ سے اس کی سوچ کے دھارے یونان کے قدیم حکماء زیمقراطیس اور ابیقور سے ملتے ہیں ۔ جس زمانے میں ابن سینا اور شہرستانی' زیمقراطیس اور ابیقور کے خیالات سے آشنا ہوئے اس زمانے میں حکماء کی کتابیں اور رسالے سریانی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہو چکے تھے ۔ (۱۲) اس لئے یہ امر باعث تعجب نہیں کہ حجت الحق عمر خیام نیشاپوری بھی جو پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا بہت بڑا فلسفی ' نجومی ' طبیب اور حکیم تھا ان حکماء کے عقاید و افکار سے مستفیض نہ ہوا ہو اور ان افکار و عقاید نے اس کے فکر و خیال کو خاص انداز سے متاثر نہ کیا ہو ۔

خیام کی تشکیک میں وہ تندی اور تیزی ہے جو انسانی عقل و فکر کو اپنی رو میں بہا لے جاتی ہے ۔ زمانے کے حالات نہ تو کسی حجت و تکرار

Marfat.com

کے متحمل ہوتے ہیں اور نہ کسی منطق و استدلال سے مطابقت رکھتے ہیں ۔ ہماری عقل و فکر کا وہاں کوئی عمل دخل نہیں ہے ۔ مجبوراً اہل نظر اپنی عجز و ناتوانی کو اپنی ہی فکر پر محمول کرتے ہیں ۔ یہ خیال کہ ماحول اور زمانے میں کوئی نقص و عیب نہیں اسے گناہ و سر کشی کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ اپنی وقعت و حیثیت پر شک کرنے لگتا ہے ۔ مایوسی اور احساس مجبوری اسے اپنے آپ سے جنگ پر آمادہ کرتا ہے اور بعض اوقات یہی جذبہ اسے خودکشی کی طرف لے جاتا ہے ۔ شک، عقل و فکر کا قاتل ہے ۔ در حقیقت جو چیز خیام کے مفکرانہ اور حکیمانہ وجود کو کچل کر اس کو ایک حقیر، بے مقصد اور غم انگیز عرفان کی طرف لے جاتی ہے وہ زمانے کی بے ثباتی اور بے مقصدیت ہے ۔

بہت سے تعلقات اور مشاغل جن کی خاطر انسان ایثار کرتا ہے ایک وہم اور فریب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے ۔ امور عالم کے مشاہدے کے دوران جس عاقل کی دور رس نگاہیں سطح و ظاہر سے نکل کر باطن تک جا پہنچتی ہیں اسے ہر شے بے فائدہ، ناپائیدار اور نا قابل اعتماد دکھائی دیتی ہے ۔ لیکن یہ درون بینی اور یہ غور و فکر اس کی زندگی کو قبر کی طرح سخت، بے جان اور نا قابل برداشت بنا دیتی ہے جس کا کوئی حاصل نہیں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ زندگی کی اس لطیف دنیا کو وہم و خیال کے تار و پود سے بنایا گیا ہے ۔ جب کہ عقل تمام جوش و جذبہ، شوق و ذوق اور نشاط و مسرت کو جو زندگی کی نمود و رونق بلکہ کوشش و مجاہدت کی مظہر و اساس ہیں انسان کے اندر ختم کر دیتی ہے اور ان کا گلہ گھونٹ کر رکھ دیتی ہے اور اس طرح زندگی کے حلقوم پر عقل کے سرد اور بھاری پنجے کا دباؤ بڑھنے لگتا ہے اور قلب انسانی کے اندر زندگی کی شمع بجھ کر رہ جاتی ہے ۔ چنانچہ زندگی دشوار اور نا قابل برداشت ہو جاتی ہے ۔

Marfat.com

یہ درست ہے کہ ہمارے بہت سے عقائد اور خیالات عقل کے خلاف اور منطق سے دور ہیں لیکن پھر بھی دل یہ کہتا ہے کہ اس وہم و گمان ہی میں خوش رہنے میں ایک گونہ لذت ہے اور یہی لذت زندگی کی تلخیوں اور دکھوں کا مداوا ہے۔ اگر زندگی مکمل طور پر لذت و لطافت سے خالی ہو جائے تو گویا یہ ایک خاموش اور سرد قبر کی مانند ہے اور اس صورت میں زندہ رہنا ممکن نہیں ۔ اس بناء پر ان عقاید کی واقعیت میں شک اور ان طمانیتوں کی حقیقت کی تردید جو تنگی حالات اور نا سازگاری زمانہ کی پیداوار ہیں خیام کو یاس و نو میدی کی ایک ایسی اندھی گلی میں لے جاتی ہے جہاں زندگی اس کو بدنما، بے جان ، تاریک اور بے مقصد نظر آتی ہے ۔

اخروی سعادت اور جنت‌الفردوس کا تصور جس پر زاہد اور اہل تقوی امید لگائے بیٹھے ہیں ایک ایسا لطیف خواب ہے جو زندگی کو تمام مصائب و آلام کے باجود قابل تحمل بناتا ہے۔ لیکن موجودہ اور حقیقی دنیا وحشت ناک حد تک عجائب و غرائب سے لبریز ہے جو اس سنہرے خواب کا پردہ چاک کر دیتی ہے - موجودہ دنیا بے رحم اور ستم پرور ہے۔ یہ مہر و محبت سے خالی ہے - یہ نہ تو دل کو طمانیت عطا کرتی ہے اور نہ روح کو کسی امید و نوید سے ہمکنار کرتی ہے - یہ سخت اور دہشت انگیز دنیا سیسے کے سرد اور سنگین پہاڑ کی طرح انسان کے سینے پر بارگراں بن جاتی ہے - جس کی وجہ سے اس کی سانس سینے کے اندر گھٹ کر رہ جاتی ہے - یہ ایک ایسے ریگزار کی طرح ہے جس پر قدم رکھیں تو دھنستے چلے جاتے ہیں - ہر شخص اس نامعلوم ، پراسرار ، تاریک اور بیکراں وسعت میں کھو جاتا ہے -

یہ دنیا جو جسمانی لحاظ سے ریاضیاتی نظم و ترتیب اور منطق کی باریکیوں سے مرتبط ضرور ہے لیکن اس کا کوئی ضابطۂ اخلاق نہیں - کیا یہ اندھی

Marfat.com

اور تاریک دنیا جو عدل و انصاف سے مبرا اور جذبات و احساسات سے عاری ہے اس قابل ہے کہ اس سے دل لگایا جائے ؟
آیا زندگی کا کوئی مقصد ہے؟ عارف و معلم اخلاق کی نظر میں زندگی کی جو غرض و غایت ہے خیام کی نظر میں اس کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں - کیا زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان مدارج کمال کو طے کرے، خدا کو پہچانے اور پھر اس سے اتصال پیدا کرے؟ لیکن وہ انسان جو اپنی ذات کو نہیں پہچانتا اور اپنی تخلیق کے اغراض و مقاصد سے بے خبر ہے وہ خدا سے اتصال و ارتباط کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ زندگی کی کوئی غرض و غایت ہونی چاہیے لیکن اس کے لئے کسی خارجی یا اصلاحی مقصد کو نہیں اپنایا جا سکتا - زندگی کی معنویت کیا ہے؟ زندگی کا مقصد خود زندگی ہے - ہمیں ان تمام اسباب و عوامل میں خود زندگی کو تلاش کرنا ہے - اس کے لئے ہمیں اس کی وسعتوں اور امکانات کی جستجو کرنی چاہیے اور اسی کو زندگی کا مقصد سمجھنا چاہیے - یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس کے باعث خیام کے نزدیک لذت طلبی جائز ہے - وہ عقل و احساس کو زندگی کے ادراک کی طرف متوجہ کرتا ہے - در حقیقت عقل و احساس جس وجود پر شہادت دیں وہی زندگی ہے - یہ فانی اور نا پائیدار زندگی، دکھ، درد، حماقتوں اور لغزشوں سے لبریز ہے - لیکن یہ ایک حقیقت بھی ہے - باقی جو کچھ بھی ہے مبہم، مشکوک اور نا معلوم ہے - موت اور ابدیت کیا ہے؟ جہاں زندگی ختم ہوئی ہر چیز ختم ہو کر رہ جاتی ہے - حس و حرکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے - عقل و ادراک معطل ہو جاتے ہیں - لیکن انسان کا وجود جو کثیف خون اور مٹھی بھر رگ و پوست کا مجموعہ ہے وہ حس و حرکت اور عقل و ادراک کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے؟ در حقیقت اہل دین و عرفان جس چیز کو روح سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو ابدی اور جاوداں کہتے ہیں کیا حس و حرکت اور عقل و ارادے کے علاوہ

Marfat.com

کوئی اور چیز ہے؟ لیکن موت جب ان سب کو ختم کر دیتی ہے اور ان سب کو موقوف و معطل کر دیتی ہے تو پھر روح کی بقا اور ابدیت کا تصور ایک وہم و خیال سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان دلچسپیوں اور سرگرمیوں کی طرح جو انسانی وہم و گمان تفنن طبع اور طمانیت قلب کے لئے پیدا کر لیتا ہے اور یہ وہم و خیال جس چیز کو انسان کے لئے مجسم کرتا ہے اگر محض عدم نہیں تو اتنا ضرور ہے کہ اس کا وجود مشکوک اور مجهول ہے۔ اس میں جس چیز کا وجود ہے وہ زندگی ہے۔ جو اپنے اندر درد و غم اور رنج و رذالت لئے ہوئے ہے لیکن اس کے باوجود قابل قدر ہے۔ صرف زندگی ہی ہے جو حقیقت ہے اور عاقل وہ ہے جو اس کی قدر و قیمت کو سمجھے اور اس نقد حقیقت کو جس کے دونوں طرف وہم و باطل اور شک و تردید کے سائے منڈلا رہے ہیں بیکار نہ گنوائے۔

زندگی کا آغاز اگرچہ مبہم ہے۔ کیا معلوم اس کا کوئی آغاز بھی تھا یا نہیں اور کیا یہ بطور کل ازل سے ہے؟ زمان و مکان اور حرکات و افلاک میں تحقیق و جستجو سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ محض عدم کو محدود و متعین وجود میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت میں دنیا اور زندگی کا مفروضہ وہم و گمان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور اس کی حقیقت سے کوئی بھی آگاہ نہیں۔ زندگی کا غم اور اس کی بے مقصد جادہ پیمائی موت کے طلسمی قلعہ پر ختم ہو جاتی ہے جو خود ایک مرموز و مبہم منزل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ضعف و ناتوانی اور حقارت و نفرت کے باعث انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس راز سے پردہ اٹھا سکے اور اس کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اس کے باوجود وہ تمام درد و غم جو دنیا میں انسان جھیلتا ہے یا جھیلنے پر مجبور ہے اس دردناک ابہام سے جو اس کو سرد اور تاریک قبر میں کھینچ لے جاتا ہے زیاد قابل قبول ہے۔ موت کا یہی مبہم پہلو ہے

Marfat.com

جو اس دانائے نیشاپور کو دوسرے مفکرین کی طرح کرب و آزار میں مبتلا رکھتا ہے۔ کیا یہ نوشتۂ تقدیر ہے کہ انسان ہمیشہ ظلمت، تردید اور حیرت میں سرگرداں رہے؟ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کوئی بھی کسی مدلل دلیل سے اس کی تخلیق کا مقصد بیان نہیں کر سکتا۔ اس سراپا فریب زندگی اور ان لامتناہی درد و آلام کا مقصد کیا ہے؟ اور وہ کس امید پر اس تدریجی موت کے تمام درد و رنج کو جس کا نام زندگی ہے برداشت کرے۔ اس کے باوجود اس راہ کے اختتام پر بھی تاریک اور مبہم وسعتیں پھیلی ہوئی ہیں حتی کہ وہ لوگ بھی جو "شمع اصحاب" ہوئے "اس تاریک رات سے نجات نہ پا سکے" اور اس نا معلوم و مبہم گتھی کو نہ سلجھا سکے۔(۱۳) گویا یہ مقدر ہے کہ انسان کبھی بھی حقیقت کے نور سے آشنا نہ ہو اور یقین کی منزل کو نہ پا سکے۔ علم و معرفت کا اکتساب بھی ان اسرار سے پردہ نہیں اٹھا سکا اور فلسفی کی تمام کوشش و کاوش بھی لا حاصل رہی ہے۔

کیا انسان ابدی ہے؟ اور کیا موت کے بعد انسانی بدن فرسودہ ہو جاتا ہے اور اس کے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں تو روح باقی رہتی ہے؟ کیا وہ ایک دن پھر اس نیستی اور فراموشی کی تاریکیوں کے اندر اپنے چہرے کے خد و خال کو ابدیت کے آئینے میں دیکھے گا؟ اہل مذہب و اخلاق اس مسئلہ کا مثبت جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس بارے میں وہ تذبذب میں مبتلا ہوں تو اخلاقی جزا و سزا کی حقیقت ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور پھر ان کے پاس خدا، اخلاق اور دین کے اثبات کا جواز باقی نہیں رہتا۔ بعض افسردہ اور قنوطیت پسند افراد خدا کے وجود کی تصدیق کرنے کے با وجود نفس کی ابدیت و دوام کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ زندگی جو مسلسل فریب و حماقت ہے اور درندہ صفت اور نفرت انگیز ہوا و ہوس سے پر ہے اس کی ابدیت اور دوام سے کیا حاصل اور اس سے کونسا مقصد پورا ہوتا ہے؟ انسان جو لامتناہی عظمتوں اور دنیا

Marfat.com

کی وسعت و کثرت کے سامنے ایک حقیر و ناچیز وجود' کثافت و خون اور مٹھی بھر رگ و پوست کا مجموعہ ہے کوئی ایسا قابل قدر تحفہ نہیں ہے کہ موت کے بعد اس کے منتشر وجود کو بڑی محفوظ رکھا جائے اور اسے آفرینش کے سر کا تاج سمجھا جائے ۔ کیا وہ نادرالوجود اور گراں بہا سونا ہے جس کو مٹی میں دبائیں اور پھر نکالیں؟ ایسا تو ہرگز نہیں ۔

اس صورت میں بغیر کسی شک کے نہ انسان کی کوئی قدر و قیمت ہے اور نہ ہی معرفت و اخلاق کی ۔ اس چند روزہ ناپائیدار زندگی کے لئے جو آخر کار خاک کی وسعتوں میں گم ہو جائے گی نیکی اور بدی کی کیا اہمیت ہے اور جہاں ہستی کی پہنائیاں بے نام و نشان اتھاہ تاریکیوں میں غوطہ زن ہوں وہاں انسان کے فہم و فراست سے کونسا کام لیا جا سکتا ہے ؟ انسانی تقدیر پر مسلط وحشی' مخرب اور بیرحم مشیت ہمارے وجود کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ ایسی دنیا میں جو اس قسم کی مشیت کے زیر اثر ہو ہماری خواہش ' ہماری آرزو اور ہمارا ارادہ ایک وہم و خیال کے علاوہ کچھ اور نہیں ۔ آیا ہم اپنی رضا و رغبت سے اس دنیا میں آئے ہیں ؟ نہیں اور کیا اپنی رضاو رغبت سے اس دنیا سے جائیں گے ؟ نہیں ۔ پھر ان دو بے رحم اور اندھے جبر کے درمیان اختیار کی کرن کس دریچے سے نظر آتی ہے اور پھر رغبت و خواہش اور ارادہ کیوں ؟

یہ ہے نیشاپور کا مرد کہن سال جس کا دلنشین و عبرت آموز پیام گذرے وقتوں کی خاموشیوں اور فراموشیوں کے باوجود نغمۂ ارواح ہے ۔ اس کا پیام کیا ہے ؟ ایسے شخص کا پیام جس نے ہر چیز کو دیکھا ' پہچانا اور آزمایا ۔ اس کے باوجود جو کچھ بھی دیکھا اور آزمایا سوائے یاس' بے مقصدیت اور شک و تردید کے کچھ نہ پایا ۔ ایسے شخص کا پیام کہ فلسفہ اور ریاضیات بھی اس نا امیدی اور جانگداز درد کا درماں نہ کر سکے اور نہ ہی دین و عرفان

Marfat.com

نے اس کو رجائیت اور طمانیت قلب عطا کی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے افکار پر شک، حیرت، موت اور مایوسی کا غلبہ ہے ۔ اسے ساری دنیا ظلمت، ابہام اور درد و اندہ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے ۔ اس ظلمت و ابہام کی کیفیت میں اس کی روح موت کے خوف سے رنجیدہ اور نڈھال ہے ۔ وہ اپنی دانائی اور آگہی سے بھی مایوس ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ہمیشہ موت کی یاد آتی ہے اور وہ چشم تصور میں موت کے بے رحم فرشتے کو گھات لگائے بیٹھا دیکھتا ہے ۔ کہیں جائے پناہ نہیں ۔ وہ میخانے میں اپنے درد و غم اور خوف و اندیشہ کو بے رنگ جام شراب میں ملا کر پی جانا چاہتا ہے ۔ اس صورت میں کیا میرے بابا حضور کو حق نہیں پہنچتا تھا کہ ان پر اثر اور غم انگیز رباعیات کے مطالعہ سے مجھے روکیں اور کیا میری دادی حضور غلطی پر تھیں کہ اس قسم کی وسوسہ انگیز باتوں کو سن کر کمرے سے باہر نکل گئیں ؟

Marfat.com

تصریحات

(۱) گلستان سعدی، باب پنجم کی عبارت ہمدان کے قاضی کے بارے میں ہے۔ اشاعت فروغی، صفحہ ۱۴۳۔ متن میں مذکورہ داستان کے لئے رجوع کریں رباعیات حکیم خیام نیشاپوری، باہتمام محمد علی فروغی، مقدمہ، صفحہ ۷

(۲) تتمۂ صوان الحکمہ، اشاعت محمد شفیع، صفحہ ۱۱۶۔ چہار مقالہ، مطبوعہ لیدن، صفحہ ۶۳

(۳) تتمۂ صوان الحکمہ، صفحہ ۱۱۴

(۴) بیان الادیان، اشاعت عباس اقبال، صفحہ ۳۱

(۵) مرصادالعباد، نجم الدولہ، صفحہ ۲۰۱

(۶) خریدة القصر عماد کاتب اصفہانی۔ رجوع کریں چہار مقالہ باہتمام دکتر معین، تعلیقات، صفحہ ۳۱

(۷) المعجم، اشاعت مدرس رضوی، تہران ۱۳۱۴ھ۔ ش، صفحہ ۸۵

(۸) ایضاً صفحہ ۸۳

(۹) Wandering Quatyains

(۱۰) خیام کی رباعیات کی اصالت و شناخت کے لئے رجوع کریں رباعیات حکیم خیام نیشاپوری باہتمام محمد علی فروغی، صفحہ ۵۷-۴۲ موازنہ کیجئے طربخانہ باہتمام جلال الدین ہمائی، صفحہ ۶۷-۲۰

(۱۱) رسائل رازی، مطبوعہ پول کراوس صفحہ، ۲۰۹۔ موازنہ کیجئے دلالة المتحیرین، مطبوعہ پیرس، جلد ۳، صفحہ ۱۸

(۱۲) ابیقور وذیمقراطیس کی آرا کو منتقل کرنے کے طریقہ کار میں مسلمانوں

Marfat.com

پر ہند کے حکماء کی تاثیر کا بھی امکان ہے لیکن بہر حال مسلمانوں کی ان ابتدائی اصولوں سے آشنائی مسلم ہے۔

Gardet - Anavati, Introduction' Page 63

(۱۳) آنانکہ محیط فضل و آداب شدند
در جمع کمال شمع اصحاب شدند
رہ زین شب تاریک نبردند برون
گفتند فسانہ یی و در خواب شدند

ترجمہ :۔ وہ جنہوں نے علم و آداب کا احاطہ کر لیا اور اہل فضل و کمال کے حلقہ میں شمع اصحاب ہو گئے۔
وہ بھی اس تاریک رات سے نجات نہ پا سکے۔ ایک داستان بیان کی اور محو خواب ہوئے۔

Marfat.com

Marfat.com

سنائی

غزنی کا ایک شوریدہ سر شاعر

آج وہاں ایک چھوٹا سا غیر آباد قصبہ ہے جہاں کبھی قدیم غزنی کا مشہور و معروف باعظمت شہر آباد تھا ۔ آج وہاں اس شان و شوکت کی بجائے جو کاخ محمودی اور باغ فیروزی کو حاصل تھی ویرانی اور خاموشی چھائی ہوئی ہے ۔ طویل صدیوں کے گذرنے کے بعد آج جب اس نیم ویران اور خاموش شہر سے کوئی مسافر گذرتا ہے تو اسے خاموشی اور افسردگی کے سوا وہاں کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ پریشاں حالی اور ویرانی کے اس غم آلود گرد و غبار میں نہ صرف محمود زاولی کی حکومت کا ستارہ غروب ہو گیا بلکہ آج غزنی کی اس خاموش اور افسردہ فضا میں اس جہان سوز غوری کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ملتا جس نے اپنی آتش انتقام کو سرد کرنے کے لئے اسے جلا کر خاکستر کر دیا تھا ۔ عیش و نشاط کی وہ گرد جو محمود اور مسعود کے کروفر کے اختتام کے بعد بھی مدتوں تک اس شہر میں دکھائی دیتی تھی اب غبار صحرا بن چکی ہے ۔ بہرام شاہ اور خسرو شاہ کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دینے اور اس شہر کو نذر آتش کر دینے والوں کا رعب و دبدبہ بھی اب ایک خواب پریشاں سے زیادہ کچھ نہیں ۔

ان تباہیوں اور تغیرات کے بارے میں پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا ۔ اس زمانے میں جب سلطان کے تمام امراء اور ملازمین زر و جواہر کے سوا کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے کیا کسی کے دل میں کبھی یہ خیال آیا تھا کہ یہ سب کچھ بے حقیقت ہے اور زیادہ عرصہ نہیں گذرے گا کہ عیش و عشرت کی یہ بساط لپیٹ دی جائے گی ؟ البتہ اس شہر کو اس طرح

Marfat.com

ہوس زر ' شراب خوری اور گناہ و بدکاری کی دلدل میں پھنسا ہوا دیکھ کر کسی کے ذہن میں یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہو گا ۔ لیکن کون ہے جو اس طرح کے خیال کو جلد ہی ذہن سے جھٹک نہ دے بجائے اس کے کہ اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے ۔ نہ کبھی ان بادشاہوں کو جو سرعام بے گناہوں کا خون بہاتے تھے خیال آیا ۔ پھر وہ اس ناخوشگوار خیال سے اپنے لمحات عیش کو کیوں مکدر کرتے؟ نہ ہی ان مشائخ کے دل میں کبھی اس خیال سے خوف و ڈر پیدا ہوا جو مسجدوں اور خانقاہوں میں اپنے تقدس اور پاکبازی کی لایعنی جنس کو سادہ لوح لوگوں کی عقیدت وارادت کے حقیر اور کھوٹے سکوں کے عوض بیچ رہے تھے ۔ کیا ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ ملال کے اس کانٹے کو اپنے دل میں چبھو کر زندگی کی مسرتوں اور شادمانیوں کے سوتے خشک کر دیتے اور ان نعمتوں سے دست کش ہو جاتے ؟ خواب غفلت اور فراموشی کی حالت میں کبھی کبھی مرگ و فنا کا خوف دل میں چٹکی لیتا ہے اور اس انسان کو جو فنا اور زوال کے گرداب کے کنارے کھڑا ہے متنبہ بھی کرتا ہے لیکن لا حاصل ۔

یہ فراموشی جوانی کی میٹھی اور گہری نیندکی مانندہے ۔ اس کے بغیر مرگ و زوال کے کتنے ہی ستم انسانی روح کو گھیر لیں گے اور کتنی ہی پریشانیوں ارو ویرانیوں کا غم انگیز غبار دنیا پرچھا جائے گا ؟ لیکن اگر اس خوف و ہراس سے کوئی دل بیدار ہو جائے اور فراموشی کی نیند اسے محو خواب کر نہ سکے تو اسے کیسے کیسے دکھ اٹھانے پڑیں گے اور اسے اس فراموشی پر کتنا افسوس ہو گا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے دل کا آرام و سکون ختم ہو جاتا ہے اور دنیا کی رعنائیوں اور عشوہ طرازیوں کا پردہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے لیکن اس کے دل کے نہانخانے میں خوف اور آگہی سے ملا جلا ایک بے نام سا درد جاگزین ہو جاتا ہے ۔ آدمی کے قلب

Marfat.com

و روح سے اگر فراموشی اپنا رخت سفر باندھ لیتی ہے تو بے قراری اور بے چینی اس میں گھر کر لیتی ہے ۔ اور اس حالت میں انسان ایک اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ ایسا دل نہ کبھی خواب و خواہشات کی لطافت اور گرمی سے معمور ہوتا ہے اور نہ ہی عشق و شراب کی مستی و لذت سے محظوظ ۔ موت کا ایک ناگوار خوف اس کی جان کو کھائے جاتا ہے اور اسے اندر سے بالکل کھوکھلا کر دیتا ہے ۔ ان حالات میں شاید ایک ہی امید بخش راہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ آخرت پر ایمان اور بقائے ابدی پر یقین ہے اور جہاں یہ امید پیدا ہو جاتی ہے تو موت اور فنا کا خوف دل کو مردہ اور خاموش نہیں کر سکتا ۔ یہ امید دل کو گرمانے والی اور بقا و دوام کی امید ہے ۔

جب تک محمود کے جانشینوں کی حکومت اور شان و شوکت کا چراغ گل نہیں ہوا تھا غزنی خوشیوں اور شادمانیوں میں ڈوبا ہوا تھا ۔ لوگ خوش و خرم تھے اور سنہرے خوابوں میں غرق تھے ۔ وہ زندگی کی لذتوں اور مسرتوں میں مست و سرشار تھے ۔ ان کے دلوں میں مہر و محبت کی شیرینی اور رگوں میں مے تلخ کی گرمی اور حرارت تھی ۔ مسجدیں اگرچہ نمازیوں سے آباد تھیں لیکن ان کے اندر سوز و گداز اور نیاز مندی کا جذبہ نہیں تھا ۔ کبھی کبھی خانقاہوں میں اس متاع گمشدہ کی جستجو کا تذکرہ اور افسانہ سننے میں آتا لیکن وہاں بھی وہ جذبہ اور درد جو سچے اور صراط مستقیم پر چلنے والوں کا طرۂ امتیاز ہے مفقود تھا ۔ زاہدوں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی اور بہشت کی آرزو میں دنیا کی چیزوں کو ترک کر چکے تھے ۔ پیر فقیر جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کے کاروبار میں مصروف تھے ۔ شعرا نے مسخروں اور مصاحبوں کی طرح امراء کے درباروں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنا لیا تھا اور اپنی جسمانی اور نفسانی خواہشات و ضروریات کی تکمیل کے لئے ان سے بھیک

Marfat.com

مانگتے تھے ۔ غرض کہ سب کے سب غفلت و فراموشی کے نشے میں مدہوش تھے لیکن اس کے باوجود ریاکاری سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو باشعور اور دانشور سمجھتے تھے۔ زندگی کے ہر میدان میں دیرینہ کر و فر موجود تھا اور موت و فنا کا خوف انہیں آزردہ نہیں کرتا تھا ۔

لیکن انہیں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے دل میں موت و فنا کا یہ خوف پیدا ہوا ۔ فراموشی کی افیون اس کی آنکھوں میں غفلت کی نیند طاری نہ کر سکی ۔ وہ خواب غفلت سے اس طرح وحشت زدہ ہو کر اٹھا کہ اسے کبھی بھی چین و قرار نہ آیا ۔ وہ اس خوف و ڈر سے ایک لحظہ سکون حاصل کئے بغیر نہایت غضبناک لہجے میں اس کا اظہار کرتا تھا ۔ اگر اسے آخرت پر ایمان اور بقائے ابدی پر یقین نہ ہوتا تو نہ جانے اسے کن کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ۔ لیکن شوق دیدار اور امید بقا نے موت کے خوف اور فنا کے ڈر کو اس کےلئے آسان اور سہل بنا دیا اور اسی کی بدولت اس کی نا امیدی اور اضطراب کو امید اور قرار میسر آیا ۔ بایں ہمہ لوگوں کو خواب غفلت میں دیکھ کر غم و غصے کی کیفیت میں وہ باآواز بلند شکوہ و فریاد کرتا تاکہ وہ بیدار ہو جائیں ۔ اس کے یہ شکوے، فریادیں، آہ و زاری اور درد ناک صدائیں طنز و ملامت سے پر ہیں ۔ وہ جب اپنے ارد گرد کی دنیا کو اور ان لوگوں کو جو دنیا کی محبت میں سرشار تھے دیکھتا تو حیرت زدہ رہ جاتا اور غصہ و نفرت کے عالم میں پکار اٹھتا کہ یہاں امید کی کوئی صورت نہیں ہے ۔ کہاں ہیں آج عہد ماضی کے وہ بادشاہ اور فاتحین ؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو دنیا کی پر فریب رعنائیوں میں گرفتار تھے؟ آج وہ منوں مٹی کے نیچے حالت بے بسی میں پڑے کیا کر رہے ہیں؟ غصے اور غضب کے عالم میں نہایت تلخ لہجے میں ان سے کہتا : اے شیخی بگھارنے والو ! تماری تمام لاف زنی اور غرور و تکبر کے باوجود موت کا ایک طمانچہ تمھارا کام تمام کردیتا ہے ۔ کل تمھارا

Marfat.com

یہ سب ٹھاٹھ ختم ہو جائے گا اور تمہارا یہ غرور و تکبر دھرا رہ جائے گا۔ کل یہ نازک پھول کانٹے بن کر پاؤں تلے روندے جائیں گے اور کل وہی لوگ جو آج کانٹوں کی طرح بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں پھولوں کے ہار میں لدے ہونگے اور درگاہ خداوندی میں انھیں سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہوگی۔

ای خداوندان مال، الاعتبار الاعتبار!

ای خدا جویان قال! الاعتذار الاعتذار!

ترجمہ:- اے ارباب دولت! عبرت حاصل کرو، عبرت۔ اے عمل کی بجائے صرف زبانی خدا کی جستجو کرنے والو معذرت کرو، معذرت۔

پیش از آن کاین جان عذر آور فروسیرد زنطق

پیش از آن کاین چشم عبرت بین فرو ماند زکار

ترجمہ:- اس سے پہلے کہ معذرت کرنے والی جان قوت گویائی سے محروم ہو جائے۔ پیشتر اس کے کہ یہ دیدۂ عبرت بین دیکھنے سے معذور ہو جائے۔

پند گیرید ای سیاہیتان گرفتہ جای پند

عذر آرید ای سپیدیتان دمیدہ بر عذار

ترجمہ:- نصیحت پکڑو۔ تمہارے دل سیاہ ہوگئے ہیں۔ نصیحت پکڑو۔ تمہارے چہرے پر ریش سفید ہو گئی ہے (بڑھاپے کے آثار نظر آ رہے ہیں)

در فریب آباد گیتی چند باید داشت حرص

چشمتان چون چشم نرگس دست چون دست چنار

ترجمہ:- اس پر فریب دنیا میں کب تک حرص و طمع میں مبتلا رہو گے۔ تمہاری آنکھیں نرگس کی مانند حرص و طمع سے کھلی ہوئی ہیں اور تمہارے ہاتھ چنار کی طرح خالی ہیں۔

Marfat.com

در جہان شاہان بسی بودند کز گردون ملک
تیر شان پروین گسل بود و سنان جوزا شکار

ترجمہ :- دنیا میں بہت سے ایسے بادشاہ ہو گذرے ہیں جو مسند حکومت پر براجماں ہو کر اپنےتیر سے ستارہ پروین کو نشانہ بناتے اور نیزہ سے برج جوزا کا شکار کرتے تھے -

بنگرید اکنون بنات النعش وار از دست مرگ
نیزہ ہاشان شاخ شاخ و تیر ھا شان پار پار

ترجمہ :- اب دیکھو کہ موت کے ہاتھوں ان کے نیزے بنات النعش کی مانند ٹکڑے ٹکڑے اور تیر پارہ پارہ ہو گئے ہیں -

سر بخاک آورد امروز آن کہ افسر بود دی
تن بدوزخ برد امسال آن کہ گردن بود پار

ترجمہ :- وہ جو کل جاہ و منصب کی بلندیوں پر تھا آج اس کا سر خاک میں ملا ہوا ہے - وہ جو گذشتہ سال اکابرین میں شمار ہوتا تھا اس سال اس کا تن دوزخ کا ایندھن بنا ہوا ہے -

چند ازین رمز و اشارت راہ باید رفت راہ
چند ازین رنگ و عبارت کار باید کرد کار

ترجمہ :- کب تلک یوں ناز و انداز کے ساتھ اکڑ کر چلتے رہو گے کب تک ان رعنائیوں اور دلفریبیوں میں الجھے رہو گے - کچھ کام کرو -

تابجان این جہانی زندہ چون دیو و ستور
گرچہ پیری ہمچو کودک خویشتن کودک شمار

ترجمہ :- جب تک تو اس جہان میں درندوں اور حیوانات کی طرح زندہ ہے اگرچہ تو بوڑھا ہو گیا ہے لیکن اپنے آپ کو بچے کی مانند تصور کر -

Marfat.com

حرص و شہوت در تو بیدارند خوش خوش تو مخسب
چون پلنگی بر یمین داری و موشی بر یسار

ترجمہ :- چونکہ تیرے اندر حرص و شہوت کا جذبہ بیدار ہے اس لئے خوش و بے فکر ہو کر مت سؤو ۔ ہوا و ہوس اور شہوت جو حیوانی خصوصیات ہیں چوہے اور چیتے کی طرح دائیں بائیں سے تیری گھات میں ہیں ۔

یہ شخص کون ہے جو بلا جھجک اتنی سخت بات کرتا ہے اور جس کے پند و نصیحت میں طنز و تلخ کلامی کا عنصر شامل ہے؟ یقیناً آپ پہچان گئے ہوں گے ۔ یہ انہیں شاعروں میں سے ایک شاعر تھا جس نے فرخی ' عنصری اور منوچہری کی طرح اپنی عمر کا بیشتر حصہ بادشاہ کی مداحی ' خوشامد اور اس کی گداگری میں گذارا ۔ وہ اپنے آپ کو ان کا ہم پلہ اور جانشین سمجھتا تھا ۔ وہ مرد سخن شعر کہتا ' عشق کرتا اور اس طرح خوش و ناخوش زندگی گذارتا تھا ۔ اپنے اشعار میں دنیا کی رعنائیوں کی تعریف بڑے لطیف انداز میں کرتا ۔ امرد پرستی اس کے دل کا قرار چھین لیتی تھی ۔ شراب کا نشہ اس پر مدہوشی کی کیفیت طاری کر دیتا تھا لیکن زر و طلا کا نشہ اس سے بھی سوا تھا ۔ اس کا اسلوب شاعری فرخی اور عنصری کے انداز سے ملتا جلتا تھا اس کی زندگی کا انداز بھی ان سے مختلف نہ تھا ۔

امراء اور صاحب جاہ و حشمت کے آستانوں کو وہ اپنی آرزوؤں کا مرکز سمجھتا تھا ۔ دولت و جاہ اور عشق و ہوس کے سوا اسے کوئی اور چیز پسند نہ تھی ۔ لیکن اچانک ایک خوف نے اس کے اندر چٹکی لی اور اسے خواب غفلت سے جھنجھوڑ کر بیدار کیا ۔ کیا اس نے کوئی خواب دیکھا تھا جو اس طرح وحشت زدہ ہو کر دیرینہ خواب سے اٹھ کھڑا ہوا ؟ کسے خبر ؟ لیکن اس کے اس عجیب و غریب لیکن نا گہانی روحانی انقلاب کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ واقعی ایک حیرت انگیز خواب کے سوا کچھ نہ تھا ۔

Marfat.com

یہ باطنی و روحانی انقلاب جو اس کے علاوہ غزالی، عطار اور رومی جیسے دوسرے بہت سے بڑے بڑے صاحب عرفان میں پیدا ہوا یقیناً طویل غور و فکر کا نتیجہ تھا لیکن اس کے علاوہ اس کے پیچھے ضروری کوئی نا گہانی حادثہ بھی تھا جو دل و جان پر اثر انداز ہوا جیسا کہ گوتم بدھ، پاسکل اور رومی کی زندگی میں بھی پیش آیا تھا۔ بہت سے مشہور مشائخ کے بارے میں بھی ایسی روایتیں ملتی ہیں جن میں افسانہ طرازی کا عنصر بھی شامل ہے۔ اس لئے اگر سنائی کی توبہ اور قلب ماہیت کے بارے میں بھی اس طرح کے افسانے تراشے گئے تو حیرت کی کوئی بات نہیں اور ان افسانوں کو اس کے اشعار اور مطالب نے حقیقت کا رنگ بخشا ہے۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے بہت سے شعراء کی طرح وہ بھی امرد پرستی میں مبتلا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک قصاب بچے پر عاشق ہو گیا۔ اس لڑکے نے اس عاشق زار سے پانچ سو سیاہ سر اور سفید دم والی بھیڑیں لانے کی فرمائش کی۔ چنانچہ اس فرمائش کو پورا کرنے کے لئے اسے خوارزم جانا پڑا۔ وہ اپنے پانچ من(۱) وزنی بوسیدہ جوتے معشوق کے پاس ہی چھوڑ گیا تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ پا برہنہ ہی خوارزم جائے۔ معشوق کی بے احتیاطی کے باعث جوتے گم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب وہ بھیڑیں لے کر خوارزم سے واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے جوتے گم ہو گئے ہیں۔ یہ جان کر اس کی عجیب کیفیت ہوئی۔ اس نے کہا جو شخص ایک معمولی جوتے کی حفاظت نہیں کر سکتا بھلا وہ دل کی حفاظت کیوں کر کر سکتا ہے جو عرش اعظم ہے۔ اس واقعہ کے بعد ہی معشوق کا خیال ترک کر کے وہ اپنے باطن کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ حکایت مجالس العشاق میں منقول ہے جس کے مؤلف نے کئی اور بھی بڑے بڑے شاعروں سے متعلق اس طرح کے

۱۔ ایرانی من تقریباً تین کلوگرام کے برابر ہوتا ہے

Marfat.com

قصے بیان کئے ہیں۔(۱) اس ضمن میں ایک اور حکایت بیان کی گئی ہے جو زیادہ مشہور ہے اور تذکرہ دولت شاہ میں نقل کی گئی ہے۔ درد آشام دیوانے کی حکایت۔ دولت شاہ کی روایت کے مطابق یہ درد آشام غزنی کے مجذوبوں میں سے تھا۔ وہ میخانوں میں گھوم پھر کر شراب کی تلچھٹ جمع کرتا اور کسی حمام کے آتش خانے میں جا کر پی لیتا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ سنائی کا اس آتش خانے کے قریب سے گذر ہوا جہاں یہ دیوانہ رہ رہا تھا۔ سنائی نے ایک آواز سنی۔ وہ آتشخانے کے اندر گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ درد آشام اپنے دوست سے کہہ رہا تھا مجھے شراب کا ایک جام دو تا کہ اس بد خصلت کور چشم ابراہیم غزنوی کی یاد میں نوش کروں۔ اس کے دوست نے کہا: یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ابراہیم ایک عادل بادشاہ ہے۔ اس کی مذمت کس لئے کر رہے ہو؟ اس نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن وہ ایک، تنگ نظر اور ناانصاف بادشاہ ہے۔ غزنی کی حفاظت تو کر نہیں سکتا لیکن دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ پھر اس نے جام لیا اور چڑھا گیا۔ اس کے بعد پھر فرمائش کی کہ ایک جام اور دو تا کہ کور چشم نکمے شاعر سنائی کے نام نوش جاں کروں۔ اس کے دوست نے پھر کہا: سنائی ایک بذلہ سنج شاعر ہے اور خاص و عام میں مقبول ہے۔ اس کے متعلق تجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے درد آشام نے کہا تمہارا خیال غلط ہے۔ وہ تو ایک احمق آدمی ہے جس نے بے سر و پا اور لا یعنی باتوں کو آپس میں جوڑ کر شعر کا نام دے رکھا ہے اور ہر روز ایک، حریص و طماع اور احمق آدمی کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر شعر پڑھتا ہے اور اس کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتا ہے۔ اسے اتنا بھی شعور نہیں کہ وہ اس قسم کی شاعری اور بے ہودہ باتوں کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ درد شام کی ان باتوں نے شاعر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا جو اس وقت بھی ایک نیا قصیدہ بادشاہ کے حضور لے جا رہا تھا۔ چنانچہ وہ مخلوق

Marfat.com

سے منہ موڑ کر خالق کا ہو گیا ۔ رفتہ رفتہ گوشہ نشینی اور ترک تعلق کا جذبہ اس حد تک بڑھا کر شہر میں ننگے پاؤں گھومتا پھرتا تھا ۔ دوست احباب اس کی اس حالت کو دیکھ کر افسوس کرتے لیکن وہ اپنے حال میں مست اور خوش و خرم تھا ۔ کہتے ہیں کہ اس کے کسی جاننے والے نے جوتے خریدے اور بڑے اصرار سے اسے پہنائے ۔ دوسرے دن سنائی کو سر راہ سلام کیا۔ سنائی نے جوتے اسے واپس کردیئے ۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا : اس کا آج کا سلام پہلے جیسا نہ تھا ۔ (۲)

اسی نوعیت کے افسانے دوسرے شاعروں کے بارے میں بھی بیان کئے گئے ہیں ۔ قصاب بچے کی داستان اور شاعر کے پابرہنہ ہونے کی حکایت بظاہر ان غنائی اشعار سے لی گئی ہیں جو اس کے دیوان میں ایک قصاب معشوق کے متعلق ہیں ۔ اس کے دیوان میں بے سرو سامانی اور کفش وکلاہ سے محرومی کے کئی اشارے ملتے ہیں ۔ درد آشام مجذوب کو بعض تذکرہ نویسوں نے سلطان محمود کے عہد سے اور بعض نے بہرام شاہ کے دور سے منسوب کیا ہے لیکن سنائی کی باطنی تبدیلی اور روحانی انقلاب کا واقعہ بہرام شاہ کے عہد سے مطابقت نہیں رکھتا ۔ اسی طرح محمود کے دور حکومت اور سنائی کی ولادت کے زمانے میں تقریباً پچاس سال کا فرق ہے (۳) سنائی کے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میخواروں کی صحبت نے اسے اپنے آپ سے بھی بے خبر کر دیا تھا ۔ کیا درد آشام کی داستان اس کے دیوان میں موجود اس طرح کے اشعار سے وضع کر لی گئی ہے؟ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مجذوب یا خراباتی کی ہم‌نشینی میں اسے اپنی شاعری کا نقص معلوم ہوا ہو اور شاعر کو کسی خاص جذباتی موقع پر مداحی' چاپلوسی اور خوشامد جیسی برائیوں کا اچانک ادراک ہو گیا ہو ۔ اس کے باوجود اس تبدیلی کو ہم ایسی تبدیلی نہیں کہ سکتے جس نے زہد و حقیقت کے غلبے میں بھی اسے دنیا اور اہل دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہو اور وہ مخلوق

Marfat.com

کی مدح خوانی اور ہجوگوئی سے بالکل کنارہ کش ہو گیا ہو۔ حتی کہ "حدیقہ" بھی جو اس باطنی تبدیلی کے دور کی تالیف ہے اس طرح کی مدح خوانیوں سے پوری طرح پاک نہیں ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ ہجو، طعن و تشنیع اور اشاروں کنایوں سے بھی بھری پڑی ہے (۴)

اس کے باوجود جو تبدیلی شاعر کے ذہن میں پیدا ہوئی اس کی جھلک اس کے اشعار میں عیاں ہے۔ اسی تبدیلی کے نتیجے میں اس کے یہاں نئے افکار و معانی کی جو دنیا نظر آتی ہے اس سے پہلے کی شاعری میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

یہ ابن آدم جس کا نام مجدود تھا تقریباً ۴۷۳ ہجری قمری میں غزنی میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ آدم شرفا اور نجباء کے خاندان سے تھا۔ لیکن وہ صاحب جاہ وحشمت نہیں تھا۔ اس زمانے کے اکثر اہل خراسان کی طرح اس کا خاندان بھی حنفی مسلک کا پیروکار تھا۔ اس کے باوجود اکثر خوش عقیدہ اہل سنت کی طرح اہل بیت رسول سے خاص لگاؤ رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے سنائی کی شاعری میں کہیں کہیں شیعت کا رنگ دکھائی دیتا ہے اور بعض لوگ اس کے شیعہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے خاندان کو علم و معرفت اور شعر و شاعری سے بے انتہا لگاؤ تھا اور جیسا کہ جامی نے کہا ہے اس عہد کے ایک بزرگ عارف رضی الدین لالا کا اسی خاندان سے تعلق تھا (۵) غرضکہ مجدود غزنی میں جو ان دنوں ابھی تک علم و ادب کا اہم مرکز شمار ہوتا تھا علم و دانش کے حصول میں مصروف ہو گیا اور عنفوان شباب ہی میں اسے ان تمام علوم پر دسترس حاصل ہو گئی جن کا اکتساب ایک درباری شاعر کے لئے ضروری تھا۔ اس کے دیوان سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ اسے اپنے عہد کے مروجہ اہم علوم میں دسترس حاصل تھی اور چونکہ زبان میں تیزی اور دل میں جاہ و مال کی آرزو تھی اس لئے اپنے دور

Marfat.com

کے اکابرین میں مقام حاصل کرنا مشکل نہ تھا ۔

اس کے باوجود بظاہر غزنی میں اس کا کام آگے نہ بڑھ سکا اور ابھی جوان ہی تھا کہ اس نے بلخ کی راہ لی ۔ جو چیز اسے غزنی سے بلخ کھینچ لائی وہ عشق و محبت کے علاوہ جس کی ان دنوں اس کے دل پر حکمرانی تھی کسی حد تک خواجہ اصیل الملک حسن ہروی کی طرف سے انعام و اکرام کی امید بھی تھی جسے وہاں بڑی حیثیت حاصل تھی ۔ جیسا کہ اس کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے خواجہ حسن نے اس کے باپ آدم کے ساتھ بھی بہت اچھا سلوک کیا تھا چنانچہ سنائی بھی بلخ میں اس کی اعانت اور نوازشات سے محروم نہ رہا ۔ حسب توقع اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا ۔ لیکن اس کے باوجود آخر کار ان کے تعلقات خراب ہو گئے ۔ سنائی نے جو ایک گرم مزاج اور تیز زبان جوان تھا خواجہ حسن کے حسن سلوک اور سب نیکیوں کو جو اس نے اس کے اور اس کے باپ کے ساتھ کی تھیں بھلا دیا اوراس کے دشمنوں سے جاملا ۔ اس نے اس کی ہجو لکھی اور اس پر الزامات لگائے ۔ اپنی اس حرکت، بدزبانی اور تند مزاجی کے باعث وہ بلخ میں طرح طرح کی مشکلات اور تکالیف میں مبتلا ہو گیا ۔ کارنامۂ بلخ میں اس نے خود ان تکالیف اور مشکلات کا ذکر کیا ہے ۔ اگرچہ اس شہر ” بے داد “ میں دوست بھی پیدا کر لئے تھے لیکن آخر کار دشمنوں کے جور و ستم اور خصوصاً خواجہ اصیل الملک کے تحقیر آمیز سلوک کی وجہ سے شہر چھوڑنا پڑا ۔ رخت سفر باندھ کر سرخس کی طرف چل پڑا لیکن سرخس میں بھی اس کی بداخلاقی ، بدکلامی اور مفلسی نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا ۔ اس بے سر و سامانی اور مفلسی نے اس کی زندگی دو مشکل بنادیا اور وہ بہت زیادہ حساس اور زودرنج ہو گیا ۔ مفلسی کے باوجود وہ بلند ہمتی کے زعم میں مبتلا تھا ۔ یہی بلند ہمتی اسے بے سر و سامانی کے باوجود عزلت اور بے نیازی کی طرف راغب کرتی تھی لیکن اس

Marfat.com

کی روح خواہشات اور احساسات کی لہروں کی کشمکش میں مبتلا تھی ۔

بہرحال وہ بے سر و سامانی کی حالت میں خراسان کے ان شہروں میں اجنبی، نا آشنا اور تنہا تھا اور انہیں باتوں نے اس کی جوانی میں تلخی اور بدبختی کا رنگ بھر دیا تھا ۔ اس کے اس زمانے کے اشعار میں مفلسی کے خلاف شدید رد عمل بایا جاتا ہے اور اس کے بعض قصیدوں میں ایک مفلس اور فقیر کی آہ و زاری بخوبی سنائی دیتی ہے ۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ اس کے پاس کوئی ڈھنگ کی شلوار بھی نہ ہوتی اور کبھی گھر سے باہر جانے کے لئے دستار اور ازاربند دوسروں سے مستعار لینا پڑتا تھا ۔

اس کی پابرہنگی کی داستان اور بوسیدہ پانچ من وزنی جوتوں کی حکایت عہد جوانی کی اسی مفلسی اور بے نوائی کی صدائے بازگشت ہے ۔ یہ مفلسی اور بے نوائی خاص طور پر پردیس میں اسے بہت ستاتی اور اس کی زودرنج طبیعت کو بدکلامی، ہجو اور ہزل کی طرف راغب کرتی ۔ ظرافت اور بذلہ سنجی کے پیچھے وہ اپنی جھنجلاہٹ اور بے سر و سامانی کو چھپائے ہوئے تھا ۔ حتی کہ کبھی کبھی اس ظرافت اور بذلہ سنجی کی مدد سے وہ اپنی مفلسی کو ایک ظلم ناروا کی مانند جو سماج اس کے ساتھ کر رہا تھا، بڑی ڈھٹائی اور بے باکی کے ساتھ دولتمندوں کے منہ پر مارتا اور ان سے یوں صلہ حاصل کرتا گویا قرض وصول کر رہا ہو ۔ جب وہ خراسان کے ایک شہر سے دوسرے شہر میں مارا مارا پھر رہا تھا اس زمانے میں بھی مجرد ہونے کے باوجود اکیلا نہیں تھا بلکہ ایک شاگرد بھی اس کی خدمت کے لئے ساتھ تھا ۔

سرخس میں اس نے ایک کارواں سرائے میں قیام کیا ۔ وہاں اس کے ہمسایہ میں ایک سوداگر ٹھہرا ہوا تھا ۔ یہ سوداگر کچھ دنوں کے لئے کہیں چلا گیا ۔ واپسی پر کیا دیکھتا ہے کہ اس کی دکان سے بعض چیزیں، رقم اور

Marfat.com

کپڑے غائب ہیں ۔ اسی دوران سنائی بھی ہرات جا چکا تھا ۔ لوگوں نے اس کے شاگرد پر چوری کا الزام لگایا ۔ سوداگر نے سنائی کے نام خط لکھ کر اس سے درخواست کی کہ اس سلسلے میں جانچ پڑتال کرے ۔ شاعر نے سوداگر کے نام ایک سخت جوابی خط میں اپنی لا تعلقی اور بے نیازی کا اظہار کیا اور سوداگر کو اس بدگمانی پر اتنا سخت سست کہا کہ اسے شاعر کے سامنے حاضر ہو کر معافی مانگنی پڑی ۔ سنائی نے کچھ دنوں بعد ہرات سے بھی رخت سفر باندھا ۔ کچھ عرصہ نیشاپور ' خوارزم اور بلخ میں سکونت اختیار کی ۔ پھر بلخ سے حج کے لئے روانہ ہوا ۔ مکہ کی زیارت سے اس کے خیالات میں تبدیلی رونما ہوئی ۔ بلخ واپس آکر اس کے اندر باطنی اور ذہنی انقلاب کے آثار نمودار ہوئے ۔ اس کا دل مداحی' آزادروی اور آوارگی سے بھر چکا تھا ۔ لہذا زہد و تقویٰ کی طرف مائل ہوا اور اس کے دل میں اطاعت و بندگی کی رغبت پیدا ہو گئی ۔ سنائی کے وہ اشعار جو طاعت و زہد سے متعلق ہیں اسے دوسرے قدیم شعراء سے ممتاز بناتے ہیں اور بلاشبہ اس کے کلام کی نمایاں خوبی اور اہم خصوصیت ہیں ۔ یہ اشعار قیام بلخ کے دوران کہے گئے تھے ۔ بلخ کے بعد وہ سرخس گیا ۔ اب جب کہ وہ حرص و طمع اور اس سے پیدا شدہ اضطراب کو مکے کے بیابانوں میں گم کر آیا تھا جب کہ بلخ اور سرخس میں اس نے نسبتاً پرسکون زندگی بسر کی ۔ ممکن ہے سوداگر کے مال و اسباب کی چوری کا واقعہ سرخس کے اس سفر اور حج بیت‌الله کے بعد کے دور سے متعلق ہو ۔ بہرحال سنائی کا خط اس کے ان زاہدانہ قصائد کے مضامین کی یاد تازہ کرتا ہے جو اس نے سفر حج سے واپسی کے بعد کہے تھے اور ان میں سے بعض بلاشبہ سرخس میں اور سرخس میں بھی دوسری دفعہ قیام کے دوران کہے گئے تھے ۔ بہرحال جب سنائی دوسری دفعہ سرخس آیا تو انہی دنوں شیخ‌الاسلام جام احمد ژندہ پیل بھی کچھ عرصے کے لیے اس شہر میں قیام پذیر

Marfat.com

ہوئے اور اس موقع پر امام منصور سرخسی کے ساتھ طویل شکر رنجی کے بعد صلح صفائی ہوئی۔ سنائی کو جو دونوں کا دوست تھا ایک صوفی اور فقیہ کے درمیان صلح سے بہت خوشی ہوئی اور اس نے ایک قصیدے میں دونوں حضرات کی تعریف کی۔ (۹)

در حقیقت اب وہ قصائد میں حکیمانہ باتیں کرتا تھا اور ایک مفکر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ مداحی اور بذلہ سنجی کی قدیم روش کو ترک کر چکا تھا اور اب سرخس میں بڑی عزت اور آسائش کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ سرخس کے وزیروں، ائمہ کرام اور اکابرین کا اس کے ساتھ میل جول تھا۔ اور اسے بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عراق عجم کے معروف وزیر قوام الدین درگزینی نے جسے ان دنوں سلجوقی دربار میں بہت اہمیت اور اثر و رسوخ حاصل تھا اس شہر میں سنائی سے ملنے کی بڑی کوشش کی جس نے ان دنوں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ لیکن سنائی نے جو اب اہل دنیا کی دوستی سے گریزاں تھا ملنے سے انکار کر دیا۔ سنائی نے وزیر کی درخواست کا نہایت ادب سے جواب دیا جو دو خطوط اور ایک شعر پر مشتمل تھا اور اس طرح وزیر کی دوستی کی پیش کش قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ خود بھی سرخس کو چھوڑ کر بلاد خراسان کی طرف چلا گیا۔ اس کی عمر کے آخری سال غزنی میں بسر ہوئے جو اس کی جائے پیدائش تھی اور جہاں اس وقت سلطان بہرام شاہ اسی آبائی و دیرینہ جاہ و جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ اگرچہ حکیم سنائی کو بادشاہ اور درباریوں کے ہاں بڑی عزت حاصل تھی لیکن مدح سرائی کا سلسلہ اس نے ترک کر دیا تھا۔ صرف ظالموں کے ظلم و ستم کے خلاف اپنے رد عمل اور غم و غصے کا اظہار کرنے کے لئے اشعار کا سہارا لیتا تھا۔ اب اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اہل شہر کے ساتھ بہت کم میل جول رکھتا تھا۔ گویا اتنی بڑی تعداد میں عالموں، فقیہوں، ائمہ، قاضیوں،

Marfat.com

زاہدوں اور صوفیائے کرام کے ہوتے ہوئے بھی اس کی نظر میں ابھی تک غزنی کے کندھوں سے محمود اور مسعود کے خون آشام اور ہلاکت خیز عہد کے گناہوں کا بوجھ ہلکا نہیں ہوا تھا ۔ اگر کبھی اپنے اشعار میں اکابرین شہرمیں سے کسی کا ذکر یا تعریف کرتا تو صرف اس کے فساد و شر سے بچنے کے لئے کرتا تھا ۔ اپنی ساٹھ سال کی عمر میں بھی اپنے زمانۂ شباب کی طرح کبھی کبھی وہ تند و تیز لہجے میں ان کے نا روا سلوک' نا انصافی اور کجرائی کا ذکر کرتا تھا لیکن اب زمانۂ سابقہ کی طرح اس کی ہجو یا مدح کسی انعام یا صلے کی خاطر نہیں تھی ۔ اب اس کا مقصد کچھ اور تھا جیسا کہ اس نے خود کہا ہے کہ میری ہجو' ہجو نہیں بلکہ اس کا مقصد اصلاح ہے ۔ اسی طرح مدح سرائی کا مقصد بھی چاپلوسی اور جھوٹ کے بجائے نیکی اور اچھائی کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کو عام کرنا تھا ۔ (۷)

غرضیکہ اس باطنی انقلاب نے نہ صرف پختہ عمر شاعر کی راہوں کو منور کیا تھا بلکہ اس کی زندگی کی نہج کو بھی بدل کر رکھ دیا تھا ۔ اس کے علاوہ اس کے شعری اسلوب کو بھی ایک نیا رنگ بخشا تھا ۔ شروع میں وہ قدیم شعرا کے اسلوب کی پیروی کرتا تھا ۔ فرخی' عنصری اور منوچہری کے اسلوب کی جھلک اس کے قصیدوں میں جگہ جگہ ملتی ہے ۔ حتی کہ وہ مسعود سعد کے اسلوب کا ایسا شیدائی تھا کہ اس کے دیوان کی ترتیب و تدوین کا بیڑا اٹھایا ۔ البتہ اس سے اس کام میں ایک غلطی یہ ہوئی کہ بعض دوسروں کے اشعار کو بھی اس نے اس میں شامل کر دیا ۔ جس پر اسے بعد میں شاعر سے معذرت کرنی پڑی (۸) اس دور میں اس کی زندگی بھی پرانے اساتذہ کی زندگی سے مشابہ تھی ۔ اپنے عہد کے اکابرین اور صاحب حشمت لوگوں کے ساتھ اس کے بڑے اچھے مراسم تھے (۹) اس کے جو خطوط دستیاب ہیں ان کے مجموعے اور دیوان قصاید سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اپنے عہد کے زعماء کے

Marfat.com

ساتھ اس کے تعلقات کیسے تھے - اس کی زندگی کا وہ دور جو اس کے شباب کا دور تھا آوارہ گردی ، عشرت پرستی اور مدح سرائی میں گذرا - اس کے دیوان میں جابجا اس قسم کے علامات و اشارات موجود ہیں جن سے اس کے مشاغل کا پتہ چلتا ہے - نہ صرف بہرام شاہ ، سلطان سنجر اور ان کے وزرا اس کے ممدوح تھے بلکہ خراسان کے اکابرین جن کا مختلف شعبوں سے تعلق تھا مثلاً قضاہ ، ائمہ ، کوتوال اور رؤساء اس کی اعانت کرتے تھے - اس کی آدھی عمر نہ صرف مدح سرائی ، خوشامد اور گدائی میں گذری بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قمار بازی ، میخواری ، عشق بازی اور شاہد پرستی میں بھی مبتلا رہا -

اس کے اشعار سے ان متذکرہ عادات کا بخوبی پتہ چلتا ہے - کبھی کبھی اس کے اشعار کے مطالعہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید شاعر کو عورتوں سے رغبت نہیں تھی اور وہ اپنے عشق کا مداوا حسین لڑکوں کی صحبت ہی میں ڈھونڈتا تھا - حقیقت یہ ہے کہ اس " گمراہ عشق " کا رنگ اس کی شاعری میں بہت نمایاں ہے - افسانوں میں قصاب کے لڑکے کے ساتھ اس کے عشق کا ذکر ملتا ہے اور خود اس کے دیوان میں بھی قصاب زادے کا تذکرہ کئی بار آیا ہے - لیکن اس قسم کے اشعار اس کے ہم عصر شعرا کے دواوین میں بھی ملتے ہیں - اگرچہ مہستی کے بارے میں کسی " گمراہ عشق " کی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن اس طرح کی بہت سی باتیں نہ صرف اس سے منسوب رباعیات میں موجود ہیں بلکہ مسعود سعد اور عثمان مختاری کے کلام میں بھی اس قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں - مختاری کے دیوان میں دھوبی اور چاقو ساز معشوقوں کی تعریف میں رباعیات ملتی ہیں - مسعود سعد نے اپنے چند قطعات میں رنگساز ، فصاد ، چاہ کن ، کشتی گیر ، باغبان ، لوہار ، قلندر ، قصاب ، فالگیر اور سائیس لڑکوں کے ساتھ اظہار عشق کیا ہے - لیکن ان کو یقینی طور پر شاعر کے ذوق و رجحان کا ترجمان نہیں

Marfat.com

سمجھا جا سکتا ۔ اسی طرح شاہد بازی کا ذکر بھی سنائی سے مخصوص نہیں اس کا ذکر مسعود ، ابو الفرج ، معزی ، سید حسن ، مختاری اور اس عہد کے دوسرے بہت سے شعراء کے دواوین میں موجود ہے ۔ سنائی کے ہاں بھی اس قسم کی عشقبازی صرف "قصاب زادے" تک مخصوص نہیں ہے ۔ اس نے اپنی غزلوں میں ہر طبقے اور ہر قماش کے لڑکوں کے ساتھ عشق کا اظہار کیا ہے ۔ کبھی زرگر کے لڑکے کو دام محبت میں پھنساتا ہے ۔ کبھی کلاہ ساز کے لڑکے کے ساتھ عشق کی بازی ہارتا ہے اور کبھی ایک پاسبان کے ساتھ معاشقہ چلتا ہے ۔ کبھی ان غزلوں میں معشوق کے پیشے کی مناسبت سے خاص الفاظ اور مضامین بیان کرتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس نوعیت کی غزل سرائی شاعری کی اس مروجہ طرز پر تھی جسے "شہر آشوب" یا "شہر انگیز" کہتے تھے ۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ یہ مفلس طبع آزما اور غالباً بے گناہ شاعر ان تمام اہل حرفہ کے غیض و غضب کا شکار ہو جاتا ۔

اس کے باوجود اس زمانے کے شعراء کے ہاں نہ تو اس "گمراہ عشق" کی موجودگی سے انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے کلام میں اخلاق سوز اور رکیک الفاظ کی کثرت اور فراوانی سے اغماض کیا جا سکتا ہے ۔ در حقیقت فحش اور رکیک الفاظ کے ساتھ ساتھ اخلاق سوز تشبیہات کا استعمال اس عہد کے بہت سے شعراء کے کلام میں پایا جاتا ہے ۔ سوزنی اور انوری کا کیا ذکر مختاری اور سنائی نے بھی کبھی کبھی بے شرمی کی حد کردی ہے ۔ ظاہر ہے اس زمانے کے حالات اس طرح کی بذلہ سنجی اور ہرزہ سرائی کے لئے سازگار تھے ۔ حتی کہ سنائی کی حدیقہ، قابوس نامہ اور سیاست نامہ میں بھی مخرب اخلاق الفاظ اور حکایات درج ہیں ۔ حد تو یہ ہے کہ مولانا رومی بھی جو اپنے کلام کو "عرش کی سیڑھی" کہتے تھے اس طرح کی باتوں سے پرہیز یا گریز نہیں کرتے تھے ۔

Marfat.com

اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اس قسم کی ہرزہ سرائی جس کا حکماء اور عرفاء کے اسلوب شعر سے دور کا بھی تعلق نہیں سنائی کی حدیقہ اور اس کے باطنی انقلاب کے بعد کے اشعار میں بھی پائی جاتی ہے۔ در اصل جیسا کہ اس کا اپنا قول ہے چونکہ " ھزل کو پسند کرنے والے ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں" یہاں تک کہ زہد، وعظ اور حق شناسی کے حامل اشعار میں بھی اس زمانے میں جب تک ہزل کی چاشنی نہ ہوتی، عوام انہیں پسند نہیں کرتے تھے اور اس لئے سنائی کی حکمت آمیز باتیں اور عبرت آموز نصیحتیں بھی ہزل اور بے حیائی کے اثر سے خالی نہیں۔ اس کے باوجود سنائی کے اس دور کے اشعار خیال کی پاکیزگی اور تاثیر کی گہرائی اور شدت کے لحاظ سے اس کے دور شباب کے کلام سے بہت ممتاز ہیں اور اگر شاعر قبل از انقلاب کے دور میں اپنے اشعار میں قدیم اساتذہ کے اسلوب کا مقلد تھا تو اس عہد کے اشعار میں بلا شبہ منفرد اور یکتا نظر آتا ہے۔ اور یہ اسلوب سخن جسے بعد میں خاقانی ظہیر، کمال اسماعیل، امیر خسرو اور جامی نے اپنایا، اسی کی ایجاد و تخلیق ہے۔

یہ نیا اسلوب جسے خاقانی کی تاویل کے مطابق زھد یا "حق شناسی" کا اسلوب کہا جا سکتا ہے (۱۰) شاعرانہ تعبیروں کے مطابق زہد، توحید اور صوفیانہ مضامین کے بیان پر مشتمل ہے۔ سنائی کی ان زہدیات کا سب سے بڑا موضوع توحید، حرمت قرآن، نعت پیغمبر اور مکارم اخلاق کا بیان ہے۔ ان مضامین کے بیان کے لئے اس نے جن نکتہ آفرینیوں سے کام لیا ہے اس نے اسے اس میدان کا معنی آفرین شاعر بنا دیا ہے۔ اس کے کلام میں کبھی کبھی ناصر خسرو کا لب و لہجہ ملتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ناصر کی شاعری میں حکمت کا عنصر زیادہ ہے جبکہ سنائی کے کلام میں زہد اور عرفان کا لحن زیادہ قوی ہے۔ سنائی بھی ناصر خسرو کی طرح عوام کی گمراہی اور بے راہروی پر غصہ اور نفرت کا اظہار کرتا ہے اور اسی طرح اہل دنیا سے بھی شکایت کرتا ہے

Marfat.com

جنہوں نے قابل نفرت عیاشیوں اور مشغلوں کے سبب اپنی ذات کو ظالموں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ کیا اس قسم کے مضامین اور خیال پر مبنی باتوں کو شاعری کہہ سکتے ہیں؟ ایک معروف معاصر شاعر انہیں شاعری کی قلمرو سے باہر سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں ان باتوں اور شاعری کے درمیان صرف اتنا ہی تعلق ہے جتنا شریعت اور شاعری کے درمیان ہوتا ہے۔(۱۱)

اس کے باوجود اگر خیال آفرینی اور جوش و جذبہ ہی شاعری کی علامت ہے تو ان مضامین کو بھی شعر میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ مضامین قلب و ذہن کی ہیجانی کیفیت کو متاثر نہیں کرتے اور چند لمحوں کے لئے انہیں زندگی کے عام معمول سے ہٹا کر دوسرے آفاق میں نہیں لے جاتے؟

اس زہد و حق شناسی کے علاوہ اس دور کے بعض اشعار میں قلندرانہ رنگ کی جھلک بھی ملتی ہے۔ اس کے اس قلندرانہ کلام میں ایسا گرم، ملتہب اور آتشین عشق موجزن نظر آتا ہے جو ہر شے کو ریزہ ریزہ اور جلا کر نیست و نابود کر دیتا ہے۔ یہ قلندرانہ عشق جلا کر خاک کر دینے والی اور تباہ‌کن مستی کے ساتھ جسم و جان پر مکمل طور پر حاوی نظر آتا ہے۔ بہر حال یہ قلندرانہ رنگ اس دور کی شاعری کی ایک اور نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ وہ رنگ ہے جو وجدانی انقلاب کے بعد اس کی شاعری میں بڑی شدت سے جلوہ گر ہوا اور ظاہر ہے کہ کسی عظیم انقلاب کے بغیر ایک کم مایہ اور مدح و قدح میں گم شاعر جوش و ہیجان کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

سنائی کی شاعری صرف ایک دیوان ہی پر مشتمل نہیں۔ اسی طرح اس کا یہ دیوان صرف قصائد پرمبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے شعراء کی روایت ہے اس کے اس دیوان میں قصائد کے علاوہ غزلیات، ترکیبات، قطعات اور رباعیات بھی موجود ہیں اور مجموعی طورپر اس کے اشعار کی تعداد چودہ ہزار کے قریب ہے۔ اس دیوان کے علاوہ اس کی چند مثنویاں بھی ہیں ۔ یہ سب

Marfat.com

بحر خفیف میں کہی گئی ہیں ۔ ان میں سب سے اہم حدیقہ یا اس کے اپنے قول کے مطابق حدیقة الحقیقہ ہے ۔ حدیقہ جسے الہی نامہ اور فخری نامہ بھی کہا جاتا ہے توحید، عرفان اور اخلاق پر مبنی دس ہزار اشعار پر مشتمل ایک مثنوی ہے ۔ اگر اس کے تمام حصوں پر شاعری کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس کو شاعری کی ایسی قسم کہنا چاہیے جسے اصلاحی شاعری (۱۲) کا نام دیا گیا ہے اور ہر اصلاحی شاعری کی طرح اس کا بھی ایک واضح مقصد ہے ۔ اس کا مقصد فکر انگیزی اور شعر کے توسط سے صوفیاء کے اہداف کی تعلیم دینا ہے ۔ اس میں بعض ایسے مقام بھی ہیں جہاں تعلیم کا عنصر اتنا غالب ہے کہ جذبہ و خیال کا رشتہ منقطع ہوگیا ہے اور ایسے مقام بھی ہیں جہاں حکایات، تمثیل اور خیال آفرین تشبیہات کے استعمال نے انہیں حقیقی شاعری کا رنگ دے دیا ہے ایک نظریہ کے مطابق حدیقہ عرفانی دایرة المعارف ہے جسے شاعری کا لباس پہنایا گیا ہے ۔ اس میں شاعر نے ہر موضوع پر مثلاً خدا و رسول، عقل و عشق ، آگہی و غفلت ، دوست و دشمن، زمین و آسمان، شاہ و وزیر اور حتی کہ اپنی کتاب کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا ہے ۔ اس کے لحن پر ایک معلم کی آواز کا گمان ہوتا ہے ۔اس کا انداز کچھ ایسا ہے جیسے وہ سامع یا قاری کو طالب علم سمجھتا ہو ۔ ان سے گفتگو کی بجائے ان کی راہنمائی کرتا ہے ۔ مثنوی حدیقة الحقیقہ آیات و احادیث اور حکمت و عرفان کا ایک گنجینہ ہے ۔ لطافت و دلنشینی سے لبریز امثال و حکایات کی فراوانی نے بھی اس کے کلام کو ایک خاص چاشنی عطا کی ہے ۔ اس کے باوجود پوری کتاب میں ایک ایسی سرد، خشک اور ملال انگیز فضا پائی جاتی ہے جس کا اثر نہ تو شاعر کے دلنشین اور لطیف انداز بیان سے کم ہوتا ہے نہ ہی معانی و مضامین کی عظمت و جلوہ افروزی سے ۔ خصوصاً بعض مواقع پر اس کی عبارت مبہم ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں ۔ اس میں تلمیحات اور اشارات کی بہتات ہے ۔ اگرچہ

Marfat.com

شاعر نے طوالت سے بچنے کے لئے یہ انداز اختیار کیا لیکن اس سے قاری کے اندر بیزاری اور اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے -

اس کی دوسری مثنوی سیر العباد الی المعاد ہے جس میں وہ معری اور دانتے سے بہت پہلے بہشت اور دوزخ کی سیر کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے - (۱۳) طریق التحقیق' عقل نامہ' عشق نامہ' سنائی آباد اور تحریمة القلم اس کی مختصر مثنویاں ہیں جو حدیقہ کے وزن اور بحر میں لکھی گئی ہیں اور معانی و مضامین کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ انہیں حدیقہ ہی میں شامل کر دیا جائے - ممکن ہے ان میں سے بعض مثنویاں حدیقہ میں شامل کرنے کے ارادے سے نہ لکھی گئی ہوں لیکن حدیقہ کو منظوم کرنے سے پہلے شاعر نے ضرور بطور مشق ان پر طبع آزمائی کی تھی - مثنوی کارنامۂ بلخ یا مطائبہ نامہ جو حدیقہ کے وزن پر ہے شاعر کی جوانی کی تصنیفات میں سے ہے اور مسعود سعد کی اسی مضمون کی ایک مثنوی کی یاد تازہ کرتی ہے -

بہرحال یہ مثنوی بعض مقامات پر مفہوم کے لحاظ سے حدیقہ کے آٹھویں اور نویں باب سے مشابہ ہے - یہاں بحر خفیف سے سنائی کی خاص دلچسپی بھی قابل توجہ امر ہے کیونکہ اس نے اپنی تمام مثنویاں اسی بحر میں لکھی ہیں - ان تمام تصنیفات کے علاوہ جن کا تعلق صنف شاعری سے ہے سنائی کی نثری نگارشات میں اب صرف مقدمۂ دیوان اور چند خطوط دستیاب ہیں جو اس کی تصنیفات کے موجودہ مجموعہ میں شامل ہیں اور ان سب کا مطالعہ کئے بغیر شاعر کے ذوق و جذبہ کے تمام پہلوؤں کی شناخت ممکن نہیں ہے -

قدیم شعرا اور قصیدوں نگاروں میں سنائی ایک ایسا شاعر ہے جس کا خاص پیغام اور خاص مقصد ہے - اس کے پیغام میں درون بینی کی دعوت اور ظاہر پرستی سے پرہیز کی تلقین ہے - دوسرے صوفیا کی مانند اس کا نصب‌العین بھی حق کی جستجو اور گمراہوں کو صراط مستقیم دکھانا ہے - ہر چند اس کا راستہ کوچۂ عشق

Marfat.com

سے ہو کر گذرتا ہے لیکن پھر بھی مسجد و معبد سے دور نہیں ۔ بعض اوقات تو یہ راستہ مسجد سے شروع ہوتا ہے اور مسجد پر ہی جا کر ختم ہوتا ہے اور اگر مسافر کا گذر خرابات و میخانہ کے راستے سے بھی ہوتا ہے تو وہ ہوش و پارسائی پر آنچ نہیں آنے دیتا ۔ قلندروں اور ملامتیوں کی تعلیمات سے متاثر ہونے کے باوجود اس کا تصوف اعتدال پر ہے ۔ جس خدا کی اُسے تلاش ہے وہ خدائے یکتا ہے خالق زمین و آسمان ، شرک و ادغام سے پاک ۔ اس کا عرفان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی رحمت شامل حال نہ ہو اور اس کی یہ رحمت تذکیۂ نفس کے بغیر نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہر آلودگی اور ہر نسبت سے مبرا ہے ۔ سچی توحید یہ نہیں کہ خدا کو ایک تصور کریں بلکہ سچی توحید یہ ہے کہ جہاں وہ موجود ہے یا اس کے وجود کا تذکرہ ہے وہاں دوسرے ہر وجود کو معدوم تصور کریں اور ہر چیز کی نفی کر دیں ۔ لیکن صرف وہی اہل معرفت توحید کے اس مقام تک پہنچتے ہیں جن کی دستگیری اور راہنمائی اس کی رحمت کرتی ہے ۔ عارفوں میں اور عوام الناس میں جو اپنی سفلی اور شہوانی خواہشات کے اسیر ہیں بڑا فرق ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ عارفوں کو چرخ گردوں کے نیچے کہیں چین میسر نہیں ۔ وہ جسم و جان سے ماوراء اپنی منزل کے جویا ہیں ۔ ان کے نزدیک شہادت صرف یہی نہیں کہ " لاالہ الااللہ " کا کلمہ زبان پر ہو ، ان کی نظر میں سچی شہادت ہر ماسوا کی نفی کرنا ہے ۔ تمام عالم کون و مکان کی نفی ۔ کیونکہ ان کا وجود محض سایہ یا محض عکس کی مانند ہے ۔ ان کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں ہے ۔ ان کے نزدیک کلمۂ شہادت میں موجود " لا " ایک مگرمچھ کی مانند ہستی کے تمام سمندر کو پی جاتا ہے ۔ تمام جہان کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے ۔ اس طرح جس شخص نے ایک عارف کی طرح " لاالہ الااللہ " کا ورد کیا پھر خدا کے سوا اُسے کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ وہ نہ تو کسی سے خائف ہوتا ہے اور نہ کسی کی پرواہ کرتا ہے ۔ وہ ہر چیز کو حقیر تصور کرتا ہے اور

Marfat.com

ہر وجود کو فراموش کر دیتا ہے ۔ دنیاوی تخت و تاج کو ٹھکرا دیتا ہے اور فقر و نیستی کو اپنی جان کی زینت بنا لیتا ہے ۔ " لا " کے جھاڑو سے نیلے آسمان پر بکھرے ستاروں کے جواہر پاروں کو گرد و غبار کی طرح حقیر و بے وقعت سمجھ کر زمین پر جھاڑ کر پھینک دیتا ہے ۔ کائنات کو راستے کے خس و خاشاک سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا ۔ اور ہر شئے کو معدوم اور غیر موجود تصور کرتا ہے ۔ خدا کے تصور کے سوا دل میں آنے والے ہر خیال کو باطل سمجھتا ہے اور اسے صفحۂ دل سے مٹا دیتا ہے ۔ حق کے سوا جس چیز کو راہ میں دیکھتا ہے اسے باطل سمجھ کر راستے سے دور ہٹا دیتا ہے ۔ یہاں تک کہ اپنی ذات کی، اپنے وجود کی اور اپنے گوشت پوست کی بھی نفی کر دیتا ہے ۔ اپنی ذات کو فراموش کر دیتا ہے اور اسے درمیان سے اٹھا لیتا ہے ۔ موت سے پہلے ہی اپنے اختیار اور مرضی سے اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے ۔ اس طرح خارجی دنیا سے لئے ہوئے قرض کو تصوراتی دنیا میں واپس لوٹاتا ہے ۔ قفس طبیعت اور دام فلک سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے ۔ دلیل و حجت اور ہر قسم کے دعوؤں کا جواب خاموشی سے دیتا ہے ۔ اپنی ہستی کو ریاضت کے پیروں تلے روند دیتا ہے اور دنیا کے تمام اندیشوں اور تفکرات کو دل سے نکال دیتا ہے ۔ تن کو ہر اس چیز سے جو جسم اور حجاب ہے مبرا کر لیتا ہے ۔ اپنے وجود کو اس قدر حقیر بنا لیتا ہے کہ وہ کسی شمار میں نہیں آتا ۔ اس طرح دونوں جہانوں سے دست بردار ہو جاتا ہے ۔ کبھی دونوں جہانوں کو پرانے جوتے کے جوڑے کی طرح پاؤں میں ڈال لیتا ہے اور کبھی انہیں بے اعتنائی کے عالم میں سر راہ کہیں پھینک دیتا ہے ۔ شریعت کی پیروی اس طرح کرتا ہے کہ اس کا تصوف مکمل طور پر دین کا رنگ اختیار کر لیتا ہے ۔ قرآن میں غوطہ زن ہو کر وہاں سے حرارت اور روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک نابینا کی طرح صرف آفتاب کی شعاؤں کو محسوس نہیں کرتا بلکہ

Marfat.com

آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی قرآن کی روشنی کے ادراک کے لئے تشکیک و تردید کے مرحلے سے گذر کر اطاعت و فرمانبرداری کی منزل تک پہنچتا ہے۔ ایسا ہی دل قرآن اور دین کو ایک ولآویز عاشقانہ نغمے کی مانند آرام بخش اور دلنواز تصور کرتا ہے اور دین حقیقی کو ایک بے پایاں اور لا زوال عشق کا سر چشمہ سمجھتا ہے۔

عشق حقیقی جو سنائی کی تعلیمات کا مدعا ہے بعض دوسرے عرفا کے کلام میں بھی موجود ہے۔ رابعہ عدویہ نے اسے ایک مقدس درد کی طرح اپنے دل میں جگہ دی۔ خواجہ عبداللہ انصاری کے کلام میں بھی یہ عشق بے نظیر درد و جذبے کے ساتھ موجود ہے۔ سنائی کے عشق میں شریعت و طریقت کا جو امتزاج نظر آتا ہے یہی امتزاج خواجہ انصاری کے کلام میں بھی موجود ہے۔ دوسرے صوفیا کے ہاں غالباً یہ عشق اس حد تک بے حجاب و برملا ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کے آداب و اصول کا پابند نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ سالک شریعت کی پابندیوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جب کہ سنائی کے یہاں یہ عشق خواجہ عبد اللہ انصاری کی طرح دین و شریعت ہی سے حرارت اور روشنی حاصل کر تا ہے۔ اس کے خیال میں اگر عارف قرآن کی روشنی اور شریعت کی شاہراہ سے دور ہو جائے تو وہ ویرانوں اور بیابانوں میں گم ہو جاتا ہے اور اسے کوئی راستہ نہیں ملتا :

طلب ای عاشقان خوش رفتار

طرب ای شاهدان شیرین کار

ترجمہ :- جادۂ عشق پر چلنے والے عاشقو! طلب کا جذبہ پیدا کرو۔ اے خوش ادا معشوقو! بزم نشاط سجاؤ۔

تا کی از خانہ هین رہ صحرا

تا کی از کعبہ هین در خمار

Marfat.com

ترجمہ :۔ کب تک گھر میں مقید رہو گے اٹھو صحرا کی راہ لو۔ کب تک حرم کے طواف میں مشغول رہو گے۔ ساقی و مئے کی راہ لو۔

ای ہوا ھای تو ہوی انگیز
وی خدایان تو خدای آزار

ترجمہ :۔ اے کہ! تیری خواہشات حرص و ہوا کو بھڑکانے والی ہیں ۔ اور تو نے ایسی چیزوں کو اپنا خدا بنا لیا ہے جو خدا کو آزار دیتی ہیں ۔

بر گذر زین جہان غرچہ فریب
در گذر زین رباط مردم خوار

ترجمہ :۔ اس پر فریب اور حقیر دنیا سے کنارہ کش ہو جا۔ اس آدم‌خور سرائے کو ترک کر دے۔

رخت بر گیر ازین سرای کہ ہست
بام سوراخ و ابر طوفان بار

ترجمہ :۔ اس سرائے سے اپنا رخت سفر باندھ لے کیونکہ اس کی چھت میں سوراخ ہے اور طوفان خیز بارش ہو رہی ہے ۔

تاترا یار دولت است نشی
در جہان خدای دولت یار

ترجمہ :۔ جب تک تیرے دل میں مال و اسباب کی محبت ہے تو عالم خدائی میں صاحب اقبال نہیں ہو سکتا ۔

چون ترا از تو پاک بستانند
دولت آندولت است و کار آن کار

ترجمہ :۔ جب تمہاری ذات کی نفی ہو جائے تو اصل دولت وہی دولت ہے اور یہی کام سب سے بڑا کام ہے۔

Marfat.com

بر خود آنرا کہ پادشاہی نیست

بر گیاہیش پادشا شمار

ترجمہ :- جس شخص کو اپنی ذات پر حکمرانی نہیں تو وہ ایسا بادشاہ ہے جسے ایک تنکے پر بھی اختیار نہیں -

افسری کان نہ دین نہد بر سر

خواہش افسر شمار و خواہ افسار

ترجمہ :- وہ تاج جسے دین نے کسی کے سر پر نہ رکھا ہو وہ اسپ و خر کی لگام سے زیادہ مختلف نہیں ہے -

حکیم سنائی جب سالہا سال کی آوارہ گردی اور در بدری کے بعد واپس غزنی آیا تو یہ اس کی زندگی کا ایک نیا دور تھا - دوستوں اور عقیدتمندوں کا ایک ہجوم تھا - حتی کہ سلطان بہرام شاہ نے بھی اس کے ساتھ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا لیکن تذکرہ نویسوں کی یہ بات کہ اس نے اپنی بہن کے رشتے کی پیشکش بھی کی تھی بعید از حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اس کی صحت کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا - (۱۴)

بہرحال اس زمانے کی بہ نسبت جب سنائی نے عہد جوانی میں غزنی کو چھوڑا تھا اس بار غزنی نے اس آزاد منش حکیم کے ساتھ زیادہ بہتر سلوک کیا - اس کے باوجود یہ مرد آزاد جو شہر کے اکابرین اور صاحبان جاہ و حشمت کی عقیدت اور محبت کا مرکز تھا بے فکری اور بے نیازی سے شہر میں ننگے پاؤں گھومتا پھرتا - گویا اس بار شوریدہ سری نے اسے بشر حافی کی طرح بنا دیا تھا جو زمین کو فرش خدا تصور کرتا تھا اور اس قابل تکریم فرش پر جوتوں سمیت چلنے کو سوء ادب خیال کرتا تھا (۱۵) وہ بھی بشر حافی کی مانند جوتوں اور حتی کہ دستار کو حجاب تصور کرتا تھا اور اس شہر میں جہاں خاص و عام اسے پہنچانتے تھے اور احترام کرتے تھے وہ ننگے

Marfat.com

باؤں کی کوچوں میں گھومتا ہوا نظر آتا ۔ غزنی کے اکابرین اور زعماء میں سے اس کے ایک مخلص دوست احمد بن مسعود تیشہ نے اس سے پرزور اصرار کیا کہ وہ اپنے ان متفرق اشعار کو ان نئے افکار و معانی کی بنیاد پر جو خراسان اور عراق کے دور دراز کے سفر کا تحفہ تھے ایک نئی مثنوی کو ترتیب دے ۔ لیکن شاعر نے جو اپنے وطن مألوف میں بے گھر اور بے در تھا اور اتنی عزت و شہرت کے باوجود اجنبیوں کی طرح رہ رہا تھا اپنی بے سر و سامانی کو بہانہ بنا کر اس کی درخواست کو قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا ۔ سنائی کے انکار کے باوجود اس کے دوست نے اپنی خواہش کو ترک نہ کیا ۔ اس نے شاعر کے لئے گھر تعمیر کرایا اور اس میں آرام و آسائش کے ضروری سامان بھی مہیا کئے (۱۶) آخر کار حکیم نے اپنے دیوان کو جمع کرنا شروع کیا اور خاص طور پر حدیقہ کی ترتیب و تدوین کا آغاز کیا ۔ اس کے باوجود غزنی میں اسے اس کی خواہش کے مطابق آرام و راحت نصیب نہ ہوئی ۔ فقہا نے اس کی بعض باتوں کو بنیاد بنا کر اس کی مخالفت شروع کر دی ۔ اس پر کفر کا فتوی لگایا گیا ۔ حتی کہ بعض روائتوں کے مطابق اسے قید و بند کی سزا جھیلنی پڑی ۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شاعر نے مجبور ہو کر اپنے عقیدے کی درستگی کے بارے میں بغداد کے علماء سے گواہی کی درخواست کی ۔ اس کے باوجود مرتے دم تک بدخواہوں کی سازشوں کا شکار رہا ۔ یہ وہ حقایق ہیں جن کا ذکر بعض تذکرہ نویسوں نے کیا ہے (۱۷) لیکن ان کی صحت کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ ضرور ہے کہ حدیقہ سے اور خاص طور پر اس کے آخری حصوں سے بعض ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے کسی حد تک شاعر کی آزردگی کا پتہ چلتا ہے ۔ بغیر کسی سبب کے شاعر عہد جوانی کی تلوار یعنی ہجو گوئی کی تند و تیز زبان استعمال کرنے پر مجبور نہیں ہوا تھا وہ بھی اس زمانے میں جب کہ

Marfat.com

اس نے آزادروی اور گوشہ نشینی کی زندگی اپنا لی تھی اور دنیا سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کرلی تھی آخر اسے بدخواہوں کی ہجو کہنے، دشنام طرازی کرنے اور ہزل و طعن کے خنجر سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟ حقیقت میں انہی بدخواہوں نے بڑھاپے اور گوشہ نشینی کے ایام میں بھی اس کی دنیا تاریک کر رکھی تھی۔ انھوں نے اسے اشتعال اور دل آزاری پر مائل کیا اور مجبور کیا کہ وہ غم و غصے کی حالت میں پکار اٹھے:

ای مسلمانان خلایق حال دیگر کرده اند

از سر بیحرمتی معروف منکر کرده اند

ترجمہ :- اے مسلمانو! لوگوں نے اپنی حالت بگاڑ لی ہے۔ وہ بیحرمتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ معروف کو منکر قرار دیتے ہیں۔

در سماع پند و اندر دیدن آیات حق

چشم عبرت کور و گوش زیر کی کر کرده اند

ترجمہ :- پند و نصیحت کو سننے کے بجائے دانائی و آگہی کے کان کو بہرہ کر رکھا ہے۔ حقیقت کی نشانیوں کو دیکھنے کے بجائے عبرت کی آنکھ کو اندھا کر رکھا ہے۔

پادشاهان قوی بر داد خواهان ضعیف

مرکز درگاه را سد سکندر کرده اند

ترجمہ :- طاقتور بادشاہوں نے کمزور فریادیوں پر اپنے دربار کے دروازے یوں بند کر دئے ہیں جیسے ان کے سامنے دیوار سکندر چن دی گئی ہو۔

عالمان بی عمل از غایت حرص و امل

خویشتن را مسخرهٔ اصحاب لشکر کرده اند

ترجمہ :- بے عمل علماء نے حرص و لالچ کی انتہا کر کے اپنے آپ کو لشکریوں کا تابع مہمل بنا رکھا ہے۔

Marfat.com

مالداران توانگر کیسۂ درویش دل

در جفا درویش را از غم توانگر کرده اند

ترجمہ :- دولت مندوں نے جن کی تجوریاں تو بھری ہوئی ہیں لیکن دل مفلس ہیں اپنے ظلم و ستم سے غریبوں کو دولت غم سے مالا مال کر دیا ہے۔

خون چشم بیوگا نست آنکہ در وقت صبوح

مهتران دولت اندر جام و ساغر کرده اند

ترجمہ :- یہ بیواؤں کے خون کے آنسو ہیں جو اکابرین حکومت وقت صبح جام و ساغر کے ذریعے نوش کرتے ہیں۔

تا کہ دھقانان چو عوانان قبا پوشان شدند

تخم کشت مردمان بی بار و بی بر کرده اند

ترجمہ :- کسانوں نے جب سے محاصل وصول کرنے والوں کی قبا پہن لی تو لوگوں کے کھیتوں کے بیج بے برگ و بار ہو گئے۔

غازیان نا بوده در غز و غزای روم و هند

لاف خود افزون ز پور زال و نوذر کرده اند

ترجمہ :- روم اور ہند کی جنگوں میں شرکت کئے بغیر غازی ہیں۔ پور زال اور نوذر سے بر تر ہونے کی شیخی بگھارتے ہیں۔

ای سنائی پند کم ده کاندرین آخر زمان

در زمین مشتی خر و گاو سر و بر کرده اند

ترجمہ :- اے سنائی ! پند و نصیحت کم کرو کیونکہ اس قرب قیامت کے زمانے میں زمین پر مٹھی بھر گاؤ و خر(احمقوں) نے سر اٹھا رکھا ہے

اس میں شک نہیں کہ کج مزاج بد خواہوں اور حاسدوں کی بد اندیشی اور ایذا رسانی ہی نے شاعر کو غزنی میں گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا تھا۔

Marfat.com

اس کی گوشہ نشینی میں غرور و خود پسندی کو بھی دخل تھا۔ وہ اپنی آزاد روی اور درویشی کے زعم میں بہت کم لوگوں کو خاطر میں لاتا تھا۔ اگر آثارالبلاد کے مؤلف کی روایت درست ہے تو اس کے قول کے مطابق وہ وزیر اعظم کے پاس بھی جاتا تو اس کے پاؤں ننگے اور کیچڑ آلود ہوتے اور وہ اس بہانے سے کہ وزیر کا قالین اور مسند گندے نہ ہو جائیں پاؤں پھیلا کر بیٹھتا۔ حالانکہ وزیر اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا اور اسے اپنی مسند پر جگہ دیتا (۱۸) اس کی تند و نیش دار ہجویات سے بھی جو اس نے عہد آزادگی میں اپنے معاصر اکابرین کے بارے میں لکھیں اس کی یہ خود پسندی اور بے اعتنائی عیاں ہے۔ چنانچہ بہرام شاہ کے نام اس کا وہ خط جو مجالس المؤمنین میں نقل کیا گیا ہے اور نیز وہ خطوط جو اس نے عراق عجم کے وزیر قوام‌الدین در گزینی کے نام لکھے ان میں تکبر اور غرور کا لہجہ نمایاں ہے(۱۹) اس کے علاوہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اسے عوام الناس کے مختلف طبقات سے بھی سخت شکایتیں تھیں۔ وہ ان تمام طبقوں کو گمراہ اور گناہگار کہتا تھا۔ وہ سب کے راز فاش کرتا تھا اور کم و بیش سب کی مذمت کرتا تھا۔ وہ لوگوں کے اندر پھیلی ہوئی قنوطیت، گمراہی اور حماقت سے نالاں تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ لوگوں کی امیدوں اور مایوسیوں اور شادی و غم سے کنارہ کش ہو کر ملک ایمن میں پناہ لے لے اور دنیاوی مال و متاع کی بجائے دل کی دولت پر قناعت کرے:

بس کہ شنیدی صفت روم و چین
خیز و بیا ملک سنائی بہ بین

ترجمہ :- تو نے روم و چین کی تو اتنی تعریف سنی ہے۔ ذرا آ کر سنائی کے ملک کو تو دیکھو۔

Marfat.com

تا ہمہ دل بینی بی حرص و بخل
تا ہمہ جان بینی بی کبر و کین

ترجمہ : تا کہ تو حرص و بخل سے پاک دل دیکھے ۔ تا کہ تو تکبر و کینہ سے عاری روح دیکھے ۔

پای نہ و چرخ بزیر قدم — دست نہ و ملک بزیر نگین

ترجمہ : پاؤں سے محروم ہے اور آسمان کو قدموں کے نیچے لئے ہوئے ہے ۔ ہاتھ نہیں ہیں لیکن مملکت کو زیر نگین کئے ہوئے ہے ۔

عافیتی دارد و خرسندیی — اینت حقیقت ملک راستین

ترجمہ : اس ملک میں امن و امان اور شادمانی کا دور دورہ ہے ۔ حقیقی ملک کی واقعیت یہی ہے ۔

حکیم کی زندگی کے آخری ایام غزنی ہی میں بسر ہوئے جو اس کی جائے پیدائش بھی تھی اور جسے جوانی میں اس نے بلخ و سرخس کی خاطر ترک کر دیا تھا ۔ عمر کے آخری ایام میں اس کی بڑی مصروفیت حدیقہ کو نظم میں ڈھالنا اور اس کی ترتیب و تدوین تھی ۔ لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ حدیقہ کو مکمل کرنے سے پہلے ہی اس کی عمر ختم ہو گئی ۔ غزنی جو ایک مدت تک کامرانیوں اور شہرت کی سر زمین تھی وہیں سپرد خاک ہوا ۔ جیسا کہ مشہور ہے وفات کے وقت اس کی عمر باسٹھ سال کی تھی ۔ اس نے ۵۳۰ ھ میں وفات پائی ۔ بعض کے نزدیک ۵۲۵ ھ اور بعض کے نزدیک ۵۴۵ ھ میں اس کا انتقال ہوا ۔ لیکن ان میں کوئی تاریخ بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی ۔ بہرحال حدیقہ کی تدوین ہی کے دوران اس کا انتقال ہوا ۔ عمر کے آخری ایام میں غم و غصہ اور ملال کی کیفیت حدیقہ کے باعث ہی تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ بستر مرگ پر اسے اس بات کا سخت رنج تھا کہ تمام عمر شاعری میں گذر گئی ۔ مرنے سے پہلے وہ بستر مرگ پر بخار

Marfat.com

کی حالت میں ایک ایسا شعر گنگنا رہا تھا جس میں شاعری سے توبہ کی گئی تھی اور اسے ہمیشہ کے لئے ترک کرنے کا عزم پایا جاتا تھا ۔ کسی صاحبدل نے سن کر کہا : یہ بھی خوب ہے ۔ شاعری سے توبہ کا اظہار بھی شعر ہی کی زبان میں کیا جا رہا ہے ۔ زندگی کے آخری ایام کا وہ شعر جس میں اس کام سے توبہ کا اظہار ہوتا ہے جس میں وہ عمر بھر مصروف رہا اس کا آخری شعر بھی شمار ہوتا ہے :

باز گشتم از سخن زیرا کہ نیست
در سخن معنی و در معنی سخن

ترجمہ : میں نے شاعری سے توبہ کرلی ہے کیونکہ شاعری مفہوم و معنی سے عاری ہے اور مفہوم و معنی شاعری سے عاری ہیں ۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) مجالس العشاق، مطبوعہ کانپور، صفحہ ۶۷-۶۶

(۲) قزوینی، آثارالبلاد، صفحہ ۳۹۴

(۳) بہرام شاہ کے عہد حکومت(۵۴۷-۵۱۲) میں سنائی کی عمر چالیس کے نزدیک یا اس سے زیادہ تھی۔ جب کہ سلطان محمود کے عہد سلطنت(۴۲۱-۳۸۹) میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس کی روحانی تبدیلی کا واقعہ ممکن ہے نہ تو بہرام شاہ کے دور میں وقوع پذیر ہوا ہو اور نہ ہی سلطان محمود کے عہد میں۔

(۴) مثلاً ملاحظہ ہو: حدیقہ، مطبوعہ مدرس رضوی، صفحہ ۵۰۶ - ۵۰۱ ۵۹۰-۶۳۷، ۶۴۷-۶۵۵، ۶۸۲-۶۸۸

(۵) جامی، نفحات، مطبوعہ تہران، سال ۱۳۳۶ ہجری شمسی، صفحہ ۵۹۵

(۶) دیوان سنائی، مطبوعۂ مدرس رضوی، اشاعت اول، صفحہ ۲۲۳ پر اس قصیدہ کا مطلع یوں ہے:

از خلاف است اینہمہ شر در نہاد بوالبشر
و ز خلاف است آدمی در چنگ جنگ و شور و شر

ترجمہ :- انسان کے اندر اتنا شر مخالفت کے باعث ہے۔ اور آدمی اگر جنگ و جدل اور شور و شر کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے تو یہ بھی مخالفت کی وجہ سے ہے۔

(۷) ہزل من ہزل نیست تعلیم است
بیت من بیت نیست اقلیم است

Marfat.com

ترجمہ :- میری ہزل ، ہزل نہیں تعلیم ہے۔ میرا شعر ، شعر نہیں معانی کی ایک دنیا ہے (یا میرا گھر عام گھر نہیں ، بلکہ ایک دنیا ہے)۔

(۸) روش علمی در نقد متون ادبی ، مجلہ یغما ، سال ۱۰ ، شمارہ ۶

(۹) دیوان سنائی ، مطبوعہ مدرس رضوی ، اشاعت اول ، مقدمہ مد ـ سد

(۱۰) خاقانی اپنی زہدیات اور مواعظ کی تشریح و توضیح کرتے وقت ، جہاں عنصری پر اپنی برتری کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے وہاں ایک معروف قطعہ میں کہتا ہے :

ز دہ شیوہ کان از در شاعریست
بیک شیوہ شد داستان عنصری

ترجمہ :- شاعری کے دس اسلوب ہیں اور عنصری نے ان میں سے ایک اسلوب کے باعث شہرت پائی ۔

نہ تحقیق گفت و نہ وعظ و نہ پند
کہ حرفی ندانست از آن عنصری

ترجمہ :- اس کے یہاں نہ حقیقت کے اسرار ہیں اور نہ وعظ و پند کی باتیں ۔ کیونکہ اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا ۔

(۱۱) ڈاکٹر مہدی حمیدی ، بہشت سخن ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۷ ، ۱۱۲

(۱۲) فرانسیسی اسے Poesie Didactique کہتے ہیں ۔

(۱۳) نکلسن ، سنائی پیشرو ایرانی دانتہ ، ترجمہ از عباس اقبال ، مجلہ یادگار جلد ۱ ، شمارہ ۴ ، صفحہ ۵۷-۴۸

(۱۴) کہتے ہیں کہ حدیقہ کے یہ اشعار اسی بات کی غمازی کرتے ہیں :

من نہ مرد زن و زر و جاہم
بخدا گر کنم و گر خواہم

ترجمہ :- میں زن ، زر اور اقتدار کا دلدادہ نہیں ۔ قسم ہے خدا کی

Marfat.com

اگر میں نے ایسا کیا یا ایسا چاہا ۔

ور تو تاجی دھی زاحسانم　　　بسر تو کہ تاج نستانم

ترجمہ : اگر تو از روی احسان تاج بھی عطا کرے تو تیرے سر کی قسم میں اسے قبول نہ کروں

(۱۵) تذکرۃ الاولیاء ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۷

(۱۶) اس دوست کا نام احمد بن مسعود تیشہ ہے اور شاعر نے دیوان کے منثور مقدمہ میں آسے بہت سراہا ہے ۔ دیوان سنائی ، مطبوعہ مدرس رضوی ، اشاعت اول ، صفحہ ۱۶ ۔ ۳

(۱۷) مدرس رضوی ، حدیقۃ الحقیقہ ، مقدمہ کط ۔ ل

(۱۸) مثلا ملاحظہ ہو : حدیقہ سنائی ، مطبوعہ مدرس رضوی ، صفحہ ۶۸۲ ۔ ۶۸۴

(۱۹) خطوط کا مجموعہ ، اسلامی یونیورسٹی علیگڑھ کے استاد پروفیسر نذیر احمد نے ۱۹۶۲ میں رامپور سے شایع کیا ۔

Marfat.com

انوری

مدح سراؤں کا پیغمبر

قدیم سخن شناسوں نے انوری کو بھی فردوسی اور سعدی کی طرح فارسی شاعری کا پیغمبر تسلیم کیا ہے - (۱) حقیقت یہ ہے کہ اگر اسے قوت فکر اور لطافت بیان کے باعث اس تعریف و توصیف کا مستحق قرار دیا جائے تو وہ ایک ایسا پیغمبر ہے جس پر تقریباً ساری زندگی مدح و ہجو کے علاوہ کسی اور چیز کا الہام نہیں ہوا - انوری کا دیوان جو اس کے اشعار پر مشتمل ہے اس میں مدح و ہجو کی کثرت ہے - اگر غزل یا اخلاقیات سے متعلق اشعار کا وجود ہے بھی تو بہت کم - اس کے دیوان کا بیشتر حصہ قصاید پر مشتمل ہے اور اس کی شہرت و ناموری کا باعث بھی اس کی یہی قصیدہ نگاری ہے - اس کے زمانے میں قصیدے کو ایک مقبول ترین صنف سخن کی حیثیت حاصل تھی - کیونکہ یہ صنف سخن ایک تو شاعروں کا ذریعہ معاش تھی اور دوسرے اس کے ذریعے بادشاہان وقت اور مقتدرین عصر کی قربت حاصل ہوتی تھی - ان قصاید میں شاعر اپنے ممدوح کی جو بادشاہ یا محتشم وقت ہوتا تھا حد سے زیادہ تعریف کرتا ، ان کی نیکی ، دلیری ، طاقت سخاوت ، فتح و نصرت اور عدل و انصاف جیسی قابل توصیف صفات کا ذکر مبالغہ آمیز انداز میں کرتا اور کنایتاً یا صراحتاً ان سے خلعت و صلے کا طلبگار ہوتا - بعض اوقات اصرار و تقاضا بھی کرتا - اگر ممدوح عطا و بخشش میں تساہل سے کام لیتا تو یاد دہانی بھی کراتا اور کبھی کبھی نوبت دھمکیوں

Marfat.com

اور ہجو تک جا پہنچتی ۔ اس طرح ان شعراء کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی نے آہستہ آہستہ شعر و شاعری کی قدر و منزلت کو کم کر دیا اور سائل و گداگر کی طرح پست و حقیر بنا دیا ۔ لیکن اگر کوئی شاعر بادشاہ کے حضور قرب و منزلت پا لیتا تو اس کی زندگی سنور جاتی اور وہ دوسرے مقربین کی نظر میں قابل رشک بن جاتا ۔ قدیم شعرا کے اس گروہ میں خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے سنجر کے عہد حکومت میں قصیدہ نگاری کے باعث شہرت حاصل کی ان میں انوری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جسے انتہائی قدر و منزلت حاصل ہوئی ۔ اگر جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو شاعری قرار دیا جا سکتا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر انوری کو فارسی شاعری کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے ۔ انوری کے دیوان میں غزل اور رباعی بھی ملتی ہے لیکن ان اصناف سخن پر اس کو زیادہ قدرت و دسترس حاصل نہیں تھی ۔ اس کے بیشتر اشعار مدحیہ قصاید پر مشتمل ہیں جن کا آغاز یا تو ممدوح سے خطاب یا تشبیب سے ہوتا ہے اور آخر میں انعام و اکرام کی توقع کا اظہار ہوتا ہے ۔ جہاں تک مدح کا تعلق ہے وہ تعریف و خوشامد کو فکر و خیال کی انتہا تک پہنچا دیتا ہے حتی کہ مبالغہ آرائی میں بھی حد سے گذر جاتا ہے ۔ اس کے بعض اشعار کو عقل و منطق سے دور مبالغات کے لئے نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے (۲) اس کے علاوہ انوری کو قطعہ نگار کی حیثیت سے بھی بے حد شہرت ملی ۔ ان میں سے بعض قطعات اخلاقی پہلو لئے ہوئے ہیں لیکن بیشتر مدح ، طلب یا ہجو کے مضامین پر مبنی ہیں ۔ اخلاقیاتی قطعات میں انوری نے مؤثر انداز میں قناعت و توکل کی تبلیغ کی ہے ۔ وہ قناعت کو حقیقی کیمیا سمجھتا ہے اور دوسروں کی منت کشی اور احسان سے بچنے کی تلقین کرتا ہے ۔(۳) لیکن وہ خود درحقیقت شاعری کو گدائی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور ضرورت کے وقت ان نصیحتوں کو بھول جاتا ہے ۔ وہ نہایت ہی کم

Marfat.com

قیمیت چیزوں کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے - ہرکس و ناکس کے لئے اشعار کہتا ہے اور ان کے ذریعے کبھی مرغیوں کے لئے دانے کا طالب ہوتا ہے تو کبھی بھیڑ اور گھوڑے کے لئے گھاس اور چارے کا سوال کرتا ہے - کسی سے چراغ کے لئے روئی اور تیل مانگتا ہے تو کسی سے گرمی میں برف کا تقاضا کرتا ہے - بعض اوقات ضرورت پوری نہ ہونے پر دھمکیاں بھی دیتا ہے اور جن سے کوئی امید پوری نہیں ہو سکتی ان کی ہجو بھی لکھتا ہے(۴) یہ ہے وہ شاعری جو اس پیغمبر سخن پر نازل ہوئی - انہی اشعار میں وہ خود کو خوش ذوق اور ماہر فن بھی ظاہر کرتا ہے - چنانچہ قدیم زمانے میں اس کا شمار ایران کے بڑے شاعروں میں ہوتا رہا - بیشتر مضامین و خیالات ایسے ہیں جن کی وجہ سے انوری کا دیوان ایک پیشہ ور خطیب کے ارشادات کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے -ان پر فن شعر سے زیادہ فن خطابت کا گمان ہوتا ہے کیونکہ اس کے یہاں فن شعراور فن خطابت کا دلچسپ امتزاج ہے - اس کے نزدیک بعض حالات میں شعر کا مقصدبھی وہی ہے جو خطابت کا ہے - یعنی سامع کو متوجہ کرنا اور اس کے اندر جوش و جذبہ پیدا کرنا - فنون شعر میں انوری نے صرف تین ہی اصناف یعنی قصیدہ، ہجو اور غزل پر طبع آزمائی کی - عقل و دانش کے اعتبار سے اگر ان تین اصناف شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا مقصد و منشا سوائے حرص، غضب اور شہوت کے کچھ نہیں - (۵) اگرچہ ان جذبات و افکار کے باوجود اس کا مخصوص طریق کار ہر جگہ نمایاں ہے - وہ ایک تجربہ کار آزمودہ خطیب کی طرح اپنی شاعری اور قیاس خطابی(۱) سے ایک نالائق کو تعریف و توصیف کے تخت پر بٹھا دیتا ہے اور انتقاماً کسی بے گناہ کو ہجو کی سولی پر آویزاں کر دیتا ہے - بہرحال شاعری کے ذریعے یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب اس میں خیال و فکر کی گہرائی اور وسعت ہو - یہی وجہ

---

۱. Rhetorical analogy

Marfat.com

ہے کہ اس کی شاعری میں فکرو خیال کی فراوانی ہے ۔ فکر و خیال کو شاعری کے پیکر میں ڈھالتے وقت وہ صرف زور طبع پر اکتفا نہیں کرتا ۔ وہ خود کہتا ہے کہ جب وہ شاعری کا ارادہ کرتا ہے تو اپنی طبع کو رنج و زحمت میں مبتلا کرتا ہے اور ایک شعر کہنے کے لئے اُسے سینکڑوں پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں (۶) اور اس طرح انوری کے خیال میں اچھا شعر وہی ہے جس میں فکر و خیال کا عنصر شامل ہو ۔ انوری کا شمار اُن شاعروں میں ہوتا ہے جو اپنے شعر کو مسجع و مقفع بنانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ وہ صرف بدیہہ گوئی اور طبعی روانی یعنی آمد پر اکتفا نہیں کرتا ۔ اگرچہ اس نظریے نے اس کے اشعار کو ایک خاص رنگ و امتیاز عطا کیا ہے لیکن ان میں خلوص و اثر کی کمی محسوس ہوتی ہے جو شاعری کی اہم خصوصیت ہے ۔ اس کے بجائے تکلف و تصنع کا عمل دخل زیادہ نظر آتا ہے ۔ غرض کہ یہ ہے انوری کی شاعری اور اس کا فن جس کے ذریعے وہ دوست کی مدح ' دشمن کی ہجو اور اپنے جذبہ عشق و محبت کا اظہار کرتا ہے ۔

مدح سراؤں کے اس پیغمبر کی پوری زندگی کشاکش اور گیر و دار میں گذری ۔ زندگی میں کبھی اسے اتنی فرصت و فراغت میسر نہ آئی کہ وہ اپنی اس محدود دنیا ' اس حرص و غضب اور ہوا و ہوس سے کنارہ کش ہو کر اپنی روح و دل کی طرف بھی توجہ دیتا اور قلب و روح کے وہ واردات جو سنائی اور ناصر خسرو جیسے لوگوں کو پیش آئے اسے بھی پیش آتے ۔ اس کی زندگی ایک دنیا طلب تاجر کی سی زندگی تھی ۔ فکر و شعر کے علاوہ اس کے پاس کوئی متاع نہیں تھی اور اس کو بھی جو زیادہ قیمت میں خریدتا اسی کی نذر کر دیتا ۔ وہ تمام زندگی خورد و خواب اور لذت و غضب کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہا ۔ اگر کبھی ضمیر کی آواز ابھرتی بھی تو بہت ہی کمزور ' مبہم اور خاموش سی ہوتی ۔ اس کی زندگی کا زیادہ تر عرصہ میخواری اور مدح سرائی

Marfat.com

میں گذرا ۔ اگر کبھی ناداری اس کو دکھ نہ دیتی تو شاید کبھی بوی آزاد منشی اور شادمانی کے بارے میں نہ سوچتا ۔ امرد پرستی اور میخواری نے اس کے تغزل کو ایک خاص رنگ عطا کیا ہے۔ اس نے عہد شباب میں جیسا کہ مشہور ہے باپ کی میراث کو شراب و شاہد کے لئے وقف کر رکھا تھا ۔ اس کے اشعار میں شبانہ مستیوں کا ذکر بہت زیادہ ہے۔ اس کے دیوان میں پچاس سے زیادہ ایسے قطعات ہیں جن میں اس نے مختلف لوگوں سے مختلف انداز میں شراب کی فرمائش کی ہے۔ اس سلسلے میں کئی واقعات بھی پیش آئے ایک دفعہ ایک بہت بڑی محفل میں حد سے زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے اس پر متلی کی کیفیت طاری ہوئی جو اس کے لئے شرم و نفرت کا باعث بنی ۔ ایک دفعہ مستی و بیخودی کی حالت میں گھر کی چھت سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر گر پڑا ۔ حد سے زیادہ میخواری اور عیاشی کی وجہ سے وہ نقرس کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہوا ۔ اسی امرد پرستی اور بادہ نوشی کی وجہ سے اسے سنجر کی مزید قربت اور توجہ حاصل ہوئی کیونکہ وہ بھی ان چیزوں کا دلدادہ تھا ۔ سنجر اس کا معتقد بھی تھا اور اسے اس نے ندیم مجلس بھی بنا رکھا تھا ۔ عشرت طلبی کی یہی خواہش تھی جس نے اس کو مدح و سپاس کی طرف راغب کیا ۔ سنجر کے علاوہ جس کے دربار کا وہ ایک عرصے تک قصیدہ گو رہا اس نے ساٹھ سے زیادہ دوسرے افراد کی بھی جو صاحب حشمت و جاہ تھے مدح لکھی ۔ بادشاہ، شاہزادے، شاہزادیاں، امراء، حاکم وقت وزراء، قاضی، سادات، محرر اور اس زمانے کے دوسرے صاحب ثروت لوگوں کی شان میں قصیدے لکھے ۔ سنجر کے دربار میں وہ ایک درباری کی طرح تمام سازشوں اور کش مکش کے مد و جزر میں برابر کا شریک تھا ۔ اتسز اور سنجر کی چپقلش میں وہ ڈھکے چھپے انداز میں خوارزم شاہ کی ہجو کرتا ۔ علاؤالدین غوری کی گرفتاری اور اس کی غور واپسی کے موقع پر سلطان کو خوش کرنے

Marfat.com

کے لئے اس نے اس کی ہجو لکھی ۔ بعد میں اسی ہجو کی وجہ سے علاؤالدین نے شاعر کو اپنے جال میں پھنسانے اور ایذا پہنچانے کی کوشش کی۔ غـز کے حادثے میں جب سلطان سنجر ان لوگوں کے ہاتھوں قید ہوا اور خراسان میں انتشار اور بدامنی پھیل گئی تو شاعر اہل خراسان کی زبان بن گیا ۔ اس افسوسناک واقعے پر ایک قصیدہ رقم کیا اور سمرقند کے امیر کو روانہ کیا اور اسے خراسان آنے کی دعوت دی :

بر سمرقند اگر بگذری ای باد سحر
نامۂ اهل خـراسان ببر خاقان بـر

ترجمہ :۔ اے باد سحر اگر تیرا گذر سمرقند کی جانب ہو تو اہل خراسان کا یہ خط خاقان کو پہنچا دے ۔

نامہ یی مطلع آن رنج تن و آفت جان
نامہ یی مقطع آن درد دل و خون جگر

ترجمہ :۔ ایسا خط جس کا مطلع جسم و جان کے لئے درد و آفت ہے ۔ ایسا خط جس کے مقطع میں درد دل اور خون جگر کا بیان ہے ۔

نامہ یی بر رقمش آه عزیزان پیدا
نامہ یی در شکنش خون شهیدان مضمر

ترجمہ :۔ ایسا خط جس کی تحریر سے اعزا کی آہ و فغاں کا اظہار ہوتا ہے ۔ ایسا خط جس کے شکن میں شہیدوں کا خون پنہاں ہے۔

سنجر کا زوال در اصل شاعر کی اپنی بدنصیبیوں اور رنج و آلام کا آغاز تھا ۔ یہ تاثـرات اس کے اشعار میں بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ در حقیقت سنجر کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی انوری کی قدر و قیمت جاتی رہی ۔ سلطان کی وفات کے بعد اس کے شاعر و مصاحب نے بھی مرو چھوڑ دیا۔ اس نے خراسان کے امراء و زعماء سے مراسم استوار کئے۔ نیشاپور اور بلخ گیا ۔

Marfat.com

بلخ میں عام لوگوں کے تعرض و ایذا کا شکار ہوا ۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں وہ لوگوں کے طنز و تضحیک کا نشانہ بنا کیونکہ قران کواکب کی رو سے اس نے ۵۸۲ ھجری میں ایک طوفان کی پیش گوئی کی تھی جو غلط ثابت ہوئی اور اس کا یہ حکم بھی دوسرے منجمین کے احکام کی طرح درست ثابت نہیں ہوا تھا ۔ اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد ۵۸۳ ھجری میں یا اس کے دو سال بعد قصیدہ نگاروں کے اس پیغمبر نے وفات پائی لیکن اس کی رحلت سے البتہ دوسرے مداحوں پر الہام کی راہیں بند نہ ہوئیں ۔

انوری کی ابتدائی زندگی کے بارے میں مستند تفصیل نہیں ملتی ۔ اس کا تعلق سرزمین خاوران سے تھا جو طوس اور سرخس کے درمیان واقع ہے ۔ ابو سعید ابوالخیر پیر میہنہ کا بھی وہیں سے تعلق تھا ۔ اس کی ولادت میہنہ کے نزدیک ایک قصبہ بدنہ میں ہوئی ۔ خاوران سے نسبت کے باعث شروع میں خاوری تخلص کیا کرتا تھا ۔ خود اوحدالدین علی کے نام سے پکارا جاتا ۔ اس کے باپ کا نام وحیدالدین محمد تھا ۔ وہ بھی شاعر تھا ۔ جوانی میں کسب علم کی طرف مائل ہوا ۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مدرسہ نیشاپور میں زیر تعلیم رہا لیکن اس نے باپ کی میراث کو شاہد و شراب کی نذر کردیا ۔ بعد میں شاعری کو ذریعہ معاش بنایا ۔ مدرسے کی تعلیم کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ وہ نہ فقیہ وقاضی بن سکا نہ طبیب و حکیم ۔ سنجر کے دربار سے وابستہ ہونے سے بہت پہلے ذوق شاعری کی وجہ سے اس کے دل میں دربار سے تعلق پیدا کرنے کی خواہش تھی ۔ سلطان سنجر کے دربار میں باریابی سے پہلے کچھ عرصہ سرخس اور کچھ عرصہ بلخ و ہرات میں رہ چکا تھا ۔ لیکن اس کی شہرت کا آغاز اس وقت ہوا جب سلطان سنجر کے دربار سے وابستہ ہوا اور اس نے اپنی شاعری اور اپنے فن کو اس کے لئے وقف کر دیا ۔ اس نے مدح و ستایش میں ایسا کمال دکھایا کہ اپنے متقدمین، عنصری اور فرخی سے بھی آگے نکل گیا اور بعد میں اس کا

Marfat.com

شمار فردوسی اور سعدی کی صف میں ہونے لگا ۔

ایران کے قصیدہ گو شاعروں کے اس پیغمبر نے بھی اپنے زمانے کے دوسرے شعرا کی طرح قدما کے طرز کلام کو ملحوظ نظر رکھا ۔ متقدمین میں سے عنصری اور قطران اور متاخرین میں سے ابوالفرج کے اسلوب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا ۔ اس کے باوجود قوافی اور بحور میں تنوع اور خصوصاً صنعتگری میں اعتدال کی راہ کو اپنا کر قدما کے انداز میں ایک جدت پیدا کی ۔ وہ معمولی اور عامیانہ خیالات کو بھی اس انداز سے پیش کرتا ہے ، کہ اس میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ کبھی کبھی وہ قرآنی آیات ، ضرب الامثال اور عربی اشعار سے اپنے کلام کو مزین کرتا ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے مضامین کا استعمال عربی ادب اور متداول علوم میں اس کے تبحر کا غماز ہے لیکن بعض جگہ یہی مضامین اس کے شعر کو کسی حد تک متکلف اور ملال انگیز بنا دیتے ہیں ۔ درسی علوم مثلاً ریاضی ، نجوم ، موسیقی اور فلسفہ سے اس کی آشنائی اس کے اشعار سے ظاہر ہوتی ہے ۔ اس نے منطق ، موسیقی اور حکمت پر عبور رکھنے کا خود بھی دعویٰ کیا ہے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابن سینا کی کتابوں سے بھی آگاہ تھا ۔ ایک موقع پر ابن سینا پر سنائی کے ایک طعن آمیز اعتراض کا اس نے دفاع بھی کیا تھا (۷) ۔ وہ نہ صرف اس فلسفی کی کتابوں سے واقف تھا بلکہ اس نے ان کا بغور مطالعہ بھی کیا تھا منجملہ اس کی عیون الحکمت کا ایک نسخہ اس نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے شاید اشارات کا فارسی ترجمہ بھی کیا تھا ۔ بہرحال حکمت سے اس کی دلچسپی اور لگاؤ کا علم اس کی تحریروں سے بھی ہوتا ہے ۔ اور اسی بات نے بعض مواقع پر اس کے شعر کو مشکل اور محتاج شرح بنا دیا ہے ۔ در حقیقت انوری شاعری میں صرف فطری اپج ، سادگی ، آمد ، جذبات نگاری اور لطافت کو

Marfat.com

کافی نہیں سمجھتا ۔ وہ فکر و تخیل ، معنویت ، ندرت و جدت اور صنائع بدائع کا قائل ہے اس کے باوجود اس کے سوال و جواب میں اور اس کی سادہ نکتہ آفرینیوں میں کبھی کبھی اس کی فطری حلاوت و لطافت کی علامات بھی ملتی ہیں ۔ لیکن دوسری طرف شاہی دربار کے تقاضوں کے پیش نظر علمیت کا اظہار ، فکر و تخیل اور جودت طبع بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے اس کے اشعار مشکل اور پیچیدہ ہو جاتے ہیں ۔ بہر حال اس جیسی فکری وسعت اور الفاظ کا مخصوص انتخاب کسی اور قصیدہ گو شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا ۔ در حقیقت حشو و تعقید ، پر گوئی اور خود آرائی سے پاک اور روشن اسلوب ہی انوری کا سرمایۂ حیات ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کے باعث قدیم شاعری کے قدردانوں کے نزدیک وہ قابل ستایش ہے ۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) تذکرۂ دولت شاہ ' مطبوعۂ لیدن ۔ صفحہ ۵۰ پر منقول ہے :

در شعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ لا نبی بعدی
اوصاف و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

ترجمہ :- اگرچہ پیغمبری کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لیکن فارسی شاعری میں وصف احوال ' قصیدہ اور غزل میں فردوسی ' انوری اور سعدی کو پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے ۔

لیلی و مجنون ہاتفی' مطبوعہ دو شنبہ' ۱۹۶۲' صفحہ ۱۰۲ سے موازنہ ہو ۔

(۲) رجوع کریں المعجم ' تہران ۱۳۱۴ھ ش ' صفحہ ۹ – ۲۳۸

(۳) مدرس رضوی کے طبع شدہ دیوان کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر ۵۵۳ میں کہتا ہے ۔

آلودہ منت کسان کم شو
تا یکشنبہ در وثاق تو نان است ...

ترجمہ :- اگر تمہیں ایک وقت کی روٹی بھی میسر ہے تو دوسروں کا احسان مت لو ۔

(۴) نقد ادبی ' صفحہ ۴۲۳

(۵) نقد ادبی ' صفحہ ۴۱۹ – ۴۱۸

(۶) دیوان کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر ۶۹۶ پر کہتا ہے :

چون من بره سخن فراز آیم خواهم که قصیده یی بیارایم
ایزد داند که جان مسکین را تا چند عنا و رنج فرمایم

Marfat.com

صد بار بعقده در شوم تا من
از عہدۂ یک سخن برون آیم

ترجمہ :- جب میں شعر کہنے کا ارادہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ایک قصیدہ لکھوں تو خدا کو معلوم ہے کہ میں اپنی نازک روح کو کس قدر رنج و محن میں مبتلا کرتا ہوں ـ سو بار مشکل میں پڑتا ہوں تو کہیں ایک شعر کہہ پاتا ہوں ـ

(۷) سنائی کے اس شعر کے جواب میں جو اس نے اپنے ایک مشہور قصیدے (دیوان ' صفحہ ۵۳) میں لکھا ہے :

کہ یا رب مر سنائی را سنائی دہ تو در حکمت
چنان کز وی برشک آفتد روان بو علی سینا

ترجمہ :- اے خدا تو سنائی کو حکمت کے میدان میں وہ فروغ و روشنائی عطا کر کہ ابو علی سینا کی روح کو اس پر رشک آئے ـ

انوری کے دیوان ' جلد دوم ' صفحہ ۵۱۲ پر ایک قطعہ درج ہے جس کا مطلع یہ ہے :

نگر تا حلقۂ اقبال نا ممکن نجنبانی
سلیما ابلہا لا بل کہ مرحوما و مسکینا ـ

ترجمہ :- اے کہ تم سادہ لوح ہو ' بے وقوف ہو ' نہیں بلکہ قابل رحم و شفقت ہو ـ خبردار کبھی خوشبختی کے در دولت پر دستک نہ دینا کیونکہ تمہارے لئے یہ نا ممکن ہے ـ

اس کا موازنہ اس کے دوسرے قطعہ سے کیجئے جو دیوان ' جلد دوم ' صفحہ ۵۱۱ پر ہے جس کا مطلع یہ ہے :

دیدۂ جان بو علی سینا بود از نور معرفت بینا

ترجمہ :- بو علی سینا کی روح نور معرفت سے منور تھی

Marfat.com

Marfat.com

خاقانی

شروان کا نجار زادہ

خاقانی کی خود ستائیوں' تعلیوں اور جذبۂ شہرت سے جن کا جا بجا اس کے اشعار میں اظہار ہوا ہے نہ صرف اس کے معاصر شعرا جمال‌الدین اصفہانی رشید و طواط اور اثیرالدین اخسیکتی سخت برہم اور نالاں تھے بلکہ آج بھی جبکہ اس کی ہڈیاں خاک میں مل چکی ہیں اور تعصب و کینہ کا وہ غبار جس نے شروان کے پر گھٹن ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا بیٹھ چکا ہے اس کی اس حد تک خود ستائی قابل قبول نہیں ہے۔ در اصل خاقانی نہ صرف اپنے بیشتر معاصر شعراء کا حقارت سے تذکرہ کرتا ہے اور انہیں ناچیز' کمتر' اپنا دست نگر' اپنے دستر خوان کے ٹکڑے چننے والے اور اپنے اسلوب بیان کے خوشہ چین کے نام سے یاد کرتا ہے بلکہ اپنے زمانے کے لوگوں کو بھی بار بار برا بھلا کہتا ہے اور انہیں قدر ناشناس' تنگ نظر اور بد اندیش قرار دیتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ کسی حد تک مشہور عربی شاعر متنبی کی یاد دلاتا ہے۔(۱) اسی کی طرح خاقانی کے تمام دیوان میں ایک نفرت انگیز رد عمل اور انتہا درجے کی خود پسندی موجود ہے۔ کیا خاقانی کی ذات میں احساس کمتری(ا) کا جذبہ تھا؟ (۲) اس کی جوانی کے حالات' اس کے خاندانی واقعات اور شہر کے ماحول سے جو حقیقت اخذ کی جا سکتی ہے اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یقیناً وہ ایک طرح کے احساس کمتری میں مبتلا تھا۔

Inferiority Complex -ا

Marfat.com

اس کا باپ شروان کا ایک بڑھئی تھا جسے وہ اپنی ساری خود ستائی اور لاف زنی کے باوجود اپنے پیشے میں استاد کہتا ہے اور اس موضوع پر اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا ۔ اس کی ماں آسی علاقے کی نسطوری نژاد مسیحی کنیز تھی ۔ ایسے پر گھٹن ماحول میں جہاں عموماً لوگوں کی برتری کا اندازہ نسل اور دولت سے لگایا جاتا تھا وہاں ایک ایسے شخص کے لئے جو شروان کے اکابرین کے درمیان عزت و شہرت اور اثر و رسوخ حاصل کرنے کا خواہشمند تھا اس کے یہ والدین زیادہ باعث افتخار نہ تھے ۔ اس معمولی خاندان میں نہ تو کوئی موروثی ثروت تھی اور نہ ہی قدیمی افتخار ۔ چونکہ اس پیشے سے باپ کی کوئی خاص آمدنی نہیں تھی اس لئے وہ اس بیٹے کی جس کے اندر بدقسمتی سے جاہ طلبی اور شہرت کی شدید تمنا تھی ' تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا ۔ یہ بچہ بڑا ہو کر بھی کافی عرصہ تک اپنی ماں ' جو رسیاں بٹتی تھی ' کی کمائی کھاتا رہا (۳) وہ ایک نو مسلم نسطوری کنیز تھی اور اس کا ماضی اور حسب نسب بھی شاعر کے لئے چنداں سرمایۂ افتخار نہ تھا ۔ یہ صحیح ہے کہ شاعر کے چچا کافی الدین عمر نے جو ایک صاحب دانش اور جوان سال طبیب تھا ' کسی حد تک اپنے بھتیجے کی دیکھ بھال کی اور اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا لیکن اس کی خود پرست اور مغرور طبیعت چچا کے اس التفات سے بھی خوش نہ ہوئی ۔ بایں ہمہ اس کی سر پرستی بھی زیادہ دیر تک جاری نہ رہی اور اس کی بے وقت موت سے یہ جوان سال شاعر ' جسے اپنے ماں باپ سے سوائے نام بلکہ گمنامی کے دکھ کے سوا کچھ نہ ملا تھا ' اس شخص سے بھی محروم ہو گیا جو اس کے لئے ایک سہارا اور کسی حد تک اس کے لئے وجہ افتخار بن سکتا تھا ۔

شروان کے چھوٹے سے شہر میں جہاں وہ پیدا ہوا تھا ۔ وہاں کے

Marfat.com

لوگوں کی نظر میں اس کے بڑھئی باپ علی اور اس کی نسطوری ماں کی وہ قدر و قیمت نہ تھی جیسی کہ شاعر کی خواہش تھی ۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں شاعر کے ہنر کے ویسے پرجوش اور صاحب ثروت خریدار بھی نہ تھے جیسے اس سے پہلے رودکی اور عنصری کو ملے ۔ چنانچہ اس نادار لیکن طالب جاہ نجار زادے کی محرومیوں' ذلتوں اور سختیوں نے اسے احساس کمتری میں مبتلا کردیا ۔ یہ احساس اس کے تن بدن کو گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا اور اسے آزردہ کر رہا تھا ۔ ان حالات میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اگر اس نے اپنے اشعار میں زمانے کے بارے میں اور لوگوں کے بارے میں اس قدر لعن طعن اور دشنام طرازی سے کیوں کام لیا کیونکہ وہ ابنائے زمانہ کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بنا تھا اور اس نے بڑے دکھ اٹھائے تھے ۔

جو شخص آج ان اشعار کے ذریعے اس کے دل کے نہاں خانوں میں جھانکنا چاہتا ہے وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کی یہ خود ستائی اور تلخ کلامی اس کے احساس کمتری کی پیداوار ہے ۔ خود شاعر کا تخلص اور اس کا پر تکلف و غیر معمولی اسلوب بیان جو خود نمائی اور اظہار علمیت کا غماز ہے اس کے احساس کمتری کی عکاسی کرتے ہیں ۔ شاید اس کے کلام کے عمیق مطالعے سے اس کی باطنی کیفیات کو صحیح طور پر سمجھا جا سکے ۔

جب ۵۰۰ ھ کے قریب علی بڑھئی کے گھر میں افضل الدین بدیل پیدا ہوا تو اس وقت شروان ایک چھوٹا سا شہر تھا جہاں کے مقامی بادشاہ شروانشاہان کہلاتے اور وہ اپنا شجرۂ نسب بہرام چوبین سے ملاتے تھے ۔ اس دور افتادہ شہر میں بڑھئی کا یہ لڑکا جو حضرت عیسیٰ (ع) کی طرح کسی اور کام کے لئے پیدا ہوا تھا ' اپنا پیدائشی بلندی طبع کے باعث اپنے موروثی پیشے پر اکتفا نہیں کر سکتا تھا ۔ اسے نجاری کے کام سے اس قدر سخت نفرت تھی کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کے ساتھ جس نے اس حقیر پیشے کو اپنا رکھا تھا

Marfat.com

اپنے رشتۂ ولدیت تک کا منکر تھا۔ اس کے باپ نے اس کو اپنی دکان پر بٹھانے کے لئے جو سخت رویہ اختیار کیا تھا وہ اس سے بھی نا خوش تھا۔ اس ناراضگی کا عکس اس کے اشعار میں اتنا نمایاں ہے کہ وہ ایک نا خلف بیٹا دکھائی دیتا ہے۔ اور عجب نہیں اگر کوئی سادہ لوح شخص غلط فہمی کی وجہ سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ وہ بڑھئی کو اپنا حقیقی اور شرعی باپ تسلیم نہیں کرتا تھا۔ گویا وہ حضرت عیسیٰ (ع) کی طرح دوسروں سے منسوب ہوتا رہا۔ (۴) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باپ اور اس کے پیشے سے ناراضگی ہی کے سبب شروان کا یہ نجار زادہ لکھائی پڑھائی اور حصول علم کی طرف مائل ہوا۔ حتی کہ اس وقت کے مروجہ علوم' فارسی اور عربی میں اس نے مہارت حاصل کر لی علاوہ ازیں شروان اور قفقاز کا ماحول ایسا تھا جہاں ہر جگہ مسجد و کلیسا ساتھ ساتھ نظر آتے تھے اور شاید اسی کے زیر اثر اس کے مسلمان باپ نے ایک نسطوری نژادعیسائی عورت سے شادی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خاقانی کو اسلام اور عیسائیت دونوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ اسلامی علوم و معارف سے آگاہی کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ اور ان کے دین و عقاید سے بھی اسے واقفیت حاصل ہوئی۔ اس کا اثر اس کے کلام میں بھی پوری طرح عیاں ہے۔ جب اس پر اپنی شاعرانہ استعداد کا انکشاف ہوا تو اس نے مختلف علوم حاصل کرنے اور انہیں اپنے اشعار میں استعمال کرنے کی کوشش کی تا کہ اس کی شاعری کو امتیازی مقام حاصل ہو سکے۔ چونکہ اسے ایک ممتاز مقام کی جستجو تھی اس لئے وہ لغت اور ادب کے علاوہ علم کلام' نجوم' حکمت' طب اور تفسیر جیسے علوم کی طرف بھی مائل ہوا۔ اس کے اشعار میں ان تمام علوم کی جھلک موجود ہے جس نے اس کے کلام کو ایک خاص رنگ عطا کیا۔ اس کے چچا کافی الدین نے بھی اس کی تعلیم و تربیت کا بہت اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ جب اس کے اس محسن کا انتقال ہوا اس وقت تک افضل الدین کے شاعرانہ جوہر

Marfat.com

نمایاں ہو چکے تھے اور خصوصاً وہ اپنی خود ستائی اور نفرت انگیزی کے اظہار کے لئے اعلی صلاحیتوں کا مالک بن چکا تھا۔ وہ مرثیہ جو اس نے اپنے مرحوم چچا کے غم میں کہا یا وہ قصیدہ جو اس نے رشید و طواط کے جواب میں لکھا اس کی صلاحیت کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ ان دنوں یہ جوان سال شاعر اپنی جائے پیدائش شروان میں زندگی بسر کر رہا تھا لیکن وہاں وہ خوش نہ تھا۔ چچا کی موت سے اور بھی رنجیدہ تھا۔ جب شروان میں اسے کوئی اہل دل نہ ملا تو تبریز اور ارمن کا رخ کیا لیکن یہاں بھی اسے ایسا اہل دل نہ مل سکا جو اس کی حد سے بڑھی ہوئی خود پسندی اور خودستائی کو برداشت کر سکتا۔ ماں کی یاد اسے پھر شروان کھینچ لائی اور شاید وہاں اب بھی اسے اپنی ماں کی رسیاں بٹنے کی کمائی پر ہی گذارہ کرنا پڑا۔ ایک عرصہ تک حقائقی تخلص رکھا لیکن بعد میں خاقانی کے تخلص سے مشہور ہوا۔ اس لفظ کے خمیر میں بھی وہی غرور اور خود نمائی کا عنصر شامل ہے جو اس کی شخصیت میں تھا۔

ابوالعلا گنجوی سے شناسائی نے اس کی زندگی پر گہرا اثر چھوڑا۔ گنجہ کے اس شاعر کو جسے اس زمانے میں ایک معروف استاد کا مقام حاصل تھا، جب شروان کے اس نجار زادے میں ایک جوہر قابل نظر آیا تو اس نے اس کی تربیت کے لئے کمر ہمت باندھی اور اپنی بیٹی سے، جس کے لئے فلکی نامی ایک دوسرا شاعر بھی امیدوار تھا، اس کی شادی کر دی۔ اسے خاقان شروان کے دربار میں متعارف کرایا اور اس کا لقب خاقانی رکھ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ خاقانی ان سب نوازشات و عنایات کا مستحق تھا لیکن جب اس پر ہر طرح کی نوازشوں اور عطاؤں کی بارش شروع ہوئی تو استاد کے ساتھ اس نے تعلقات بگاڑ لئے اور کسی رنجش کو بہانہ بنا کر اس کے خلاف صف آرا ہو گیا۔ اس کی ہجو میں بہت سخت اشعار کہے۔ اس پر باطنی اور ملحد ہونے کی تہمت لگائی

Marfat.com

جو خصوصاً اس زمانے میں نہایت خطرناک تہمت تھی ۔ شروانشاہان کے دربار کے ساتھ بھی اس کی ذہنی مطابقت نہیں تھی ۔ اس کے اکثر قصیدے شکایت اور ناراضگی کا لہجہ لئے ہوئے ہیں ۔ کیونکہ انتہائی بلندیوں پر پرواز کرنے اور شہرت کا آرزو مند شاعر ، شروان شہر کو اپنے لئے ناکافی تصور کرتا تھا ۔ اس کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ کسی اور ملک کی راہ لے ۔ خوارزمشاہیوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں علاؤالدین اتسز خوارزمشاہ اور خوارزمی دربار کے رشید و طواط اور بہاءالدین بغدادی جیسے دبیروں کی مدح سرائی کی لیکن اس کا مقصد پورا نہ ہوا اور رشید و طواط نے اسے تقریباً مایوس کر دیا ۔ سنجر کے دربار کی شہرت اسے دعوت خراسان دے رہی تھی اور ایک بار امید کی کرن اسے رے تک کھینچ لائی لیکن غزوں کے حملے اور سنجر کے زوال کی خبروں نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔ آذربائیجان کے اتابکوں ، در بند اور مازندران کے بادشاہوں اور عراق کے سلجوقیوں کے ساتھ کسی قدر اس کا رابطہ تھا اور اس کی انتہائی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ خاقان اور شروان کے تنگ ماحول کو چھوڑ دے لیکن اسے اس کا موقعہ نہ ملا ۔ دوسری طرف اس کی یہ کوششیں خاقان کو بھی اس کے بارے میں بدظن کر رہی تھیں ۔

ناراضگی کے باعث اور شاید اس ماحول سے چھٹکارا پانے کی امید پر مکہ مکرمہ روانہ ہوا ۔ عباسی خلیفہ مقتفی کے عہد خلافت میں عراق اور حجاز گیا ۔ سفر سے واپسی پر ایوان مدائن سے اس کا گذر ہوا جہاں اس نے مشہور عرب شاعر بحتری (د) کی مانند اس "آئینۂ شکستہ" میں عبرتوں کا مشاہدہ کیا ۔ اسی سفر میں تحفۃ العراقین بھی نظم کے سانچے میں ڈھالی اور اسی دوران اس نے خلیفۂ بغداد کے مقربین سے رابطہ قائم کیا اور ان کے ذریعے اس کی خلیفہ تک رسائی ہوئی ۔ یہاں کچھ عرصہ کے لئے خلیفہ کے دربار

Marfat.com

میں قیام پذیر ہونے کا خیال اس کے دل میں پیدا ہوا ۔ شروع ہی سے وہ پرہیزگاری کی طرف مائل تھا ۔ سفر مکہ اور روضۂ رسول کی زیارت سے اس کے اندر زیادہ شدت پیدا ہو گئی ۔ اپنی خود داری کے باعث وہ پہلے ہی بادشاہوں کی مدح سرائی سے نا خوش تھا ۔ اب اس کے دل میں ایک نئی خواہش کروٹیں لینے لگی کہ کیوں نہ وہ حسان عجم بننے کی کوشش کرے ۔ اور حسان کی مانند جو پیغمبر کا مداح تھا کیوں نہ وہ بھی صرف پیغمبر کی مدح سرائی پر اکتفا کرے اور دوسروں کی مدح سرائی سے کنارہ کش ہو جائے ۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے ایک قطعہ میں یہ دعوی بھی کیا کہ صدیقان شہر نے پیغمبر کو عالم خواب میں دیکھا ہے جس میں انہوں (صلعم) نے خاقانی کو اپنا شاعر کہا ہے ۔

اس طرح حج سے واپسی کے بعد اس نے کوشش کی کہ خاقان کے دربار سے کنارہ کشی اختیار کرے ۔ نہ روٹی کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور نہ دوسروں کا سہارا ڈھونڈے اور اس طرح لوگوں کی غلامی سے نجات حاصل کرے ۔ سنائی کی محبت اور عقیدت نے بھی یقیناً اس کے اس جذبے کو تقویت پہنچائی ۔ لیکن اس کا یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا اور شاعر جب خاقان کے دربار سے فرار کے منصوبے بنا رہا تھا تو اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ۔ اس قید کی اندوہناک اذیتوں کی تفصیل اس کے اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ اس جیل سے اس نے بیزانس(ا) کے شہزادے اینڈرونی کوس کومننوس (ب) سے جو ان دنوں کسی کام سے شروان آیا ہوا تھا شفاعت کی درخواست کی اور دین مسیحی کے خاص استعاروں اور کنایوں سے

ا. سلطنت مشرقی روم جو جزیرہ نمائے بالکان اور ایشیائے کوچک کے علاقوں پر مشتمل تھی - ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں اس سلطنت کا خاتمہ ہوا ۔

ب. Andronicus Comnenus

Marfat.com

بھرپور ایک قصیدہ لکھ کر اسے اپنی سفارش پر آمادہ کیا (۶) رہا ہونے کے بعد جب جیل سے نکلا تو مکہ کی راہ لی۔ اس طرح اٹھارہ سال بعد دوبارہ خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کا اسے شرف حاصل ہوا۔

اس زمانے میں اس کی شہرت شروان کے تنگ ماحول سے نکل کر بہت دور دور تک پھیل چکی تھی لیکن جتنا اس کی شہرت میں اضافہ ہوتا اتنا ہی وہ نئی نئی مصیبتوں اور بدبختیوں میں گھر جاتا۔ اس کا بیس سالہ جوان بیٹا رشید اس کی آنکھوں کے سامنے صاحب فراش ہوا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ جوان بیٹے کی موت کے جانکاہ غم نے اس کی زندگی میں دکھوں اور غموں کا زہر گھول دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی رفیق حیات کی موت اور پے در پے دوسرے چھوٹے بچوں کی موت کے صدمے نے اس کی زندگی کو غموں اور دکھوں کے طوفان کی نذر کردیا۔ اس کے شاگرد مجیرالدین بیلقانی نے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جیسا کہ اس نے اپنے استاد ابوالعلاء کے ساتھ کیا تھا۔ پہلی بیوی کے مرنے اور دوسری بیوی کو چھوڑ دینے کے بعد جو اس نے تیسری شادی کی تھی اس سے وہ زیادہ خوش نہ تھا۔ غرضکہ شاعر رنج و غم اور مایوسی کا شکار ہو گیا۔ چنانچہ وہ گوشہ نشینی اور پارسائی کی طرف مائل ہونے لگا۔ عمر کے آخری ایام میں تبریز گیا اور وہیں ۵۹۶ ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

یہ تھا شاعر کے حالات زندگی اور ماحول کا ایک اجمالی جائزہ۔ اس کے حالات اور ماحول کی کہانی اس کے دیوان میں موجود ہے۔ مشکل پسند شاعر کا یہ دیوان جس کے بارے میں یہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے کہ اس میں پانچ سو سے زیادہ ایسے اشعار ہیں جن کے معانی واضح نہیں (۷) شاعر کی زندگی کی یادوں سے بھرا پڑا ہے۔ خاقانی نے ان حالات کے بیان میں اپنے بے مثال شاعرانہ جوہر دکھائے ہیں۔ اس کا حساس دل فطرت کے حسین جلووں سے بہت متاثر تھا۔ اس کے اشعار میں باغ و بہار کی رعنائیوں کے علاوہ صبح کی

Marfat.com

دل فریبیوں اور رات کے وقت آسمان کی زیبائشوں کا بہت خوبصورت عکس ملتا ہے۔ سر زمین قفقاز میں طلوع آفتاب کا دلکش منظر جس کا ذکر روسی شاعر لرمونتوف (۱) نے بھی بڑی خوبصورتی سے کیا اس کے کلام میں ایک روحانی کیفیت کا حامل ہے۔ اس کا اسلوب بیان شروان کی طربیہ محفلوں میں جہاں کی مقامی موسیقی اور رقص آج بھی سحر انگیز ہے، ایک نئی روح پھونک دیتا ہے۔ سفر حج کے بیان میں اس کا شوق اور روحانی ہیجان بہت زیادہ نمایاں ہے۔ راستے میں آنے والے بیکراں بیابانوں، ببول کے جنگلوں اور خارزاروں کی بے مثال باریک بینی اور مہارت سے منظر کشی کی ہے۔ دوران سفر مختلف مسافروں، گوناگوں خیمہ گاہوں، شہروں اور منزلگہوں کا ذکر اس کے اشعار میں بھرپور انداز سے جلوہ گر ہے۔ خاص کر دوسرے سفر کے دوران بادیہ نشین عربوں سے اس کی ملاقاتیں اسے بہت متاثر کرتی ہیں۔

خانہ کعبہ، مدینہ منورہ اور خراسان کی زیارت سے پیدا شدہ روحانی کیفیت اور باطنی جوش و ولولہ کا ذکر اس نے نہایت دلنشین اور پر جوش انداز میں کیا ہے لیکن جہاں وہ اپنے آلام و مصائب کا تذکرہ کرتا ہے تو قاری اس کی کربناک، پر تپش آتشیں روح کو بخوبی محسوس کرسکتا ہے۔ جب جیل کا ذکر کرتا ہے تو مبالغے کے باوجود اس میں ایک ایسے شخص کی تکلیف اور بد بختیوں کو صاف محسوس کیا جا سکتا ہے جو آہنی زنجیروں کے نیچے قید خانے کی بلند و بالا دیواروں کے پیچھے تنہائی اور نا امیدی میں مبتلا ہے جب وہ اپنے بیٹے رشید کی موت اور اس کی اندوہناک طویل بیماری کا ذکر اپنے اشعار میں کرتا ہے تو اس کے کلام میں ایک حقیقی باپ کے دکھ اور بیتابی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے اشعار میں اس کے مخصوص پر تصنع اسلوب کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ غم و الم

۱۔ Ler mentov

Marfat.com

نے اس کی علمیت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ جہاں اپنی بیوی کی موت کے بارے میں شعر کہتا ہے تو ایک ایسے گھر کی ویرانی اور سناٹے کی تصویر کشی کرتا ہے جو عمر بھر کے مونس و ہمدم سے خالی ہو گیا ہے۔ معروف عرب شاعر جریر (۸) کی طرح وہ بھی بیوی کے فراق میں آنسو بہاتا ہے۔ یہاں وہ نہایت سادہ لیکن پر اثر اسلوب میں اس شخص کی پریشانی اور بربادی کی تصویر پیش کرتا ہے جس کی بیوی مر گئی ہے۔ یہ سادگی اس کی غزل میں بھی موجود ہے۔ اس کی غزل کسی حد تک نا ہمواری کے باوجود حقیقی احساس سے سرشار ہے۔ اور اس طرح اس کے کلام میں حقیقی سوزو گداز کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ درویشی اور تجرد کا جذبہ بھی جو اس کے اندر سنائی کے اثر سے پیدا ہوا اس کے کلام کو معرفت اور حقیقت کا رنگ عطا کرتا ہے۔ یہ وہ رنگ ہے جو اسکی سخت اور رکیک ہجو سے بھی متاثر نہ ہو سکا۔ اسی رنگ کی وجہ سے سنائی کی طرح خاقانی کا بھی اہل باطن ' اہل حقیقت اور اہل معرفت میں شمار ہوتا ہے۔ زاہدانہ اشعار میں خاقانی کا اسلوب بیان بہت پر زور ہے اس نے عمداً ان افکار و خیال میں پناہ حاصل کی تھی کیونکہ وہ اپنی بلند پرواز لیکن نا آسودہ طبیعت کی وجہ سے ہر ایک سے آزردہ رہا اور دوسروں کے انتقام کا نشانہ بھی بنتا رہا لیکن اپنے بلند مقام سے دنیا کی ذلت ' پستی اور بے بسی کے سامنے سر نگوں ہونا اسے گوارا نہ تھا۔

خاقانی کا اسلوب بیان نا مانوس معانی کی تخلیق اور نئی تعبیروں کی اختراع پر مبنی ہے۔ کسی چیز کے بیان میں اس کی باریک بینی ' جو نا مانوس تشبیہوں اور نئی تعبیروں کی حامل ہے اس کے علاوہ لفظوں اور معانی کے مناسب استعمال پر غور و فکر جس سے نئے معانی اور انوکھا انداز بیان پیدا ہوا اس کے کلام کی اہم خصوصیت ہے۔ وہ روز مرہ کے عام مضامین کے بیان میں تنوع پیدا کر کے اس میں اتنا تصرف کرتا ہے کہ وہ معانی اس کے

Marfat.com

اپنے تخلیق کردہ نظر آتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ اکثر اس کا کلام مشکل اور نا مانوس معلوم ہوتا ہے - خاقانی قدیم شاعروں میں بہت کم لوگوں کا احترام سے نام لیتا ہے - مثلاً عنصری اور رودکی کو اپنے دسترخوان کا ریزہ چین کہتا ہے - شاید کسی حد تک حسد اور خود پسندی کے سبب عنصری کو خاص طور سے طنز و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے - وہ اپنے معاصر شعرا میں صرف سنائی کا نام عقیدت سے لیتا ہے اور اپنے زاھدانہ قصیدے میں کسی حد تک اس کی تقلید بھی کرتا ہے - وہ اپنے آپ کو سنائی کا جانشین سمجھتا ہے حتی کہ اپنے دوست رشید و طواط سے صرف اس بنا پر قطع تعلق کر لیتا ہے کہ اسے سنائی سے عقیدت نہیں تھی - سنائی پر اس کی تنقید کو وہ اس کی حماقت پر محمول کرتا ہے - بایں ہمہ سنائی کی طرز پر حقائق و معرفت سے متعلق اس نے جو اشعار کہے ہیں وہ اگرچہ استواری اور بلندی کے لحاظ سے بے نظیر ہیں لیکن ان میں وہ سوز و گداز مفقود ہے جو سنائی کے کلام میں ملتا ہے - حالانکہ وہ اپنے آپ کو نہ صرف سنائی کا بدل سمجھتا ہے بلکہ اس کا جانشین بھی تصور کرتا ہے - اپنے کلام کے بارے میں اس کی خوش خیالی دوسرے ہم عصر شعرا کی نظروں میں اسے ایک خود پسند اور آدم بیزار شخص کی حثیت سے پیش کرتی ہے -

Marfat.com

تصریحات

(۱) خاقانی ، متنبی کی طرح اور کسی حد تک اسی کے لہجے میں اپنے مخالفین کی تحقیر کرتا ہے اور اسی کی طرح اپنی تعریف بہت زیادہ کرتا ہے اور دنیا کے لوگوں سے بھی اسی کی طرح اسے شکایت ہے کہ انہوں نے اس کی قدر نہیں کی ۔ متنبی کے بارے میں اطلاعات کے لئے ملاحظہ ہو : احمد بہمنیار ، جشن ہزار سالۂ متنبی ، مجلۂ ارمغان ، سال ۱۷ ۔

(۲) احساس کمتری یا Inferiority Complex اس احساس سے عبارت ہے جس کا مالک اپنے آپ کو اس سے کمتر محسوس کرتا ہے جو وہ ظاہر کرتا ہے ۔ البتہ یہ کمتری ممکن ہے حقیقی ہو یا خیالی ۔ لیکن بہر حال جس میں یہ احساس پایا جاتا ہے وہ اپنی کمتری کی تلافی کے لئے دوسروں کے ساتھ جارحانہ اور حقارت آمیز سلوک کرتا ہے ۔

(۳) دیوان ، مطبوعہ عبدالرسول ، صفحہ ۸۴۰ پر ایک معروف قطعہ میں کہتا ہے :

ای ریزۂ روزی تو بوده از ریزش ریسمان مادر

ترجمہ :- اے خاقانی تیری روزی کا انحصار تیری ماں کی رسیاں بٹنے کی کمائی پر ہے ۔

خو کرده بہ تنگنای شروان با تنگی آب و نان مادر

ترجمہ :- ماں کی تنگدستی کے ساتھ ساتھ تو شروان کے تنگ و تاریک ماحول کا بھی عادی ہو گیا ہے ۔

(۴) ریپکا ، خاقانی ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات تہران ، شمارہ ۴ ، سال دہم ،

Marfat.com

صفحہ ۳۹۷ تا ۴۰۵ - موازنہ کیجئے : مقالۂ مؤلف در راہنمای کتاب، سال‌ششم شمارہ ۹ -

(۵) ایوان مدائن کے بارے میں بحتری کا قصیدہ مشہور ہے - اس کے متن اور فارسی ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو : مہدوی دامغانی، مجلۂ یغما، سال ۱۵، شمارہ اول - ڈاکٹر علی اصغر حریری نے اس قصیدہ کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے : مجلہ یغما، سال ۱۵، شمارۂ ۶ -

(۶) پروفیسر مینورسکی نے اس عیسائی امیر زادہ کی شخصیت اور اس قصیدہ کے بارے میں جو خاقانی نے اس کی مدح میں کہا جامع تحقیق کی ہے جسے مؤلف نے ترجمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے : خاقانی و اندرونیکوس کومنہ نوس، فرہنگ ایران زمین، جلد ۱، صفحہ ۱۳۲ - ۱۲۱

(۷) دیوان خاقانی کے شارح عبدالوہاب حسینی نے اس دعوی کو عوفی سے منسوب کیا ہے اور اس کی تردید کے لئے بحث و استدلال کی ضرورت نہیں ہے سخن و سخنوران، جلد ۲، صفحہ ۳۰۶

(۸) اپنی بیوی کے بارے میں جریر کے چند اشعار درج ذیل ہیں :

لو لاالحیاء لھا جنی استعبار ولزرت قبرک والحبیب یزار

ترجمہ :- اگر شرم دامن گیر نہ ہوتی تو میں آہ و بکا اور گریہ زاری کے ہاتھوں تنگ آکر تیری قبر کی زیارت کرتا، در حقیقت محبوب ہی کی تو زیارت کی جاتی ہے -

ولھت قلبی اذ علتنی کبرۃ و ذو والتمائم من بنیک صغار

ترجمہ :- جب مجھے بڑھاپے نے آلیا تو میرے دل میں تیری زیادہ ہی محبت پیدا ہوگئی، تیرے چھوٹے چھوٹے بچوں کی کون دیکھ بھال کریگا -

خاقانی نے جو اشعار اپنی بیوی کے غم میں کہے ہیں ان کے ساتھ تقابل کیجئے -

Marfat.com

Marfat.com

نظامی

گنجہ کا داستان نگار شاعر

نظامی کی "پنج گنج" کو جو مقبولیت اور شہرت نصیب ہوئی وہ کچھ ایسی تھی کہ اس کے بعد بھی سینکڑوں سال تک زبان فارسی کی قلم رو میں اس کی تقلید ہوتی رہی۔ جہاں کہیں بھی کسی شاعر نے کسی داستان کو نظم کرنے کا ارادہ کیا اس کی یہی کوشش رہی کہ وہ اس کے "خمسہ" یا کم از کم دو منظوموں کے معیار تک پہنچ سکے اور بزعم خویش گنجہ کے اس داستان نگار شاعر کا ہم پلہ قرار پائے۔ چنانچہ خواجوی کرمانی، خسرو دہلوی کاتبی ترشیزی، جامی، ہاتفی، مکتبی شیرازی، عرفی، فیضی دکنی، وحشی بافقی اور بہت سے دوسرے شعرا اس سے اس قسم کی حریفانہ رقابت رکھتے تھے۔ یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ گنجہ کے اس داستان نگار شاعر نے فن داستان نگاری کو اپنے مخصوص اسلوب میں اس طرح پیش کیا کہ وہ دوسروں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بن گیا اور یہ چیز کسی حد تک فن داستان نگاری میں توقف اور تعطل کا باعث بھی ہوئی لیکن اس کو نظامی کا عیب و نقص نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس سے اس کے کمال فن کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ کارنامہ صدیوں تک اس کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے قابل رشک نمونہ رہا۔

یہ مشہور و مقبول پنج گنج جو گنجہ کے اس داستان نگار شاعر کا نہ ختم ہونے والا سرمایہ ہے پانچ مختلف اوزان میں لکھی گئی نظموں کی پانچ بیاضیں ہیں۔ ان کی تدوین و تکمیل میں شاعر نے زندگی کے تقریباً تیس سال صرف کئے۔ مخزن‌الاسرار زہد و عرفان کے موضوع پر بیس یا اکیس ابواب پر مشتمل نظم

Marfat.com

ہے جس میں شاعر نے تخلیق آدم ، احوال عالم ، دنیا کی بے وفائی ، آخرت کا استقبال، توبہ و تجرید کے علاوہ تقریباً ہر شے کو موضوع سخن بنایا ہے۔ بعض مقامات پر خاص طور سے اپنی جواں ہمتی اور بے پروائی کا اظہار کرتے ہوئے ستم کاروں ، منافقوں ، حاسدوں بلکہ تمام ابنائے عصر کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اس کے باوجود ان چھوٹی چھوٹی سبق آموز اور دلنشیں حکایات نے تند و تلخ اور پر غضب باتوں کو ریا کار ناصحوں کے پند و وعظ کے بر عکس زیادہ مؤثر اور سننے کے قابل بنا دیا ہے۔ ان مختصر لیکن شیرین داستانوں اور تلخ افکار میں ایک تاثیر و قوت پنہاں ہے مثلاً نوشیران کا قصہ جو اپنی سلطنت کے آغاز میں اپنے مظالم کی داستان اُلوؤں کی زبانی سنتا ہے زور بیان اور تاثیر کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ اسی طرح ایک بوڑھی عورت کا واقعہ جو از راہ شکایت سنجر کا دامن تھام لیتی ہے اور اُس سے ایسی سخت اور پر اثر باتیں کرتی ہے کہ سنجر کے لئے درس و عبرت کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ حضرت عیسیٰ جب کچھ عیب جو لوگوں کی جماعت کے ساتھ راستے میں مردہ کتے کو دیکھتے ہیں تو رک جاتے ہیں اور اُن کے سامنے نہایت مؤثر اور دلکش الہامی انداز میں اس مردہ کتے کے دانتوں کی خوبصورتی کا ذکر کرتے ہیں جب کہ ان لوگوں کی نظر میں اس میں کوئی خوبی نہ تھی یا مثلاً ایک راستگو شخص ایک ظالم اور ستم پرور بادشاہ کے سامنے بغیر کسی خوف و ہراس اور بغیر ادب و تعظیم کے نہایت سخت لہجے میں داد خواہی کا طالب ہوتا ہے۔ اس قسم کی داستانوں میں شاعر نے نہایت لطیف انداز میں ان افکار و خیالات اور حقایق و معرفت کو بیان کیا ہے جو آسے سال ھا سال کی عزلت نشینی اور غور و فکر سے حاصل ہوئے۔

" خسرو شیریں " ایران کے شہزادے خسرو کی ملکہ ارمن کی بھتیجی شیریں کے ساتھ عشق کی عاشقانہ سر گذشت ہے جو خسرو کے ندیم شا پور کی راہنمائی

Marfat.com

و چارہ جوئی سے ایک دوسرے کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ایک طویل عرصہ کی رنجشوں اور رفاقتوں کے بعد ایک دوسرے کو پالیتے ہیں ۔ نہ تو مریم و شکر کی عشوہ طرازیاں خسرو کو شیریں کے عشق سے باز رکھ سکتی ہیں اور نہ ہی کوہکن فرہاد کا درد ونیاز شیریں کو وسوسوں کا شکار کر سکتا ہے ۔ جس کا دل خسرو کی محبت کا اسیر ہے ۔ ان دو دل باختہ عاشقوں کا غم انگیز اور درد ناک انجام امراء کی روایتی عشقیہ داستانوں کے شوریدہ سر اور نامراد عاشقوں کے انجام سے مختلف نہیں چنانچہ خسرو جب رات کے وقت شیریں کے پہلو میں اپنے بیٹے کے ہاتھوں جس کو وہ اپنا رقیب بھی خیال کرتا ہے مارا جاتا ہے اور اپنے خون آلودہ جسم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اس موقع پر بھی اس خیال سے کہ محبوب کے آرام میں خلل واقع نہ ہو اس کو نیند سے بیدار نہیں کرتا اور شیریں بھی جو شیرویہ کو وعدۂ وصل سے خوش کئے ہوئے ہے جب خسرو کے سردابے میں جاتی ہے تو حیرت انگیز وفاداری کے ساتھ اپنے پیٹ کو چاک کرتی ہے اور بڑے سکون کے ساتھ خسرو کے پہلو میں جان دے دیتی ہے ۔ تاثیر اور قوت بیان کے لحاظ سے بھی اس داستان کا اختتام اتنا ہی دلکش اور پر لطف ہے جتنا کہ روایتی عشقیہ داستانوں کا ہوتا ہے ۔ اس میں بھی جوش و جذبہ اپنے انتہائی عروج پر نظر آتا ہے ۔

لیلیٰ و مجنوں جس کا دافنیس و کلوئہ(ا) حتیٰ کہ رومیو ژولیت(ب) کی داستان سے موزانہ کیا جا سکتا ہے ۔ (۱) درد و محرومی کی وہ عاشقانہ سر گذشت ہے جو دو دشمن قبیلوں کو ایک مشکل مسئلے سے دو چار کر دیتی ہے ۔ قیس بن عامر نامی کم سن بچے کا عشق جیسا کہ داستانوں میں مذکور ہے ایک کم سن بچی لیلیٰ سے شروع ہوتا ہے ۔ عربوں کی روایتی غیرت اور تعصب سے ان کے درمیان روکاٹیں پیدا ہوتی ہیں ۔ لیلیٰ اپنے ناپسندیدہ شوہر

ا. Daphnis & Chloe   ب. Romeo & Juliet

Marfat.com

ابن سلام کے گھر چلی جاتی ہے اور قیس جو باپ کی مداخلت اور نوفل کی وساطت سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا حقیقتاً دیوانہ بن جاتا ہے ۔ وہ صحرا نوردی کا راستہ اختیار کرتا ہے اور جنگلی جانوروں کے ساتھ زندگی گذارتا ہے ۔ نہ تو والدین کی رحلت کی خبر سے جو اس کے غم جدائی میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہیں اس کی دیوانگی میں کوئی کمی آتی ہے ۔ اور نہ ہی ابن سلام کی موت سے اسے کوئی خوشی ہوتی ہے ۔ لیلیٰ بھی محرومی اور نامرادیوں کے عالم میں دم توڑ دیتی ہے مجنوں جب اس کی قبر پر آتا ہے تو بے اختیار اس کا نام لیتا ہے ۔ اور جان دے دیتا ہے ۔

یہ ایک پر سوز اور درد ناک داستان ہے ۔ جس کا مرکزی کردار مجنوں بن عامر تھا ۔ بعض لوگ اس کے وجود کے بھی منکر ہیں ۔ (۲) لیکن اس کے وجود کو نظامی نے تخلیق نہیں کیا ۔ اس کا نام اور اس سے منسوب اشعار کم از کم نظامی سے چار سو سال پہلے موجود تھے ۔

" ہفت گنبد " یا "ہفت پیکر" بہرام گور کی بادہ مستیوں اور عیش پرستیوں کی داستان ہے ۔ روایت کے مطابق جیسا کہ مشہور ہے اس کی پرورش حیرہ میں نہیں بلکہ یمن میں نعمان عرب کے گھر میں ہوئی ۔ کہیں سے اس نے اپنے مستقبل کے بارے آگاہی حاصل کی ۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ نعمان کی اعانت و معاونت سے ایران پر حملہ آور ہوا ۔ اپنی دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے تاج شاہی پر قبضہ کر لیا جو دو خونخوار شیروں کے درمیان پڑا ہوا تھا اور اس طرح وہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا ۔ مے خواری اور عیش و نشاط کی محفلیں گرم ہوئیں ۔ ہر رات گنبد ہفت رنگ میں ایک نئی محبوبہ کے ساتھ رات گذارتا اور ہر ایک سے اس کی ہوس انگیز محبت کی داستان سنتا ۔ رات کی طرح دن بھی سیر و شکار اور عیش و عشرت میں گذارتا یہاں تک کہ ایک گورخر کا تعاقب کرتے ہوئے اس نے داعی اجل کو لبیک کہا ۔

Marfat.com

"اسکندر نامہ" اسکندر کی داستان ہے جو دو جدا جدا کتابوں "اقبال نامہ" و "خرد نامہ" یا اسکندر نامہ بری و اسکندر نامہ بحری پر مشتمل ہے۔ جس میں شاعر نے اسکندر کی زندگی کے واقعات کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن اُس کا اسکندر صرف کشور کشا نہیں جو ملک دارا پر قناعت کرے۔ بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرے، آتشکدوں کو ویران کردے، دنیا کی سیاحت کرے، بحر ظلمات کی سیر کرے، قتل و غارت گری اور جنگ کے ذریعے تباہی پھیلائے اور اس کے علاوہ کچھ نہ سوچے بلکہ وہ ذی القرنین پیغمبر بھی ہے۔ جو کعبہ جاتا ہے، فریضۂ حج بجا لاتا ہے، حکماء اور زہاد سے گفتگو کرتا ہے۔ ترجمہ اور مطالعہ کی طرف راغب ہے، پوری دنیا کی سیاحت کرتا ہے، بہت کچھ سیکھتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی موت سے پہلے اپنی ماں کو جو اُس کی جانشین بھی ہے مؤثر انداز میں نصیحت بھی کرتا ہے۔ اس طرح نظامی نے نہایت کامیابی کے ساتھ ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ حکیم و فلسفی اور ایک فاتح عالم کی شخصیت کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا ہے یہی کام اس کا روحانی استاد ارسطو بھی کرنا چاہتا تھا۔

ان تمام داستانوں میں شاعر کے مرکزی کردار مناسب فطرت و سرشت کے حامل ہیں۔ خسرو جو ایک با مراد اور بلند اقبال شہزادہ ہے نا مراد عاشقوں کی طرح، کوہکن فرہاد کی مانند رموز عاشقی سے بھی با خبر ہے۔ بہرام بے پایاں عیش و نشاط اور ہوا و ہوس کی زندگی گذارنے کے با وجود ایک دلیر سپہ سالار بھی ہے۔ اسکندر جس نے ارسطو سے فیض حاصل کیا، صرف مرد تیغ زن ہی نہیں تھا، فلسفے اور حکمت کا ذوق بھی رکھتا تھا۔ یہی حکمت و تدبر اس کے امور سلطنت اور فتوحات میں بھی کار فرما نظر آتا ہے۔ اسی طرح مجنوں جو اس کی داستان کا ایک کردار ہے عاشق ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی ہے۔ وہ اپنی صحرانوردی اور جنون و شوق کی کیفیت کو اور صحرائی جانوروں سے

Marfat.com

سے جو وابستگی ہو گئی تھی اس کیفیت کو نہایت لطافت و نزاکت کے ساتھ شعر کا پیکر عطا کرتا ہے۔

شاعر نے اپنی زندگی کے ستائیس یا تیس سال ان داستانوں کو منظوم کرنے میں صرف کئے۔ اسی دوران شاعری اور زندگی کے بارے شاعر کے انداز فکر میں بھی تبدیلی رو نما ہوئی جس کا اندازہ اس کی داستانوں کے مطالعہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ "مخزن الاسرار" کی تصنیف کے وقت وہ جوان تھا۔ اس زمانے میں وہ شاعری کو حکمت و اخلاق کے بیان کا ایک ذریعہ سمجھتا تھا اس کا خیال تھا کہ شاعر کا کام حقایق و معارف کو بیان کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس کے نزدیک اگرچہ شاعر بارگاہ ایزدی میں پیغمبروں کی صف میں شامل نہیں لیکن مقام قرب سے زیادہ دور بھی نہیں۔ اس پر بھی رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن "خسرو شیریں" کے نام سے جب اس نے اس قدیم داستان کو منظوم کرنے کا ارادہ کیا تو زندگی اور شاعری کے بارے میں اس کے نظریے میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ یہاں وہ شاعری کو صرف ذریعہ اصلاح نہیں بلکہ اسے دل و دماغ کی تفریح کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے۔ اس کے اس نظریے میں آگے جا کر اور تبدیلی پیدا ہوئی۔ "بہرام نامہ" میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شاعری کو بے مقصدیت' دیو پری کی کہانیوں اور خیالی داستانوں کی نذر کر دیا ہے اس میں لطف بیان اور حسن خیال کے سوا کچھ نہیں۔ گویا یہاں پہنچ کر تیئوفیل گوتیہ (۱) کا روپ دھار لیتا ہے (۳) یہاں تک کہ اس کے افکار جو مخزن‌الاسرار میں شریعت و اخلاق کی حدود و قیود میں محدود تھے آہستہ آہستہ اس چار دیواری سے نکل کر عشق و ہوس کی وادی میں قدم رکھتے ہیں اور زاھدوں کی بے کیف ریاضت و گوشہ نشینی کے دائرے سے باہر اہل طرب کی فراخ اور روشن دنیا کی سمت

۱۔ Theophile Gautier

Marfat.com

بڑھتے ہیں۔ اس طرح ہوا و ہوس کی ذلت و پستی کا شکار ہوئے بغیر وہ خشک و بے کیف زہد اور عصبیت سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لیتا ہے۔ دریائے ارس کے اس طرف اران میں واقع شہر گنجہ شاعر کا وطن تھا۔ آتش پرستوں کی ہمسائیگی کے باعث وہاں کے مسلمان امور دینی میں سخت گیر اور متعصب تھے۔ ایسے ماحول میں شاعر کا قدیم کہانیوں اور آتش پرستوں کی داستان کو منظوم کرنے کا رجحان عوام الناس بلکہ اس کے احباب کو بھی ناپسند تھا۔ لوگ اس پر تنقید کرتے کہ وہ اپنی زندگی زند و زرتشت کی فضول داستانوں کو منظوم کرنے میں ضائع کر رہا ہے اور اس طرح آتش پرستی کو زندہ کر رہا ہے۔ لیکن شاعر جب انہیں اپنی منظومات کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتا تو ان پر ویسا ہی اثر ہوتا جیسا سوفوکلس (۱) کے اشعار نے ایتھنز کی عدالت میں پیدا کیا تھا اور اس کے منکرین مجبور ہو کر اس بات کی تصدیق کرتے کہ بے شک اس قسم کی سحر آفرینیوں کا حق اسے پہنچتا ہے۔

لیکن یہ داستانیں صرف آتش پرستوں کی داستانیں نہیں تھیں بلکہ مختلف نوع کی داستانیں تھیں۔ ان داستانوں نے شاعر کی زندگی کو طویل، تلخ اور خاموش گوشہ نشینی کے دوران شوق، حرارت اور لطیف خواب انگیز کیفیت سے ہم کنار کیا۔ یہ داستانیں کئی طرح کی تھیں مثلاً عبرت انگیز داستانیں، عشقیہ داستانیں، رزمیہ داستانیں، پریوں اور دیوؤں کی داستانیں وغیرہ۔ انہی میں وہ داستانیں بھی تھیں جو اخلاقیات، حقائق و معارف اور روحانی تجربات پر مبنی تھیں۔ ان میں زہاد، تواب، واعظوں اور درویشوں کے ایسے واقعات تھے جو گوشہ نشینی اور زہد و فکر کی طرف مائل کرتے ہیں۔ انہیں قصوں نے مخزن الاسرار کے افکار و احوال کو رنگ و رعنائی عطا کی۔ ان میں ایسے قصے بھی تھے جو ہوا و ہوس اور عشق کے غماز تھے اور ایسی عشقیہ داستانیں

۱. Sophocles

Marfat.com

بھی تھیں جو ہجر و فراق اور دید و وصال کی کیفیتوں سے ہمکنار کرتی ہیں۔ شاعر کی یہ داستانیں اس کے شباب کے تجربات کی غماز ہیں۔ خسرو شیریں کی آڑ میں گویا گنجہ کا یہ شاعر اپنے درد و سوز کو بیان کرتا ہے۔ رزمیہ داستانوں کا انعکاس اسکندر نامہ اور کبھی کبھی ہفت گنبد میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ حیرت انگیز طلمساتی داستانیں ہیں جن میں دیو، پری اور اژدہے نمودار ہوتے ہیں۔ ہفت گنبد کی یہ داستانیں جو گنجہ کے اس داستان گو کی گرم گفتاری اور شیریں بیانی کی مظہر ہیں اس کی راتوں کو حسن و لطافت سے ہم کنار کرتی ہیں اور ایسی خواب انگیز فضا پیدا کرتی ہیں جن میں شاعر شب و روز سرشار نظر آتا ہے۔

یہ گوشہ نشین شاعر انہیں خوابوں اور حیرت انگیز داستانوں میں زندگی گذارتا ہے۔ وہ قصیدہ گو شاعروں کی طرح بادشاہ اور امراء کی چوکھٹ پر نہیں جاتا۔ چونکہ اسے ان شاعروں سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا اس لئے وہ شعراء اسے غصہ و نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے باوجود بادشاہ اور امراء اس کی عزت کرتے اور اس کی عظمت کے قائل تھے۔ اس زمانے میں قرب و جوار کے علاقوں میں آتابکان آذربائیجان، شروانشاہان، داودیان، آق سنقریان خاندانوں کے بادشاہ و امراء شاعروں کی سرپرستی اور قدر دانی میں کوشاں تھے۔ چنانچہ ظہیر فاریابی، فلکی شروانی، ابوالعلاء گنجوی، خاقانی، مجیرالدین بیلقانی جیسے شعراء ان کے درباروں سے وابستہ تھے۔ نظامی بھی اگرچہ ان بادشاہوں سے ارتباط رکھتا تھا لیکن وہ درباری شاعر نہیں تھا۔ وہ ہر ایک کے نزدیک محترم اور ہر جگہ قابل تعظیم تھا۔ اخستان کا بادشاہ شروان خود اسے خط لکھتا اور اس سے درخواست کرتا کہ لیلیٰ و مجنوں کی داستان کو منظوم کرے۔ قزل ارسلان جب اس کو اپنی بزم خاص میں بلاتا تو اس کی حرمت کے پیش نظر بزم شراب و سرود کو ملتوی کر دیتا۔ اس کے احترام میں اٹھ

Marfat.com

کھڑا ہوتا اور اس کو بصد منت و اصرار اپنے پاس بٹھاتا ۔ وہ شاذ ہی بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوتا اور اگر کبھی جاتا تو زمین بوسی اور عزت و تعظیم میں کوئی کسر آٹھا نہ رکھتا ۔ بادشاہ بھی اس سے عزت و احترام سے پیش آتے تھے ۔ اس کے باوجود وہ زیادہ وقت خلوت و تنہائی میں گذارتا اور کبھی کبھار ہی بادشاہوں کے دربار کا رخ کرتا ۔ اس کی زندگی عزلت کی تاریکیوں میں گذر رہی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے حالات و واقعات کے متعلق کوئی مصدقہ اطلاع نہیں ملتی ۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے زندگی کا زیادہ عرصہ گنجہ میں گذارا اور بظاہر وہیں اس کی ولادت ہوئی ۔ اپنے باپ یوسف اور ماں جسے وہ رئیسہ کرد کہہ کر پکارتا تھا کا ذکر اس کے اشعار میں موجود ہے اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں ۔ اس کے اشعار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں جوانی میں راہی ملک عدم ہوئے ۔ اس کے ایک خالو جن کا نام خواجہ عمر تھا وہ بھی اس کے ماں باپ کی طرح اسی زمانے میں فوت ہوئے جس زمانے میں وہ لیلیٰ و مجنوں کی داستان کو نظم کرنے میں مصروف تھا ۔ اس کا اصل نام الیاس تھا ۔ بچپن ہی سے اس کو علم و ہنر کا شوق تھا ۔ جوانی میں وہ علم نجوم کی باریکیوں کے علاوہ تقریباً ہر علم میں دسترس رکھتا تھا(۴) اس کے اشعار میں موجود ان علوم کے متعلق الفاظ و اصطلاحات اس حقیقت کا مبینہ ثبوت ہیں ۔ جوانی ہی میں اسے گوشہ نشینی کی عادت پڑ چکی تھی ۔ وہ زیادہ تر وقت ریاضت، غور و فکر اور مطالعہ میں گذارتا ۔ جن دنوں وہ مخزن‌الاسرار کو نظم کر رہا تھا اس کی بیوی موجود تھی اور انہیں دنوں اس کے یہاں بیٹا تولد ہوا تھا جس کا نام محمد تھا ۔ خسرو شیریں، لیلیٰ و مجنوں اور ہفت گنبد میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے اس کے بیٹے سے مہر و محبت آشکار ہوتی ہے اور اس کی پدرانہ نصیحتوں میں شدید محبت کا جذبہ کار فرما ہے ۔ لیکن اقبالنامہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا ۔ اس زمانے میں وہ معمر

Marfat.com

ہو چکا ہوگا یا شاید باپ کی محبت آمیز نصیحتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ہوگا۔ چہیتی بیوی جس کا نام آفاق تھا اور جو اس کے بیٹے کی ماں تھی اس کا ذکر اس زمانے کے اشعار میں موجود ہے۔ یہ آفاق ایک ترک کنیز تھی۔ جو حاکم دربند نے شاعر کو عطا کی تھی نظامی کو اس کی موت سے سخت صدمہ پہنچا تھا جس کا ذکر بھی اس نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ بعض شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ایک سے زیادہ شادیاں کی تھیں اور اپنی تمام بیویوں سے ہمیشہ ناخوش رہا۔ مختصر یہ کہ اس کی تاہل کی زندگی بھی تقریباً عزلت و تنہائی میں گذری۔ وہ چند دیہاتوں کی آمدنی سے جو اتابک جہاں پہلوان اور اس کے بھائی قزل ارسلان نے عطا کیئے تھے زندگی گذارتا تھا۔ بادشاہوں کی طرف سے ملنے والے تحفے تحائف اور انعام و اکرام کی بدولت وہ بے حد خوش حال تھا۔ اپنے ہم عصر شعرا میں سے خاقانی کے ساتھ اس کے اچھے مراسم تھے اور اس کی وفات کے بعد وہ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ اس کے چند سال بعد ۵۹۹ ھجری اور ایک قول کے مطابق ۶۰۹ ھجری میں وفات پائی۔ گنجہ ہی میں سپرد خاک ہوا۔

نظامی اپنے متقدمین میں سے سب سے زیادہ فردوسی اور کسی حد تک سنائی سے متاثر تھا۔ مخزن‌الاسرار میں سنائی کا اثر جیسا کہ اس کے مقدمے سے بھی ظاہر ہے بہت واضح ہے۔ ہفت گنبد بھی سنائی کے اثر سے خالی نہیں۔ بعض موقعہ پر وہ فردوسی کے انداز کو مدنظر رکھتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس سے حریفانہ رقابت ہو۔ مخزن‌الاسرار بھی مواد کے لحاظ سے کسی حد تک حدیقہ سنائی سے ملتی جلتی ہے۔ ہفت گنبد بھی وزن کے اشتراک اور بعض مفاہیم کے لحاظ سے اور خاص کر اپنے آغاز کے اعتبار سے حدیقہ کے اثر سے خالی نہیں۔ لیکن یہ اثر مواد کے لحاظ سے خسرو شیریں، ہفت گنبد اور اسکندر نامہ میں زیادہ نمایاں ہے اور شاعر نے ان تمام تصانیف

Marfat.com

میں شاہنامے کے مواد سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن ان تینوں مجموعوں میں گنجہ کے اس داستان نگار شاعر نے فردوسی کے روبرو ہونے اور شاہنامہ کی روایات کے تکرار سے نہایت ہی ہوشیاری اور عقل مندی سے اجتناب کیا ہے اور کوشش کی ہے جن مطالب کو کسی اور شاعر نے بیان کر دیا ہے مکرر بیان نہ کرے (۵) اور اس طرح خسرو شیریں کی داستان میں وہ زیادہ تر ان عاشقانہ واردات کو بیان کرتا ہے جن کی طرف فردوسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ بہرام کی داستان میں وہ زیادہ تر بزم آرائی، سیر و شکار اور عیش و نشاط کی طرف متوجہ نظر آتا ہے جبکہ شاہنامہ میں اس پہلو سے اجتناب برتا گیا تھا۔ اسکندر کی سر گذشت کو جس کے بیان میں فردوسی نے اختصار سے کام لیا ہے، نظامی نے بڑی شرح و تفصیل سے لکھا ہے۔ اس نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ فردوسی سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو۔ لیکن جہاں کہیں وہ طوس کے اس استاد شاعر کے ساتھ حریفانہ رقابت پر آمادہ نظر آتا ہے تو اس کے شعر کا انداز ہی بدل جاتا ہے۔

فردوسی کے بر عکس جہاں وہ شاہنامہ کی تصنیف میں نقل واقعات میں دیانت و درستگی کو ملحوظ نظر رکھتا ہے نظامی حوادث داستان میں کم و بیش تبدیلیاں کرتا ہے اور جہاں کہیں ضروری سمجھتا ہے اپنی طرف سے اضافہ کر دیتا ہے۔ در حقیقت وہ مناسبات کی رعایت کے لحاظ سے کسی حد تک یونان کے ڈرامہ نویسوں کے قریب نظر آتا ہے۔ منجملہ جب اخستان کا بادشاہ لیلیٰ و مجنوں کے قصے کو منظوم کرنے کی درخواست کرتا ہے تو شاعر فکر مند نظر آتا ہے۔ اپنے بیٹے محمد کے اصرار پر اس کی توجہ وقوع داستان کے محدود ماحول کی طرف مبذول کراتا ہے جس میں سخت پہاڑ، خشک ریت اور زنجیر و سلاسل کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ وہ اس تنگ ماحول کو اپنے فن کے اظہار میں رکاوٹ خیال کرتا ہے۔(۶) در حقیقت نو آوری کے رجحان اور موجود و

Marfat.com

مروجہ روایت سے عدم اعتنائی نے نظامی کو فردوسی کی نسبت ہنروری کے زیادہ مواقع فراہم کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسے ان داستانوں میں تازہ تشبیہات اور لطیف استعارات ہیں استعمال کا زیادہ موقع ملا۔ مزید یہ کہ شاعر پوری فرصت اور یکسوئی کے ساتھ نئے تخیلات اور نئی نئی تعبیرات ڈھونڈنے میں مصروف رہا - اور یہ ایسا کام ہے جس کی افراط و زیادتی سے کبھی کلام شاعرمیں نقص پیدا ہو جاتا ہے خاص طور پر جبکہ وہ اختصار نویسی کی طرف مائل ہو ۔ اگرچہ یہ کام جزئیات و مشابہات کی طوالت و اطناب میں مانع نہیں ہوا لیکن بعض مواقع پر شاعر کے مقصد کا ادراک مشکل ہو کر رہ گیا ہے ۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) لیلیٰ و مجنوں اور رومیو ژولیت کے تقابل کے لئے علی اصغر حکمت کی کتاب ' مطالعہ و تطبیق رومیو ژولیت با لیلیٰ و مجنوں ' مطبوعہ تہران کی طرف رجوع کریں - لیکن دافنیس وکلوئہ کی داستان ایک گڈریے کی داستان ہے اور لونگوس نامی شخص سے منسوب ہے جو دوسری صدی عیسوی میں زندہ تھا ' یہ ایک چرواہا لڑکی لڑکے کی عشقیہ داستان ہے جو کرداروں کی سادگی ' شدید اور بے لوث عشق کے باعث لیلیٰ و مجنوں سے مشابہت رکھتی ہے عبداللہ توکل نے دافنیس اور کلوئہ کی داستان کو فارسی میں ترجمہ کیا ہے -

(۲) مجنوں کی شناخت کے لئے رجوع کریں :

Nicholson, Madjnun, in E 1 3-99

(۳) افلاطون فن کو حکومت اور معاشرے کی خدمت پر مامور کرتا ہے ' اور تئوفیل گوتیہ آن لوگوں میں سے ہے جو فن برای فن کے قائل ہیں - رجوع کریں ان سطور کے مصنف کے مقالے بعنوان " تئوفیل گوتیہ و ہنر شعر" مجلہ یغما ' سال پنجم ' صفحہ ۱۲۲-۱۱۸ - موازنہ کیجئے نقد ادبی صفحہ ۸۳-۶۹ و ۲۳۷-۲۲۷

(۴) ہرچہ ہست از دقیقہ ہای نجوم | با یکا یک نہفتہ ہای علوم
خواندم و سر ہر ورق جستم | چون ترا یا فتم ورق شستم

ترجمہ :- میں نے علم نجوم کے تمام باریک نکات اور علم و دانش کے تمام اسرار کا مطالعہ کیا - ان علوم سے متعلق کتابوں میں پنہاں ہر راز کو تلاش کیا لیکن اے محبوب جب میں نے تمہیں پا لیا تو ان کتابوں سے

Marfat.com

کنارہ کش ہو گیا۔

(۵) این چنین رفتہ عہدمن زنخست | با کہ با آنکہ عہد اوست درست
کانچہ گویندۂ دگر گفتہ است | مابمی خور دنیم و او خفتہ است
بازش اندیشہ مال خود نکنم | بد بود بد خصال خود نکنم

ترجمہ : میں نے شروع ہی سے اس کے ساتھ عہد کر رکھا تھا جو کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتا کہ جو دوسرے شاعر یعنی فردوسی نے کہا ، جواب اس دنیا میں موجود نہیں اور ہم بادہ نوشی میں مشغول ہیں ، اس کو مکرر نہ کہوں ۔ کیونکہ کہی ہوئی باتوں کو دوبارہ کہنا بری بات ہے اور بری خصلت کو اپنانا میرا شیوہ نہیں ۔

(٦) نقد ادبی ، صفحہ ۳۲۷

Marfat.com

عطار

پیر اسرار

کہا جاتا ہے کہ ایک منگول نے نیشاپور میں قتل عام کے دوران ضعیف‌العمر عطار کو قیدی بنالیا اور اسے لےکر اپنے آگے آگے دوڑاتا ہوا چلا۔ راستے میں شیخ‌عطار کے کسی مرید نے اسے اس حال میں دیکھ کر پہچان لیا۔ اس نے منگول سے درخواست کی کہ شیخ کو کچھ چاندی لے کر رہا کردے لیکن شیخ نے منگول کو مخاطب کرکے کہا کہ میری اتنی قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ منگول نے مرید کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور شیخ کو اسی حال میں لئے آگے روانہ ہوا۔ وہ ابھی کچھ ہی دورگیا تھا کہ شیخ کے ایک دوست نے اسے پہچان لیا اور منگول سے درخواست کی کہ کچھ زر و طلا لے کر شیخ کو آزاد کر دے شیخ نے پھر منگول کو مخاطب کر کے کہا کہ میری قیمت یہ نہیں ہے منگول نے یہ سوچ کر کہ شیخ کی رہائی کے بدلے اس سے زیادہ قیمت مل سکتی ہے اس کی پیشکش بھی ٹھکرادی اور آگے بڑھ گیا۔ راستے میں ایک دیہاتی ملا جو اپنے گدھے کو لئے جا رہا تھا۔ اس نے شیخ کو پہچان کر منگول سے درخواست کی کہ وہ اسے رہا کر دے۔ منگول نے دریافت کیا کہ وہ اس کے بدلے میں کیا دے گا؟ دیہاتی نے جواب دیا: ایک توبڑہ گھاس۔ شیخ نے یہ سن کر منگول کی‌طرف دیکھا اور کہا ٹھیک ہے یہی میری قیمت ہے۔ منگول یہ سن کر سخت برہم ہوا اور تلوار نکال کر شیخ کا سر قلم کر دیا۔ شیخ نے جھک کر اپنا کٹا ہوا سر زمین پر سے اٹھا لیا اور دوبارہ اپنی گردن پر رکھ لیا اور بے اختیار اس کے لبوں پر ایک مختصر نظم ”بےسرنامہ“ کے اشعار جاری ہو گئے

Marfat.com

اسی حالت میں وہ حیرت زدہ منگول کے آگے آگے چلتا بھی رہا ۔ نظم کے ختم ہوتے ہی وہ گرا اور اس کی روح پرواز کرگئی(۱)

جس طرح بعض دوسرے اولیاء مثلاً حلاج اور حبیب نجار وغیرہ کی موت کے بارے میں بہت سے افسانے مشہور ہیں اسی طرح اس افسانے کا مقصد بھی عطار کو اسی رنگ میں پیش کرنا ہے اور یہ باور کرانا ہے کہ ان کے لئے حقیقی موت کا کوئی وجود نہیں ہے۔ شمشیر، خنجر اور آگ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ ” فنا فی الحقیقت “ ہو کر وہ ایسے مقام پر جا پہنچتے ہیں کہ اپنی موت و حیات ان کے اپنے دست قدرت میں ہے۔ ایک دوسری حکایت میں مذکور ہے کہ مال و دولت کو ترک کر کے سیر و سلوک کی وادی میں قدم رکھنے سے قبل ایک بار عطار اپنی دکان پر بیٹھا تھا کہ ایک فقیر نے جس کا لباس نہایت بوسیدہ تھا اس کے پاس آکر سوال کیا۔ عطار نے اسے کچھ نہیں دیا۔ فقیر نے پوچھا کہ تو عزرائیل کو اپنی جان کیسے دے گا؟ عطار نے تیکھے انداز میں اس سے پوچھا کہ تو اپنی جان کس طرح دے گا؟ فقیر نے یہ سن کر اپنے کشکول کو سر کے نیچے رکھا، پاؤں قبلے کی طرف پھیلائے اور آنکھیں بند کر کے کہا: یوں اور وہیں پر جان دے دی۔ اس واقعہ نے شادیاخ کے دوا فروش کے بیٹے کے اندر انقلاب پیدا کر دیا چنانچہ وہ اپنے تمام مال و متاع کو غریبوں میں تقسیم کر کے خانقاہ رکن الدین اکاف میں گوشہ نشین ہو گیا۔

یہ ہے عطار کا آغاز اور انجام ۔ افسانہ پردازوں نے اس کے آغاز و انجام کے بارے میں جو افسانہ طرازی کی ہے اس میں بڑا حسن اور دلکشی ہے لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ یہ ایک خواب کی مانند ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ عطار کی سر گذشت حیات بھی بہت سے دوسرے مشائخ اور اولیاء کی زندگیوں کی طرح ان روایتوں اور حکائتوں پر مشتمل ہے جن میں حاشیہ آرائی اور غلو کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ

Marfat.com

بہت سی حکائتیں جن سے تذکرہ نویسوں نے عطار کی داستان حیات میں رنگ بھرا ہے اس کی اپنی کتاب تذکرۃالاولیاء میں مذکور ہیں مثلاً اس کے ابتدائی حالات کے بارے میں تذکرہ نگاروں کی متذکرہ بالا داستان جس کے مطابق ایک سائل کی ارادی موت نے اُسے ترک دنیا اور زہد و تصوف کی طرف راغب کر دیا بظاہر اسی حکایت سے اخذ کی گئی ہے جو عطار نے خود عبداللہ منازل شیخ ملامتیہ کے بارے میں نقل کی ہے اور جس کے مطابق اس نے ابو علی ثقفی کے سامنے ارادی طور پر اپنے ہاتھ کا تکیہ بنا کر اس پر سر رکھا اور کہا : میں مر رہا ہوں اور اسی وقت مر گیا (۲) نیز اس کی اپنی شہادت کی کہانی بھی جو ایک جعلی مثنوی ”بے سر نامہ“ کی تالیف پر ختم ہوتی ہے ان داستانوں کی یاد دلاتی ہے جو عطار نے حلاج کی شہادت کے بارے میں نقل کی ہیں۔ جن میں کہا گیا ہے کہ موت کے بعد بھی اس کے ہر عضو سے انا الحق کی آواز آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے اعضاء کو آگ میں جلا دیا گیا لیکن اس کی راکھ سے بھی انا الحق کی آواز آتی رہی۔ چنانچہ راکھ کو دجلہ میں بہا دیا گیا۔ اس کے باوجود پانی کی موجوں سے بھی وہی انا الحق کی آواز آتی رہی (۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ منگول کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد عطار کے شعر کہنے کی داستان بھی اسی طرح کی روائتوں سے اخذ کی گئی ہے۔ اس اجنبی درویش اور شیخ کی موت کی کہانی بھی اس کی اپنی کتاب کے مرکزی کرداروں کی سرگذشت کی طرح عجیب وغریب روائتوں سے بھری پڑی ہے۔ بہر حال عطار کی تالیفات سے اس کی سوانح عمری پوری صحت اور صداقت کے ساتھ مرتب نہیں کی جا سکتی۔ خاص کر مظہرالعجائب جیسی کتابوں سے جو اس کے نام سے منسوب و مشہور ہیں اس کے بعض محققین کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے حالانکہ یہ عطار کی تصنیف نہیں ہیں۔

بہر حال فریدالدین عطار ۵۴۰ ھجری کے قریب نیشاپور میں پیدا ہوا

Marfat.com

اس کے والدین اس کی اواخر جوانی تک بقید حیات تھے ۔ وہ نیک اور پرہیزگار تھے ۔ باپ کی طرح اس کا پیشہ بھی دوا فروشی تھا ۔ وہ مطب میں بیٹھ کر طبابت بھی کرتا تھا ۔ چونکہ وہ آسودہ حال تھا اس لئے دوسرے شعراء کی طرح اسے شاعری کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور نہ ہونا پڑا ۔ وہ بچپن سے جوانی تک جو اس کی فارغ البالی کا زمانہ تھا حصول علم میں مصروف رہا ۔ اس کی تالیفات سے قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، طب، نجوم، علم کلام اور ادب سے شناسائی کا سراغ ملتا ہے ۔ اگرچہ اسے فلسفہ سے سخت نفرت تھی لیکن اس کے افکار فلسفہ کے اثر سے بالکل خالی بھی نہیں ۔ بچپن ہی سے اسے درویشوں کے ساتھ خاص لگاؤ اور عقیدت تھی ۔ اسی لئے اسے ان کے اقوال اور فرمودات سے مستفید ہونے کا خاطر خواہ موقع ملا ۔ اس کے باوجود جامی کی یہ روایت جس کے مطابق ایک درویش کی ارادی موت نے اسے سب کچھ ترک کر کے درویشی اختیار کرنے کی طرف راغب کیا بے بنیاد ہے ۔ اسی طرح کبرویہ سلسلہ سے اس کی نسبت بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی ۔ تذکرۃالاولیاء کے مقدمہ میں مجدالدین بغدادی کے ذکر کے باوجود یہ بعید نظر آتا ہے کہ خرقہ یا عقیدت کی بنا پر کے ساتھ اس کا کوئی تعلق تھا ۔ عطار کی تالیفات میں ابوالخیر کا نام بڑے احترام اور تکریم سے لیا جاتا ہے ۔ مجمل فصیحی کے مؤلف نے تو اسے پیر میہنہ کے سلسلہ میں شمار کیا ہے ۔ بہر حال اس کی مستند کتابوں کے مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل طریقت صوفی اور سالک نہ تھا ۔ اولیاء اور مشائخ سے عقیدت کی بدولت اور اپنے ذاتی ذوق شوق کے باعث ان کی حکائتوں، داستانوں، احوال زندگی اور تالیفات کا مطالعہ کرتا اور ان کے اقوال کو اپنے اشعار کے ذریعہ پیش کرتا رہا ۔ اسی وجہ سے بعض نے اس کا شمار سلسلۂ اویسیہ میں کیا ہے ۔ بہاءالدین ولد بلخی کے ساتھ اس کی ملاقات کی داستان بھی جس کے مطابق اس نے اس ملاقات کے دوران اسرار نامہ کی ایک جلد اس کے بیٹے جلال الدین

Marfat.com

ہد کو دی بظاہر حقیقت سے دور ہے۔ اس کی وفات کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے البتہ ۶۱۷ ہجری کے بعد کی تاریخ صحیح نہیں۔ بہر حال ایک منگول کے ہاتھوں قتل کی داستان جس میں مثنوی "بے سر نامہ" کی تالیف اور کرامات کی اُن سے نسبت صحیح نہیں۔ یہاں بحث و تمحیص کی بہت گنجائش ہے۔

عطار کی اصلی اور مستند تالیفات کی ایک صحیح فہرست مرتب کرنا مشکل ہے۔ اس سے منسوب کتابوں کا انداز اس قدر مختلف اور متنوع ہے کہ ان سب کو ایک ہی شاعر کی تخلیق نہیں سمجھا جا سکتا۔ اُن میں سے منطق الطیر، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ اور اسرار نامہ کا اسلوب ایک جیسا ہے۔ ان کا شاعر بلا شبہ عطار ہے۔ خسرو نامہ اور پند نامہ کو بھی کسی حد تک اسی شاعر سے نسبت دی جا سکتی ہے۔ ہر چند اُن کے اسلوب میں فرق ہے۔ اُشتر نامہ اور جواہر الذات مضامین اور اسلوب کے لحاظ سے الٰہی نامہ، مصیبت نامہ، اسرار نامہ اور منطق الطیر کے انداز سے بالکل مختلف ہیں اور ان کی عطار سے نسبت محل نظر ہے۔ اسی طرح مظہرالعجائب، لسان الغیب، کنزالاسرار، مفتاح الفتوح اور وصیت نامہ بلا شبہ عطار سے مدتوں بعد سپرد قلم کی گئیں۔ حلاج نامہ، منصور نامہ، خیاط نامہ، وصلت نامہ اور بے سر نامہ جیسی مثنویاں بے شک جعلی ہیں اور انہیں عطار کے مجموعۂ کلام میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے بعض کتابیں نویں صدی ہجری کے عطار تونی نامی ایک شیعہ شاعر کی تصنیف ہیں اور شاید ان میں سے بھی بعض تالیفات دوسرے عطار نامی شعراء کی ہوں۔

ان معدودے چند مثنویوں کے علاوہ عطار کی دیگر تالیفات بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تذکرۃ الاولیاء ہے جو بڑے بڑے صوفیاء کے احوال و اقوال کا منثور مجموعہ ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کی تالیف میں کشف المحجوب ہجویری، طبقات الصوفیہ سلمی، رسالۂ قشیریہ، اور صوفیاء کی دیگر کتابوں سے استفادہ

Marfat.com

کیا ہے۔ ان کے علاوہ عطار کا ایک دیوان بھی ہے جو عـارفانہ خیالات اور صوفیانہ سوز و گداز سے سر شار قصائد اور غـزلیات پر مشتمل ہے۔ اس کی رباعیات کا بھی ایک مجموعہ دستیاب ہے جو بظاہر انتخاب معلوم ہوتا ہے اور مختار نامہ کے نام سے معروف ہے۔

عطـار کی مثنویاں ضمنی داستانوں اور حکائتوں سے بھر پور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنے عارفانہ خیالات کو بیان کرنے کے لئے حکائتوں کا زیادہ سہارا لیا ہے۔ ان قصوں کے مرکزی کردار مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً بادشاہ، وزیر، جلاد، شیخ، صوفی، اہل حرفہ، گدا اور غلام وغیرہ ان حکائتوں پر غور کرنے سے اس زمانے کے مختلف معاشرتی طبقوں کے احوال و حالات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ عطـار کے معنویت میں ڈوبے ہوئے خیالات و تصورات کے باعث ان حکائتوں سے مفید تفصیلات حاصل نہیں ہوتیں اس کے باوجود ان کی افادیت مسلم ہے۔

ان داستانوں میں سے بعض کے مآخذ بہت پرانے ہیں اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہ قصے دوسرے ادباء و شعراء کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں مثلاً تیر انداز اور غلام کے سر پر سیب رکھنے کا واقعہ جو منطق الطیر میں بیان کیا گیا ہے دوسروں کے یہاں بھی ملتا ہے اور اس منظر کی یاد دلاتا ہے جو معروف جرمن شاعر شلر (ا) کے ڈرامے ویلھلم ٹل (ب) میں پیش کیا گیا ہے۔(۴) اسی طرح بوڑھے باغبان اور نوشیروان کی داستان جو الہی نامہ میں مذکور ہے ایک پرانی کہانی ہے جولافونٹن (ج) کے یہاں بھی موجود ہے (۵) اسی طرح وہ عبرتناک سوال بھی جو ایک دانا حکیم نے ذوالقرنین سے کیا تھا نہایت قدیم ہے اور تبدیل شدہ شکل میں بوالو(د) کے کلام میں بھی موجود ہے (۶) اسی طرح الہی نامہ کے پہلے مقالے میں مذکور اس نیک عورت کی مستقل مزاجی

ا. Schiller ب. Wilhelm Tell ج. La Fontaine د. Boileau

Marfat.com

کی داستان بھی اپنے مخصوص انداز بیان اور ترتیب واقعات کے لحاظ سے بختیار نامہ میں درج عادل بادشاہ اور کامگار وزیر کی بیٹی کی داستان سے مشابہت رکھتی ہے اور چاسر (ا) کی کتاب "کنٹر بری (ب) کی کہانیاں" میں مذکور کنسٹانس(ج) کی حکایت کی یاد دلاتی ہے(ے) منطق الطیر میں ققنس کی موت کی داستان بلا شبہ حکما کی کتابوں کے ذریعے یونانی قصوں اور اساطیر سے مأخوذ ہے۔ یونانی اور اسلامی فلاسفہ کے افکار کی یہ مشابہت عطار کے کلام میں دوسری جگہوں پر بھی نظر آتی ہے۔ اس صورت میں جبکہ شیخ کو فلاسفہ اور ان کی نگارشات سے نفرت تھی یہ مشابہت و مناسبت قابل غور ہے۔

عطار کی مستند اور اہم مثنویوں میں ایک الٰہی نامہ ہے۔ یہ مثنوی در اصل چھوٹے چھوٹے منظوم قصوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی بنیاد ایک باپ کی اپنے اُن بیٹوں کے ساتھ گفتگو ہے جو ایسی چیزوں کی خواہش کرتے ہیں جن کی حقیقت عوام الناس کے اذہان میں موجود تصورات سے مختلف ہے۔ اس گفتگو کے دوران، جس میں طرفین بحث و استدلال سے کام لیتے ہوئے قصے اور مثالیں بیان کرتے ہیں، باپ اپنے بیٹوں کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے اور اُن کی باطنی خواہشات کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے حقیقت کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے بیٹے جو بالترتیب، پریوں کے بادشاہ کی بیٹی، جادو، جام جم، آب حیات، سلیمانی انگوٹھی اور کیمیا کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں وہ ان چیزوں کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس گفتگو کے دوران کچھ عارفانہ، اخلاقی اور اجتماعی معاملات و مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں اور یہ کہ انسان جو آخری عمر تک نا ممکن کے حصول کی جستجو میں سرگرداں رہتا ہے یہ لاحاصل ہے اور یہ اس کی بچگانہ خواہشات کی بے مقصدیت کی غماز ہے۔

اس مثنوی کے موضوع اور انجام کے علاوہ اس کی بنیاد اور اس کا

ا. Chaucer ب. Canterbury Tales ج. Constance

Marfat.com

انداز بیان بھی قابل توجہ ہے۔ باپ کی اپنے چھ بیٹوں کے ساتھ گفتگو جو شیخ عطار کے اس قصے کا موضوع ہے ایک عام سا مضمون ہے اور مشرق کی قدیم عمومی تمثیل و قصص میں اس کی نظیر موجود ہے۔ سند باد نامہ (۸) میں بادشاہ کی اپنے سات وزیروں کے ساتھ گفتگو بھی اسی طرح کے قصوں کا ایک قدیم نمونہ ہے۔ اس طرح مرزبان نامہ (۹) کے دوسرے باب میں نقل کی گئی نیک بخت بادشاہ کی حکایت جس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو کئی وصیتیں کیں اسی قبیل کی چیز ہے اور عطار کی بیان کردہ داستان کے مطابق ہے۔ خصوصاً جبکہ مرزبان نامہ کی حکایت میں بھی عطار کی طرح بنیادی قصے کے علاوہ کئی ضمنی قصے بھی ہیں اور نیک بخت بادشاہ بھی الٰہی نامہ کے باپ کی طرح حکایتوں کے اسرار و رموز کی تشریح و توضیح کرتا ہے۔ اور اس کے بیٹے بھی خاص طور پر بڑا بیٹا، اس بحث و تمحیص اور گفت و شنید میں بھرپور حصہ لیتا ہے۔

عطار کی دوسری اہم مثنوی مصیبت نامہ ہے جو سالک کی روحانی اذیتوں، تکلیفوں اور دوسری بہت سی ضمنی حکایات پر مشتمل ہے۔ مصیبت نامہ عالم غیب اور عالم شہود کے مختلف مراتب اور درجات کی روحانی سیر ہے اس عارفانہ سیاحت نامہ میں روح کو "سالک فکری" کا نام دیا گیا ہے جو اپنے سلوک کا آغاز عالم غیب سے کرتی ہے۔ وہ مرشد کی راہنمائی میں مختلف منازل اور مراحل طے کرتی ہے۔ مراتب ملائک سے گذر کر مراتب انبیاء میں سفر کرتی ہے۔ جب اسے آستانۂ محمد (صلعم) میں باریابی حاصل ہوتی ہے تو وہاں وہ اسرارفقر سے آگاہ ہوتی ہے اور حس، خیال، عقل، دل اور جان پر مشتمل سیرانفس کے اسرار و احوال سے آشنا ہوتی ہے۔ ان مراتب اور سیر کی روداد کے بیان کے ساتھ ساتھ شیخ نے جگہ جگہ موقع محل کی مناسبت سے مختلف داستانیں اور لطیف نکات بھی بیان کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی مثنویوں میں اس کی

Marfat.com

مثنوی کا اسلوب جدید اور مختلف ہے۔ بلا شبہ شیخ نے عالم الفس و آفاق کی سیر کے اسرار کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے لیکن شیخ نے قاری کو متنبہ بھی کیا ہے کہ وہ قصے کے ظاہر سے دھوکا نہ کھائیں بلکہ الفاظ اور ظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت اور نفس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ عطار کے مصیبت نامہ کا محرک یا کسی حد تک اثر انداز ہونے والی بایزید کے روحانی معراج کی داستان ہو جس کی ایک روایت شیخ کے تذکرۃ الاولیاء میں بھی نقل کی گئی ہے۔ (۱۰)

عطار کی اہم ترین اور مشہور ترین مثنوی منطق الطیر ہے جو داستانوی اسلوب کے اعتبار سے اور ان نتائج کے اعتبار سے جو مختلف حکایات سے اخذ کئے گئے ہیں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ حقیقت میں منطق الطیر ایک قسم کا عارفانہ حماسہ ہے (۱) جس میں سالک کی روح کو جسے قدما کے رواج کے مطابق "طیر" سے تعبیر کیا گیا ہے پیش آنے والے خطرات اور ہلاکت خیز مقامات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ ہلاکت خیز مقامات اور خطرات سیر و سلوک کے ان سات مراحل کے دوران پیش آتے ہیں، جو رستم اور اسفند یار کو پیش آنیوالے "ھفت خان" سے مشابہ ہیں۔ یہ روحانی ہفت خان صرف وہ بےمثال ہیرو ہی طے نہیں کرتے بلکہ اخلاقی لحاظ سے ان تمام روحوں کو جو ممولے، طوطی، کبک، باز، تیتر، بلبل، مور، چکور، قمری، فاختہ، لگڑ بگڑ اور مرغ زرین کی شکلیں اختیار کئے ہوئے ہیں ان ہفت خوان سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس طرح منطق الطیر طائران روح، ارواح خدا جو اور طالبان معرفت کا حماسہ ہے۔ آن کے اس روحانی سفر کے دوران پیش آنیوالے آلام و مصائب ان سختیوں اور مصائب سے کسی طرح کم نہیں جو دولت، اقتدار، قوت اور نام و نمود حاصل کرنے والوں کو پیش آتے ہیں۔ صوفیاء کے ادب میں ان سات روحانی

۱. Epic Poem

Marfat.com

وادیوں یا ہفت خان کی مثالیں موجود ہیں ۔ سالکین کی ان منازل کی ترتیب اور تعداد سے متعلق مشائخ میں سے ہر ایک نے کم و بیش مختلف رائے کا اظہار کیا ہے۔ حتیٰ کہ مشہور مسیحی عارف سانتاترزا (۱) جن سے ہماری رابعہ عدویہ کی یاد تازہ ہوتی ہے' نے بھی ان منازل کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے عرفا کے خیالات سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ لیکن عطار کے یہ روحانی ہفت خان مراتب کی تعداد کے لحاظ سے اور جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں اس لحاظ سے بایزید بسطامی کی اس داستان معراج کی یاد تازہ کرتے ہیں جو صوفیاء کی کتابوں میں درج ہے (۱۱) وہ اپنے سفر "قصد الی اللہ" کے دوران بارگاہ حق سے "حلیہ وحدانیت" حاصل کرتا ہے اور اس کی "انانیت" سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس صورت میں لوگوں کے سامنے جائے اس لئے اپنے "دیمومیہ" پروں کے ساتھ "لا کیفیہ" کی فضاؤں میں محو پرواز ہو جاتا ہے اور میدان ازل کی وسعتوں سے آگے جا کر جب "نخل احدیہ" پر پہنچتا ہے تو اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ وہم و گمان تھا اور وہ تمام چیزیں اس کے اپنے وجود کے سوا کچھ نہ تھیں۔ یہ وہی کشف و تجربہ ہے جس سے ان تمام پرندوں کو جن کا ذکر عطار نے کیا ہے اپنے سفر کے اختتام پر اپنے ازلی مطلوب کی بارگاہ میں پہنچ کر گذرنا پڑا اور آخر میں ان پر یہ راز عیاں ہوا کہ حقیقی سیمرغ ان تیس سالک پرندوں کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس طرح اس قصے میں اتحاد کی حقیقت اور اس چیز کے حقیقی معنی عیاں ہوتے ہیں جسے عرفا وحدت‌الوجود کہتے ہیں۔ قصے کہانیوں کے ذریعہ عارفانہ اور فلسفیانہ مضامین کو بیان کرنے کا رواج بہت پرانا ہے۔ حی بن یقظان اور سلامان و ابسال کی حکائتیں زمانہ قدیم سے مسلمان حکماء اور فلاسفہ و اہل عرفان کے مطالب کو بیان کرنے کا ذریعہ رہی ہیں۔ اسی طرح

۱. Santa Teresa

Marfat.com

ابن سینا کے ہاں طیور کی داستان ایسی ارواح کے احوال کا بیان ہے جن کے پاؤں اس دنیا کی لذتوں اور رعنائیوں کےباعث اکثر ڈگمگا جاتے ہیں۔ شیخ نے ان روحوں کو ایسے کبوتروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو غفلت سے صیاد کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔ اس کی یہ تشبیہ بھی بہت پرانی اور مشہور ہے۔ مثلاً یہ چوتھی صدی عیسوی کے رومی شاعر پرو دانس (ا) کے حکیمانہ اشعار میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ عطار کی داستان میں پرندوں کے سیر و سفر کی منزل مقصود بارگاہ سیمرغ ہے جو ایک افسانوی پرندہ ہے اور جس کا ذکر اوستا، خداینامہ(ب) کی داستانوں اور حتیٰ کہ مندائی(ج) اساطیر میں بھی آیا ہے اور عطار نے اس کے نام کے الفاظ سے کھیلتے ہوئے لفظ "سیمرغ" کو جو زائرین پرندوں کی تعداد کا مجموعہ ہے، ملا دیا ہے تا کہ لفظوں کے اس کھیل کے ذریعے، اتحاد اور وحدت سے متعلق صوفیاء کے خیالات کو قصہ کی صورت میں بیان کیا جا سکے (۱۲) عطار کی نسبت سہروردی جیسا کہ اس کے رسائل عقل سرخ اور صفیر سیمرغ سے ظاہر ہے، اس بے نام و نشان پرندے سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے لیکن ابن سینا، غزالی اور دوسروں کی پرندوں سے متعلق تصانیف کے مقابلے میں عطار کی منطق الطیر کو گہرائی اور فن داستان گوئی پر مہارت کے لحاظ سے خاص برتری حاصل ہے۔ خصوصاً غزالی کی رسالۃالطیر اور عطار کی منطق الطیر میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی عطار کی داستان کی طرح پرندے اپنے بادشاہ عنقا کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اس تلاش کے دوران مختلف مراحل پر انہیں نئے نئے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جس طرح عطار نے اس حکایت سے اہل حقیقت کے طریقۂ کار کے مطابق ایک نہایت ہی لطیف اور عارفانہ نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غزالی کی

ا. Prudence ب. پہلوی زبان میں شاہنامہ طرز کی ایک کتاب کا نام

ج. صائبین کا ایک فرقہ

Marfat.com

داستان میں موجود نہیں - عطار کے بر عکس غزالی بارگاہ عزت میں بھی ' جو خاموشی کا مقام ہے ' ایک اہل کلام اور فقیہ کی مانند پرندوں کو اہل‌مدرسہ کی سی بحث و تمحیص اور قیل و قال کی ترغیب دیتا ہے - اسی طرح غزالی کے رسالۃالطیر میں سالکین راہ ' معرفت ' یقین اور طمانیت کی منزل تک پہنچ جاتے ہیں جب کہ عطار کی مثنوی میں وہ وحدت ' اتحاد ' مشاہدہ اور مکاشفہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں - عزالدین مقدسی نے بھی ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے تحریر کیا ہے (۱۳) جو غزالی کے رسالہ سے مأخوذ ہے - کلیلہ میں بھی ایک ایسی حکایت ملتی ہے جس میں پرندے اپنے لئے ایک بادشاہ کی جستجو کرتے ہیں - عرفا کے کلام میں اس کا دوسرا نمونہ دریائی مچھلیوں کی داستان ہے(۱۴) جنہوں نے یکجا ہو کر کہا : ہماری زندگی پانی سے وابستہ ہے لہذا ہمیں پانی کی تلاش کرنی چاہیے - اس پر ایک تجربہ کار بوڑھی مچھلی نے کہا : اگر آپ مجھے پانی کے سوا کوئی دوسری چیز دکھا دیں' تو میں بتاؤں گی کہ پانی کیا ہے؟ الغرض عارفانہ مضامین کے بیان کے لئے اس قسم کے قصوں کا استعمال بہت پرانا ہے اور شیخ اشراق کے ہاں بھی پایا جاتا ہے بلکہ یہ روایت اپنی قدامت کے لحاظ سے افلاطون اور دوسرے قدیم یونانیوں کے دور تک جاتی ہے - اور ہر ایک نے اپنے ذوق تاویل کے مطابق عارفانہ معانی اخذ کرنے کے لیے ہر قسم کے قصوں سے استفادہ کیا ہے - مثلاً فیلون (۱) یہودی نے ہجرت ابراہیم کی داستان کی تاویل کرتے ہوئے اسے روحانی سیر و سلوک اور عالم ظاہر سے عالم باطن کی طرف ہجرت قرار دیا ہے - دلچسپ بات یہ ہے کہ اگرچہ سیمرغ کے متلاشی پرندوں کا سیر و سفر آن دو آدم زاد انسانوں کی راہ سے مختلف ہے جن کا ذکر یونانی مؤلف اوری پائڈ (ب) کے "پرندگان" میں آیا ہے اور جہاں یہ دونوں انسان ' آدم زاد کے شور و غل سے فرار اختیار کر

---

۱. Philon ب. Euripide : Oiseaux

Marfat.com

کے پرندوں کے درمیان زندگی بسر کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں، اس کے باوجود اوری پائڈ کی داستان میں بھی عطار کی طرح ہد ہد کو بڑا مقام حاصل ہے اور اس کے علاوہ اوری پائڈ کے پرندے بھی کسی حد تک عنقا اور سیمرغ کی مانند قدسیت اور الوہیت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح پرندوں کا شہر بھی جسے ہدہد زمین اور آسمان کے مابین تعمیر کرتا ہے شاعروں، کاہنوں اور مغنیوں کی منزل مقصود اور جائے پناہ بن جاتا ہے - اور اس طرح عالم ملکوت کا پرندوں کے ساتھ رابطہ استوار ہو جاتا ہے (۱۵)

منطق الطیر میں درج ضمنی داستانوں میں شیخ صنعان کا قصہ خاص لطافت اور سوز و گداز کا حامل ہے - شیخ صنعان جو بقول عطار کے اپنے وقت کا پیر و مرشد تھا اور اس کے بہت سے مرید تھے، سوء اتفاق سے ایک ناکام عشق میں مبتلا ہو گیا جس نے فرانسیسی آبلارد (۱) کی طرح آسے رسوائے خاص و عام کر دیا (۱۶) حتیٰ کہ وہ اس پر سوز اور المناک عشق میں نہ صرف اپنی پیری مریدی سے ہاتھ دھو بیٹھا بلکہ عقل و دین کو بھی داو پر لگا دیا - اس نے عیسائی معشوق کی خاطر عیسائیت قبول کرکے زنار باندھا اور خنزیر چرانے لگا اور بقول حافظ "خرقہ کو میخانہ میں رہن رکھ دیا" لیکن یہ شیخ جسے اپنے عہد میں عطار کے قصہ کی مناسبت سے بہت شہرت حاصل ہوئی اور وہ اپنے وقت کا پیر بھی مانا جاتا تھا، کون تھا ؟ اس داستان اور خاقانی کے قصیدہ ترسائیہ (۱۷) میں مذکور ابن سقا کی سرگذشت میں جو مشابہت ہے اس سے پہلی ہی نظر میں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید شیخ صنعان سے مراد وہی ہے لیکن ابن سقا کے ہاں پیری مریدی اور سجادہ نشینی کا کوئی سلسلہ نہ تھا اور نہ ہی عطار کے شیخ صنعان کی طرح اس کا انجام اچھا ہوا - دوسرے ماخذ (۱۸) میں بھی ایک داستان موجود ہے جس میں ابوعبداللہ

---

۱. Abelard

Marfat.com

اندلسی نامی ایک شیخ ، تقریباً شیخ صنعان ہی کی طرح اسی قسم کے حالات سے دو چار ہوا ، متذکرہ داستان کے مطابق شیخ صنعان کی طرح ابو عبداللہ اندلسی کے بھی بہت سے مرید تھے اور جنید جیسے لوگوں کا اس کے مریدوں اور شاگردوں میں شمار ہوتا تھا جبکہ جنید کے مشائخ میں ابو عبداللہ اندلسی نام کا کوئی شخص موجود نہیں ۔ اسی لئے بعض محققین نے ابو عبداللہ اورحتی ابن سقا کے ساتھ شیخ صنعان کی داستان کے تعلق کو بعیداز قیاس قرار دیا ہے ۔ ایک اور حکایت کے حوالے سے جو امام غزالی سے منسوب کتاب تحفۃ الملوک میں درج ہے شیخ صنعان کو عبدالرزاق صنعانی سمجھا گیا ہے (۱۹) لیکن یہ عبدالرزاق صنعانی کون ہے؟ یہ درست ہے کہ اس کی سوانح حیات کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں لیکن بہرحال یہ احتمال کہ وہ ایک خیالی شخص ہے صحیح نہیں ہے ۔ عبدالرزاق محدثی مشہور تھا کیونکہ صوفیا کی کتابوں میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے ۔ چنانچہ اسرار التوحید کی ایک حکایت کے مطابق وہ ابوکتانی سے ایک نسل پہلے ہو گذرا ہے اور زہری کے توسط سے ابو ہریرہ سے روایت نقل کیا کرتا تھا ۔ عطار کے تذکرۃالاولیاء میں عبدالرزاق کا نام لئے بغیر اور انصاری کی طبقات الصوفیہ میں عبدالرزاق کے ساتھ یہی حکایت بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے ۔ کشف المحجوب کے مؤلف نے بھی ایک مناسبت سے اس کے نام کا ذکر کرتے ہوئے ، فضل بن ربیع سے ایک قول نقل کیا ہے ۔ میں ہارون الرشید کے ہمراہ مکہ گیا ۔ جب مناسک حج سے فراغت ہوئی تو ہارون نے مجھے کہا ۔ کیا یہاں کوئی خدا رسیدہ آدمی ہے جس کی زیارت کی جائے؟ میں نے کہا ۔ ہاں ! عبدالرزاق صنعانی یہیں ہیں ۔ اس نے کہا ۔ ان کے پاس لے چلو ۔ ان کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے ۔ پھر ہارون الرشید نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے معلوم کرو کہ ان کے ذمے کوئی قرض تو نہیں ہے؟ میرے دریافت کرنے پر انہوں نے کہا ۔ ہاں ! خلیفہ نے ان کے قرض

Marfat.com

کی ادائیگی کا حکم دیا اور وہاں سے آ گئے - ہارون نے کہا : اے فضل ! میری خواہش ہے کہ آن سے بھی بڑے بزرگ سے ملا جائے - میں نے عرض کیا سفیان بن عیینہ بھی یہیں ہیں - فرمایا : چلو ان سے ملیں - ہم نے ان کے ساتھ تھوڑی دیر باتیں کیں - جب واپس جانے لگے تو ہارون نے اشارہ کیا کہ آن سے قرض سے متعلق معلوم کروں - انہوں نے کہا : ہاں ! میں مقروض ہوں - ہارون نے ان کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور وہاں سے چلے آئے - ہارون نے کہا کہ اے فضل ! ابھی میرا مقصد پورا نہیں ہوا - مجھے یاد آیا کہ فضیل بن عیاض یہاں ہیں - چنانچہ انہیں فضیل کے پاس لے گیا - (۲۰) اس کے بعد فضیل کی نصیحتوں اور خلیفہ کی طرف سے پیش کردہ سونے کی تھیلی لینے سے اُس کے انکار کا ذکر آتا ہے اور یہ بڑی اثر انگیز داستان ہے - قابل غور بات یہ ہے کہ مؤلف اپنے رتبہ اور اس بات کے باوجود کہ وہ خلیفہ کی طرف سے پیش کردہ زر کو قبول نہ کرنے پر ' شیخ کے ساتھ منسوب کر کے اس عجیب داستان کو بڑے سبق آموز پیرائے میں بیان کر سکتا تھا ' عبدالرزاق کی گرفتاری اس کے روم جانے اور ایک عیسائی لڑکی پر عاشق ہو جانے کی داستان کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا - اسی طرح ابن الجوزی نے بھی ' جس نے نقدالعلم والعلماء میں صوفیہ پر طعن و تشنیع سے بھرپور بہت سی داستانیں نقل کی ہیں اور ایسے واقعات بیان کئے ہیں جس سے ثابت ہو کہ صوفیہ کا گروہ اور دوسرے عوام‌الناس ابلیس کے دام فریب میں اسیر تھے ' اس واقعہ کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے - صوفیہ کا دوسرا شدید مخالف ابن قیم‌الجوزیہ بھی اگرچہ ایک جگہ نقل کرتا ہے کہ ایک صوفی سے لوگوں نے پوچھا : تو سفر کیوں نہیں اختیار کرتا تا کہ عبدالرزاق سے حدیث سنے - اس نے کہا جو شخص رزاق سے محو گفتگو ہو اسے عبدالرزاق سے کچھ سننے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ نہ تو عبدالرزاق کے صوفی ہونے اور نہ ہی کسی ایسی عجیب و غریب سرگذشت کا

Marfat.com

ذکر کرتا ہے جو عطار نے اس کے بارے میں بیان کی ہے جبکہ وہ صوفیہ پر طعن و تشنیع کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ' اس کی خاموشی اور ابن الجوزی کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے عبدالرزاق صنعانی کے بارے میں ایسا کوئی قصہ نہیں سنا بلکہ ان کے نزدیک اس کا وجود ہی نہیں ہے - بہرحال عبدالرزاق صنعانی اہل تصوف میں غیر معروف نہ تھا اور وہ ایک نامور محدث کی حیثیت سے جانا جاتا تھا - وہ لوگ جنہیں "حدثنی قلبی من ربی" (ا) کا دعویٰ تھا اس کے نام کی اس لفظی مناسبت کے باعث جو عبدالرزاق اور خدا کے نام رزاق میں ہے اس کی کبھی کبھی تحقیر بھی کیا کرتے تھے - شاید یہی تحقیر اس چیز کا باعث بنی کہ اسے صوفیاء کے قصوں میں ایک منحوس کردار قرار دیا گیا اور اسے ایرانی قصہ بلعام (ب) و برصیصا (ج) اور یورپی داستان فاسٹس (د) کی مانند جو ان صلیبی جنگوں کے دوران جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اختلافات ' منافرت اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے بہت مشہور اور زبان زد عام تھی ' اسے ایک " داستان سرگردان " کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا گیا - در حقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتابوں

ا. میرے دل نے میرے رب کے متعلق بتایا

ب. بلعام ابن باعور میسوپوٹیمیا کا پیغمبر تھا - اس نے بنی اسرائیل کو بددعا دینے کا عزم کیا - راستے میں اس کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اسے خدا کا حکم سنایا کہ بنی اسرائیل کو بددعا کرنے کی بجائے ان کے لئے دعائے خیر کرے -

ج. برصیصا ' بنی اسرائیل میں ایک پارسا شخص کا نام ہے جو شیطان کے ورغلانے پر فسق و فجور کا مرتکب ہوا اور شیطان کو سجدہ کیا - اس طرح وہ اشقیاء میں شامل ہو گیا -

د - Faustus

Marfat.com

میں نقل کرتے وقت صوفیاء میں سے بعض نے مشرب ارجاء(ہ) کے زیر اثر جس کا عکس داستان کے اختتام پر بہت نمایاں ہے ابو عبداللہ اندلسی کو اور بعض نے عبد الرزاق صنعانی کو ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا - بہر صورت داستان کی وحدت' باہمی ربط' پلاٹ اور کردار سب اس چیز کو عیاں کرتے ہیں کہ یہ قصہ جیسا کہ منطق الطیر میں بیان ہوا ہے حقیقی نہیں ہے اور تذکرۃ الاولیاء اور صوفیاء کی دوسری تصنیفات میں مشائخ کی زندگیوں کے بارے میں درج دوسرے بہت سے قصوں کی طرح ایک قصہ ہے - کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ ایک داستان کے لئے دو مختلف روائتیں اور دو مختلف ہیرو پیش کئے گئے ہیں - بہر حال یہاں ان تمام داستانوں اور حکائتوں کا ذکر ضروری نہیں ہے (۲۱)

غرضکہ ہرچند اس داستان کا ہیرو عبد الرزاق صنعانی ایک فرضی کردار نہیں ہے لیکن یہ قصہ بہر حال فرضی ہے جسے اسی طرح کے دوسرے قصوں کی بنیاد پر مختلف عناصر اور اجزا کو ملا کر وضع کر لیا گیا ہے- اس میں شک نہیں کہ اس حکایت کو عطار نے وضع نہیں کیا ہے بلکہ گمان غالب ہے

ہ. مشرب ارجاء یا مذہب مرجئہ مسلمانوں کا ایک فرقہ جو پہلی صدی ہجری میں ظہور پذیر ہوا - ان کا عقیدہ تھا کہ ظواہر اسلام کو قبول کرنے کے بعد اگر انسان کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آتا اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے دوزخی ہونے کا فتویٰ صادر کرے - اس بات کا فیصلہ قیامت تک ملتوی کر دینا چاہیے - اس فیصلہ کے التوا کا نام ارجاء ہے جو سورہ التوبہ کی آیہ ۱۰۶ کے اس حصہ سے اخذ کیا گیا ہے : (و آخرون مرجون لا مر اللہ اما یعذبھم و اما یتوب علیھم واللہ علیم حکیم) ترجمہ : اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا - اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے -

Marfat.com

کہ اس کا ماخذ غزالی کی تحفۃالملوک کی ایک روایت ہے اور یہ بعیداز قیاس نہیں ہے کہ عطار نے جس طرح اپنی منطق‌الطیر کا پلاٹ غزالی کے رسالۃالطیر سے اخذ کیا ہے اسی طرح شیخ صنعان کا پلاٹ بھی اس کی کسی دوسری کتاب سے اخذ کیا ہو بشرطیکہ یہ کتاب امام غزالی ہی کی تصنیف ہو۔

مسیحی حسیناؤں کا عشق جو صنعان کی اس داستان کا مرکزی موضوع ہے تمام ادوار میں کلیسا و دیر سے راہ و رسم رکھنے والے مسلمانوں کو گمراہ کرتا رہا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے نزدیک مسیحی ملکوں کا سفر کرنا اور سور کا گوشت کھانا لازم و ملزوم تصور کیا جاتا تھا اور اس کام کو ابتدائے کفر سمجھا جاتا تھا مثلاً تذکرۃالاولیاء (۲۲) کی روایت کے مطابق جب مالک دینار نے جنگ روم کا عزم کیا تو جنگ کے موقعہ پر وہ بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے کانوں میں ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ اگر تو آج جنگ میں شریک ہوتا تو قیدی بنا لیا جاتا اور قید کے دوران تجھے سور کا گوشت کھلایا جاتا اور تو وہ گوشت کھا کر کافر ہو جاتا۔ اسی لئے داستان طرازوں کے خیال میں شیخ صنعان سے متعلق داستان میں کہانی کے ہیرو کا صرف ملک روم جانا اور ایک عیسائی لڑکی پر عاشق ہو جانا ہی کافی تھا کہ وہ اسے سور کا گوشت کھانے حتی کہ سوروں کو چرانے اور بالآخر کفر میں مبتلا ہونے، زنار باندھنے شراب پینے اور بت پرستی کا مرتکب سمجھنے لگیں۔ عطار کے زمانے میں جب بیت‌المقدس پر صلیبی عیسائیوں کے قبضے کی اطلاع شیخ جام کی کرامت سمجھی جاتی تھی (۲۳) ممکن ہے نصاری اور عیسائیوں سے قلبی تعلقات قائم کرنا اور ان سے قریبی روابط استوار کرنا صوفی شعراء کے لئے بھی ایک دلکش بات ہو اور شام، لبنان اور بیت‌المقدس سے دلی لگاؤ رکھنے والے لوگوں کے لئے نصرانیوں اور مسیحی لڑکوں کے ساتھ عشق ایک کڑی آزمائش ہو۔ بہر حال ادبی کتابوں میں ایسی بہت سی حکائتیں ملتی ہیں جو نصرانیوں کے ساتھ

Marfat.com

مسلمانوں کے عشق پر مشتمل ہیں۔ اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں کہ عاشق اپنے دین کو بھی اپنے عشق پر قربان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ شرف العلا کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک عیسائی غلام پر عاشق ہو گیا، اس کے عشق میں مسیحی لباس پہن لیا، کلیسا میں جانے لگا اور شرابنوشی میں مبتلا ہو گیا۔ مدرک بن علی بھی ایک عیسائی لڑکے پر عاشق ہو گیا تھا اور نوبت رسوائی تک پہنچی تھی۔ اسی طرح ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک عیسائی لڑکی کے دام عشق میں مبتلا ہو گیا۔ جب قریب المرگ پہنچا تو اس خوف سے کہ اگر وہ مسلمانی کی حالت میں مر گیا تو قیامت کے روز کہیں اس سے جدا نہ ہو جائے عیسائیت قبول کر لی (۲۴) بہر حال نصرانی خوبرویوں کا عشق مسلمانوں اور اہل ذوق صوفیاء کو اکثر گمراہ کرتا رہا ہے۔ آج کی طرح اس زمانے میں بھی اس طرح کے واقعات کا شمار عام معمولات میں ہوتا تھا۔ ان داستانوں میں ہمیشہ یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ اس عشق کا نتیجہ عیسائی لڑکی کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں نکلے۔ حقیقت میں ایک مسلمان کے عیسائی ہو جانے کا امکان مسلمانوں کے لئے اس قدر بعید از قیاس، ناقابل قبول اور خلاف عقل معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے قریبی دور کے ایک مؤرخ نے دن خوان ایرانی کی داستان کا ذکر کرتے وقت شاہ عباس کے بھیجے ہوئے ایلچی کے قصے کو اس طرح لکھا ہے گویا اس کا سلوک نہ صرف اروج بیگ کے عیسائی ہو جانے بلکہ اس چیز کا بھی باعث بنا کہ نصاری میں سے جو لوگ قبول اسلام کے خواہاں تھے وہ بھی منحرف ہو گئے (۲۵) بہر حال قصہ نویسوں کے خیال میں مدرک بن علی، شرف العلاء اور ابن سقا کے واقعات اور اسی طرح کی دوسری داستانوں کے پلاٹ حقیقی تھے اور انہوں نے خاص طور پر عاقبت بد اور مشیت ایزدی کے بیان کے لئے اچھا مواد فراہم کیا ہے۔ حکایات و واقعات کو پر سوز اور اثر انگیز بنانے اور ذہنوں کو متاثر کرنے کی خاطر وہ عموماً ان حکایات کے

Marfat.com

لئے مرکزی کردار زہاد، صوفیاء اور مشائخ میں سے منتخب کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مقصد کے لئے ان مشہور صوفیاء کا انتخاب نہیں کرتے تھے جن کے حالات لوگوں کو معلوم ہیں۔ حقیقت میں عاقبت بد کا خوف اور ڈر قدیم صوفیاء کے یہاں زہد و تقوی کا سرچشمہ ہوتا تھا مثلاً سفیان ثوری سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے تین اساتذہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے اکتساب علم کیا۔ ان میں سے ایک جب مرنے کے قریب پہنچا تو وہ یہودی ہوگیا اور اسی حالت میں مرا، دوسرا مجوسی اور تیسرا نصرانی ہو گیا۔ اسی خوف سے میری کمر چٹخ کر ٹوٹ گئی(۲۶)نظامی کی مخزن‌الاسرار میں بھی ایک مسجد نشین کی حکایت درج ہے جو مصائب سے گھبرا کر کوچہ خرابات میں عزلت نشیں ہو گیا اور اس کے بعد ایسے حالات سے دوچار ہوا جو کسی حد تک شیخ صنعان کی سرگذشت سے مشابہ ہے (۲۷) اسی طرح رسالہ قشیریہ میں ایک بلخی جوان کی حکایت ملتی ہے جو بکثرت غیبت کرنے کے باعث عاقبت بد سے دو چار ہوا اور ایک خواجہ سرا کے عشق میں مبتلا ہو کر خواجہ سرا خانے جا بیٹھا (۲۸) حقیقت تو یہ ہے کہ اولیاء بھی عاقبت بد سے محفوظ نہ تھے اور صوفیاء کے نزدیک ولی ہونا کسی کی عاقبت خراب ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ شیخ صنعان کا قصہ عاقبت بد اور عاقبت بخیر جو کہ دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں اور انسان کو ان میں کوئی عمل دخل نہیں، پر مشتمل ہونے کے باوجود اور اس کے باوجود کہ رسالۂ قشیریہ میں بھی اولیاء سے لغزش سرزد ہونے کے امکانات کا ذکر موجود ہے اور شیخ صنعان سے منسوب حکایت صحیح ہونے کی صورت میں اس دعوت و پیغام کے لئے ایک نمونہ اور مثال بن سکتی تھی، رسالۂ قشیریہ میں جو عبدالرزاق کے زمانے سے مدتوں بعد تألیف ہوا، اس حکایت کی طرف اس صورت میں کوئی اشارہ نہیں ملتا جیسا کہ تحفۃالملوک اور منطق الطیر میں

Marfat.com

بیان ہوئی ہے۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق صنعانی کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور اس داستان کو صوفیاء نے عطار سے پہلے ہی اپنے ناصحانہ اور عارفانہ مطالب کو بیان کرنے کے لئے وضع کر لیا تھا۔ اسی طرح اس داستان کی دوسری صورت اور روایت ابو عبداللہ اندلسی کی حکایت ہے اور دونوں حکایتوں کی ساخت و پرداخت کی غرض و غایت تقریباً ایک ہی تھی۔ غرضکہ عطار نے داستان کو اتنے لطیف اور پر معنی انداز میں منظوم کیا ہے کہ مرکزی کردار کے حالات زندگی اور اس کو پیش آنیوالے واقعات پوری طرح قاری کے سامنے متحرک شکل میں آجاتے ہیں اور اس عظیم شاعر کے زور بیان کے زیر اثر قاری اکثر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ایک قصہ پڑھ رہا ہے اور اسے حقیقت اور تاریخ سمجھنے لگتا ہے اور کہانی کے ہیرو اور اس کی زندگی کے حقیقی دور کی جستجو میں لگ جاتا ہے جس کا اصل میں کوئی وجود نہیں ہے۔

کیا اس اخلاقی نتیجہ کے پیچھے جو اولیاء کی عاقبت بد اور عاقبت بخیر کے نظریہ سے متعلق بحث سے عبارت ہے' شیخ صنعان کی داستان تخلیق کرنے کی کوئی غرض و غایت بھی تھی یا نہیں ؟ اس احتمال کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ سرگذشت کسی حد تک عطار کی اپنی زندگی کی داستان ہو (۲۹) لیکن اگر یہ داستان عطار سے مدتوں پہلے وضع کر لی گئی تھی تو پھر اس احتمال کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ حقیقت میں نقادوں نے یہی بات بہت سے دوسرے شاعروں اور ادیبوں کے بارے میں بھی کہی ہے۔ اس کے باوجود جیسا کہ معروف روسی شاعر لرمونتوف نے اپنی داستان " ہمارے عہد کے ہیرو " کے مقدمہ میں کہا ہے کہ اسے ایک قدیم مذاق سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اسے ہر جگہ معتبر اور موثق نہیں سمجھا جا سکتا(۳۰) لیکن اس دعوے کی نفی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ شیخ

Marfat.com

صنعان کی داستان تخلیق کرنے والے کے پیش نظر اس کے اخلاقی پہلو کے علاوہ قطعاً کوئی دوسرا پہلو نہیں تھا۔ بہر حال شیخ صنعان کی داستان قطع نظر اس سے کہ عطار نے اس کی اصلی ہیئت کو کہاں سے لیا ہے ایک رمزیہ داستان ہے۔ یہ ایک ایسی پاکیزہ روح کی سرگذشت ہے جو عالم ارواح سے عالم آب و گل میں آجاتی ہے۔ یہاں وہ تعلقات کے دام میں اسیر ہو کر طرح طرح کی آلائشوں میں ملوث ہو جاتی ہے۔ وہ ہر قسم کے گناہ کی مرتکب ہوتی ہے یہاں تک کہ اپنی لاہوتی اصلیت اور صفات کو کھو دیتی ہے اور مادیت میں اسیر ہو جاتی ہے لیکن آخر کار جذبۂ غیبی اس کی مدد کو آتا ہے اور اسے نجات دلا کر قرار گاہ علوی، میں لے جاتا ہے جو صفا اور پاکیزگی کی دنیا ہے

اس رمزیہ سرگذشت کے عناصر کا سراغ مشرق کی عارفانہ شاعری میں ملتا ہے۔ اس کا قدیم ترین نمونہ فضول خرچ بیٹے کی وہ داستان ہے جو انجیل لوقا میں درج ہے اور باپ کے گھر جسے وہ مدتوں سے بھلا چکا تھا اس کی واپسی خوشی وطمانیت کا باعث بنتی ہے (۳۱) ایک اور نمونہ داستان "جامہ فخر" ہے جو سریانی زبان کے ایک پرانے قصے میں بیان ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی سرگذشت ہے جس نے سچے موتی کی تلاش میں مصر کا سفر اختیار کیا۔ مصر کی نعمتوں اور آسائشوں سے متاثر ہو کر وہ اپنے علوی گھر کو بھلا بیٹھا اور آخر کار مشکلوں کے بعد باپ کے گھر واپس لوٹا (۳۱) شیخ صنعان کی داستان بھی اسی نوعیت کی ہے۔ شیخ ایک ایسی پاکیزہ روح ہے جس کا تعلق اسلام کی دنیا یعنی نور اور صفا کی دنیا سے تھا لیکن وہ ایک لڑکی کے عشق میں جو مادی عشق تھا عیسائیت کی دنیا میں چلا گیا جو سفلی لذت، گناہ، شراب اور سور چرانے کی دنیا تھی اور اس طرح وہ تعلقات کے دام میں اسیر ہوکر رہ گیا ہے۔ وہاں وہ اپنی اصلیت، اپنے اسلام اور حتی کہ اپنی شخصیت کو بھول گیا لیکن اس کے باوجود عنائت ایزدی نے اسے نہیں بھلایا۔ وہ اس کی مدد کو

Marfat.com

آئی اور اس نے اسے دوبارہ اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنی شناخت کر سکے اور پھر اسے ملک اسلام میں جو روشنی اور صفا کا ملک ہے واپس لے آئی اور اس طرح اس کی عاقبت سنور جاتی ہے۔ اس اعتبار سے شیخ صنعان کسی حد تک ابن سینا کے " طیر " اور اس کے قصیدہ عینیہ کے " ورقاء " کی مانند ہے(۳۳) جب کہ اس کی منطق‌الطیر غزالی کے رسالۃالطیر سے مشابہ ہے۔

عطار کا اسلوب بیان سادہ اور فطری ہے۔ اس کے کلام میں بناوٹ اور تصنع کا رجحان خال خال نظر آتا ہے۔ اس کے یہاں جذبے کی گرمی اور زبان کی شیرینی پائی جاتی ہے ۔ اس کا کلام نامأنوس اور مغلق الفاظ سے تقریباً خالی ہے۔ منظر نگاری میں سادگی کے باوجود زور بیان اور باریک بینی نمایاں ہے۔ جب عاشقانہ رموز اور روحانی کیفیات کو بیان کرتا ہے تو اس کے اشعار میں عجیب جوش و توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔ عاشقانہ احوال کو ایک دردکشیدہ اور عشق آزمودہ شخص کی مانند بیان کرتا ہے۔ عشاق کے سوز و گداز اور اہل دل کے اضطراب، اندوہ اور نامرادی کا ذکر کرتے وقت اس کے کلام میں ایسی تاثیر اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے جو ایک درد ناک انتباہ بن کر مسلسل کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ اس کے اشعار اور قصوں میں گاہے گاہے رودکی، فردوسی، رابعہ بلخی، ناصر خسرو اور فخر گرگانی جیسے بعض قدیم شعراء کا جو نام آتا ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ان شعراء سے متاثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر عطار کی شاعری ان پرانے اساتذہ کے کلام کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان قدیم شعرا کی تخلیقات سے شیخ نیشاپور کو خاص لگاؤ تھا۔

اس کے بعض قصائد کی گونج میں کبھی کبھار خاقانی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ خاقانی اس کا ہمعصر تھا اور یقیناً یہ بعید ازقیاس ہے کہ عطار نے دیدہ و دانستہ اس کی تقلید کی ہو۔ بظاہر جو چیز عطار اور خاقانی کے

Marfat.com

درمیان مشترک نظر آتی ہے وہ سنائی کا اثر ہے جو دونوں شاعروں نے مشترکہ طور پر قبول کیا ہے۔ عطار اور نظامی کے درمیان جو مشابہت ہے اس کے بارے میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ بایں‌ہمہ عطار اور نظامی کے درمیان فکری اور لفظیاتی مشابہت اس قدر ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثلاً منطق الطیر میں درج سقراط کی یہ حکایت کہ نزع کے وقت اس کے شاگرد نے پوچھا: آپ کو کہاں سپرد خاک کیا جائے؟ اس نے جواب دیا: جہاں چاہیں دفن کر دیں، نظامی کے اسکندر نامہ میں بیان ہوئی ہے (۳۴) اسی طرح حضرت عیسیٰ کی سبق آموز حکایت کہ جب انہوں نے ایک مردہ کتے کے گرد لوگوں کو جمع ہو کر اس کی عیب جوئی کرتے دیکھا تو کہا: اس کے خوبصورت دانتوں کو دیکھو اور عیب جوئی سے اجتناب کرو، مصیبت نامہ میں بیان کی گئی ہے اور بعینہ نظامی کی مخزن‌الاسرار میں بھی موجود ہے(۳۵)

البتہ حضرت‌عیسیٰ کی یہ سنہری نصیحت جوہمارے سخت گیرناقدوں کےلئے درس عبرت ہے، انجیل متی میں صرف موعظت کی صورت میں بیان ہوئی ہے(۳۶) ایک قدیم شاعر نے اس سے ایک نہایت پر لطف قصہ تخلیق کیا ہے جسے نظامی اور عطار نے بھی اپنایا ہے۔ نظامی کی اس داستان کامنظوم جرمن ترجمہ جرمنی کے معروف شاعر گوئٹے کے شاہکار "دیوان شرقی غرب" کے ضمائم میں بھی درج ہے(۳۷) اس سے اس داستان کی اہمیت اور تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے۔

عطار کے عرفان میں اعتدال و توازن ہے۔ زاہدانہ مزاج اور علم کلام کی چاشنی کے باوجود اس کے یہاں نہ تو ملال انگیزی ہے اور نہ بد مزگی جو الٰہی نامہ اور مصیبت نامہ کی طویل بحث و تمحیص سے پیدا ہو سکتی تھی اس کی تخلیقات میں دل و دماغ دونوں نے یکساں کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ عرفان کا یہ راستہ سالک کو سب سے جدا کر دیتا ہے اور وہ بالآخر عین حق ہو جاتا ہے لیکن سوز و درد سے بھرپور اس راستے میں عطار کا ایک خاص مقام اور

Marfat.com

حیثیت ہے اور اس کے یہاں دنیا کو مکمل طور پر اپنے وجود سے نکال پھینکنے اور صرف ذات حق کو اپنے دل میں بسا لینے کی کوشش نہیں ملتی۔ اس کے خیال میں انسان کا وجود حق کا آئینہ اور مظہر ہے اور بجائے اس کے کہ وہ راستے ہی میں فنا ہو کر مٹ جائے اسے اپنے روحانی سفر کے اختتام پر واصل حق ہونا چاہیے۔ اسی لئے عطار کا تصوف اس سے قطع نظر کہ اس کا اصل سر چشمہ کیا ہے ایسا تصوف ہے جس کا دوسرے صوفیاء کے عرفان کی نسبت قلب و نظر سے زیادہ تعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ عطار کی شاعری بھی اس کے عرفان کی طرح بے نظیر لطافت اور سادگی کی حامل ہے ۔ اس کی شاعری سنائی اور مولوی کی شاعری کے مقابلے میں قلب و روح کو زیادہ متاثر کرتی اور طراوت بخشتی ہے ۔

شیخ عطار کے عقیدے کے مطابق اس دنیا کی تمام موجودات حق کی طالب اور اس کے وصال کی آرزو مند ہیں۔ انسان کا وجود جو کہ عالم کبری کا مظہر اور اس کی محبت کا خواہاں ہے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن انسان کامل کو جو اس کا خلیفہ اور کمالات حقانیہ کا مظہر ہے آسے اپنے حقیقی مقام پر فائز ہونے کے لئے مختلف مراحل سے گذرنا ہوتا ہے۔ اسے دنیائے محسوس اور موہوم سے جو شہوت اور حرص و ہوا کی دنیا ہے کنارہ کش ہونا پڑتا ہے۔ معقول اور معلوم سے جو جاہ و غرور کا باعث ہے منہ موڑنا پڑتا ہے معدوم اور فانی سے جو فریب اور گمراہی کا سبب ہے چشم پوشی اختیار کرنی پڑتی ہے تا کہ حقیقی توحید تک جو کہ مقام فنا ہے پہنچ سکے اور اس طرح مظہریت اور خلافت حق کا سزا وار ٹھہرے۔ لیکن ان تمام مراحل کا طے کرنا آسان نہیں ہے دوران سلوک خطرات اور وسوسے آفات راہ بن جاتے ہیں۔ نہایت دبیز پردوں کو چاک کر کے دشوار گذار راہوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ سیر و سلوک الی اللہ جو فنا فی الحق کی آخری منزل ہے طے کرنے کے لئے توفیق ایزدی اور ہدایت

Marfat.com

الٰہی کی ضرورت ہے ۔ یہ دشوار گذار اور پرخطر راستہ طلب ، عشق ، معرفت استغناء ، توحید ، حیرت اور فقر کی سات وادیوں میں سے گذرتا ہے اور آخری مرحلے پر جب مقام فنا آجاتا ہے تو طالب کا اپنا وجود معدوم ہو جاتا ہے اور ہر چیز حق بن جاتی ہے ۔ وہ خود کو مٹا کر بقائے حق میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں ذات حق کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا ۔ البتہ مرشد کی ہدایت اور راہنمائی کے بغیر سلوک کے ان مراحل کو طے کرنا ممکن نہیں ۔ وہ مرشد کی ہدایت اور راہنمائی ہی میں وجود کے تمام مراحل یعنی عرش ، فرش ، عناصر موالید ، ملائکہ اور انبیاء کو طے کرتا ہے اور اگر کہیں بھی اس کی مشکلوں کا مداوا نہیں ہوتا تو شیخ اسے آستانۂ محمد (صلعم) پر لے جاتا ہے جہاں وہ فقر کے اسرار و رموز سیکھتا ہے اور اس طرح اس کے طویل آفاقی اور انفسی سفر کی مشکلات ختم ہو جاتی ہیں ۔

عطار کا تصوف وہ تصوف ہے جو شریعت کے مطابق ہے اور باوجود اس کے کہ وہ سراپا درد و سوز ہے اس کا سوز و گداز اس حد تک نہیں ہے کہ عقل و دین کو بھی یکسر جلا کر نیست و نابود کر دے اور بعض اہل سکر کی طرح خدا سے بلا واسطہ اور براہ راست رابطے کا دعوی کرے اور ان صوفیاء کی طرح ہو جائے جو اپنے آپ کو معرفت انبیاء کے چشمے سے سیراب کرنے کے گمان میں مبتلا ہیں اور " حدثنی قلبی عن ربی " کا دعوی کرتے ہیں ۔ اس طرح عطار کا تصوف اگرچہ صوفیانہ سوز و گداز اور عشق و جذبہ سے سر شار ہے لیکن راہ اعتدال پر گامزن ہے اور طریقت کو شریعت کے حدود میں رکھتا ہے اور اناالحق کے دعوے سے اجتناب کرتا ہے کیونکہ انہی باتوں سے صوفیاء کے اندر دعووں اور خود نمائی کا رنگ آگیا ہے ۔ اعتدال اور توازن ہی کی وجہ سے عطار کے کلام میں درد و اثر ہے اور یہی وہ خوبی ہے جس نے اس کی تعلیمات کو طبع لطیف کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو

Marfat.com

گستاخ انتہا پسندوں کے بلند بانگ دعووں اور جسارت کو نا پسند کرتے ہیں نہایت دلپذیر اور مرغوب بنا دیا ہے -

Marfat.com

تصریحات

(۱) دولتشاہ، اشاعت لیدن صفحہ ۱۹۱ کا جستجو در احوال و آثار فریدالدین عطار نیشاپوری، مطبوعہ سعید نفیسی، صفحہ مز - مط سے تقابل کریں -

(۲) تذکرۃالاولیاء، اشاعت لیدن جلد ۲ صفحہ ۱۰۷

(۳) ایضاً ۲، صفحہ ۱۴۴ -

(۴) مجلہ راہنمای کتاب، شمارہ ۶ و ۷ سال ششم، صفحہ ۴۰۹-۴۰۸ پر مؤلف کا مقالہ ملاحظہ ہو اور اس کا راہنمای کتاب، سال پنجم میں مقالہ سیاحت بید پای کے ساتھ تقابل کیجئے -

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) سند باد نامہ، صفحہ ۱۳۱ - ۴۹ -

(۹) مرزبان نامہ، اشاعت تہران، صفحہ ۶۶ - ۴۴ -

(۱۰) Ritter, Das Meer der seele, Page 18

(۱۱) Nicholson, An early Arabic Version of Abu Yezid Islamica, Page 2

(۱۲) Corbin, H. Aviecnne et le recit Visinonnaire 229 -

(۱۳) تحقیق در احوال و اشعار عطار، راہنمای کتاب، سال ششم، شمارہ۸ صفحہ ۵۲۳ -

(۱۴) کلمات مکنونۂ فیض صفحہ ۱۲ - ۱۱ کا آتشکدہ آذر، صفحہ ۴۴۹ کے

Marfat.com

ساتھ تقابل کریں -

(۱۵) تحقیق در احوال و اشعار عطار، راہنمای کتاب، سال ششم، صفحہ ۵۲

(۱۶) فرانسیسی حکیم آبلارد Abelard اور اس کے اپنے شاگرد ہلوئیز پر عاشق ہو جانے کی داستان یورپی ادب میں مشہور ہے -

(۱۷) کہتا ہے :

بدل سازم بزنار و بہ برنس   ردا و طیلسان چون پور سقا

ترجمہ :- ابن سقا کی مانند ردا اور جبہ کو زنار اور درویشی ٹوپی سے بدل لوں -

خاقانی اور آندرو نیکوس کومننوس کے ساتھ تقابل کیجئے - فرہنگ ایران زمین جلد ۱، صفحہ ۱۶۲ -

(۱۸) طرائق الحقائق جلد ۲، صفحہ ۲۰۶ -

(۱۹) فروزانفر، شرح حال عطار، صفحہ ۳۳۶ - ۳۲۹ -

(۲۰) کشف المحجوب، صفحہ ۱۲۲ -

(۲۱) تحقیق در احوال و اشعار عطار، راہنمائے کتاب، سال ششم، صفحہ ۵۲۶

(۲۲) تذکرۃ الاولیاء جلد ۱، صفحہ ۳۲

(۲۳) مقامات شیخ احمد جام، صفحہ ۱۳۲

(۲۴) دیوان الصبابہ، صفحہ ۲۱۷

(۲۵) - تاریخ ایران در عہد اسلامی، تالیف مؤلف جلد ۱، صفحہ ۲۰ - ۱۹

(۲۶) تذکرۃ الاولیاء جلد ۱، صفحہ ۱۹۰

(۲۷) - مخزن الاسرار، مطبوعہ وحید، صفحہ ۱۲۰

(۲۸) رسالۂ قشیریہ، صفحہ ۱۶۰

(۲۹) ڈاکٹر مشکور، منطق الطیر، صفحہ ۱۸

(۳۰) Lermontov, A hero of our time, page 9-10

Marfat.com

(۳۱) لوقا صفحہ ۱۵ -

(۳۲) Hppold, Mysticism, Page 176-181

(۳۳) شیخ کا قصیدہ عینیہ مشہور ہے اور اس کا مطلع یہ ہے :

هبطت الیک من‌المحل الارفع ورقاء ذات تعزز و تمنع

ترجمہ :- تیری طرف ایک بلند مقام سے ہبوط کر گئی وہ قمری جو عزت و غرور کی مالک ہے -

(۳۴) اسکندر نامہ، مطبوعہ وحید ، صفحہ ۲۷۸ کا تقابل ہو منطق‌الطیر صفحہ ۱۶۳ -

(۳۵) مخزن الاسرار ، مطبوعہ وحید ، صفحہ ۱۲۶ -

(۳۶) متی ۷ ، صفحہ ۵-۱ -

(۳۷) Goethe, West-oestlischer Diwan , Page 152

Marfat.com

جلال الدین مولوی

مولانائے روم

بانسری جب اپنی حکایت زبان شعر میں بیان کرتی ہے تو ہر کوئی اس سے ایک نئی داستان ہی سنتا ہے۔ اگر روسی شاعر لرمونتوف(ا) کو اس کی حزن آگین آواز میں ایک غمزدہ لڑکی کی داستان سنائی دیتی ہے تو عظیم عارف مولوی اس میں ایک دردمند روح کی سرگذشت سنتا ہے جو اپنے نیستان سے بچھڑ چکی ہے۔ لرمونتوف کی داستان جیسا کہ اس کے مرکزی کردار پچورین (ب) کے عمل سے ظاہر ہے (۱) جسمانی ہوا و ہوس کی داستان ہے۔ لیکن مولوی کی سرگذشت جیسا کہ ایک باخبر اور حق شناس عارف کے افکار کا تقاضا ہے ایک فلسفی کے درد و اندوہ کی حکایت ہے۔ البتہ بانسری کی حکایت جس کے وجود میں انسانی زندگی کی سرگذشت اور اس کے انجام کی داستان پنہاں ہے کوئی نئی حکایت نہیں۔ خود اسکندر کی داستان اور اس سے متعلق دوسرے افسانے اور پھر میداس(ج) کی داستان جو شاید اسکندر سے منسوب داستان کا مأخذ ہے (۲) اس کا نمونہ ہیں۔ اس سے قطع نظر یونان کی قدیم داستانوں میں پان(د) کی داستان بھی اسی حکایت کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسی طرح لرمونتوف کی داستان یوگوسلاوی عوام میں مقبول ایک عامیانہ داستان ہی کی دوسری صورت معلوم ہوتی ہے۔ اس داستان میں بانسری ایک حسین لڑکی پر ہونے والے ظلم و ستم کو بیان کرتی ہےجو اس نے اپنی سوتیلی ماں کے ہاتھوں اٹھائے ہیں۔ آخر کار اس کی سوتیلی ماں کا بد کردار بیٹا اس کو تنہا جنگل کی طرف لے جاتا ہے اور جب وہ اس

ا۔ Lermontov ب۔ Pechorin ج۔ Midas د۔ Pan

Marfat.com

کی ہوا و ہوس کا نشانہ بننے پر آمادہ نہیں ہوتی تو اس کو قتل کر کے ایک کنوئیں میں پھینک دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کے خون سے ایک نے اگتی ہے۔ بانسری کی پر سوز لے ظلم و فریب کی یہ داستان ایک ماہی گیر کو سناتی ہے جو اس واقعہ سے بے خبر تھا۔ (۳)

اس طرح بانسری انسانی دکھوں اور لغزشوں کی داستان اپنے سروں کے ذریعہ شاعروں اور داستان نگاروں کو سناتی رہی ہے اور ان کے فکر و خیال کو متاثر کرتی رہی ہے ۔ لیکن مولوی نے اس سے جو تأثر لیا ہے وہ بالکل مختلف ہے۔ وہ جسمانی عشق و ہوس کی کہانی نہیں ۔ اس کے ہاں ایک فراق زدہ روح کی سرگذشت ہے جو اپنے اصل سے جدا ہو گئی ہے۔ مولوی یہ داستان ہر اس چیز سے جو روح کی ترجمان ہو سنتا ہے ۔ حتیٰ کہ رباب بھی " با دل تنگ و جگر های کباب " (۴) یہی قصہ سناتی ہے۔ مولانا کی بانسری کی داستان فرقت زدہ روح کی داستان ہے جو اپنی اصل سے بچھڑ چکی ہے اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جانے کی آرزو مند ہے۔ یہ اس بلند پرواز پرندے کی داستان ہے جس کا ذکر ابن سینا نے اپنے قصیدہ "عینیہ" میں بیان کیا ہے یہ اس مسافر کی داستان ہے جو "جامہ فخر" کی تلاش میں اپنے باپ کی سرزمین سے دور " شہر جسم " میں مقید ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ افلاطون کی اس"روح" کی داستان ہے جو پہلے ہی جنم میں معرفت کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو چکی تھی اور جب بھی اسے موقع ملتا ہے اس مادی قیدخانہ سے نکل کر اس طرف کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ (۵) یہ حیات و زندگی کے مصائب و پریشانیوں کی داستان ہے جو مسلسل مختلف دنیاؤں میں محو سفر ہے۔ وہ کبھی جمادی سے نباتی کبھی نباتی سے حیوانی اور کبھی حیوانی سے انسانی روپ میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے ۔ ان تمام منازل میں ہمیشہ ہر قدم پر اپنے آپ کو اپنی اصل سے دور ہوتے دیکھتی ہے اور اس بات کا ادراک کرتی ہے کہ جب تک اپنے وجود

Marfat.com

کی نفی نہیں کرتی اس کے وجود سے اتصال ممکن نہیں - یہی وجہ ہے کہ اس کی سرگذشت بانسری کی سرگذشت اور اس کی تقدیر بانسری کی تقدیر ہے - اسے چاہیے کہ اپنے وجود کو ختم کردے تا کہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے - اور اس کے لبوں سے نفس اور اس اصل کی نواؤں کے سوا جو ایک لامحدود اور بے پایاں وجود ہے، کچھ نہ نکلے -

مثنوی کی متذکرہ بانسری سے ہم جو کچھ بھی سنتے ہیں وہ ایک افسردہ، متحرک اور ہنگامہ خیز روح کی داستان ہے - اس روح کی داستان جو قیل و قال کی دنیا سے نجات حاصل کر چکی ہے - درس و تدریس اور فتوی کی مسند کو خیر باد کہہ چکی ہے - وہ ایک بے مثال اور بے پناہ عشق یعنی شمس تبریزی کے عشق سے گذر کر آئی ہے اور انجام کار وہ اپنی ہستی کو مٹا کر اپنی اصل کی طرف لوٹ جانے کی مشتاق ہے - بانسری کی یہ حکایت روح کی ان کیفیات کی حامل ہے جو درد و سوز اور ذکر و فکر سے پیدا ہوتی ہیں - یہ ایک ایسے عاشق کی پر سوز داستان ہے جسے ہوا و ہوس اور جسمانی عشق سیراب و مطمئن نہیں کر سکتا - وہ کسی ایسے عشق کی جستجو میں ہے جو اسے اس دنیائے رنگ و بو اور زمان و مکان کی تنگ و محدود دنیا سے باہر نکال کر لا محدود اصل و مبداء اور بیکراں وسعت کی طرف لے جائے - یہی وہ درد و سوز ہے جو مولوی بانسری کے پر سوز لحن میں محسوس کرتا ہے - بانسری کے علاوہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی درد و سوز کا حامل ہے اور ان کے لب پر بھی فرقت کی یہی داستان ہے -

یہ بانسری نامہ جو مثنوی کے ابتدائی ابیات پر مشتمل ہے نہ صرف اس عظیم کتاب کی کلید ہے بلکہ اس کی روح کا خلاصہ بھی - کہا جاتا ہے کہ جب حسام‌الدین چلپی نے مولانا روم سے درخواست کی کہ سنائی یا عطار کے انداز میں ایک مثنوی لکھیں تو مولانا نے اپنی دستار سے ایک کاغذ نکال کر انہیں پیش کیا جس پر چند اشعار لکھے ہوئے تھے - یہ بانسری نامہ کے وہی

Marfat.com

اشعار تھے جن میں بانسری کی داستان رقم تھی اور جو نے نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہی اشعار مثنوی کا سر آغاز بنے۔ ان اشعار میں در اصل شاعر نے اپنے سارے افکار کو سمو دیا ہے۔ مثنوی کا باقی حصہ بے شک انہیں اشعار کی تشریح و تفصیل ہے اور اس کے باوجود کہ شاعر نے نے نامہ کی شرح و بیان کے دوران ہر مرحلے پر کوئی نیا نکتہ اور کوئی نئی بات بیان کی ہے لیکن اس کے افکار کی روح میں "از مقامات تبتل تا فنا" یہی رمز و کنایہ جلوہ گر ہے۔ مثلاً بادشاہ اور کنیز کی داستان جو خود مولانا کے اپنے قول کے مطابق ہمارے ہی حال کی ترجمان ہے در اصل رمز و اشارہ کی زبان میں بانسری کی وہی داستان ہے جس میں اجنبیت اور نفس و عقل کی کشاکش کو کنیز اور بادشاہ کے کردار کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے اور اس طرح شاعر بانسری کی سرگذشت کو ان کرداروں کے ذریعہ جن کی رہائی فطرت کی رنگینیوں سے لاتعلقی اور ارشاد غیبی کے بغیر ممکن نہیں بیان کرتا ہے۔ بعد ازاں غیر محسوس انداز میں بات سے بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جو مولانا کا مخصوص انداز ہے۔ اس طرح وہ حسام‌الدین کے شوق و جذبہ کے مطابق مثنوی کے مضامین کو جس طرف چاہتے ہیں موڑ لیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں چند ابیات کی شرح وبسط میں مثنوی کے چھ دفتر مکمل ہو گئے۔ اور مولانا کی عمر کے آخری پندرہ سال اسی کام میں صرف ہوئے۔

مثنوی کے مؤلف کی خود اپنی زندگی بھی بڑی پر معنی ہے۔ لیکن ان کے ظاہری حالات بھی قابل توجہ ہیں ۔ ان کا نام جلال‌الدین محمد تھا اور تقریباً ۶۰۴ ہجری میں بلخ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد محترم بہاؤالدین ولد ایک خوش گفتار اور فصیح‌البیان خطیب تھے۔ تصوف کی طرف مائل تھے ۔ ان کے مواعظ کا مجموعہ معارف بہاء ولد کے نام سے اب بھی دستیاب ہے ۔ بہاء ولد اپنے وسیع حلقۂ احباب و معتقدین کے ساتھ تدریس و فتویٰ کی مسند پر فائز تھے

Marfat.com

... مولانا کی رحلت کے بعد آن کے مرشد کے جسد کو کنوئیں سے نکال کر دفن کیا گیا ۔ ممکن ہے حقیقت یہی ہو لیکن مولانا کو ہرگز اس واقعہ کا علم نہیں تھا چنانچہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ان کا ذوق و شوق اپنے مرشد کے بارے میں آخر عمر تک قائم رہا ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان ولد نے اپنی تصنیف میں اس واقعہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یقیناً اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے بھائی اور اپنے باپ کے مریدوں کو رسوا کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ بہر حال شمس کے اچانک غائب ہو جانے سے مولانا پہلے سے کہیں زیادہ عشق و مستی میں غرق ہو گئے ۔ یہاں تک کہ وعظ و تدریس کی مسند کو بالکل خیرباد کہہ دیا اور اپنے مریدوں کی توقع کے خلاف خود کو پوری طرح وجد و سماع میں گم کر دیا ۔ دیوان شمس کی غزلیات اسی روحانی جذبہ و شوق کی یادگار ہیں ۔

شمس کے غائب ہونے کے کچھ عرصہ بعد مولانا کو صلاح‌الدین زرکوب سے دلی لگاؤ پیدا ہو گیا ۔ مولانا کی اس سلیم‌الطبع ایک عام مرید سے وابستگی میں بھی ذوق کی وہی کیفیت تھی جو انہیں اپنے مرشد سے تھی ۔ اپنے مریدوں کی مخالفت کے باوجود انہوں نے اس کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا ۔ ان کے مرید اگرچہ اس بار بھی ناراض ہوئے اور صلاح‌الدین کو بھی قتل کرنا چاہتے تھے لیکن قونیہ کے اس زرگر کی نسبت مولانا کے شوق و محبت میں فرق نہ آیا ۔ مولانا نے صلاح‌الدین کی بیٹی فاطمہ خاتون کو اپنے بیٹے سلطان ولد کے لئے مانگ لیا اور خود جب تک زندہ رہے یعنی تقریباً دس سال تک اس کی بیحد تواضع و تکریم کرتے رہے ۔ اس کے بعد حسام‌الدین چلپی اخی‌زادہ (ا) جس کا تعلق ارومیہ کی کرد نسل سے تھا اور جس کے آبا و اجداد کا تعلق جوان مردوں (م) اور اہل فتوت سے تھا (ب) آخری عمر تک مولانا کے

ا ، ب ۔ اہل اخوت، اہل فتوت، جوانمردان یا فتیان کا اطلاق ایران اور بقیہ صفحہ ۲۵۷

Marfat.com

مجذوب کیا کہ یہ دوستی اور رفاقت ایک شدید اور والہانہ عشق میں بدل گئی اس معلم عشق نے مولانا کو جو بحث و تدریس اور وعظ و پند کے ماہر تھے چالیس سال کی عمر میں شاعری سکھا دی لیکن قونیہ کے اس کم آمیز مفتی ومعلم کی قلب ماہیت کی وجہ سے اس کے شاگرد اور مرید شمس کے دشمن بن گئے -

در حقیقت اس آشفتہ سر او بے سر و سامان درویش کی رفاقت سے مولانا کے وجود کے اندر ایک ایسا انقلاب برپا ہوا کہ مولانا نے درس و وعظ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مسند تدریس و فتویٰ سے الگ ہو گئے - وہ کئی کئی دن اور کئی کئی گھنٹے شمس کے ساتھ خلوت میں رہتے اور نماز و روزہ اور وعظ کے بجائے سماع و رقص و وجد میں مشغول رہتے اور اس طرح قونیہ کا یہ مرشد و مرشد زادہ ایک مضطرب و شوریدہ سر درویش بن گیا - چنانچہ یہی امر مولانا کے مریدوں کے غم و غصے کا باعث ہوا - ان لوگوں کے نزدیک مرید و مرشد دونوں قابل ملامت قرار پائے - خصوصاً شمس کو جادو گر کہا گیا اور انہیں دھمکیاں دی گئیں - شمس مجبوراً کچھ عرصہ کے لئے قونیہ سے دمشق چلے گئے - مولانا نے فوراً اپنے بیٹے سلطان ولد کو ان کے پیچھے دمشق روانہ کیا اور وہ ان کو دوبارہ قونیہ لے آیا - لیکن یہ رفاقت بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہی اور شمس دوبارہ پھر اچانک غائب ہو گئے اور بعد میں یہ افواہ پھیل گئی کہ شمس مولانا کے مریدوں کے ہاتھوں قتل کر دئے گئے - کہا جاتا ہے کہ مولانا کے ایک دوسرے بیٹے علاءالدین کا بھی اس سازش میں ہاتھ تھا - لیکن مولانا کے اشعار میں اس افواہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا - شاید اس واقعہ کو مولانا سے مخفی رکھا گیا - یہی وجہ تھی کہ مولانا آخر عمر تک شمس کے دیدار سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ دوبار انہوں نے ان کو تلاش کرنے کے لئے شام کا سفر بھی کیا لیکن اس گم گشتہ مرشد کا کوئی سراغ نہ مل

Marfat.com

Marfat.com

اپنے باپ کے جانشین ہو گئے۔ بہاء ولد کی وفات کو ابھی ایک سال ہی گذرا تھا کہ سید برہان‌الدین محقق ترمذی جو ان کے باپ کے قدیم مریدوں میں تھے اپنے مرشد و استاد کے دیدار شوق میں قونیہ تشریف لائے۔ لیکن استاد اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے اور اب ان کی جگہ جلال‌الدین مسند تدریس و فتوی پرمتمکن تھا چنانچہ جلال‌الدین اپنے باپ کے اس شاگرد و مرید کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ سید محقق نے جوان سال جلال‌الدین کو اپنی تربیت و راہنمائی میں لے لیا۔ کچھ عرصے کے لئے اس کو حلب اور دمشق روانہ کیا اور آہستہ آہستہ اس کو نامور صوفیاء سے روشناس کرایا۔ برہان‌الدین محقق ۶۳۸ھ میں وفات پا گئے۔ ان کے بعد جلال الدین کچھ عرصے تک پیر و مرشد کی صحبت سے محروم رہے۔ اس عرصے میں مریدوں کی اعانت و حمایت سے مرکز درس و تدریس چمک اٹھا۔ انہیں دنوں ۶۴۲ھ میں شمس تبریزی قونیہ آئے اور انہوں نے اس جوان معلم و مفتی کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا جس کے خود بہت سے شاگرد اور مرید تھے۔

شمس تبریزی جو ایک شوریدہ سر اور بے سر و سامان درویش تھے اور مسلسل سفر میں رہنے کی وجہ سے شمس پرندہ کہلاتے تھے اپنی سیاہ ٹوپی اور بوسیدہ قلندرانہ لباس میں قونیہ آئے تھے اور شکر فروشوں کی کاروان سرائے میں اقامت پذیر تھے۔ مختلف کتابوں میں جلال‌الین کے ساتھ ان کی ملاقات کی داستان نا قابل یقین کرامات کے ساتھ بیان کی گئی ہے جبکہ جلال‌الدین نے پہلے بھی ایک دفعہ ان کو دمشق میں دیکھا تھا۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے مولانا کو جو بحث و تدریس میں غرق تھے ذوق و شوق اور مکاشفہ کے رنگ میں رنگ دیا اور اس طرح ان پر قیل و قال مدرسہ کی بےمعنویت واضح ہو گئی۔

شمس کے انداز تکلم، ژرف نگاہی اور نکتہ آفرینی نے مولانا کو ایسا

آن کو سلطان‌العلماء بھی کہا جاتا تھا۔ بلخ اس زمانے میں خوارزم شاہ کے زیر نگین تھا۔ اور بہاء ولد وہاں نہایت عزت و عظمت سے زندگی گذار رہے تھے۔ لیکن کسی وجہ سے خوارزم شاہ سے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ صحیح وجوہ کا علم نہیں۔ شاید اس کی وجہ امام فخر رازی تھے جو خود بھی واعظ تھے اور صوفیاء کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ بادشاہ ان کا ارادت مند تھا اور یہ بات آن کے لئے بار خاطر تھی۔ ممکن ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ سلطان خوارزم شاہ خلیفہ بغداد سے بدگمان تھا۔ اور شاید اکثر مسلمانوں کی طرح بہاء ولد بھی اس کی اس بدگمانی سے آزردہ تھے۔ بہرحال بلخ کے اس واعظ نے جبکہ اس کا بیٹا جلال‌الدین ابھی کم سن ہی تھا بلخ چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ عرصہ وخش اور سمر قند کے علاقے میں رہے۔ اور اس کے بعد عازم حج ہوئے۔ نیشا پور اور بغداد کے راستے حجاز روانہ ہوئے۔ مکہ سے واپسی پر کچھ عرصہ شام میں قیام کیا۔ جن دنوں خوارزم اور ماوراءالنہر پر منگولوں کا قبضہ ہوا اور خوارزم شاہ در بدر اور سرگردان پھر رہا تھا اور دشمن کی فوج اس کا تعاقب کر رہی تھی اس زمانے میں بہاءالدین ولد ایشیائے کوچک میں ارزنجان اور سیواس میں مقیم تھے۔ انہوں نے کچھ سال آق اور لارندہ شہروں میں بھی گذارے۔ اس وقت جلال الدین کی عمر کم و بیش سترہ سال تھی۔ لارندہ میں اقامت کے دوران ہی جلال‌الدین کی والدہ ماجدہ مومنہ خاتون نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جلال‌الدین نے اپنے والد کے ایماء پر گوہر خاتون سے جو شرف‌الدین لالا کی صاحبزادی تھیں نکاح کر لیا۔ اس واقع کے چار سال بعد روم کے سلجوقی سلطان علاءالدین کیقباد کی خواہش پر بہاءالدین ولد قونیہ منتقل ہو گئے اور دو سال بعد قونیہ ہی میں وہ انتقال کر گئے۔ باپ کی رحلت کے وقت جلال‌الدین کی عمر چوبیس سال تھی۔ مریدوں کی استدعا پر انہوں نے بہاء ولد کی مسند تدریس اور منبر وعظ کو سنبھال لیا۔ اور اس طرح وہ

Marfat.com

محبوب و مرید رہے۔ اور یہی دوستی اور لامتناہی عشق تھا جس کے باعث عظیم مثنوی وجود میں آئی۔ اسی طرح صلاح الدین کی محبت بھی شمس کی طرح دیوان کبیر کی غزلیات میں زندہ و تابندہ ہے۔

قونیہ میں مولانا عزت و وقار کے مالک تھے۔ روم کے سلجوقی بادشاہ عزالدین کیکاؤس اور رکن الدین قلج ارسلان ان سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے معین الدین پروانہ بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور ہدیہ و تحفہ نذر کرتا مشہور عارف صدرالدین قونوی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ سراج الدین ارموی اور صفی الدین ہندی جو اس زمانے کے اہل علم تھے آپ کی عظمت کے قائل تھے۔ فخرالدین عراقی اور نجم الدین رازی آپ کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق شیخ سعدی بھی آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے فارس سے روم آئے تھے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ قونیہ میں مولانا بے پناہ شہرت و عزت کے مالک تھے۔ اور ان کی مجالس میں مریدوں اور شاگردوں کے علاوہ دوسرے بہت سے نامور اور صاحب حشمت حضرات شریک ہوتے تھے۔ اس کے باوجود مولانا سادہ طبیعت، درویش منش اور نرم مزاج تھے۔ زیادہ تر اہل حرفہ اور درویش لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے لیکن اہل حشم کے ساتھ معاملات میں نڈر و بیباک تھے۔ کمزور اور زرد رو ہونے کے باوجود رعب و دبدبہ کے مالک تھے۔ اگرچہ وہ سادہ صوفیانہ لباس زیب تن کرتے لیکن لوگ ان کو عزت و حشمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے باوجود آن کی مجلس میں ہر مکتب فکر کے لوگ آتے حتیٰ کہ ایک مست مسیحی بھی ان کی مجلس سماع میں حضور پا کر شور و ہنگامہ برپا کر

گذشتہ سے پیوستہ: اسلامی ممالک میں اس خاص جماعت پر ہوتا تھا جنہوں نے سخاوت و بخشش اور عام لوگوں کی مدد و اعانت کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور فتوت و جوان مردی کے خاص اصولوں پر عمل پیرا تھے۔

Marfat.com

سکتا تھا۔ اگر کوئی ارمنی قصاب بھی ان کے روبرو ہوتا تو عجیب انکساری کا اظہار کرتے (۷) بردباری اور صبر میں بے نظیر ظرف پایا تھا۔ ایک طالب علم نے جو صوفیاء سے خصومت رکھتا تھا ایک دن سر مجلس آپ سے پوچھا کہ مولانا آپ سے منقول ہے کہ آپ تہتر مذاہب سے بھی متفق ہیں۔ کیا واقعی آپ نے یہ بات کہی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے یہ بات کہی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص لعنت و ملامت بلکہ دشنام طرازی پر اتر آیا۔ مولانا مسکرائے اور کہا کہ یہ سب کچھ جو تو کہہ رہا ہے میں اس سے بھی متفق ہوں (۸) ان کی یک رنگی اور صلح پسندی کا یہ عالم تھا کہ وہ رند و زاہد اور مسیحی و نصرانی کے ساتھ یکساں زندگی بسر کرتے تھے۔

مولانا جمادی‌الآخر ۶۷۲ھ میں تپ محرقہ کے باعث اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ صدرالدین قونوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے جسد خاکی کو باغ سلطان یا باغ ارم میں ان کے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ بزرگان عصر اور مریدوں کے خرچ سے ان کی قبر پر قبۂ خضرا کے نام سے عمارت تعمیر کی گئی جو ان کے خاندان کی آخری آرامگاہ بنی۔ اب تک آپ کی اولاد میں سے تقریباً پچاس افراد وہاں دفن ہو چکے ہیں۔

یہ سب کچھ اسی جنون کا کرشمہ تھا جس نے مولوی کی روح کو ایک روحانی انقلاب کی آماجگاہ بنایا اور ان کا وجود ابنائے عصر کی نظر میں ایک عجیب و غریب وجود بن کر رہ گیا یہاں تک کہ ان کی شخصیت بھی افسانہ وافسوں کی زد میں آگئی اور ان کے بارے میں، ان کی زندگی کے بارے اور ان کے عشق و شیفتگی کے بارے میں طرح طرح کی داستانیں تخلیق کی گئیں۔ اور یہ داستانیں مناقب‌العارفین اور رسالہ فریدون سپہ سالار میں خوش عقیدہ مریدوں کی زبانی بیان کی گئی ہیں دولت شاہ اور ابن بطوطہ نے بھی ان داستانوں کو ایسی ہی سادگی سے نقل کیا ہے۔ یہ داستانیں دلپذیر و دلچسپ ہیں لیکن ہر دلچسپ داستان کی طرح حقیقت

Marfat.com

سے جو ہمیشہ تلخ ہوتی ہے بہت‌دور ہیں ۔ دوسرے مشائخ کی مانند مولانا سے بھی بہت سی کرامات منسوب کی‌گئی ہیں ۔ ان داستانوں میں شمس تبریزی کا ذکر خاص انداز میں کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شمس کی زندگی حتیٰ کہ اس کا وجود بھی اسرار و عجائب سے لبریز نظر آتا ہے ۔ حضرت عیسیٰ اور مہاتما بدھ کی طرح شمس کے بارے میں بھی افسانہ طرازی کی گئی ہے ۔ بعض لوگوں نے اس کے وجود کو موہوم اور اسے صرف مولانا کے شاعرانہ تخیل کی تخلیق سمجھا ہے لیکن یہ خیال درست نہیں ۔ مقالات شمس کا وجود اور دوسرے گونا گون ماخذ میں ان کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ شمس کی شخصیت خیالی یا فرضی شخصیت نہ تھی بلکہ حقیقت میں ان کا وجود تھا اور انہوں نے مولانا کی زندگی کو روشن و منورکیا ۔ کچھ عرصہ غائب رہے اور پھر صلاح الدین زرکوب اور حسام‌الدین چلپی کے وجود میں ان کا ظہور ہوا ۔ ان کے اثرات جلال الدین کی تمام تصنیفات میں نمایاں ہیں ۔

جلال الدین کی تالیفات نظم و نثر پر مشتمل ہیں ۔ ان کے مجموعہ میں چند شعر عربی ، ترکی بلکہ یونانی زبان میں بھی ملتے ہیں اور باقی تمام کتابیں فارسی زبان میں ہیں اور منظوم ہیں ماسوائے اُن مکاتیب کے جو بیشتر آن کے اپنے ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں ۔ ان کے علاوہ ان کی نثری تالیفات ان کی تقاریر و املا پر مشتمل ہیں ۔ البتہ یہ خطوط عرفانی نکات پر حاوی ہیں ۔ ان میں اکثر خصوصی مضامین کے حامل ہیں جو مریدوں کی درخواست پر اکابرین عہد کو لکھے گئے فیہ ما فیہ اور مجالس سبعہ تقریر و املا کی صورت میں مدون ہوئیں ۔ فیہ ما فیہ ان کے فرمودات کا مجموعہ ہے ۔ یہ دراصل بعض سوالات کے جوابات ہیں جو مختلف مجالس کے دوران آپ سے کئے گئے اور اس کا کچھ حصہ معین‌الدین پروانہ سے خطاب پر مشتمل ہے ۔ یہ بیانات اخلاقی و عرفانی نکات اور لطیف حکایات سے لبریز ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں اس کا نام مقالات تھا ۔

Marfat.com

مجالس سبعہ جو سات مجالس کا مجموعہ ہے اُن ایام کی یادگار ہے جب آپ منبر پر رونق افروز ہوتے تھے۔ روحانی انقلاب کے بعد آپ صرف ایک بار منبر پر تشریف لے گئے۔ مولانا کی مجالس سبعہ کو ظہور شمس سے قبل کے افکار کا نمونہ سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا کی روحانی سرگذشت کی تحقیق و تدقیق کے نقطہ نظر سے یہ مجالس بہت اہم ہیں۔ شعری سرمایہ میں مثنوی اور غزلیات دستیاب ہیں۔ اسی طرح کچھ رباعیات بھی ہیں۔ ان رباعیات میں سے کچھ بلاشبہ اُن کی اپنی لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ بہر حال یہ رباعیات جن میں کچھ لطیف و دقیق نکات کی بھی حامل ہیں مولانا کے باقی اشعار کی نسبت زیادہ اہم نہیں لیکن مثنوی اور غزلیات کی اہمیت اور حیثیت کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

مثنوی کتاب تعلیم ہے یعنی حقیقت تک رسائی کے لئے طریقت کی تعلیم لیکن مولانا کی نظر میں شریعت بھی طریقت کی گذرگاہ سے دور نہیں۔ اس طرح یہ امر باعث تعجب نہیں کہ شاعر حقیقت کی تلاش کے دوران اہل شریعت کے انداز کو بھی اختیار کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مثنوی اہل جدال یا اہل کلام کی شاعری نہیں (۹) لیکن شاعر اس میں اہل کلام کی طرح اہل شریعت کے عقاید کے اثبات میں بھی کوشاں نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اہل کلام کی مانند نہیں کہ فقط ایک فکر اور ایک ہی عقیدہ کو برحق اور درست تسلیم کرے۔ وہ متکلمین کی بحث و تمحیص کو اُن چار اشخاص کی طرح ایک طفلانہ نزاع سمجھتا ہے جو انگور کے لئے ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے لیکن ان کے حصول مقصد میں زبان و الفاظ کا اختلاف حائل تھا۔ یا مثلاً وہ نظری اختلاف جو چند لوگوں نے ایک اندھیرے کمرے میں ایک ہاتھی کو چھو کر محسوس کیا (۱۰) یہی وجہ ہے کہ وہ ان لفظی اختلافات سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جرأت اظہار کا یہ عالم ہے کہ بےخوف

Marfat.com

یہ اعلان کرتا ہے کہ " میں تہتر مکاتب فکر سے متفق ہوں " اس کے باوجود وہ روح و معاد، جبر و قدر اور وحی و نبوت جیسے مسائل پر غور و خوض کرتا ہے لیکن یہاں بھی اس کے فکر و تامل کا انداز اہل کلام کے مروجہ انداز سے بالکل مختلف ہے۔ اگر وہ معاد و محشر کو ثابت کرنا چاہتا ہے تو اشاعرہ کی طرح یہ کوشش نہیں کرتا کہ روح کی مراجعت کے لئے جو اُن کے عقیدہ کے مطابق روز قیامت لا محالہ وقوع پذیر ہو گی جسمانی معاد کو ضروری سمجھے بلکہ وہ حکایات اور تشبیہات کی مدد سے باور کراتا ہے کہ انسان اپنی سابقہ سرگذشت کے دوران ان دور دراز مراحل کی مساحت میں بہت سے حشر و معاد کو اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہے جس نے اس کو جمادی سے نباتی اور نباتی سے آخر کار انسانی روپ میں بدل دیا۔ پھر وہ معاد کو قبول کرنے میں متذبذب کیوں ہے؟۔ جب انسان جمادی سے مر کر نباتی اور نباتی سے فنا ہو کر حیوانی مرحلہ میں داخل ہو سکتا ہے تو کیوں یہ ممکن نہیں کہ وہ موجودہ حال سے فنا ہو کر کسی دوسری حالت میں جنم لے؟ استدلال کی نوعیت قابل توجہ بھی ہے اور قوی بھی۔ یہ کوئی ریاضی کا مسئلہ نہیں کہ انسان کو قانع تو کرے لیکن کوئی جوش و ہیجان اس کے اندر پیدا نہ ہو۔ یہ سقراط اور افلاطون کی گفت و شنید کی طرح عقل کو بھی تسلیم و تصدیق کی مسدود راہوں میں مقید کرتا ہے اور روح کو بھی شوق و ذوق سے سرشار کرتا ہے۔ مثنوی میں مولانا نے زیادہ تر اخلاق و تربیت پر توجہ دی ہے۔ وہ ایک " شیخ تربیت " (۱۱) کی طرح چاہتے ہیں کہ قاری کے اپنے وجود کو ختم کر کے اسے ایک نئی شخصیت میں ڈھال دیں۔ وہ اس مقصد کے لئے رموز اخلاق خصوصاً دینی اخلاق کے نکات کو اس لطافت اور ذوق و شوق کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ امام غزالی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ وہ دلچسپ حکایات و امثال سے قاری کو مسحور بھی کرتے ہیں اور مسرور بھی۔ ان حکایات و امثال میں ہمیشہ

Marfat.com

درس و نصیحت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے - حتیٰ کہ چند نا روا اور قبیح حکایات بھی جو مثنوی میں ہیں وہ بھی اس مقصد سے خالی نہیں - اس کے علاوہ ان کا وقیع انداز بیان بھی اس زمانے کے احوال و اخلاق کا غماز ہے - بہر حال مولانا نے اس کتاب میں زیادہ تر اصلاح و تربیت کو پیش نظر رکھا ہے اور داستان سرائی کا یہ راستہ بھی انہوں نے اسی لئے اختیار کیا - شاید یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو صرف معرفت و تصوف سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کی عظمت کے زیادہ قائل نہیں - ان لوگوں نے مولانا پر نکتہ چینی کی ہے کہ آن کا کلام آن اسرار و انکشافات اور رفعت و بلندی سے مطلقاً خالی ہے جو اولیاء کو توجہ و عزلت کے مقام سے فنا و وحدت کی منزل تک لے جاتی ہے اور ان کی حکایتیں صرف طفلانہ فہم و ادراک رکھنے والوں کو مطمئن کر سکتی ہیں - (۱۲) لیکن ان معترضین کی رائے کے برعکس جن کو مولانا نے خود دندان شکن جواب دیا ہے مثنوی میں فکر کی پرواز عروج پر ہے - جو کوئی بھی ان حکایات کے ظاہری اور سطحی معنی سے گذر کر گہرائی میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے وہ بلندی فکر اور اعلیٰ و لطیف ہیجانات سے ایسی آگہی پاتا ہے جو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں - لیکن اس کے ادراک کے لئے ایک خاص ذہنی آمادگی کی ضرورت ہے جو عام لوگوں میں نہیں ہوتی - بعض لوگ تو اس مثنوی کو قرآن کی عارفانہ اور شاعرانہ تفسیر سمجھتے ہیں جو آیات و احادیث کے رموز سے لبریز ہے - خود شاعر نے شاید اسی وجہ سے اس کتاب کو ' فقہ اللہ اکبر ' کہا ہے - مثنوی کے بہت سے شارحین بھی اس کو اسی نکتہ نظر سے دیکھتے ہیں در حقیقت مولانا نے اس مثنوی میں نہ صرف بہت سی آیات قرآنی اور قصص‌الانبیاء کی اہل تاویل(۱) کی روش پر تفسیر پیش کی ہے(۱۳) بلکہ احادیث نبوی کی بھی تفسیر و تشریح کی ہے - یہ مثنوی قرآن و حدیث کے ٹھنڈے میٹھے پانی کا ایک ایسا

---

۱ جو متن کی تہ تک پہنچتے ہیں اور تمام جزئیات پر نظر رکھتے ہیں -

Marfat.com

مشروب ہے جس نے اس نے نواز ' نے نواز ابدیت کے دل و جان کو سیراب کر رکھا ہے -

وہ دنیا جس کی مثنوی میں تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے روح کی دنیا ہے - ایسی دنیا جس کی ہر شے میں زندگی ہے - ہر شے کو سماعت و بصارت کی قوت حاصل ہے - یہاں ابر و نسیم کی خاموش صدائیں بھی سنی جاسکتی ہیں اور گل و گیاہ کا تنفس بھی - اس دنیا میں کوئی چیز خاموش اور بے زبان نہیں- ہر چیز اپنے آشنائے راز سے محو تکلم ہے - بانسری درد دل کے باعث شکوہ سرا ہوتی ہے - پانی نجس لوگوں سے مصروف گفتگو ہے - آگ ستم کیش یہودی کو ملامت کرتی ہے - کوہ قاف ذوالقرنین سے اسرار عظمت بیان کرتا ہے - مچھر کو ہوا سے شکایت ہے - شکاف خانہ اہل خانہ سے مخاطب ہے - کھجور کا خشک تنا پیغمبر کے فراق میں نالہ کناں ہے - طوطا حق شناس لوگوں کے عمل کو اپنی ذات پر قیاس کرتا ہے اور ہر منطقی کی طرح جو قیاس کے فریفتہ ہوتے ہیں راہ سے بھٹک جاتا ہے - گیدڑ رنگ کے گھڑے میں ڈوب کر طاؤس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن آزمایش کے وقت اپنے غلط دعویٰ کی وجہ سے شرمسار ہوتا ہے اور ذلیل و خوار ہو کر قاری کی نگاہوں سے گریزاں نظر آتا ہے - باز آلوؤں کے درمیان گھر کر شاہ کے بازو پر بیٹھنے کا منظر یاد کرتا ہے تو ہرن گدھوں کے اصطبل میں وسیع وعریض دشت و بیابان میں اپنی دوڑ کے بارے میں سوچتا ہے - ایک اہل دل عارف جو جہلا کے درمیان گھر گیا ہے درد و غم اور ناپسندیدگی کی سراپا تصویر نظر آتا ہے - ایک گدھا جو آخر کار جیسا کہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے لومڑی کے دام فریب میں گرفتار ہو جاتا ہے - اس کے بعد توکل اور رضا کا مفہوم جاننے کے لئے اس طرح تحقیق و جستجو کرتا ہے کہ جرمن فلسفی کانت (۱) کے ساتھ بحث ومناظرہ کے

۱. Kant

Marfat.com

دوران ہوگو (۱) کے چالاک گدھے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے (۴۱) وہ قاری کو اپنی نکتہ آفرینی اور شاعرانہ استعداد سے حیران کردیتا ہے ۔

مثنوی میں ہر قسم کی داستانیں ہیں ۔ بعض محض داستانیں ہیں جنہیں شاعر نے عوام کی زبان سے سنا یا پھر کتابوں سے لیا اور اپنے مقاصد کے مطابق ان کی شرح و تشریح میں تصرف کیا ۔ بعض داستانیں اولیاء اور پیغمبروں سے متعلق ہیں جن میں شاعر نے اپنی تعلیمات کو سمودیا ہے ۔ بعض داستانیں رمزو کنایہ سے لبریز ہیں ۔ مثلاً بادشاہ اور کنیز کی داستان ' قصہ دقوقی اور وہ خواب جو عالم بیداری میں دیکھا گیا ۔ شاعر ان تمام داستانوں میں اپنے فلسفہ اور اپنے نقطہ نظر کو بیان کرتا ہے ۔ بعض داستانوں میں طنز و مزاح کا پہلو نمایاں ہے ۔ جیسا کہ فیہ مافیہ اور مناقب‌العارفین سےمعلوم ہوتا ہے اس قسم کی داستانیں مولانا کی مجالس میں اکثر دہرائی‌جاتی تھیں ۔ مختصر یہ کہ مثنوی میں بے شمار اور متنوع حکایات ہیں لیکن شاعر ہر داستان کو طول نہیں دیتا ۔ بعض موقعہ پر وہ داستان کو جلد ہی مختصر کر دیتا ہے اور درس و نصیحت کی طرف راغب ہوجاتا ہے لیکن کلیلہ اور الف لیلہ کی طرح ایک داستان سے دوسری داستان شروع کر دیتا ہے اور جہاں کہیں فرصت اور موقع ہوتا ہے وہ قصہ پردازی' نکتہ آفرینی اور مہارت کا اظہار کرتا ہے ۔ کہیں کہیں وہ قصہ پردازی کے شوق میں عام اور سادہ طرزنگارش کے بجائے تکلف اور تصنع کا انداز بھی اختیار کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قصہ پردازی میں اس کا انداز بیان کہیں پست ہے تو کہیں بلند ۔ اس کے علاوہ اس کا انداز بیان دوسروں سے بالکل مختلف ہے ۔ اس کے اشعار اگرچہ بلند پایہ ہیں لیکن کہیں کہیں وہ پستی کی سطح کو بھی چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں ۔ اس کے باوجود انہیں معمولی یا پیش پا افتادہ نہیں کہ سکتے کیونکہ لفظ و معنی کے اعتبار سے ان میں کوئی ایسی خوبی

---

۱. Hugo

Marfat.com

ضرور ہوتی ہے جو ان کے شعر کو ابتزال سے دور رکھتی ہے - مثنوی اگرچہ قصوں کی کتاب نہیں ہے لیکن ایسے قصوں پر مشتمل ہے جن کا مقصد و مطمع نظر تعلیم ہے - ان داستانوں کے مختلف ماخذ ہیں - مثلاً قرآن، کلیلہ عطار، سنائی، نظامی، اور جوامع الحکایات وغیرہ - ان داستانوں میں بہت سی داستانیں ایسی ہیں جو شاعر نے عوام میں مشہور لوک روایتوں سے اخذ کی ہیں (۱۵)

یہ مثنوی جس کا محرک حسام الدین چلپی تھا اور جس کی اہلیہ کی وفات کے باعث دفتر دوم کا کام کچھ عرصے تک تعطل کا شکار ہوا بے شک ایک روحانی ذوق و شوق کے تحت وجود میں آئی - کئی سال تک مولانا کا یہ معمول رہا کہ جب کبھی انہیں فرصت ملتی اور جہاں کہیں بھی ان پرذوق و شوق کی کیفیت طاری ہوتی کبھی گھر میں، کبھی مسجد میں، کبھی حمام میں، کبھی راہ چلتے، کبھی رقص کی حالت میں، کبھی مجلس سماع میں غرض کہ دن ہو یا رات وہ شعر کہتے - ایک داستان سے دوسری داستان اور ایک بات سے دوسری بات نکلتی گئی اور اس طرح مثنوی نظم ہوتی رہی - حسام الدین اس کو سپرد قلم کرتے رہتے - مولانا اس کو دوبارہ پڑھتے اور نظر ثانی کے بعد دوبارہ تدوین کرتے - اس طرح یہ کتاب بغیر کسی مقررہ نظم و ترتیب اور خاکے کی مدد سے جو پہلے سے تیار کیا گیا ہو لکھی گئی - مثنوی میں غالباً ایک سوچ دوسری سوچ پر منتہی ہوتی ہے - جس طرح کلیلہ اور الف لیلہ کی داستان میں کہانی سے کہانی پیدا ہوتی ہے اسی طرح یہ داستان بھی بہت سی داستانوں پر مشتمل ہے - اس طرح یہ وسیع النظری جو ہر قسم کی قید و تکلف سے مبرا ہے شاعر کے فکر و خیال کو معانی کی فضاؤں میں پر پرواز عطا کرتی ہے - شاید یہی سبب ہے کہ یہ کتاب ہر قسم کی منطقی نظم و ترتیب سے آزاد ہے شاعر اپنے فکر و خیال کے تسلسل کے علاوہ کسی اور چیز کا پابند نہیں - یہ مثنوی در حقیقت ایک روحانی سرگذشت ہے جس کا آغاز تو بانسری کی داستان

Marfat.com

ہے ہوتا ہے لیکن یہ کہیں بھی اختتام کو نہیں پہنچتی۔ الفاظ کی مناسبت کے پیش نظر مؤلف کی توجہ نئے نئے معانی کی طرف مبذول ہوتی رہتی ہے اور اس طرح زیر نظر داستان کے ساتھ ساتھ ایک نئی داستان شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ شاعر کا سلسلہ کلام کتاب کے چھٹے دفتر کے اختتام پر بھی نا تمام ہی رہتا ہے۔ شاعر کا انداز بیان سیل رواں ہے جو اپنی راہ کے ہر مضمون و خیال کو سمیٹتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ اس روحانی سرگذشت میں اس سادہ طرز نگارش کے علاوہ جسے شاعر داستان پردازی یا بیان حکمت کے لئے استعمال کرتا ہے کہیں کہیں جذب و بیخودی کی ایک عجیب روحانی کیفیت بھی محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے شعر نہایت بلند ' پر تاثیر اور آفاقی ہو جاتا ہے اور اس میں ایک نیا رنگ اور ایک نئی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر مثنوی کی داستانوی اور حکیمانہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ صرف اور صرف ایک مکمل شعر محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کیفیت مثنوی میں زیادہ نہیں پھر بھی جگہ جگہ ایسے مقامات آتے ہیں اور یہی وہ مقامات ہیں جہاں مثنوی شاعری کے اعلیٰ مقام پر فائز نظر آتی ہے۔

مولانا کی غزلیات کا مجموعہ دیوان کبیر اور دیوان شمس کے نام سے مشہور ہے۔ ان غزلیات میں شاعر نے اپنے تخلص کے طور پر لفظ خاموش ' خمش یا اسی مفہوم کے دوسرے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن اکثر غزلیات کے اختتام پر شمس ' شمس تبریز ' شمس الحق تبریزی اور بعض میں صلاح الدین کا نام بھی آیا ہے۔ یہ تمام غزلیات فارسی زبان میں ہیں۔ ان میں عربی اشعار اور ملمعات کچھ زیادہ نہیں البتہ اس دیوان میں چند اشعار ترکی اور یونانی زبان میں بھی ملتے ہیں۔ اس قسم کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عوام کے مختلف طبقات حتیٰ کہ قونیہ کے مسیحوں سے بھی راہ و رسم رکھتے تھے۔

ان کی غزلیات ایک خاص آہنگ و نوا کی حامل ہیں۔ صاف ظاہر ہے

Marfat.com

کہ شاعر کا مقصد شاعری نہیں۔ نہ وہ سعدی ہے کہ اپنے کلام کے افسوں پر نازاں ہو اور نہ ہی وہ حافظ ہے کہ اپنے اشعار کو مسلسل آراستہ و پیراستہ کرتا رہے۔ اس پر ایک ایسی خود فراموشی کی کیفیت طاری ہے کہ وہ شاعری بھی بھول گیا ہے۔ بغیر شعوری کوشش کے اس کا خیال اور تصور خود بخود شعر و غزل میں ڈھلتا رہتا ہے۔ وہ اپنی ذات کی نفی کر چکا ہے اور کسی ادبی روایت کا پابند نہیں۔ افکار کے اس تند و تیز طوفان کے باعث جس نے شاعر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے کبھی کبھی اس کا شعر وزن و قافیہ کی قید سے بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کی غزلیات میں نا مانوس اور خلاف قیاس الفاظ کا وجود بے محل نہیں۔ ناشستہ اور اجنبی تعبیرات بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ کبھی کبھی ایسی باتیں بھی سامنے آتی ہیں جو ایک شیخ کی متانت و وقار اور ایک عارف کے شایان شان نہیں لیکن وہ ان الفاظ کا بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ وہ کسی بھی ادبی روایات کی (۱۴) جن کی سعدی اور حافظ نے بھی پابندی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ کون ہے جو اس مست و جہاں سوز کو ملامت کرے؟ ۔ اس آزادہ روی کی حالت میں انہوں نے جو سوچا بیان کر دیا۔ اور اسی آزادہ روی کے باعث اس کے شعر میں عقل سے زیادہ روح کی تجلی جلوہ‌گر ہے۔ یہاں مثنوی کے وعظ و درس کا انداز وجد و حال میں بدل جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی غزل کی شاعری محض شاعری نہیں۔ یہ ایک ایسی شاعری ہے جسے کسی حدود و قیود میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ وہ درد و آشوب جس نے ایک مفتی، فقیہ اور مدرس کو ایک شوریدہ سر اور بے سر و سامان عاشق میں بدل دیا اس کی روح کی بیخودی سے ابلتا ہے اور باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرتا ہے۔ سیلاب کی طرح ہر چیز کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ نہ روایت و فصاحت کو راستے میں چھوڑتا ہے اور نہ ہی وقار و متانت کو۔ یہی سیلاب آگے بڑھ کر شاعر کے قلب و روح میں جو کچھ ہے، عشق، درد،

Marfat.com

حکمت اور معرفت سب کو شعر و نغمہ کے پیکر میں باہر لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی غزل کیف و اثر، گہرائی و لطافت، گرمی و حرارت اور جوش و جذبہ سے لبریز ہے۔ اس میں فقط جسمانی اور روحانی عشق ہی نہیں ہر چیز ہے۔ اس میں شاعر کے وجود کی گہرائی اور اس کے عرفان و معرفت کی وہ شراب ہے جس میں شعریت بھی ہے اورفکر و دانشوری بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی غزلیات میں شوق و بیخودی کے جذبے کے ساتھ ساتھ حکمت و معرفت کی بے تاب موجیں بھی جلوہ گر ہیں۔ انہیں اوصاف نے اس کی شاعری کو ایک خاص رنگ عطا کیا ہے جو دوسرے غزل گو شعراء کے کلام میں کمیاب ہے۔

مولانا نہ فلسفی ہیں اور نہ شاعر۔ وہ فلسفی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور فلسفہ کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ اسی طرح قافیہ پیمائی کو عبث سمجھتے ہیں اور مفتعلن مفتعلن سے بھی شاکی ہیں۔ اس کے باوجود جنون عشق نے آن کو فلسفی بھی بنایا اور شاعر بھی۔ وہ شعر کہتے ہیں اور ان میں نہ صرف روحانی کشمکش کا اظہار کرتے ہیں بلکہ فلسفیانہ افکار کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اہل استدلال اور ان کے انداز فکر سے اتفاق نہیں کرتے لیکن اپنے افکار و خیال کے بیان میں آن ہی کی طرح استدلال سے کام لیتے ہیں۔ وہ دنیا، خدا، روح اور آخرت بلکہ ہر چیز کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ وہ سیر انسانی کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس طرح وہ جمادی سے نباتی، نباتی سے حیوانی اور انسانی ارتقاء کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا۔ وہ انسان کے جبر و اختیار اور اس کی حدود کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ منزل فنا کی تصویر پیش کرتے ہیں جہاں انسان اپنے وجود کو مٹا کر وجود باری تعالی میں گم ہو جاتا ہے۔ غرض کہ ان تمام حقائق کو وہ کبھی فلسفیانہ اطمینان و یقین اور کبھی شاعرانہ ذوق و شوق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

فطرت سے لگاؤ ان کے شعر سے عیاں ہے۔ وہ اپنی مثنوی میں بہار و

Marfat.com

خزاں، آب و باد، دانہ و خاک اور مرغ و مور کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے رنگ و نیرنگ کو آشکار کرتے ہیں اور گویا کارگاہ عدم میں رنگ آمیزی کرتے ہیں۔ وہ فطرت کو خدا کی جلوہ گاہ سمجھتے ہیں۔ اس پوری کائنات میں خدا کے علاوہ کسی اور کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی یہ سوچ وجود حق میں ان کے استغراق و محویت کی غماز ہے اور یہی استغراق ہے جو اس کے وجود کو عشق انسانی اور عش الٰہی سے لبریز اور فروغ وحدت کی امواج میں غرق کر دیتا ہے۔ یہ فکر وحدت جو اس کے بیان میں ہے فکر ابن عربی کی طرح نظری نہیں یہ ایک ذوقی اور شہودی امر ہے جو اس کی اپنی ذات سے مخصوص ہے۔ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ تمام کائنات سے انسان کے اتحاد و اتصال کا احساس و یقین ہے جس کے دوران عارف وجود حق کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں دیکھتا اور جلوہ حق، خلق کے وجود کی دیواروں کو طور کے پتھروں کی مانند گرا کر نابود کر دیتا ہے۔ فنا کے مقام پر جہاں نے اپنے وجود کو مٹا دیتی ہے اور نے نواز کا روپ دھار لیتی ہے۔ کثرت و وحدت کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور لوہے کے آتشین ٹکڑے کی طرح جس کا آتش کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں وہ عین حق ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ اس طرح مولوی بھی کشف و شہود کی راہ سے فکر وحدت تک پہنچتے ہیں — لیکن ان کی وحدت ایسی نہیں جو انسان و خدا کے ما بین فاصلہ کو پر کر سکے۔ اگرچہ وہ بھی اس راہ میں اس ایک وجود مطلق کے علاوہ کسی دوسرے وجود کو نہیں دیکھتے لیکن وہ نہیں چاہتے کہ ان کی یہ سوچ ان کو جبر مطلق اور فرائض سے سبکدوشی کی بند گلی میں لے جائے (۱۷) یہی وہ مقام ہے جہاں ان کی راہیں سپائی نوزا (ا) اور حتی ابن عربی سے بھی جدا ہو جاتی ہیں(۱۸) اور شریعت طریقت

---

۱. Spinoza

Marfat.com

کے ہمدوش نظر آتی ہے۔

مختصر یہ کہ مولوی کی تعلیم جو مثنوی میں بانسری کی زبان سے بیان کی گئی ہے اور جو فیہ ما فیہ، مجالس اور غزلیات میں بھی جلوہ فرما ہے اس کی تلخیص ممکن نہیں ۔ ان کے عقیدہ کے مطابق انسان کا مبدأ اور اصل وہ ہے جو وحدت و اتحاد کا سرچشمہ ہے۔ اور وہ اس کثرت و تضاد کی دنیا میں اپنی اصل سے جدا ہو کر رہ گیا ہے اور اس گردش مدام اور سیر و حرکت کا منتہا بھی دوبارہ اپنی " اصل " کی طرف لوٹنا ہے ۔ یہ طلب وصل جو در حقیقت طلب اصل ہے عارف کے سیر و سلوک کی غرض و غایت ہے اور اس کے حصول کی راہ تمسک شریعت اور سیر طریقت ہے ۔ تا کہ حقیقت کا وصول جو مقصود وصال ہے حاصل ہو ۔ اس طرح مولوی شریعت کو جو تہذیب و ریاضت نفس کا ذریعہ ہے خاص اہمیت دیتے ہیں۔ نہ وہ ترک شریعت کی نصیحت کرتے ہیں اور نہ ہی صوفیا کی بے اعتدالیوں کو اپنانے کی اور نہ ہی وہ فقر و عزلت اور رہبانیت کے رجحانات کی تبلیغ کرتے ہیں۔ مرد کامل ان کی نظر میں وہ ہے جو صورت و سیرت دونوں لحاظ سے کامل ہو ۔ اور زندگی کے حسن اور رعنائیوں سے خود کو محروم نہ کرے اور اپنے آپ کو ایک ہی دفعہ خشک زہد کے لئے وقف نہ کر دے۔ وہ اہل و عیال کے وجود کو بھی حجاب راہ نہیں سمجھتے اور ایک اہل کلام کی طرح تمثیلی قیاسات اور شاعرانہ تشبیہات کے ذریعہ قرآنی تعلیمات اور اہل شریعت کی تائید و اثبات میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ وہ مختلف مسائل مثلاً توحید کی حقیقت، روح کی واقعیت، حشر و نشر کی کیفیت اور جبرو اختیار کے حدود کی اہل شریعت کے نظریے کے مطابق توجیہہ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود عشق کو طریقت و شریعت کا جوہر سمجھتے ہیں اور تہذیب نفس میں محبت کو جو دل کی تربیت و تزکیہ کا سبب ہے مؤثر ترین عامل خیال کرتے ہیں ۔ وہ عشق کو معراج روح کا

Marfat.com

بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں جو کشف حقیقت تک رسائی کے لئے اہل طریقت کی اصل غرض و غایت ہے۔ مولانا عشق کو جو حقیقت میں ہماری تمام بیماریوں کا مداوا ہے اور اس کے بغیر بشریت کی بیماری کا خاتمہ ممکن نہیں کشش معشوق کی تخلیق سمجھتے ہیں اور اس کے لئے جذبہ حق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ عشق کو خواہ حقیقی ہو خواہ مجازی حقیقت پر منتہی سمجھتے ہیں اور آن کے خیال میں اس میں رنگ، دو رنگی اور جنگ و ستیز کی کوئی گنجائش نہیں۔ انہیں حقائق کو شاعر نے دلکش اور لطیف حکایات و تمثیلات کے روپ میں بیان کیا ہے۔

اخلاق و تربیت کے باب میں مولانا نے نئے نئے نکتے بیان کئے ہیں۔ وہ روح کو تمام مسرتوں کا سر چشمہ سمجھتے ہیں اور روحانی لذتوں کو جو غیر فانی ہیں جسمانی لذتوں پر جن کو دوام و بقا نہیں ترجیح دیتے ہیں۔ وہ راہ طریقت میں ریا اور خود پرستی کو رکاوٹ اور آہنی زنجیر سمجھتے ہیں جو مدارج کمال میں سیر روح کے راستے میں حائل ہے حتی کہ وہ علم و دانش جس سے تکبر اور خود پرستی کا جذبہ پیدا ہو فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ حجاب راہ تصور کرتے ہیں۔ وہ اخلاص اور نیت کی پاکی کو علم و عمل کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ ہدایت کرتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے اعمال کے لئے خدا کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ رکھے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب تک انسان نفسانی ہوا و ہوس سے پاک و منزہ نہیں ہو جاتا وہ حقیقت کو جو روشنی کا سر چشمہ ہے نہیں حاصل کر سکتا۔ ان کی نظر میں اخلاق تہذیب و تربیت کا ذریعہ ہے۔ اس طرح شاعر شریعت و طریقت کو حصول حقیقت کے لئے جو انسانی وجود کا اصل و مبدأ اور منتہائے مقصود ہے ایک وسیلہ خیال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا زندگی کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے افکار میں حکمت و اخلاق دونوں کو مساوی درجہ

Marfat.com

دیتے ہیں۔ وہ ایک عالم کی طرح مشکل اور ناقابل فہم مسائل پر غور و فکر کرتے ہیں اور ایک اہل کلام کی طرح اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بعض موقعہ پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مسائل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان مسائل کو وہ بہت باریک بینی اور دقیق نظری سے پیش کرتے ہیں لیکن ان کا جواب اگرچہ متکلمین سے زیادہ واضح ہے قاری کو مطمئن نہیں کرتا۔ ان کا عرفان بھی نظری نہیں تجربی ہے۔ اس لحاظ سے وہ ابن عربی سے مختلف ہیں۔ مولانا نے اپنے افکار و تعلیمات کو پیش کرنے کے لئے جس ہیئت کا انتخاب کیا وہ وہی ہے جس کو سنائی اور عطار نے بھی اختیار کیا تھا۔ شاعر عارفانہ شاعری کے ان دو متقدمین کا رہین منت ہے۔ وہ اس کا اقرار بھی کرتا ہے اور انہیں احترام و دعائے خیر کے ساتھ یاد بھی کرتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مولانا کی شاعری عطار و سنائی سے برتر ہے۔ اس کے شعری مواد اور مضمون و کلام میں جو کثرت و تنوع ہے، اس کے فکر و خیال میں جو بلند پروازی اور جرأت اظہار ہے اور اس کے فطری اور بے تکلف انداز بیان میں جو سادگی اور ذہنی اپج ہے وہ ایسی ہے کہ قاری کو بےاختیار حیرت و استعجاب میں غرق کر دیتی ہے۔ یہ خصوصیت اس کے کلام کو ایک خاص اسلوب عطا کرتی ہے۔ ایسا اسلوب جو ابہام کے باوجود سادہ اور تاریکی کے باوجود روشن ہے۔ لفظ و بیان میں آزادہ روی، منطقی نظم و ترتیب سے بے اعتنائی، مروجہ قواعد و ضوابط سے بے پروائی اور روز مرہ زندگی سے متعلق تعبیرات کا مسلسل استعمال اس کے اسلوب کو خاص تشخص عطا کرتا ہے۔ مثنوی اور حتی کہ غزلوں میں اس کا خاص اسلوب ہے۔ اس سادہ اور دلنشین اسلوب کو جو اس کی زبان اور زبان نے کا رمز آشنا ہو خوب سمجھتا ہے۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) پچورین لرمانتوف کا مرکزی کردار ہے۔ اور "قہرمان عصر ما" کے مقابل در حقیقت جیسا کہ اس کتاب میں بتایا گیا ہے وہ گناہ اور فساد کا ہیرو ہے۔ بعض نقادوں نے تو اسے شاعر ہی کی ایک تصویر سمجھا ہے۔ بہر حال ہم نے کتاب کے متن میں پچورین کو لرمانتوف کے لئے لقب کے طور پر استعمال کیا ہے۔

(۲) میداس Midas فرائیگیہ Phrygia کا ایک افسانوی بادشاہ ہے جب اس نے پان Pan کی نے نوازی کو آپالو Apollo کی نے نوازی پر ترجیح دی تو آپالو کی طاقت سے اس کے کان گدھے کے کان کی طرح ہو گئے۔ میداس نے ان کانوں کو چھپائے رکھا لیکن جب اس کے حجام نے دیکھا تو اس راز کو فاش کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے اس راز کا انکشاف نیستان میں کیا چنانچہ بانس کے درخت اس راز سے آگاہ ہوئے۔ جب ہوا چلتی تو ان سے آواز آتی کہ میداس کے گدھے کے سے کان ہیں۔ اس قسم کے قصے کو اسکندر سے بھی منسوب کیا گیا ہے اور اس کے ذوالقرنین ہونے کو اس طرح ثابت کیا کہ اس کے سر پر دو سینگ تھے۔ لیکن کوئی بھی اس راز کو نہیں جانتا تھا۔ اس کا حجام اس راز سے آگاہ تھا لیکن چونکہ اس راز کو فاش نہیں کر سکتا تھا اس نے یہ راز ایک کنوائیں میں جا کر کہہ دیا۔ اور اس کے کنارے ایک بانس کا درخت اگا۔ جب بانسری کے روپ میں آیا اور اس میں سانس پھونکی گئی تو آواز آئی کہ اسکندر کے سینگ ہیں۔ رجوع کریں۔ امثال و حکم دھخدا، جلد ۱، صفحہ ۷ - ۱۷۶ -

Marfat.com

(۳) لرمونتوف کی داستان Trostnik کے عنوان سے اس کی تصانیف کے مجموعے مطبوعہ ماسکو جلد چہارم صفحہ ۳۹۲ میں درج ہے ۔ معاصر شاعر ابوالحسن ورزی نے اس کا ترجمہ فارسی شعر میں شائع کیا ہے ۔ دیکھیں ۔ پیام نو، سال ۸ شمارہ ۵ ۔

(۴) دیوان میں جلد اول صفحہ ۱۸۴ پر آیا ہے :

هیچ میدانی چه می گوید رباب ؟ زا شک چشم و از جگرهای کباب؟

ترجمہ :۔ تمہیں کچھ خبر ہے کہ رباب جس کی آنکھیں تر ہیں اور جگر جل کر کباب ہو چکا ہے کیا کہتا ہے ؟ ۔

پوستی ام دور مانده من ز گوشت چون بنالم در فراق و در عذاب

ترجمہ :۔ وہ کہتا ہے کہ میں وہ کھال ہوں جسے گوشت سے جدا کر دیا گیا ہے ۔ اس لئے میں درد و عذاب میں مبتلا آہ و زاری کر رہا ہوں ۔

(۵) سیر حکمت در اروپا، جلد اول، صفحہ ۳۲ ۔

(۶) حسام‌الدین چلپی اور اس کے لئے استعمال کئے گئے لقب ابن اخی کے لئے رجوع کریں : فروزانفر ۔ زندگی مولانا جلال‌الدین، اشاعت دوم، صفحہ ۱۰۴-۱۰۲

(۷) مناقب‌العارفین ، اشاعت تحسین یازیجی ، جلد اول، صفحہ ۱۵۳ ۔

(۸) نفحات‌الانس ، مطبوعہ تہران ۱۳۳۶ھ ش صفحہ ۴۶۱ ۔

(۹) شبلی نعمانی سوانح مولوی رومی ، ترجمہ فخر داعی ، مطبوعہ تہران ۱۳۲۲ھ ش صفحہ ۸۲ اور اس کے بعد ہر مثنوی کو کسی حد تک کلام کی کتاب سمجھتے ہیں ۔

(۱۰) پیل اندر خانهٔ تاریک بود عرضه را آورده بودندش هنود

ترجمہ :۔ ہاتھی ایک تاریک گھر کے اندر تھا جسے ہندی نمایش کے لیے لاتے تھے

نیل و خانہ تاریک کی تمثیل مثنوی کے تیسرے دفتر مطبوعہ نکلسن، جلد سوم

Marfat.com

صفحہ ۲۷ پر موجود ہے۔ اسی قسم کی ایک تمثیل حدیقۂ سنائی اور کیمیائے سعادت میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اس داستان کے ماخذ کے لئے دیکھئے :

بدیع‌الزمان فروزانفر : مآخذ قصص وتمثیلات مثنوی، صفحہ ۹۸ - ۹۶

(۱۱) صوفیا کے نزدیک شیخ تربیت اور شیخ صحبت میں فرق ہے۔ پہلا مرشد و مربی ہے اور دوسرا مصلح و مشفق۔ اسی طرح مشائخ میں سے کچھ مشائخ تعلیم ہیں اور کچھ مشائخ تربیت۔

(۱۲) نقد ادبی، صفحہ ۱۷۱

(۱۳) رجوع کریں : شرح اسرار مثنوی، حاج ملا ہادی سبزواری.

(۱۴) خر (گدھا) L, Ane ہوگو کی ایک نظم کا عنوان ہے جس میں شاعر نے طنزیہ پیرایہ میں جس سے ولٹر کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جھوٹے مدعیوں کی علم ومعرفت پر جبلت و طبیعت کو ترجیح دی ہے۔

(۱۵) قصص مثنوی کے ماخذ کی تحقیق کے لئے دیکھئے :

رسالہ بدیع الزمان فروزانفر، مآخذ قصص و تمثیلات مثنوی، مطبوعہ تہران، ۱۳۳۳ھ ش۔

(۱۶) ادبی روایات اور ان کی اہمیت و اعتبار کے لئے دیکھئے :

نقد ادبی، صفحہ ۱۹۰ - ۱۸۶

(۱۷) وحدت وجود پرکئے گئے اعتراضات میں ایک یہ بھی ہے کہ، وحدت وجود پر اعتقاد کے باعث تمام دینی فرائض و عبادات کی نفی ہو جاتی ہے۔

(۱۸) دیکھئے :

ارزش میراث صوفیہ۔ صفحہ ۴۹-۴۸ -

Marfat.com

Marfat.com

سعدی

شیخ شیراز

جہاں جامع مسجد بعلبک واقع تھی اور جس میں سعدی وعظ و تلقین فرماتے تھے (۱) وہاں آج ایک محراب، چند دیواروں اور چند ستونوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کی مجلس وعظ میں شریک ہونے والے وہ قریبی لوگ جو بصیرت سے محروم تھے اور وہ صاحبان بصیرت جو بظاہر دور نظر آتے تھے سب کے سب راہی ملک عدم ہو چکے ہیں اور اب ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں۔ لیکن جس کسی نے بھی گلستان سعدی کا مطالعہ کیا ہے اس کے کانوں میں آج بھی جامع بعلبک کے کھنڈرات میں سعدی کی گونجتی ہوئی آواز کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ بعلبک اور جبل لبنان کی رونقیں سعدی کی تالیفات میں اب بھی ویسی ہی نظر آتی ہیں۔ شاعر شیراز آج بھی اپنے شام اور لبنان کے سفر کی داستان سنانے میں مصروف ہے۔ جامع بعلبک کی مجلس وعظ، طرابلس کی اسیری کا واقعہ، جبل لبنان کے صالحین، بحیرہ طبریہ کے ساحل پر زاہدوں کا وجود، ملک صالح کے قصے اور دمشق کی قحط سالی کا ذکر غرض کہ یہ سارے واقعات و حادثات آج بھی سننے کے قابل ہیں۔ حقیقت میں سعدی جب فارس میں مقیم تھا تو شام اور لبنان کے علاوہ اس کے بہت سے عربی ملکوں کے ساتھ مراسم تھے جہاں وہ برسوں سیر و سیاحت میں مشغول رہا۔ اس نے ایام جوانی میں بغداد میں کچھ عرصہ مدرسہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کی تھی اور عباسیوں کے اس عظیم شہر کی محافل ذوق و سماع سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا۔ اسے اس دور کے عظیم صوفی بزرگ شہاب الدین

Marfat.com

سہروردی کی صحبت سے بھی جنہیں خلیفہ اور دوسرے سلاطین کے یہاں خاص احترام اور مقام حاصل تھا فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا تھا۔ اس نے ابوالفرج بن جوزی سے بھی جو نہایت پرہیز گار اور سخت گیر فقیہ کے علاوہ محتسب بھی تھے رہنمائی حاصل کی۔ اس نے حجاج کے قافلے کے ساتھ کئی بار پاپیادہ بھی سفر کیا تھا۔ خفاجہ کے چوروں اور ان کے مظالم کی خوفناک داستانیں سنیں۔ بغداد میں عشق بازیاں کیں۔ بصرہ اور کوفہ میں کچھ دنوں قیام کیا۔ حلب میں ایک بد اخلاق اور مکار عربی عورت کے پھندے میں پھنس گیا۔ صنعا میں اپنے چھوٹے بچے سے محروم ہوا۔ اس کا یہ طویل سفر جس کا مقصد حصول علم تھا بعد میں سیاحت میں تبدیل ہو گیا اور مختلف عرب ملکوں میں طویل عرصہ تک جاری رہا۔ دوران سفر شیراز کے اس جوان شاعر سعدی کو عربوں کی زندگی، زبان اور ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس نے متنبی کے اشعار اور رزمیہ شاعروں کے کلام کا مطالعہ کیا۔ ان کی بہت سی باتیں اس کے ذہن میں محفوظ تھیں (۲) اس نے خود بھی عربی میں طبع آزمائی کی۔ اور اپنے افکار و جذبات کو متنبی اور بحتری کی زبان میں بیان کیا۔ فارسی اور عربی کی نہ صرف ملمعات بلکہ عربی کے قصیدے اور دوسرے اشعار بھی اس کے دیوان میں موجود ہیں لیکن اس نے صرف عرب ملکوں ہی کی سیر نہیں کی۔ اگر اس کے اپنے دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ مشرقی ممالک میں بھی گیا تھا۔ بلخ سے بامیان گیا۔ حتی کہ جامع کاشغر میں بھی حاضری دی تھی۔ سومنات ہند سے بھی اس کی یادیں وابستہ ہیں۔ اگر حقیقتاً اس نے اتنا سفر نہ بھی کیا ہو اور بعض سفر کو خیالی بھی سمجھا جائے پھر بھی اس میں شک نہیں کہ سعدی نے بہت زیادہ سیاحت کی۔ جوانی میں ہی وہ سیر و سیاحت کے شوق میں شیراز سے نکل پڑا۔ شیراز میں جوانی اور اوائل عمر کے خام اور شیرین عشق و محبت کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا جس میں وہ دل لگاتا۔ وہ

Marfat.com

بچپن ہی میں یتیم ہو گیا تھا۔ شیراز میں باپ کی یاد اور شفقت پدری جس سے وہ محروم ہو گیا تھا اسے افسردہ کر دیتی۔ ماں سے اس کی اچھی یادیں وابستہ تھیں جو گاہے بگاہے اپنی کڑوی کسیلی نصیحتوں سے شاعر کی جوانی کی بے اعتدالیوں کی چارہ گری کرتی رہتی تھی۔ اس کے باوجود اسے شیراز میں چین نہیں تھا۔ وہ جو بظاہر باپ کی طرح کسی حد تک اتابکان فارس کی نعمتوں کا پروردہ تھا فارس کے ہنگامے اور فسادات کے باعث شیراز چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ عازم سفر ہوا۔ اس نے کوشش کی تا کہ شاید اس سفر کے دوران اسے آرام و سکون نصیب ہو سکے لیکن اسے کہیں بھی سکون میسر نہ آیا۔ برسوں کی خانہ بدوشی کے بعد شیراز کی یاد اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ چنانچہ بڑے اشتیاق سے اس نے اپنے آبائی وطن کی راہ لی۔ انہیں راستوں کو جنہیں اس نے با دل نخواستہ طے کیا تھا واپسی پر بے اختیار شوق کے عالم میں سر کے بل طے کیا۔ اس طویل سیر و سیاحت نے اس کے دل کو گداز اور اس کی روح کو ذوق و شوق سے آشنا کیا۔ آغاز جوانی میں جب وہ شیراز کو خیر باد کہہ رہا تھا اس وقت اس کی محبت دوست احباب اور عزیز و اقارب تک محدود تھی لیکن اب جب وہ واپس آرہا تھا تو اس کا دل تمام کائنات کی محبت سے سر شار تھا حتی کہ باد بہار اور مرغ سحر بھی اس کو نیا جوش اور نیا جذبہ عطا کر رہے تھے۔

سعدی اینک بقدم رفت و بسر باز آمد

مفتی ملت اصحاب نظر باز آمد

ترجمہ :۔ سعدی قدموں سے چل کر گیا تھا اور اب سر کے بل چل کر واپس آیا ہے۔ اہل نظر قوم کا مفتی واپس آیا ہے۔

فتنۂ شاھد و سودا زدۂ باد بہار

عاشق نغمۂ مرغان سحر باز آمد

ترجمہ :۔ وہ شاہد پرست، بہار کی ہواؤں کا سودائی اور مرغان سحر

Marfat.com

کے گیتوں کا شیدائی واپس لوٹ آیا ہے ۔

سالها رفت مگر عقل و سکون آموزد
تا چه آموخت کز آن شیفته تر باز آمد

ترجمہ :- وہ عقل و دانش اور سکون قلب کی تلاش میں برسوں گھومتا رہا ۔ معلوم نہیں اس نے کیا سیکھا ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ فریفتہ ہو کر واپس آیا ہے ۔

تا نپنداری کاشفتگی از سر بنهاد
تا نگوئی که زمستی به خبر باز آمد

ترجمہ :- تاکہ تو یہ تصور نہ کرے کہ اس کی دیوانگی ختم ہو گئی ہے ۔ تاکہ تو یہ نہ کہے کہ مستی سے ہوش میں آگیا ہے ۔

دل سودا زده و خاطر شور انگیزش
همچنان در سفر و خود بحضر باز آمد

ترجمہ :- اس کا سودائی اور شوریدہ دل بدستور سفر میں ہے اور وہ وطن واپس لوٹ آیا ہے ۔

ان دنوں شیراز پر اتابک ابوبکر بن سعد زنگی کی حکومت تھی ۔ سعدی اپنے نام اور کامرانی کو اس کا اور اس کے خاندان کا مرہون منت سمجھتا تھا ۔ اس اتابک نے فارس کو امن و امان سے ہمکنار کیا تھا ۔ اس کے دربار میں شاعروں ، دانشوروں اور اکابرین کو ہر طرح کی آسائش اور سہولت میسر تھی ۔ ان دنوں سعدی کی عمر پچاس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی لیکن اس کا دل جوان تھا اور زندگی سے اسے بے پناہ عشق تھا ۔ طویل مسافتوں سے واپسی پر وہ اپنے ساتھ نہ صرف فارسی اور عربی کی بہترین غزلیں لایا تھا بلکہ نہایت دلکش یادوں ، افکار اور واقعات کا سرمایہ بھی لایا تھا ۔ چنانچہ واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے ان یادوں اور واقعات

Marfat.com

کو ایک اخلاقی اور تعلیماتی مثنوی بوستان میں منظوم کیا جسے اس نے سعدی نامہ کہا ہے اور اس نے اس کا انتساب اتابک ابوبکر کے نام سے کیا ۔ ایک سال بعد جب اس کی عشق وجوانی کی یادوں کا امین شہر بغداد اور وہاں کا خلیفہ منگولوں کے ہاتھوں نیست و نابود ہو رہا تھا اس نے اپنی مشہور کتاب گلستان تصنیف کی ۔ اس زمانے میں اس کی شاعری کی بہت شہرت تھی اور ہر طرف اس کی دھوم مچی ہوئی تھی ۔ اس کی تحریریں زرخالص کی طرح ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں اور اسے شیخ استاد کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۔ یہ شیخ عارف جس کا لقب مصلح الدین یا مشرف الدین تھا اور جو شاعر کے علاوہ ایک عاشق پیشہ اور مہم جو بھی تھا شیراز میں مشائخ اور زہاد کی طرح قدر و منزلت اور اثر و رسوخ کی زندگی بسر کر رہا تھا ۔ اگرچہ اتابک اور اس کے مقربین کے ساتھ اس کے روابط تھے لیکن وہ کبھی ان کے پاس ضرورت یا خوشامد کے لئے نہیں جاتا تھا ۔ اگر ان کی تعریف کرتا بھی تو اس میں تند و تلخ نصیحت کا عنصر بھی نمایاں رہتا ۔ اگر کبھی زعماء کے پاس جاتا بھی تو غالباً مظلوم کی داد رسی یا بے کس و بے نوا کی مدد کی خاطر ۔ البتہ شعرائے قدیم کی اس روایت کا ضرور پاس کرتا تھا جس کی رو سے مدح میں مبالغہ آرائی خاکساری اور انکساری کو ادب و تہذیب کا درجہ حاصل تھا ۔ لیکن اس کی نصیحتوں میں جو بے مثال بے باکی اور سچائی ہوتی تھی اس کی وجہ سے اہل جاہ و حشمت کی نظر میں اس کی بڑی عزت تھی اور وہ لوگ ہمیشہ اس کی قدر کرتے تھے ۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی گوشہ نشینی اور عزت و وقار میں بھی اضافہ ہوتا گیا ۔ اتابک اس کی بات مانتے تھے ۔ اس کے دل میں بھی ان کی قدر و منزلت تھی ۔ اتابک سعد کی المناک موت پر اس نے جو مرثیہ لکھا ہے اس سے بھی اس قلبی تعلق کا اظہار ہوتا ہے ۔ اتابکوں کی حکومت کے زوال کے بعد جو منگول حکام اور فارس کے خوانین شیراز آئے وہ بھی شیخ

Marfat.com

کا اسی طرح احترام کرتے تھے ۔ شیخ کے ان قصیدوں میں بھی جو اس نے انکیانو ،امیر محمد بیگ ، مجدالدین رومی اور نورالدین صیاد کی مدح میں کہے نصیحت اور شفقت کا وہی لہجہ موجود ہے جو اتابکوں کے حق میں ہوتا تھا ۔ حتی کہ منگول خاقان اور اس کے وزیر شمس الدین صاحبدیوان جوینی سے گفتگو میں بھی اگر شیخ سے ان کی ملاقات کا واقعہ صحیح ہے تو وہی جرأت نمایاں ہے ۔

جس زمانے میں سعدی شیراز سے باہر ایک سرائے میں گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہا تھا وہ سرائے ان دنوں مسافروں اور زائرین کی آماجگاہ بنی ہوتی تھی ۔ شیخ ان دنوں عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ غزل گوئی میں بھی مصروف تھا ۔ گوشہ نشینی اور بڑھاپے کے باوجود اس کا دل جوانی کے جوش و ولولے سے لبریز تھا ۔ وہ جوانوں کی محفل سے لطف اندوز ہوتا ۔ ۶۹۱ھ یا دو تین سال بعد تک اس کے دل کے گوشے میں شمع عشق روشن تھی ۔ خود کہتا ہے :

ز خاک سعدی بیچارہ بوی عشق آید

هزار سال پس از مرگ او اگر بوئی

ترجمہ : سعدی بے نوا کی مٹی سے عشق کی خوشبو آئے گی اگر اس کی موت کے ہزار سال بعد بھی تو اسے سونگھے ۔

اور بلاشبہ اس کا یہ احساس بجا تھا ۔

سعدی نثر نگار بھی ہے اور شاعر بھی ۔ لیکن نثر میں اس کی شہرت زیادہ تر گلستان کے سبب ہے ۔ حالانکہ اس کی نثری تصانیف میں ایک رسالہ نصیحت الملوک جو پند و نصائح پر حاوی ہے اور پانچ مجالس وعظ پر مشتمل مجالس پنجگانہ بھی ہیں ۔ ایک رسالہ عقل و عشق اور ایک رسالہ سؤال صاحبدیوان ہے ۔ کئی دوسرے رسائل بھی اس کی کلیات میں شامل ہیں ۔ شاید

Marfat.com

ان میں سے بعض کو دیوان سعدی کو مرتب کرنے والے ابوبکر بیستون یا کسی اور شخص نے تحریر کیا ہو ۔ جہاں تک شاعر کا تعلق ہے اس کا کلام بوستان کے علاوہ ، قصائد ، ملمعات ، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے غزلوں کے چار دیوان ان کے علاوہ ہیں ۔ کچھ ہزلیات اور مفرد اشعار بھی ہیں ۔ سب ملا کر بائیس رسالے اور کتابیں ہیں ۔ کچھ اور منظوم اور منثور رسائل بھی اس سے منسوب کئے گئے ہیں لیکن ان کی حیثیت مشکوک ہے ۔ اس کی اہم ترین تصانیف گلستان اور بوستان ہیں ۔ ان کے علاوہ غزلیات، قصائد اور پند و نصائح پر مشتمل قطعات ہیں ۔

سعدی کی گلستان بذات خود ایک دنیا ہے یا کم از کم دنیا کی ایک صحیح اور زندہ تصویر ہے ۔ سعدی نے اس کتاب میں انسان، اس کی دنیا اور اس کے تمام عیوب و محاسن اور تمام تضادات اور تناقضات کی جو اس کے وجود میں موجود ہیں نہایت خوبی سے تصویر کشی کی ہے ۔ جامی کا یہ قول کہ یہ "گلستان نہیں بلکہ باغ بہشت ہے" (۳) شاعرانہ مبالغہ آرائی ہے مگر یہ کہ یہ باغ بہشت اس دنیا کے دوزخ اور اس کی کلفتوں اور سختیوں سے بھی خالی نہیں اور اس میں مسرتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ساتھ برائیاں اور غم بھی موجود ہیں ۔ دراصل گلستان ایسی ہی دنیا ہے یا ایسی ہی دنیا کی تصویر پیش کرتی ہے ۔ یہ وہ دنیا ہے جہاں حسن بھی ہے اور بد صورتی بھی، غم بھی ہے اور خوشی بھی تنقید نگاروں نے گلستان میں جن تضادات کی نشاندہی کی ہے وہ ایسے تضادات ہیں جو دنیا میں موجود ہیں ۔ سعدی نے گلستان میں ایسی ہی دنیا کی تصویر کشی کی ہے جو تضادات اور تناقضات کا مجموعہ ہے ۔ نہایت دلکش لیکن اذیت ناک ۔ ان تضادات اور نقائص کا گناہ اس کی گردن پر نہیں بلکہ خود دنیا پر ہے ۔ سعدی کا نظریہ یہ ہے کہ اس کتاب میں انسان اور دنیا کی وہی تصویر پیش کی جائے جیسی کہ وہ ہے نہ کہ کیسی ہونی چاہیے ۔ انسان کی طرح دنیا بھی اپنی

Marfat.com

اصلی صورت میں بہت سے تناقضات اور نوادرات سے خالی نہیں ہے۔

سعدی نے اس دنیا کی تصویر کشی کرتے وقت حیرت انگیز قدرت اور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ جس دنیا کی اس نے گلستاں میں منظر کشی کی ہے وہ اگرچہ کسی حد تک خیالی ہے لیکن ان تمام نشیب و فراز اور عجائب و غرائب کے ساتھ ایک ایسی حقیقی دنیا کی تصویر ہے جس دنیا کو سعدی نے تخلیق نہیں کیا بلکہ دیکھا ہے اور جیسا اس نے اسے پایا ویسا ہی بیان کردیا۔ یہ اس کے عہد کی دنیا ہے جب لوگ قافلے کے ساتھ سفر کرتے تھے، سواری کے لئے اونٹ استعمال کرتے تھے، زہد و تصوف کا دور دورہ تھا۔ اس دنیا کی سعدی نے خاک چھانی تھی۔ اس نے اقصائے عالم کی سیر کی تھی اور اس کے نشیب و فراز کو غور سے دیکھا تھا۔

گلستان سعدی کے تنوع کی یہی وجہ ہے کہ یہ ایسی ہی دنیا کی عجلت اور جلدی میں لی گئی ایک تصویر ہے۔ یہ وہ باغ بہشت ہے جس میں بہار و گل شباب و عشق اور شراب و شاہد کے ساتھ ساتھ خار و خزاں، ضعف و ناتوانی اور درد و غم کا عمل دخل بھی کار فرما ہے۔ اگر ایک بادشاہ عیش و عشرت میں رات بسر کرنے کے بعد حالت خمار میں کہتا ہے کہ ہمارے لئے اس دنیا میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں تو دوسری طرف اس کے محل کی دیوار کے پیچھے ایک برہنہ تن درویش جو سردی میں باہر سو رہا ہے بڑی بے نیازی سے کہتا ہے: سچ ہے تجھے کوئی غم نہیں لیکن کیا تجھے ہمارا بھی کوئی غم نہیں۔ اگر کسی جگہ غفلت شعار وزیر سلطان کے شاہی خزانے کو پر کرنے کے لئے رعایا کو لوٹ رہا ہے تو دوسری جگہ ایک عاقل بادشاہ دہقان کے لڑکے کو معاف کردیتا ہے اور خود موت کو گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے: میرا مر جانا کسی بے گناہ کا خون بہانے سے بہتر ہے۔ کسی جگہ ایک تاجر ہے جس کے مال و اسباب کو اٹھانے کے لئے ایک سو پچاس اونٹ اور چالیس نوکر

Marfat.com

ہیں ۔ اس کے باوجود بڑھاپے میں بھی دنیا کی ہوس میں مبتلا نظر آتا ہے ۔ دوسری جگہ ایک درویش ہے جو غار میں بیٹھا ہے، دنیاوالوں پر اس نے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں اور اہل دنیا کی طرف اس کی بالکل توجہ نہیں ۔ (۳)

اس دنیا میں جس کے چہرے پر اب تک سات سو برس کی فراموشی اور خاموشی کی گرد جم چکی ہے آج بھی سب چیزیں زندہ اور متحرک نظر آتی ہیں ۔ اس میں اب بھی بیابانوں کی خاموشی اور اونٹ کی مست خرامی کا منظر دیکھا جا سکتا ہے ۔ حجاج کے قافلے میں ان لوگوں کے لڑنے جھگڑنے کا شور بخوبی سنا جا سکتا ہے جو آپس میں دست و گریبان ہو کر عداوت و نا فرمانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں ۔ اس میں ایک عاشق کے پرسوز دل کی دھڑکن محسوس کی جا سکتی ہے جو کسی گھر کی دہلیز پر اپنے محبوب کے ہاتھ سے شربت پیتا ہے اور یہ خود سعدی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے ۔ اس زاہد کی مناجات کو آج بھی سنا جا سکتا ہے جو حرم شریف میں سنگریزوں پر اپنا سر رکھے خدا سے راز و نیاز میں مشغول ہے ۔ کہیں بپھری ہوئی لہروں اور تند و تیز طوفان میں ایک ایسا باہمت جوان رونما ہوتا ہے جو ایک خوبرو کے دام حسن میں اسیر ہے ۔ اس کی کشتی بحر کبیر میں ٹوٹ گئی ہے ۔ دونوں گرداب میں گھر گئے ہیں ۔ ایک ملاح جب انہیں ان خونخوار اور بے رحم لہروں کے منہ سے نجات دلانے وہاں پہنچتا ہے تو نوجوان چلا کر کہتا ہے: مجھے چھوڑ دو میرے محبوب کی مدد کرو ۔ ایک موقعہ پر راہ حجاز کے خشک تپتے ہوئے صحرا کے گرد و غبار میں ایک مسافر نمودار ہوتا ہے جو ننگے سر اور ننگے پاؤں ہونے کے باوجود نہایت بے پروائی کے ساتھ قافلے کے ہمراہ رواں دواں ہے ۔ راہ کی سختیوں اور مصیبتوں کے باوجود ناز و نعم میں پلے ہوئے ثروت مندوں کا مذاق اڑاتا ہے اور انہیں اپنے طعن و طنز کا نشانہ بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا ۔

Marfat.com

سعدی پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے ان فریبکاریوں اور رسوائیوں کو بیان کیا ہے جو انسانی عادات و اطوار کا خاصہ ہیں۔ اس کا جرم یہ ہے کہ وہ نہ تو دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور نہ ہی اپنی کمزوریوں اور لغزشوں سے انکار کرتا ہے۔ وہ کون سا دل ہے جو جوانی میں جیسا کہ اس کا تقاضا ہے اور اس سے آپ بھی واقف ہیں حسینوں کی فتنہ انگیز زیبائی اور دلربائی کو دیکھ کر مچل نہ اٹھے اور اس کے اندر خواہش گناہ نہ پیدا ہو؟ جب سے دنیا قائم ہے اور جب تک قائم رہے گی انسان حسن کا شیدا اور ہوا و ہوس کا اسیر ہے اور رہے گا ۔ یہ لذت و مسرت جسے زاہد ' ریاکار اور دروغ گو بے حیائی اور حماقت کہتے ہیں ' دل سے نہیں صرف زبان سے ' دراصل بشریت کا ابدی تقاضا بھی ہے اور اس کا مقدر بھی ۔

جب کبھی سعدی عشق و جوانی کی بات کرتا ہے اور اپنی وارفتگی اور حسن پرستی کا ذکر کرتا ہے تو دراصل وہ انسانی جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتا ہے اور یہی اس کی سب سے قیمتی اور سب سے سچی بات ہے۔ ہر قسم کی حاشیہ آرائی اور مبالغے سے پاک۔ حسن کا جادو صرف اسی کے دل کو لرزہ بر اندام اور مسحور نہیں کرتا بلکہ وہ بیابان نشین زاہد بھی اسی خوف سے غار میں پناہ گزیں ہے کہ مبادا اس راہ میں اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آجائے۔ اس کے باوجود جب دوبارہ وہ شہر کی طرف لوٹتا ہے خوبرو غلاموں اور خوبصورت کنیزوں کے دام عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

سعدی میں اور ملامت کرنے والے ریاکاروں اور دروغ گویوں میں یہ فرق ہے کہ اس کی بات شکر کی مانند شیریں اور بغیر لگی لپٹی ہے۔ اس میں شرم ہے نہ ریاکاری۔ اگر وہ گناہ عشق کی حرارت بخش لذت کو جان کے بدلے خریدتا ہے تو اس گناہ بے لذت کا ہرگز مرتکب نہیں ہوتا جو جھوٹ اور ریاکاری کا نتیجہ ہے۔ وہ تو صاف صاف اقرار کرتا ہے کہ حسن جس شے

Marfat.com

میں بھی ہو اور جہاں بھی ہو اس کے سامنے قوت پرہیز جواب دے دیتی ہے اور اس کے دل میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ یہی والہانہ شیفتگی اور جذبہ عشق ہے جو تمام کائنات سے اس کا تعلق استوار کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کبک، مینڈک، بادل اور باد نسیم کا مونس و ہمراز بن جاتا ہے۔ دل ہو تو ایسا ہی وارفتہ اور حسن پرست جو ہر قسم کی کمزوری، پستی اور گناہ کو برداشت اور نظر انداز کر سکے۔ وہ نہ تو ہمدان کے قاضی اور اس کی محبوب پرستی سے بیزاری کا اظہار کرے اور نہ ہی زاہد کی تلخ کلامی، بے ذوقی اور سخت دلی سے برہم اور کبیدہ خاطر ہو۔ ایسا ہی دل ہر صورت حال میں ہر ایک کا ہمدرد اور ہمنوا ہوتا ہے۔ وہ دنیا کو اصلی روپ میں دیکھتا ہے اور اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لیکن ایسے دل کے لئے بھی بعض چیزیں ناقابل برداشت ہوتی ہیں اور وہ ان سے نفرت کرتا ہے۔ یہ چیزیں خود ستائی اور ریا کاری ہیں جو اس حسین رنگا رنگ دنیا کو انسان کی نگاہوں میں سیاہ و تاریک کر دیتی ہیں۔

یہ ہے وہ دنیا جس کی گلستان میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ ایسی دنیا جس میں سعدی نے خود زندگی بسر کی ہے اور اس نے اس کی صحیح ترین اور بہترین تصویر کو قلم کی ایک حرکت سے اس کینوس پر جس کا نام گلستان ہے منتقل کیا ہے اور اسے ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

لیکن بوستان کی دنیا ایک الگ دنیا ہے ایک ایسی دنیا جو شاعر کے تخیل کی پیداوار ہے اسی لئے اس میں انسان جیسا کہ ہونا چاہیے نہ کہ جیسا ہے، جلوہ فگن ہے۔ اس خیالی رنگین دنیا میں بدی اور گناہ کو بے کیف و بے لذت دکھایا گیا ہے۔ جبکہ نیکی اور خیر کی دنیا درخشاں و تاباں نظر آتی ہے۔ یہی وہ صورتحال ہے جس میں انسان مقام آدمیت کی بلندیوں کو چھوتا ہے اور ہر قسم کی پستی اور برائی سے مبرا ہو جاتا ہے۔ ایک سخی جو تنگ

Marfat.com

دست ہے ' ایک مفلس قیدی کو قرضخواہ کی قید سے رہائی دلانے کے لئے اس کا ضامن بنتا ہے۔ بعد میں آسے قید سے فرار ہونے میں مدد دیتا ہے اور خود اس کی جگہ کئی سال قید میں رہتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص ایک چور کو ہمسایہ کے گھر میں چوری کرنے سے باز رکھتا ہے اور آسے بتائے بغیر اپنے گھر لے جاتا ہے اور اپنا ساز و سامان اس کے حوالے کر دیتا ہے تا کہ اس مفلوک الحال چور کو بالکل خالی ہاتھ واپس نہ جانا پڑے۔ حقیقت میں وہ بندۂ خدا جو ہوگو کی کتاب "بے نواؤں" میں نقرئی شمعدانوں کو ژان و الژان (ا) کو دے دیتا ہے' آج بھی بوستان کے ان سخاوت مندوں سے اخلاق اور نیکی کا سبق لیتا ہے حاتم طائی نہ صرف اپنے بے مثال بیش بہا گھوڑے کو اس مہمان کی خاطر جو رات گئے اس گھوڑے کی طلب میں اس کے گھر آیا ہے ' نا دانستہ طور پر ذبح کر دیتا ہے بلکہ ایک کرائے کے قاتل کے سامنے بھی جو اجنبی بن کر اس کے گھر آتا ہے اور اس سے حاتم کے گھر کا پتہ پوچھتا ہے' اپنا سر پیش کردیتا ہے اور اس سے درخواست کرتا ہے کہ حاتم کا سر قلم کر کے بغیر کسی خوف اور خدشے کے اپنے گھر لے جائے۔ شبلی ایک چیونٹی کی خاطر کہ وہ بے گھر نہ ہوجائے گندم کی بوری کو گاؤں سے اسی طرح گندم فروش کے پاس واپس بھیج دیتا ہے۔ معروف کرخی ایک تند مزاج اور بداخلاق مریض کو اپنے گھر لے جاتا ہے اور دن رات اس کی تیمار داری کرتا ہے۔ تھکن سے چور ہو کر اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی آنکھ لگ جاتی ہے تو بن بلائے مہمان کی گالیاں سنتا ہے اور غصے میں آپے سے باہر ہو کر اس کو اپنے گھر سے نکال دینے کی بجائے آسے معاف کر دیتا ہے اور اسے اس کی بد اخلاقی کا احساس تک نہیں ہونے دیتا۔ ملک شام کا بادشاہ ملک صالح جو ایک صبح اجنبی بن کر مسجد میں چلا جاتا ہے اور وہاں دو پریشان حال درویشوں کو دیکھتا ہے جو غم و غصے

ا۔ Jan Valljan

Marfat.com

کے عالم میں اس کا ذکر کر رہے تھے۔ مسجد سے واپس جا کر انہیں اپنے دربار میں طلب کرتا ہے اور ان سے معذرت چاہتا ہے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔

اُس دنیا میں جس کا نقشہ سعدی نے بوستان میں کھینچا ہے بدی اور گناہ سے بڑھ کر بے کیف اور بے رنگ کوئی شے نہیں ہے۔ سعدی کی کوشش ہے کہ روئے زمین سے ہر قسم کی بدی اور گناہ کو مٹا دے اور ساری دنیا میں خیر اور نیکی کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے یہاں شر پسند اور ستمگار بھی نیکی کے جذبے سے عاری نہیں اور تھوڑی سی پند و نصیحت سے راہ راست پر آجاتے ہیں اور حق و انصاف کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ تواضع، قناعت، رضا، احسان اور تربیت بوستان کی دنیا کو ہر قسم کی برائی سے پاک کر دیتی ہیں۔ ان کے بعد عشق کا درجہ ہے جو اسے حسن و رعنائی کے پرتو سے منور کر دیتا ہے اور اسے شعر کی مانند درخشاں و تاباں بنا کر بھرپور رنگ و رونق عطا کرتا ہے۔ اس دنیا میں جو شاعر کے ذوق اور تخیل کی تخلیق کردہ ہے انسان اپنے آپ کو خدا کے حضور میں محسوس کرتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور ناپایداری سعدی کو بھی خیام کی طرح پریشان رکھتی ہے اور وہ بھی خیام کی طرح انسان کے ان اجزاء کی جو خاک میں مل کر خاک ہو چکے ہیں نا معلوم سی حرکت اپنے پاؤں کے نیچے محسوس کرتا ہے (۵) لیکن وہ اس فنا پذیر دنیا کی ناپائداری اور تغیر پذیری کے پیچھے معنوی دنیا دریافت کرتا ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی، ابدی اور غیر فانی ہے۔ موت، گناہ اور دوزخ کا خوف اسے لرزہ بر اندام کر دیتا ہے۔ یہ حقایق اسے انسانی دنیا سے نکال کر خدا کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس خدا کے حضور جس کا تصور بوستان میں پیش کیا گیا ہے اور جہاں وہ ہماری ظاہری دنیا سے بہت زیادہ قادر اور ظاہر ہے، سعدی کی مناجات نیاز مندی اور رجائیت

Marfat.com

کی مظہر ہے۔ اس نیاز مندی اور رجائیت نے شیخ کی مناجات کو نہایت پر درد اور پر سوز بنا دیا ہے۔ اتنا پرسوز کہ خدا شناس لوگوں کا دل خوف اور ندامت سے لبریز ہو جاتا ہے:

بیا تا بر آریم دستی ز دل کہ نتوان بر آورد فردا زگل

ترجمہ: آؤ کہ (خدا کے حضور) تہ دل سے دعا کریں کیونکہ کل جب ہم خاک ہو جائیں گے تو دعا کے لئے ہاتھ نہ اٹھا سکیں گے۔

خدایا بہ حرمت کہ خوارم مکن بذل گنہ شرمسارم مکن

ترجمہ: اے خدا! اپنی حرمت کے واسطے مجھے ذلیل و خوار نہ کرنا۔ گناہ کی ذلت سے مجھے شرمسار نہ کرنا۔

فقیرم بجرم گناہم مگیر غنی را ترحم بود بر فقیر

ترجمہ: میں بندۂ فقیر ہوں گناہ کے جرم میں مجھے نہ پکڑنا۔ غنی فقیر پر ترس کھایا کرتے ہیں۔

خوف اور پرہیز گاری کی دولت جو بوستان کو فرمودات "انبیاء" کا رنگ عطا کرتی ہے، شیخ کے قصائد میں بھی موجود ہے۔ ان قصائد میں اگرچہ سعدی نے بھی دوسرے شعراء کی روایت کے مطابق مدح گوئی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے لیکن ممدوح کو خطاب کرتے وقت اس کا لہجہ ایک بشارت دینے والے کا نہیں بلکہ ڈرانے اور متنبہ کرنے والے کا ہے۔ جو ممدوح کے سامنے کھڑا ہو کر اسے پند و نصیحت اور انتباہ کرتا ہے اور ظلم و گناہ کے خیال سے اسے باز رکھتا ہے۔ جب علاءالدین عطا ملک صاحب دیوان جوینی کی مدح کرتا ہے جو خود ایک تاریخ دان اور دانشور ہے تو اس کی توجہ زمانے کی ناپائداری اور انسان کے بدلتے ہوئے مقدر کی طرف مبذول کراتا ہے اور اسے نیکی اور انصاف کی ترغیب دیتا ہے۔ جب والی فارس انکیانو کو خطاب کرتا ہے تو کاروبار دنیا کی بے ثباتی اور مال و متاع کی ناپائداری کا

Marfat.com

تذکرہ کرتا ہے ۔ عہد ماضی کے بادشاہوں اور مشاہیر کے حالات کا ذکر کر کے انہیں دنیوی مملکت کے زوال پر گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس طرح ملک کے حاکموں کو پہلے تعریفی کلمات سے آمادہ کرتا ہے تا کہ وہ اس کی بات کو سنیں۔ پھر نصیحت اور سرزنش کے تازیانے سے انہیں متنبہ کرتا ہے اور سلطان یا حاکم کی توجہ اس کے حقیقی فرض کی طرف دلاتا ہے۔ ان کے سروں پر ہمیشہ غضب الٰہی کا تازیانہ لگاتا رہتا ہے جو عدالت اور انصاف کی طرف کہ یہی راہ خدا ہے اُن کی راہنمائی کرتا ہے:

بس بگردید و بگردد روزگار　　دل بدنیا در نبندد هوشیار

ترجمہ :- زمانہ گردش کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا (اس لئے) ہوشیار رہو۔ دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہونا۔

اینکه در شهنامه ها آورده اند　　رستم و روئینه تن اسفندیار

ترجمہ :- یہ جو شاہناموں میں رستم اور آہنی جسم رکھنے والے اسفندیار کا ذکر ہے ۔

تابدانند این خداوندان ملک　　کزبسی خلق است دنیا یادگار

ترجمہ :- یہ اس لئے ہے کہ بادشاہوں کو معلوم ہو سکے کہ اس دنیا میں کیسے کیسے نا مور لوگ ہوئے ۔

آنچه دیدی برقرار خود نماند　-　وین چه بینی هم نماند برقرار

ترجمہ :- لیکن تونے دیکھا کہ وہ اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکے اور جو کچھ دیکھ رہا ہے یہ بھی قائم نہیں رہے گا ۔

دیر و زود این شکل و شخص نازنین　　خاک خواهد گشتن وخاکش غبار

ترجمہ : آج یا کل یہ صورت اور حسین شخصیت خاک میں مل جائے گی اور خاک غبار بن کر اڑ جائے گی ۔

سعدی رموز عاشقی کا بھی استاد ہے اور تقویٰ و عقل و دانش کا معلم

Marfat.com

بھی۔ یہ ایسی خوبی ہے جو ایک شخص میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق نیکی کا مقصد اخلاق ہے اور حسن کا مقصد عشق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں لہذا جس معلم عشق نے اسے شاعری کی تعلیم دی ہے اسی نے اخلاق و تقویٰ کا درس بھی دیا ہے۔ وہ چیز جو انسان کو کمال انسانیت سے دور کرتی ہے اور اسے برائی اور پستی کی طرف لے جاتی ہے اخلاقی اعتبار سے یقیناً قابل نفرت ہے۔ اس کے نزدیک اخلاق ایک ایسا وسیلہ ہے جو انسان کو آدمیت کی معراج پر پہنچاتا ہے اور اس کی ذات کو رشتۂ محبت کے توسط سے تمام کائنات کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔ اس کے عشق کا بھی یہی اخلاقی نصب‌العین ہے۔ حقیقت میں اس کا عشق بھی اخلاق و تقویٰ، سوز و گداز اور عفو و رضا ہی ہے۔ عشق کا جذبہ خود پرستی سے جو کسی بھی اچھے اخلاق کے لئے سوزوں نہیں اتنا دور ہے کہ اس میں عاشق کی اپنی خواہش اور آرزو کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اس لئے عشق سے بڑھ کر کوئی چیز معنوی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے قابل قدر نہیں۔ اس کی غزلیں درد، جذبہ، نیاز اور رضا سے بھرپور ہیں اور اگر ان میں گناہ کی کوئی بات ہے بھی تو اس کے لہجے میں اتنی صراحت اور بیان میں اتنی صداقت ہے کہ اس کا گناہ بھی اخلاق کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ عشق جو اس کی غزلیات کا سرمایہ ہے صرف انسانی حسن و جمال تک محدود نہیں ہے۔ روح، تقویٰ، فطرت، خدا اور پوری کائنات اس عشق کے موضوعات ہیں۔ نہ صرف غزل میں بلکہ اس کے تمام اشعار میں ذوق فطرت اور خدا پرستی کا جذبہ بہت آشکارا اور نمایاں ہے۔ اس جہاندیدہ تجربہ کار رند سے بڑھ کر کوئی بھی رموز عاشقی کا شناسا نہیں ہے۔ قدیم غزلیات کے جوش و التہاب سے لے کر کلیات اور بدائع کی حرارت اور شیرینی تک ہر ایک میں سعدی کا عشق نمایاں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعد میں، خاص طور پر "خواتیم" میں اس عشق میں کسی حد

Marfat.com

تک تعلی آجاتی ہے اور سعدی کی ذات میں موجود عاشق ایک عارف کی شکل میں ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن بہر حال اُس کی غزل میں عشق کا جذبہ کہیں بھی کم یا نا پید نہیں ہوتا ۔ سعدی کی غزلوں میں عشق اپنے تمام نشیب و فراز کے ساتھ موجود ہے ۔ البتہ سعدی کا عشق ایک معشوق پر اکتفا نہیں کرتا ۔ لیکن جہاں بھی یہ عشق ہے وہاں درد و نیاز، تسلیم و در گذر بھی ہے ۔ یہ عشق اگرچہ کسی ایک پر اکتفا نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود یہ عشق ہی ہے ہوس نہیں ۔ اس میں وہی تسلیم و نیاز اور روحانی پاکیزگی ہے جو شاعر کے دل و جان کو ہمیشہ تسلیم و رضا پر آمادہ رکھتی ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے دل میں ایک سے زیادہ عشق کی گنجایش ہے لیکن اس میں بدکاری اور ہوس پرستی کا جذبہ نہیں ہے ۔ چونکہ اس کے نزدیک حسن نیکی سے جدا نہیں ہے اس لئے حقیقت میں عاشق نیکی کی بھی حسن کی محراب ہی میں پرستش کرتا ہے ۔

بلا شبہ سعدی جسمانی خواہشات سے انکار نہیں کرتا لیکن کون ہے جو اس بے پایاں ہنگامہ خیز عشق کو جس کے ذریعے سعدی کا ساری کائنات کے ساتھ رشتہ اُستوار ہوتا ہے صرف جسمانی خواہشات کا نام دے سکے ؟ ان عشقیہ واردات میں سعدی نے جس درد و سوز کا اظہار کیا ہے وہ حقیقی ہیں ۔ اس کا عشق آورد نہیں آمد ہے ۔ اس کے گلے شکووں میں خلوص و صداقت ہے ۔ اس کے تسلیم و در گذر میں محبت کا سوز ہے ۔ طویل راتوں کی بےخوابی اور عالم خیال میں اپنی جہاں گردی کا ذکر اس طرح کرتا ہے گویا وہ عالم بے قراری میں ساری دنیا کی سیر کرتا رہا ۔ لیکن جب ساری کائنات کا چکر کاٹ کر معشوق کے آستانے پر پہنچا تو اسے قرار آگیا ۔ گویا اس سے بہتر جگہ دنیا میں کوئی نہیں ہے ۔ ایک عاشق (جیسا کہ وہ خود ہے) کے تردد اور وسوسے کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ تمام رات خیالوں میں اپنے معشوق کو

Marfat.com

بھلانے میں مصروف رہا لیکن صبح کے وقت جونہی گھر سے باہر اپنے معشوق کے سامنے آیا تو پھر ایک قدم آگے نہ بڑھا سکا۔ ایک اور عاشق کی سوچ کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ وہ جدائی کے کربناک اور سنگین لمحات میں اپنے درد دل کا حساب کرتا ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ جب معشوق کے پاس جائے گا تو اسے سب کچھ بتا دے گا لیکن جب سامنا ہوتا ہے تو اس طرح حواس باختہ ہو جاتا ہے کہ سب کچھ بھول جاتا ہے اور درد دل کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ایک اور موقع پر ایک ایسے عاشق کے جذبات اور ہیجان کو بیان کرتا ہے جسے طویل فراق کے بعد وصال دوست نصیب ہوا ہے۔ اور جو اس کامرانی اور عشرت کے لمحات میں دنیا کے ہر درد و غم کو بھول جاتا ہے حتیٰ کہ موت اور ہلاکت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ عشق کی حقیقی واردات ہیں۔ شاعر خود ان تجربات سے گذرا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صدیوں تک ہمارے غزل گو شعراء سعدی سے رموز عشق کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اور اسے حدیث عشق کا اُستاد مانتے ہیں۔

سعدی کا اسلوب الفاظ کے استحکام اور معانی کی روانی پر مبنی ہے اور اسی بات نے اس کے کلام کو اعجاز کی حد تک سہل ممتنع بنا دیا ہے۔ وہ نئے اور لطیف معانی کو سادہ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ تعقید اور تکلف سے دور رہتا ہے۔ ہر چند اس کا کلام تصنع سے پوری طرح خالی نہیں لیکن تصنع کی علامات بھی اس میں زیادہ نمایاں نہیں ہیں۔ تاویل میں اتنی مہارت حاصل ہے کہ اگر اس کے افکار کے معانی عام بھی ہوں تو کسی طرح مبتذل اور پیش پا افتادہ معلوم نہیں ہوتے۔ گویا کہ شیخ کی لطافت بیان نے انہیں عام معانی کی حدود سے برتر کر دیا ہے۔ ضرورت جو بہت سے شعراء کے کلام میں لفظی اور معنوی خرابیوں کا باعث بنی ہے، اس کے کلام میں اگر ہے بھی تو چنداں آشکارا نہیں ہے۔ اس نے دوسروں کے مضامین کو اتنی مہارت سے

Marfat.com

اپنایا ہے کہ وہ اس کے فکر و خیال کا حصہ بن گئے ہیں۔

عربی اور فارسی ادب کے ساتھ اس کی گہری شناسائی کی وجہ سے عجب نہیں کہ اس کی شاعری اور نثر میں دوسروں کے افکار کے اثرات بھی جھلکتے ہوں (۶) لیکن اسے جو شہرت ملی ہے اس کی وجہ وہ افکار و خیالات ہیں جنھیں اس نے خود اختراع کیا اور اس کے زیادہ تر افکار و خیالات اسی نوعیت کے ہیں۔

شیخ کی زیادہ تر شہرت غزل کے باعث ہے حتیٰ کہ ہمام تبریزی اور بعض دوسرے معاصر شعراء بھی اس کی غزل گوئی پر رشک کرتے تھے۔(۷) لیکن بعض حضرات کا یہ خیال کہ غزل کے سوا دیگر اصناف سخن میں اسے کمال حاصل نہیں تھا' درست نہیں (۸) دیگر اصناف شاعری میں بھی اس کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ اس کی قصیدہ گوئی کا اسلوب تخلیقی ہے۔ اپنے ہمعصر اکابرین اور مشاہیر کی مدح سرائی میں نصیحت کا پہلو اور عدل و احسان کی ترغیب جس اسلوب میں اس نے کی ہے وہ اس صنف میں ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ اس کی یہ کوشش سنائی اور خاقانی کے وعظ و نصیحت کے اسلوب سے کسی طرح کم قابل تعریف نہیں ۔ اس کی " بوستان" مطالب و معنی کے اعتبار سے کم و بیش سنائی کی " حدیقہ" سے مشابہ ہے۔ لیکن اس کے کلام میں شاعرانہ رنگ زیادہ ہے اور اسے بھی مثنوی میں ایک جدت سمجھا جاتا ہے ۔ نظامی کی " مخزن الاسرار" بلاشبہ انداز بیان اور لطف و لطافت کے اعتبار سے بوستان سے کم تر ہے۔ شیخ کے مرثیوں میں بھی ایک خاص درد و سوز ہے۔ اس نے خلیفہ معتصم اور اتابک سعد کی موت پر جو مرثیے کہے ہیں وہ تاثیر کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔ ہجو گوئی میں بھی اسے بہت عبور حاصل ہے اور اس کی خوش قسمتی ہے کہ اس نے اس صنف سخن میں افراط سے اپنا دامن محفوظ رکھا ہے اس کی ہزلیات اور مطائبات اگر اخلاق و ادب کے خلاف بھی ہیں پھر بھی

Marfat.com

ان میں انوری اور سوزنی کی ہزلیات کی طرح ناگواری کا عنصر نہیں ہے۔ رزمیہ شاعری میں بھی نظامی یا فردوسی کے مقابلے میں عاجز نظر نہیں آتا۔ بزمیہ شاعری کے لئے بعض مناسب الفاظ کا استعمال جسے بعض لوگ رزمیہ میں اس کی کمزوری تصور کرتے ہیں (۹) حقیقت میں اس کی قدرت اور مہارت کی علامت ہے کیونکہ یہ الفاظ اس کے اشعار میں بڑی مہارت اور چابکدستی سے استعمال کئے گئے ہیں اور ماحول کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ حقیقت میں شیخ نے اس فن میں بھی تخلیق اور جدت پسندی سے کام لیا ہے۔ اسے فردوسی اور نظامی دونوں سے عقیدت تھی اور بلا شبہ ان کی تصنیفات سے بھی وہ واقف تھا۔ سعدی میں بھی رزمیہ صنف کے تمام لوازمات سے عہدہ برآ ہونے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں لیکن تخلیق پسندی اور تقلید بیزاری کے رجحان نے اس صنف میں بھی ایک خاص طرز ایجاد کرنے کی طرف اس کی راہنمائی کی۔ چونکہ اس نے کوئی رزمیہ فن پارہ تخلیق نہیں کیا اس لئے اس ضمن میں اس کی خصوصیات پر اظہار خیال کرنا ممکن نہیں۔ ایک مستقل رزمیہ فن پارے کی تخلیق کی طرف اس کی عدم توجہی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس صنف میں اسے عبور حاصل نہیں تھا بلکہ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس نے اپنے عہد کے عصری تقاضوں کے پیش نظر جان بوجھ کر اس صنف کو اپنانے سے گریز کیا ہے۔ بہر حال شیخ شیراز کو بلاشبہ تمام اصناف سخن پر دسترس حاصل تھی۔ اگرچہ عشق و عاشقی کی کیفیات اور وعظ و اخلاق کے مضامین کی ادائیگی میں عالمی شہرت نصیب ہوئی ہے۔

اکثر مواقع پر یورپی ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات اور سعدی کے فکر و خیال میں اتنی مشابہت پائی جاتی ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ یہی بات ہے جو سعدی کو ہر جگہ اس قدر مقبول بناتی ہے اور بقول ارنسٹ رنان(۱)

۱۔ Ernest Renan

Marfat.com

وہ ایک یوروپی ادیب کی مانند نظر آتا ہے (۱۰) یوروپی ادیبوں نے اس کی بعض تصنیفات کی طرف بہت پہلے جس رغبت اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے وہ بھی اسی وجہ سے ہے - در حقیقت فرانسیسی شاعر لافونتین (ا) نے بھی اس کی بعض داستانوں کو منظوم کیا ہے اور جرمن شاعر گوئٹے (ب) نے بھی اس کے بعض قطعات سے استفادہ کیا ہے - (۱۱) اس طرح والٹیئر (ج) ہوگو (د) بالزاک (ہ) اور موست (و) بھی سعدی کے نام سے واقف تھے اور یہ سب باتیں اس چیز کو ظاہر کرتی ہیں کہ سعدی کو یورپ میں بھی بہت پہلے سے شہرت حاصل تھی (۱۲) سترہویں صدی ہی میں بوستان اور گلستان کا یوروپی زبانوں میں ترجمہ ہو گیا تھا۔ شیخ کے دیوان کے بھی بعض قطعات کا انیسویں صدی میں یوروپی زبانوں میں ترجمہ ہوا - سعدی کی اس قدر شہرت اور مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے قلب و روح کی ترجمانی کی ہے - چونکہ ساری دنیا کے انسانوں کے احساسات و جذبات ایک ہی جیسے ہیں اس لئے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر اس کے اور یورپ کے بڑے بڑے ادیبوں کے خیالات میں مشابہت پائی جاتی ہے - مثال کے طور پر گلستان میں جہاں ایک اعرابی بصرہ کے جوہریوں کے سامنے یہ کہانی بیان کرتا ہے کہ مجھے ایک تھیلی ملی - میں سمجھا کہ یہ بھنی ہوئی گندم کے دانے ہیں لیکن مجھے یہ جان کر بہت مایوسی ہوئی کہ وہ گول گول موتی ہیں - یہ واقعہ قاری کو رابنسن کروسو (ز) کی یاد دلاتا ہے جو اپنے دور افتادہ پر وحشت اور تنہا جزیرے میں ایک ٹوٹی ہوئی کشتی پر جاتا ہے اور جب اسے طلائی سکے ملتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کاش گاجر کے بیج یا اس قسم کی کوئی اور چیز ہوتی - اور اس سوداگر کی کہانی جس کا سامان اٹھانے کیلئے ایک سو چالیس اونٹ اور

ا. La Fontaine ب. Goethe ج. Voltaire د. Hugo
ہ. Balzac و. Musset ز. Robinson Crusoe

Marfat.com

چالیس غلام تھے اور اس کے باوجود اس پر دور دراز سفر کرنے کا جنون سوار تھا، بالزاک کی داستان کے ہیرو بابا گوریو (ا) کی یاد تازہ کرتی ہے جو اپنی زندگی کی آخری ایام میں اپنی بیٹیوں کو ایک باسعادت اور خوشحال زندگی فراہم کرنے کے لئے پیرس سے اودسا جانے اور نشاستے کی تجارت کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ اسی طرح وہ خوشبودار مٹی جو سعدی کو حمام میں ملی اور جس نے اسے ہم نشینی کے فواید سے آگاہ کیا، فدر (ب) کی اس داستان کی یاد دلاتی ہے جسے راستے میں عطر سے خالی ایک عطردان ملتا ہے اور وہ اسے ایک جان بدن سے تعبیر کرتا ہے۔ جب سعدی پرندوں کو تسبیح گو اور حیوانات کو اہل ذکر کہتا ہے تو وکٹرہوگو یاد آجاتا ہے جو اپنے قطعۂ "جذبہ" میں شیخ کی سی کیفیت سے ہم کنار ہوتا ہے (۱۳) یہ مشابہتیں جو چند مثالوں تک محدود نہیں ہیں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں کہ سعدی کے فکر و احساس کو ایک خاص اہمیت اور فوقیت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ بالزاک نے اس کی طرز شاعری کا پیندار (ج) کی طرز کے ساتھ موازنہ کیا ہے (۱۴)۔

سعدی نہ حکیم ہے نہ عارف، صرف شاعر ہے، ایک حقیقی شاعر۔ خاص طور پر انسانیت کا شاعر ہے۔ اس کا سرمایۂ فخر عشق و اخلاق ہے۔ وہ افلاطون نہیں ہے کہ ایک غیر محسوس اور غیر موجود مثالی دنیا کی بات کرے اور عشق و روح کو اتنا مجرد جوہر بنا دے کہ اس کا جسم اور مادے کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہ رہے۔ وہ سقراط ہے جو انسان اور اس کی تقدیر کو پیش نظر رکھتا ہے اور الکیبادس سقراط کی مانند ایک بازاری معشوق کے ساتھ عشق بازی کو بھی انسانیت اور کمال کی جستجو میں مانع نہیں سمجھتا۔ ڈکارٹ کی طرح وہ بھی سمجھتا ہے کہ انسان جس قدر اپنی عقل کے مکمل

ا۔ Pere Goriot ب۔ Phedre ج۔ Pindare

ہونے کے بارے میں مطمئن ہے دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں ہے۔(۱۵) لیکن والٹیئر کی مانند لڑائی جھگڑوں اور اختلافات کے بارے میں درگذر اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ ہر شخص کو اتنی آزادی اور جرأت حاصل ہو کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کا بلا خوف و خطر اظہار کر سکے۔ اس کے باوجود وہ افلاطون کی مانند اپنے لئے ایک مثالی دنیا قائم کرتا ہے اور اس میں بدی اور گناہ کو نیکی اور حسن کے قدموں پر نثار کر دیتا ہے۔ سقراط کی طرح جس چیز کو حق سمجھتا ہے بلا خوف و خطر بر ملا کہہ دیتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں عوام الناس کے غم و غصے یا نفرت کی کچھ پرواہ نہیں کرتا عوام کے بارے میں محبت آمیز بات کرتا ہے اور خود کو ان سے الگ نہیں سمجھتا۔ انہی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے اور انہیں بڑے تحمل اور بردباری سے برداشت کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ نا اہل کے لئے تربیت کو چنداں مفید نہیں سمجھتا لیکن مستعد لوگوں پر تربیت کے اثر سے بھی بے خبر نہیں ہے۔ اس کی نصیحتیں اور داستانیں بھی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض باتیں عوام میں ضرب المثل بن گئی ہیں۔ وہ اپنے اساتذہ شہاب الدین سہروردی اور ابوالفرج بن جوزی کی طرح سنت اور شریعت کی پیروی کی تعلیم دیتا ہے لیکن نہ تو وہ سہروردی بنتا ہے کہ اپنے آپ کو یکسر صوفیانہ خیالات میں غرق کر دے اور نہ ابن جوزی کہ صوفیاء کو بالکل ہی شیطان کا فریب خوردہ تصور کرے۔ وہ ایک جہاندیدہ اور عقل مند آدمی کی طرح احتیاط اور دور اندیشی سے کام لے کر درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے جس پر چل کر وہ گمراہی اور درماندگی سے نجات حاصل کرتا ہے۔ اس لئے اس کی تربیت کی اساس عملی حکمت اور زندگی کے تجربے پر ہے جسے نہ تو فلسفیوں کی دور دراز خیال آرائیاں ایک سہانے خواب زار میں لے جاتی ہیں اور جو نہ ہی صوفیاء کے نظریۂ وحدت و اتحاد کے مطابق انسان کی نفی کرتی ہے

Marfat.com

یہی میانہ روی جس کی سعدی نے تعلیم دی ہے انسان کو افراط و تفریط سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کے بغیر انسان شایان شان طور پر آزاد و بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اور سعدی کی میانہ روی کی اہمیت اسی میں ہے۔

سعدی کی نظر میں آزادی کی بہت اہمت ہے۔ یہ آزادی، آزادمنشی اور بےنیازی سے عبارت ہے۔ نہ صرف مخلوق سے بے نیازی بلکہ اپنے آپ سے بھی بے نیازی۔ یہ آزادی اور بے نیازی صرف یار و دیار اور شہر و وطن تک ہی محدود نہیں رہتی۔ شاعر کی حب الوطنی اسے سر زمین فارس میں مقید نہیں کرتی اور نہ ہی اپنی قوم اور دین سے عقیدت اسے بنی نوع انسان کی دوستی سے باز رکھتی ہے۔ جب وہ انسانی نکتہ نگاہ سے اپنی دنیا پر، فتنہ پرداز منگولوں اور عیسائیوں کی دنیا پر نظر ڈالتا ہے تو بنی آدم کو ایک دوسرے کا عضو سمجھتا ہے اور اس بات پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اس کی نظر میں یہ انسانیت کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ صرف کسی دوست یا ایک علاقے کے ساتھ محبت کرے اور ایک قوم یا خطے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دوسرے علاقے کے لوگوں کو دشمن سمجھے اور اپنے آپ کو مخصوص علاقے میں محدود کرکے حقارت اور نفرت کا طوق گلے میں ڈال لے۔ اس کے نزدیک اس حد تک آزاد منشی اور اور بےنیازی کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ آدمی قناعت اور تسلیم و رضا کے ذریعے مخلوق سے اور ایثار و تواضع کے ذریعے خود سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جو راضی برضا اور قناعت پسند ہے وہ اپنے ہم نوع کے سامنے سر نہیں جھکاتا اور جو تواضع اور ایثار سے کام لیتا ہے وہ اپنے آپ میں مقید نہیں رہتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہر قید، ہر مجبوری اور ہر گرفتاری سے آزاد ہیں۔ قناعت و رضا کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ انسان فقر و تنگدستی کو گلے لگا لے۔ اسی طرح ایثار اور تواضع کا بھی یہ تقاضا نہیں ہے کہ آدمی ذلت اور خواری کو اپنا لے کیونکہ یہ خود

Marfat.com

بھی تو قید ہیں اور ایک آزاد آدمی انہیں قبول نہیں کر سکتا ۔ اگر قناعت اور تسلیم و رضا نہ ہو تو دنیا کی کوئی دولت اور اقتدار انسان کی تمام خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتا ۔ اور اگر ایثار و تواضع نہ ہو تو کونسی جاہ و منزلت ہو گی جس سے بلند تر کی انسان آرزو نہیں کریگا ؟ لیکن جو آدمی اس درجہ آزاری اور بے نیازی کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے وہ نہ تو خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے اور نہ ہی اپنی عزت و وقار میں کمی آنے دیتا ہے ۔ ایسا ہی آدمی میانہ روی اختیار کر کے شیطان یا فرشتہ بنے بغیر مقام آدمیت پر فائز ہوتا ہے ۔ معاشرہ کے ایک فرد یعنی ایک آزاد انسان کے بارے میں سعدی کا یہی نقطہ نظر ہے ۔ لیکن یہ مرد آزاد بھی معاشرے ہی میں زندگی بسر کرتا ہے اور معاشرے کی تنظیم و تعمیر میں سیاست اور حکومت کا عمل دخل ناگزیر ہے ۔ کیا سیاست اور حکومت کے بارے میں بھی شیخ کا کوئی خاص نظریہ ہے ؟ بوستان و گلستان کے علاوہ جن میں سعدی نے بادشاہوں کے اخلاق پر جگہ جگہ تبصرہ کیا ہے ' اپنے دو رسالوں صاحبیہ اور نصیحۃ الملوک اور قصائد میں بھی سیاست کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ بعض اوقات سعدی کا بادشاہ میکیاولی کے شاہزادہ کی مانند ہے (۲٦) موقع شناس اور بہانہ جو ۔ لیکن یہ موقع شناسی اور حیلہ گری سعدی کی نظر میں ملک میں صرف امن و امان برقرار رکھنے کی حد تک جائز ہے ۔ اگر یہ ظلم و ستم پر منتج ہوتی ہے یا خود پسندی اور کج خلقی پر اسکی بنیاد ہو تو نا روا ہے ۔

باین ہمہ شیخ کی آزادہ روی اور انصاف پسندی میکیا ولی کے اس شاہزادہ سے تورات کے انبیاء ' داؤد اور سلیمان کی طرز رفتار کی توقع رکھتی ہے لیکن اس عدل و احسان کا منشاء جسے وہ سیاست میں ضروری سمجھتا ہے نہ تو ایک قانون ہے اور نہ ہی سماجی روایت ۔ یہ خوف خدا اور اس کے حکم

Marfat.com

کے آگے تسلیم و رضا کا جذبہ ہے۔ سعدی کے نزدیک بادشاہ کی حیثیت ایک راعی کی ہے۔ اس کی غفلت اور لا پرواہی اس گلہ کی زندگی اور امن و امان کو تباہ و برباد کر سکتی ہے جس کی نگہبانی کا فرض اس کو سونپا گیا ہے۔ اسی لئے وہ بادشاہ کو ہوشیار اور چوکس رہنے کی تلقین کرتا ہے اور غفلت و لاپروائی سے منع کرتا ہے۔ اس بات پر وہ بار بار زور دیتا ہے کہ سلطان کا وجود رعایا سے وابستہ ہے۔ رعایا کے بغیر سلطان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایسا بادشاہ جو رعیت پر ظلم کرتا ہے حقیقت میں اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے۔ پس سلطان کا یہ فرض ہے کہ رعایا کی دیکھ بھال کرے۔ کمزوروں کو طاقتوروں کے ظلم سے بچائے۔ فوجیوں اور سرکاری ملازمین کی دلجوئی کرے اور رعایا کے دوسرے طبقات کی سرگرمیوں سے بھی غافل نہ رہے۔

جب سلطان اس حد تک رعایا کا خیال رکھتا ہے تو بلاشبہ اسے ظل اللہ کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کی مرضی کے خلاف بات کرنا اور رائے دینا " اپنی جان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے " لیکن نہ تو انصاف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ لوگوں کو صرف سلطان کی رائے سے اختلاف کے باعث جان سے مار ڈالا جائے اور نہ ہی آزادی اور جذبہ حریت جو مقام آدمیت کا لازمہ ہے، اس بات کی متحمل ہو سکتی ہے کہ ظلم و ستم کو دیکھ کر خاموش رہا جائے۔

البتہ سعدی کا شاہزادہ صلح پسند ہے کیونکہ جب تک تدبیر کارگر ہو سکتی ہے وہ تلوار سے کام لینا ضروری نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر تدبیر ناکام ہوجائے تو جنگ ناگزیر ہے، لیکن اس کی ضرورت اس وقت ہے جب یہ جنگ امن کی خاطر لڑی جا رہی ہو۔ بصورت دیگر جنگ کی کیا ضرورت ہے؟ ایک مستعار ملک کی نگہداشت کے لئے جو بازیچۂ اطفال کی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلا جاتا ہے یہ کیونکہ روا ہو سکتا ہے کہ بلا وجہ انسانی خون بہایا جائے۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) گلستان مطبوعہ فروغی ' صفحہ ٦۰ پر کہتا ہے : جامع بعلبک میں جب میں وعظ کر رہا تھا ۔۔۔ سعدی نے اپنے حالات سے متعلق اپنی تألیفات میں جو کچھ کہا ہے اس سے آگاہی کے لئے ملاحظہ ہو : مقالۂ سعید نفیسی ' سخنان سعدی دربارہ خود ' مجلہ مہر ' سال ٥ ۔

(۲) عبدالعظیم قریب ' مقدمۂ گلستان سعدی ' صفحہ نج ۔ نہ ۔

(۳) بہارستان کے مقدمہ میں جامی نے گلستان کی مناسبت سے یوں کہا ہے:

نہ گلستان کہ روضہ ئی ز بہشت
خاک و خاشاک آن عبیر سرشت

ترجمہ : یہ گلستان نہیں بلکہ روضۂ بہشت ہے ۔ اس کے خاک و خاشاک عبیر جیسی خاصیت کے حامل ہیں ۔

با بھایش بہشت را درھا
فیض دہ قصہ هاش کوثر ها

ترجمہ : اس کے ابواب حقیقت میں بہشت کے دروازے ہیں ۔ اس کے قصے حوض کوثر کی طرح فیض رساں ہیں ۔

(۴) ملاحظہ ہو : گلستان ' فروغی ' صفحہ ۱۱۳ ۔

(۵) اس طرح کا مضمون جو خیام کے اشعار کا خاصہ ہے ' سعدی کے کلام میں بہت ہے ۔ ان اشعار کی مانند :

آن پنجۂ کمانکش و انگشت خوش نویس
ہر بندی اوفتادہ بجائی و مفصلی

Marfat.com

ترجمہ : وہ کمان کو کھینچنے والا طاقتور پنجہ اور خوشنویس انگلیاں ان کا ہر بند اور ہر جوڑ الگ الگ بکھرا پڑا تھا ۔

زدم تیشہ یک روز بر تل خاک
بگوش آمدم نالہ ئی دردناک

ترجمہ : ایک دن میں نے مٹی کے تودہ پر تیشہ مارا تو میں نے ایک دردناک نالہ سنا ۔

کہ زنہار اگر مردی آہستہ تر
کہ اینجا دل و چشم و گوش است سر

ترجمہ : کہ خبردار آہستہ تیشہ چلاؤ کیونکہ یہاں پر دل ، آنکھیں ، کان اور سر دفن ہیں ۔

(۶) نمونہ کے لئے مؤلف کے سلسلہ وار مقالات ملاحظہ ہوں جو مجلۂ یغما ، سال ہشتم ، تہران ۱۳۳۴ ہجری شمسی میں " یاد داشتہای حاشیۂ گلستان " کے عنوان سے شائع ہوئے ۔

(۷) ہمام تبریزی اس سلسلے میں طنز کرتا ہے :

ہمام را سخن دلفریب شیرین ہست
ولی چہ سود کہ بیچارہ نیست شیرازی

ترجمہ : ہمام کی شاعری تو دلکش اور شیرین ہے لیکن کیا فائدہ بیچارہ شیرازی نہیں ہے ۔

دوسرے معاصرین کی رقابت اور حسد کے بارے میں ملاحظہ ہو : داستان محاکمۂ مجد ہمگر در باب سعدی و امامی ۔ نقد ادبی ، صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۵

(۸) شبلی نعمانی ۔ شعرالعجم ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۷ ، ۱۱۰

(۹) عبدالعظیم قریب ، مقدمۂ گلستان ، صفحہ صبح ۔ صد ۔

(۱۰) Renan, J. A. 1880, xvi, 30 ,

Marfat.com

(۱۱) Masse, H. Essai sur le poete Saadi, Paris, 1919

(۱۲) سعدی در اروپا، بقلم مؤلف، مجلۂ سخن ۳، صفحہ ۶ – ۵۲۲

(۱۳) L, Extase ملاحظہ ہو: شرقیات ہوگو، پیرس، ۱۸۸۰، صفحہ ۶–۱۹۵

(۱۴) Balzac, La fille aux yeux d,or

(۱۵) ڈکارٹ عقل کے استعمال کے طور طریقے نامی رسالہ (ترجمہ فروغی، سیر حکمت جلد ۱، صفحہ ۲۱۳) کے آغاز میں کہتا ہے: لوگوں کے درمیان عقل کی تقسیم سب سے بہتر عمل میں آئی ہے کیونکہ ہر ایک اپنے حصے کو اتنا مکمل سمجھتا ہے کہ حتیٰ وہ لوگ بھی جو دوسری ہر چیز میں بہت مشکل پسند واقع ہوئے ہیں، عقل کی اس سے زیادہ جو کچھ اُن کے پاس ہے، خواہش نہیں کرتے۔

اور اسی سے ملتا جلتا سعدی کا قول ہے جو گلستان صفحہ ۶ – ۱۸۵ پر کہتا ہے:

ہمہ کس را عقل خود بکمال نماید و فرزند خود بجمال۔۔۔

ترجمہ: سب لوگوں کو اپنی عقل مکمل نظر آتی ہے اور اپنا بچہ سب سے حسین معلوم ہوتا ہے۔۔۔

گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد

بخود گمان نبرد ہیچ کس کہ نادانم

ترجمہ: اگر روئے ارض سے عقل معدوم ہو جائے تو پھر بھی کوئی شخص اپنے بارے میں یہ خیال نہیں کرے گا کہ میں نادان ہوں۔

(۱۶) اس سے مراد وہ شہزادہ ہے جس کی ایتالوی فلسفی میکیا ولی Machaivelli نے اپنی کتاب بنام Prince (شہزادہ) میں تعریف و توصیف کی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

امیر خسرو

طوطی ہند

امیر خسرو کی وفات کے چند سال بعد اسلامی دیار مغرب کا نامور سیاح دہلی آیا(۱) دہلی اس زمانے میں ایک بہت بڑا شہر تھا جو چار شہروں سے متصل اور ایک بہت بڑی فصیل سے آراستہ تھا جس کے تقریباً اٹھائیس دروازے تھے۔ فارسی، ترکی اور ھندی نژاد مسلمان مل جل کر رہتے اور بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ اس شہر پر اسلامی رنگ غالب تھا۔ اس شہر کی جامع مسجد کے تیرہ گنبد اور چار کشادہ صحن تھے جو پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ مسجد کے شمالی صحن میں سرخ پتھر کا بلند مینار تھا اور یہ چیز دہلی کی عمارت کو ایک خاص حسن عطا کرتی تھی۔ جو کوئی بھی مسجد کے مشرقی دروازے سے مسجد میں داخل ہوتا تانبے کے دو بتوں کو اپنے سامنے سجدہ ریز پاتا۔ پورا شہر موسیقی و عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ موسیقاروں کے لئے اگرچہ ایک خاص گلی طرب آباد مخصوص تھی لیکن ساز و آواز کی گونج پورے شہر میں سنائی دیتی تھی۔ اس کے باوجو اسلام کا ہر جگہ غلبہ تھا اور اس کا دور دورہ تھا۔ ذوق تصوف عام تھا جو لوگوں کو پارسائی کی طرف راغب کرتا تھا۔ دین کی محبت اور حفاظت کا خیال لوگوں کے اذہان پر غالب تھا۔ حتیٰ مطرب عورتوں کی اپنی علیحدہ مساجد تھیں۔ جب مسجد سے اذان کی آواز آتی تو ذوق موسیقی نماز کی ادائیگی میں ہرگز مانع نہ ہوتا۔ درویشوں اور زاہدوں کے جوش و خروش سے شہر میں ایک خاص رونق تھی

Marfat.com

زیارت گاہوں، خانقاہوں ' مسجدوں اور مشائخ کے حجروں میں ایسے لوگوں کا ہجوم رہتا جو نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اپنا وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرنا چاہتے تھے ۔ شہر کے باہر بڑے بڑے تالاب تھے جہاں لوگ سیر و تفریح کے لئے جمع ہوتے تھے ۔ درویش اور صوفیاء یہاں اعتکاف میں بھی نظر آتے تھے ۔ مجالس وعظ میں بھی خاص رونق تھی ۔ اکثر ایسا اتفاق ہوتا کہ شیخ کی زبان سے کوئی وجد انگیز بات نکلتی یا موقع کی مناسبت سے قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھی جاتی تو سننے والے پر جذب و شوق کی ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ وہ بیخود ہو جاتا اور اسی بے خودی میں خالق حقیقی سے جا ملتا ۔ ان مجالس میں کبھی کبھی بادشاہ اور امراء بھی شریک ہوتے اور ان مشائخ کی صحبت سے مستفیض ہوتے ۔ اگرچہ یہ بادشاہ ظاہراً دین پرستی کا اظہار کرتے لیکن در حقیقت ظالم ' بد اخلاق ' بیرحم اور متعصب تھے ۔

ابن بطوطہ کے دہلی آنے سے بہت پہلے یہاں کے بادشاہ بہت ہی مشہور تھے ۔ ان کی عظمت و دولت آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی ۔ اس زمانے میں امیر خسرو ایک گرانبہا دولت کی طرح بادشاہوں کے دربار سے وابستہ تھا ۔ غیاث‌الدین بلبن اور خاص کر اس کا بھتیجا ملک چھجو اور اس کے بیٹے ملک محمد اور بغراخان اس شاعر کی سرپرستی میں کو شاں رہتے ۔ جلال الدین خلجی اور اسکے جانشین بھی اس کی سرپرستی میں مصروف رہے ۔ غیاث الدین تغلق نے بھی اس کو مزید اعزاز بخشا اور اپنے ساتھ بنگال لے گیا ۔ ان بادشاہوں کے عہد حکومت میں جن کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے دہلی ایک پررونق شہر تھا ۔ امیرخسرو کی زندگی کا بیشتر عرصہ اسی شہر میں گذرا ۔ یہ شہر مختلف حکومتوں اور سلطنتوں کے عروج و زوال کا چشم دید گواہ تھا ۔ غلامان خلجی اور سلطان تغلق نے یہاں مختصر عرصہ کے لئے حکومت کی اور شاعر تقریبا ان تمام بادشاہوں سے وابستہ رہا اور نہایت ہی عزت اور اثر و رسوخ سے زندگی بسر کی حتی کہ امیر کے

Marfat.com

لقب سے ملقب ہوا ۔ اس کے باوجود وہ ایک درویش خصلت اور منکسرالمزاج انسان تھا ۔ وہ عام لوگوں کی طرح سادہ اور تکلف سے عاری زندگی گذارتا تھا ۔ ہندوستان میں اب بھی قوال اور دیہاتوں کے قصہ گو اس کی داستانیں سناتے ہیں ۔ ایسی داستانیں جو عوام الناس میں اس کی شہرت و مقبولیت کی غماز ہیں ۔

وہ ترک نسل تھا ۔ اس کا تعلق قرشی اور بلخ کے گرد و نواح میں رہنے والے قبیلے لاچین سے تھا ۔ اس کا باپ اس قبیلے کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا لیکن حوادث روزگار اسے کابل لے آئے ۔ آخر کار اس کا گذر سر زمین ہندوستان سے ہوا اور یہیں اس شاعر کی ولادت ہوئی ۔ اس کا باپ سیف‌الدین محمود اس زمانے میں ترک امراء میں مشہور و معروف تھا ۔ اس کی ماں بھی عمادالملک جیسے نامور امیر کی بیٹی تھی ۔ وہ قصبہ پٹیالی میں آگرہ کے نزدیک جہاں بعد میں تاج محل جیسی عظیم‌الشان عمارت تعمیر ہوئی ' پیدا ہوا ۔ ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کی شفقت سے محروم ہو گیا ۔ لیکن اس کی ماں بعد میں کافی عرصہ زندہ رہی ۔ جوانی میں نظام‌الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا جن کا شمار دہلی کے نامور مشائخ میں ہوتا تھا ۔ اس شیخ کی خانقاہ عمادالملک کے گھر سے جو خسرو کا نانا تھا نزدیک تھی ۔ اور اس طرح خسرو ان کی تربیت اور راہنمائی سے فیض یاب ہوا ۔ خواجہ حسن دہلوی جو خود ایک مشہور شاعر تھا شیخ کی حلقہ مریدی میں داخل تھا ۔ شیخ کو ان دونوں سے محبت تھی ۔ وہ خسرو کو ترک یا ترک اللہ کہتے ۔ اور بارہا کہا کہ مجھے امید ہے کہ روز قیامت اس ترک کے سوز سینہ کے باعث مجھے بخش دیا جائے ۔ ایک دفعہ کہا کہ میں ہر ایک کی رفاقت سے تنگ آچکا ہوں لیکن اس ترک کی ہم نشینی سے ہرگز نہیں ۔ اس کے باوجود اس نے اپنی زندگی شیخ کی صحبت میں خانقاہ میں بسر نہ کی ۔ وہ شاعر تھا اور جیسا کہ شاعروں کا مزاج ہے اسے کسی ممدوح کی تلاش تھی جو اس کی سرپرستی کرے ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بادشاہوں اور

Marfat.com

امراء کے درباروں کا رخ کیا اور درباری شاعر بن گیا ۔

سب سے پہلے وہ ملک چھجو کے دربار سے وابستہ ہوا جو سلطان غیاث الدین کا بھتیجااورباربک کے عہدے پر فائز تھا ۔(۲) اس کے بعد کچھ عرصہ بغرا خان بن غیاث الدین کی خدمت میں رہا ۔ پھر وہ ملک محمد کی معیت میں جو غیاث الدین کا بیٹا اور خان شہید کے نام سے مشہور تھا ملتان گیا ۔ ۶۸۳ھ کی جنگ میں جو ملک محمد اور ایک منگول سردار کے درمیان لڑی گئی ملک محمد مارا گیا ۔ اور خسرو اپنے دوست شاعر حسن دہلوی کے ساتھ تاتاریوں کے ہاتھوں اسیر ہوا اور بلخ میں قید رہا ۔ دو سال کے بعد جب اس کو رہائی ملی تو ہندوستان لوٹ آیا ۔ اور اپنی زادگاہ پٹیالی میں اقامت گزین ہوا ۔ غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد کچھ عرصہ خان جہان کے ہمراہ جو صوبہ آور کا حکمران تھا آور چلا گیا ۔ وہاں سے واپسی پر دہلی کے بادشاہ معزالدین کیقباد اور بنگال کے فرمانروا بغرا خان کی باہمی مناقشت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ لیکن باپ بیٹے کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئی اور اس شاعر نے جس کی عمر اس وقت چھتیس سال سے زیادہ نہ تھی اس کشمکش کو اپنی مثنوی قران السعدین میں نظم کیا ۔

جب دہلی پر سلطان جلال الدین خلجی کا قبضہ ہوا تو وہ شاہ کا ندیم خاص اور یار غار بن گیا اور امیر کے لقب سے نوازا گیا ۔ یہ بادشاہ جو خود بھی شاعر تھا خسرو سے بہت محبت کرتا تھا ۔ اس کے بھتیجے علاؤالدین نے بھی اس کی خدمت میں کوئی کسر آٹھا نہ رکھی ۔ خسرو نے ان دونوں بادشاہوں کی مدح سرائی کی اور ان کی فتوحات کے بارے میں تاج الفتوح اور خزائن الفتوح لکھی ۔ پنج گنج نظامی کے جواب میں اس نے جو خمسہ لکھا اسے اس نے سلطان علاؤالدین کے نام معنون کیا حتیٰ کہ اس نے اپنی مثنوی نہ سپہراس کے بیٹے قطب الدین کی نذر کی جس کے صلے میں سلطان نے اس کو کثیر انعام سے نوازا ۔

Marfat.com

سلطان غیاث‌الدین تغلق بھی جس نے خلجی خاندان کے زوال کے بعد حکومت حاصل کی اسے عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ خسرو نے اس کی سلطنت کی تاریخ کو تغلق نامہ میں سپرد قلم کیا۔ وہ اس کے ہمراہ بنگال بھی گیا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اسی دوران اس کے پیر و مرشد شیخ نظام‌الدین اولیاء نے وفات پائی۔ واپسی پر جب شاعر نے اپنے پیر و مرشد کی رحلت کی خبر سنی اسے بے حد صدمہ ہوا۔ محرومی کے شدید احساس اور درد تنہائی کی تاب نہ لاتے ہوئے ذیقعدہ ۷۲۵ھ میں وفات پائی اور شیخ کے پہلو میں دفن ہوا۔ رحلت کے وقت اس کی عمر ۷۳ سال تھی۔ اس سے پہلے شاعر کی والدہ اور بھائی جس سے شاعر کو بے انتہا محبت تھی وفات پا چکے تھے۔ خسرو کا ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام ملک احمد تھا جس کا تنقیدی ذوق خصوصاً شاعری کے بارے میں بہت اچھا تھا۔

خسرو صرف شاعر ہی نہیں تھا بلکہ ادیب، انشاء پرداز اور تاریخ دان بھی تھا۔ اس کو نثر نویسی میں بھی خاص دسترس حاصل تھی چنانچہ "اعجاز خسروی" اسی مہارت کا نمونہ ہے۔ وہ موسیقی میں بھی مہارت رکھتا تھا اور جو سر اس نے بنائے وہ قوالوں اور موسیقاروں کے لئے باعث حیرت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے فارسی کی طرح ہندی زبان میں بھی کئی دیوان لکھے۔ کچھ شعر اس نے عربی زبان میں بھی کہے۔ اس کے علاوہ اس کی زندگی کے ہر دور سے متعلق پانچ دیوان فارسی میں ہیں جن کے نام یہ ہیں تحفۃالصغر، وسطالحیات، غرۃالکمال، بقیۂ نقیہ اور نہایت الکمال۔ یہ دیوان قصائد، غزلیات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہیں۔ اور شاعر نے اپنے متقدمین کے اسلوب کی تقلید میں اپنی قدرت و مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ خمسہ بھی پنج گنج نظامی کی طرز پر لکھی گئی اور وہ مجموعی طور پر دوسال میں مکمل ہوئی۔ اس کے علاوہ روز مرہ کے حالات و واقعات پر بھی اس کی نظر تھی۔ جیسا کہ

Marfat.com

قران السعدین سے ظاہر ہے جس میں اس نے کیقباد اور بغرا خان کی باہمی کشمکش کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح اس نے علاؤالدین کے بیٹے خضر خان اور گجرات کے راجہ کی بیٹی دولرانی کی عشقیہ سرگذشت کو خضر خان و دولرانی کے عنوان سے ایک مثنوی میں نظم کیا ہے۔ (۳)

اس کے علاوہ اس نے جلال الدین اور علاؤالدین خلجی کے جنگی کارناموں کو تاج الفتوح اور خزائن الفتوح میں نقل کیا ہے۔ الغرض جیسا کہ مشہور ہے نظم و نثر میں اس کی تالیفات چار لاکھ ابیات پر مشتمل ہیں۔

خمسہ اگرچہ پنج گنج نظامی کی تقلید میں لکھی گئی لیکن اس کے لطف بیان اور مخصوص لحن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مطلع الانوار بھی مخزن الاسرار کے وزن اور طرز پر لکھی گئی اور اسی کی طرح بیس مقالوں پر مبنی ہے۔ قصہ پردازی اور پند و نصایح کا انداز بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ شیرین و خسرو بھی نظامی کی خسرو و شیرین سے جدا کوئی چیز نہیں ماسوائے اس کے کہ داستان کی جزئیات میں کم و بیش اختلاف پایا جاتا ہے۔ مریم و شکر کی داستان اور شیرین و فرہاد کی عاشقانہ واردات کا رنگ مختلف ہے۔ جزئیات میں پرویز کا انجام بھی نظامی کی داستان سے مختلف ہے۔ اس کے علاوہ دونوں داستانوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں شعر کا وزن اور انداز بیان ایک ہی جیسا ہے حتیٰ کہ کتاب کے آغاز میں امیر خسرو بھی نظامی کی طرح اپنے کم سن بیٹے کو بزرگانہ انداز میں نصیحت کرتا ہے۔ اسی طرح مجنوں اور لیلیٰ میں بھی اپنے چودہ سالہ بیٹے کو نظامی ہی کے انداز میں نصیحت کرتا نظر آتا ہے۔ اس کا مجنوں بھی نظامی کے مجنوں سے مشابہہ ہے اور اسی کی طرح عشق لیلیٰ میں بیابان کی راہ لیتا ہے۔ لیکن یہاں مجنوں کو اس کی مرضی کے خلاف آمادہ کیا جاتا ہے کہ نوفل کی بیٹی سے شادی کرلے لیکن عاشق سودائی حجلہ عروسی کو چھوڑ کر دوبارہ بیابانوں کی طرف نکل جاتا ہے۔ لیکن یہ خبر لیلیٰ کو شکایت

Marfat.com

و عتاب پر مائل کرتی ہے ۔ ان دونوں کے درمیان درد و سوز سے لبریز خطوط کا تبادلہ ہوتا ہے۔ آخر کار مجنوں کی موت کی افواہ اس زود رنج اور حساس لڑکی کو بستر علالت پر ڈال دیتی ہے اور اس کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔ مجنوں کو جب لیلیٰ کی موت کی اطلاع ملتی ہے تو اس کی قبر پر جاتا ہے اور وہیں گر کر جان دے دیتا ہے۔ حکایت میں جزئی اختلاف کے علاوہ امیر خسرو کی داستان قصہ نظامی کی تقلید کے سوا کچھ نہیں۔ آئینۂ اسکندری بھی اسکندر نامہ کی تقلید ہے اور اسی بحر متقارب اور اسی طرز بیان میں لکھی گئی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اس کے اسکندر نے کچھ نئے کام بھی سرانجام دئیے ہیں۔ خصوصاً خاقان چین کے ساتھ جنگ جس سے نظامی نے صرف نظر کیا تھا۔ لیکن اس کی داستان میں قدرت و لطافت کا فقدان ہے اور ہر جگہ تقلید و تکلف کے آثار نمایاں ہیں۔ ہشت بہشت بھی ہفت پیکر ہی کے وزن اور طرز پر لکھی گئی یہاں نعمان بہرام کو شکار اور صحرانوردی سے واپس لانے کے لئے غزالان شبستان کے شکار پر آمادہ کرتا ہے۔ ہفت بہشت کی طرح سات محل بنواتا ہے اور دنیا کے سات گوشوں سے بادشاہوں کی سات بیٹیوں کو لا کر ان محلات میں رکھتا ہے۔ ان محلات کی ہر حسین شہزادی یعنی بانوئے ہند' بانوئے نیمروز' بانوئے تاتار' بانوئے روم' ہر رات بہرام کو کوئی داستان سناتی ہے ۔ اور اس طرح بہرام ہفت بہشت کی ان پر تعیش راتوں میں ان حسیناؤں کا شکار ہو جاتا ہے اور آخر کار شکار و بیابانگردی سے دست بردار ہو جاتا ہے ۔ یہ ہفت گنبد بھی گویا ہفت بہشت ہی ہے۔ لیکن اس میں شاعر ایک اور بہشت کا بھی پتہ دیتا ہے جس کے اندر یہ سات بہشت واقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کی کتاب کا نام ہشت بہشت ہے۔ یہ ہے امیر خسرو کا خمسہ جو اٹھارہ ہزار اشعار پر مبنی ہے اور دو سال میں نظامی ہی کے اسلوب اور انداز میں نظم کیا گیا۔ لیکن اس میں وہ گہرائی و لطافت کمیاب ہے جو نظامی کے یہاں ہے ۔

Marfat.com

خود شاعر جو تنقیدی ذوق بھی رکھتا ہے نظامی کی برتری کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ قبول بھی کرتا ہے اور خمسہ کی تمام مثنویوں میں اس کو عزت و احترام سے یاد کرتا ہے اور اس اسلوب میں اس کو اپنا پیشرو سمجھتا ہے۔ خسرو شاعری میں زیادہ تر متقدمین کے اسلوب بیان کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ خود بڑی باریک بینی اور غیر جانبداری سے اپنی تالیفات پر تنقید کرتا ہے اور غرۃالکمال کے مقدمے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ فن شعر کا استاد نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ اعتراف درویشانہ طبع اور منکسرالمزاجی کا حامل ہے۔ وہ خود اس بات کا معترف ہے کہ اس لے نہ تو کسی نئے اسلوب کی اختراع کی اور نہ ہی اس کا کلام لفظ و معنی کی غلطیوں سے مبرا ہے۔ لیکن اس کا بیان قوی، فطری اور استادانہ ہے۔ اس کے اسلوب کا نیا پن جو اس کی تالیفات میں آشکار ہے اس کے شعر کو ایک خاص رنگ عطا کرتا ہے۔ اس کے دیوان کو پڑھنے والا اس کے یہاں خاقانی کے محکم اور پر وقار اسلوب کے ساتھ ساتھ سعدی کی عزوبت و شیریں بیانی بھی محسوس کرتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے انداز بیان میں نظامی کی لطافت اور سنائی کی گہرائی اور تاثیر بھی دکھائی دیتی ہے۔ اصناف شاعری کی کوئی صنف سخن اور متقدمین کے اہم اسالیب میں کوئی اسلوب ایسا نہیں جس پر کم و بیش خسرو نے طبع آزمائی نہ کی ہو حتیٰ کہ صنعت و تکلف کے رجحان سے بھی جس نے ادیب صابر، رشید وطواط اور عبدالواسع جبلی کے اسلوب سخن کو خشک و بے مزہ کر دیا وہ غافل نہیں رہا۔ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ غزل میں سعدی، مثنوی میں نظامی، حکمت و موعظہ میں سنائی و خاقانی، اور قصائد میں رضی الدین نیشاپوری اور کمال الدین اسماعیل پر نظر رکھتا تھا۔ جامی نے درست کہا ہے کہ خمسۂ نظامی کا جواب اس سے بہتر کسی نے نہیں لکھا (۴) لیکن حقیقت میں اس کی فضیلت اور مقبولیت کا باعث اس کی غزل ہے۔

Marfat.com

عشق و عاشقی کی کیفیات کے بیان میں اس کا کلام سعدی کی یاد دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے قصہ پرداز سعدی کو اس سے ملانے کے لئے ہندوستان لے آئے ۔ در حقیقت ان دو مشہور شعرا میں کچھ ایسا روحانی تعلق نظر آتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے ان کی ملاقات کے امکان کو بعید از قیاس نہیں سمجھا ۔ وہ خود سعدی اور اس کے اسلوب بیان کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن در حقیقت وہ بھی سعدی کی طرح عشق کے اسرار و رموز سے خوب آشنا ہے ۔ اس کی غزلیات سادگی اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ درد و سوز سے لبریز ہیں۔ اس کی تمام غزلوں میں نا امیدی اور تلخی غم کی جھلک ملتی ہے ۔ان غزلیات میں عشق کا سچا تجربہ اور سچے واردات ملتے ہیں۔ دل کے ان تجربات و واردات میں جنھوں نے خسرو کی غزلیات کو واقعہ گوئی کا ایک نمونہ بنا دیا ہے شاعر کی روح کی آواز سنی جا سکتی ہے' وہ روح جو غم و الم کے بارگراں سے ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ اس کا عشق جو اس کی غزلیات کو بلندی عطا کرتا ہے نفسانی ہوس نہیں بلکہ وہ درد ہے' ایک حقیقی درد جو شرم و ملامت سے ناآشنا ہے اور رسوائیوں و نومیدیوں کا شناسا اور جو عہد پیری میں بھی شاعر کی روح سے جدا نہیں ہوتا ۔ وہ اپنی عمر کے آواخر تک حسن کا دلداہ رہا :

دل ز تن بردی و در جانی هنوز
درد ها دادی و درمانی هنوز

ترجمہ : تم نے میرے دل کو میرے جسم سے نکال لیا ہے۔ لیکن ابھی تک تمھارا وجود میری روح میں باقی ہے۔ تم ہی نے مجھے درد عطا کیا اور تم ہی اس کا درماں ہو ۔

آشکارا سینه را بشگافتی
همچنان در سینه پنهانی هنوز

Marfat.com

ترجمہ : تم نے اگرچہ میرے سینے کو چیر ڈالا ہے لیکن اس کے باوجود تم اسی میں چھپے بیٹھے ہو -

ملک دل کردی خراب از تیغ ناز

اندران و یرانہ سلطانی ہنوز

ترجمہ : تم نے دل کی مملکت کو ناز و انداز کی شمشیر سے تباہ و برباد کر دیا - لیکن اس ویرانۂ دل میں ابھی تک تم ہی بادشاہ ہو -

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ئی

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ترجمہ : تم نے دونوں جہاں کو اپنی قیمت بتایا ہے - اپنی قیمت کچھ اور بڑھاؤ کیونکہ یہ بہت کم ہے -

پیری و شاہد پرستی نا خوش است

خسروا تا کی پریشانی ہنوز

ترجمہ : بڑھاپے میں حسن پرستی زیب نہیں دیتی ، ای خسرو کب تک اسی طرح آشفتہ خاطر رہو گے -

Marfat.com

تصریحات

(۱) سفر نامۂ ابن بطوطہ، ترجمہ محمد علی موحد صفحہ ۴۰۴ اور اس کے بعد

(۲) باربک اس زمانے میں امیر اعظم کی طرح ہوتا تھا اور اس منصب پر فائز شخص جب بھی چاہتا بادشاہ کے دربار میں جا سکتا تھا ۔ در حقیقت وہ عرض بیگ ہوتا جو لوگوں کی عرائض بادشاہ کے حضور لے جاتا ۔

(۳) اس نظم کا عنوان خضر خان اور دولرانی ہے ۔

(۴) بہارستان جامی، مطبوعہ تہران، صفحہ ۱۱۹ ۔

Marfat.com

Marfat.com

ابن یمین

ایک کسان شاعر

وہ ایک معمولی کسان تھا جس کے پاس تھوڑی سی زمین اور دو بیل تھے ۔ اس نے اپنے ایک بیل کا نام وزیر اور دوسرے کا امیر رکھا تھا ۔ یہ وہ دور تھا جب بادشاہوں کے دربار کے سوا شاعری کا کوئی خریدار نہ تھا ۔ شاعروں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ گاہے گاہے دوسرے درباریوں کی طرح دربار میں حاضر ہو کر کورنش بجا لائیں ۔ لیکن ابن یمین کے حالات ایسے تھے کہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ اپنے گاؤں کے مکان میں سکون و عافیت کی زندگی بھی گذار سکتا تھا اور صاحب حشمت امراء کے دربار میں دوسرے ہم عصر شعراء کی طرح عزت و ناموری سے بھی ہم کنار ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ایک شاعر ہونے کے علاوہ دولت مند اور آسودہ حال کسان بھی تھا ۔ اس لحاظ سے اس کی زندگی روم کے بلند پایہ شاعر ہوراس (ا) سے مشابہ نظر آتی ہے جو آگسٹے (ب) کے دربار سے بھی منسلک تھا اور دیہاتی زندگی کی آسائشوں سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا ۔ لیکن ابن یمین نہ تو مشہور و معروف اور بلند پایہ مدح گو تھا اور نہ ہی سبزوار کے سربداروں کو روم جیسی شان و شوکت حاصل تھی ۔

اس کے باوجود اس سبزواری دہقان نے اپنی پر سکون اور سادہ زندگی کے بارے میں جو اشعار کہے ان کو پڑھ کر ہر آزاد منش آدمی بادشاہوں کی خدمت سے بیزار اور بے نیاز ہو کر گاؤں کی آرام دہ اور پر سکون زندگی کی

ا. Horace ۔ ب. Auguste

Marfat.com

خواہش کرنے لگتا تھا ۔

دو قرص نان اگر از گندم است و گر از جو

دو تای جامہ اگر کہنہ است و یا خود نو

ترجمہ : دو روٹیاں درکار ہیں خواہ گندم کی ہوں یا جو کی ۔ دو کپڑے درکار ہیں خواہ پرانے ہوں یا نئے ۔

چہار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع

کہ کس نگوید ازین جای خیز و آنجا رو

ترجمہ : سکون وعافیت کے لئے (اگر) ایک اپنا گھر ہو تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہاں سے آٹھ اور وہاں جا ۔

ہزار مرتبہ بہتر بہ نزد ابن یمین

ز فرمملکت کیقباد و کیخسرو !

ترجمہ : (تو) ابن یمین کے نزدیک کیقباد اور کیخسرو کی حکومت کے کر و فر سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔

اس کے باوجود شاعر کو مجبوراً کئی بار آزادی اور قناعت کو ترک کر کے ملازمت اور مدح سرائی اختیار کرنی پڑی کیونکہ آئے دن کے حوادث اور فتنوں میں اس کا امن و سکون تباہ و برباد ہو کر رہ گیا تھا ۔ امن و سکون جس کا ثمرہ بے نیازی اور آزاد منشی ہے ' کے بغیر ایک دہقان کی زندگی مستقل تشویش اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں ۔ علاوہ ازیں چونکہ وہ شاعر بھی تھا اس لئے خود کو اس عہد کے صاحب حشمت لوگوں سے منسلک کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تھا اور اس طرح وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی جائداد اور زمینوں کو تجاوز کاروں کی دستبرد سے بھی محفوظ رکھ سکتا تھا ۔

چنانچہ اس مشکل دور میں فریومد کے دہقان ابن یمین نے جس کا نام

Marfat.com

محمود تھا اور اسے فخرالدین بھی کہتے تھے صرف اپنے بیلوں اور کھیتی باڑی پر قناعت نہ کی ۔ اس نے اپنے گوشہ عافیت سے نکل کر امراء شہر کی ملازمت اختیار کر لی اور اسی خدمت پر جس پر اس کا باپ یمین الدین طغرائی بھی مامور تھا وہ بھی مامور ہوا ۔

سبزوار کے نواح میں فریومد کے گاؤں میں ابن یمین کی جائداد اور زمین تھی اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہاں قیام پذیر تھا ۔ ان فتنوں کے باوجود جو اس زمانے میں خراسان میں سر اٹھا رہے تھے وہ زیادہ تر وہیں رہا ۔ مخالفوں کی زیادتیوں اور دستبرد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی خاطر اس نے مقامی حکام اور امراء کے ساتھ میل جول بڑھایا ۔ اس نے ابتدائی تعلیم مدارس میں حاصل کی ۔ اس کے اپنے دعوے کے مطابق علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ دونوں سے بے بہرہ نہ تھا ۔ اس کے ایام جوانی اسی فریومد میں بسر ہوئے اور انھیں زمینوں پر رہتا رہا جو اس کے باپ نے خریدی تھیں ۔ اس کے باپ نے جو خود بھی شاعر تھا اور خواجہ علاؤالدین وزیر خراسان کے دربار میں مستوفی کے عہدے پر فائز تھا ، اپنے بیٹے کو علم و ادب کی تعلیم دی ۔ باپ کی مانند اس کے بیٹے محمود پر بھی جسے ابن یمین کہتے تھے ، اس نامور اور صاحب حشمت وزیر کی نوازشات اور عنایات جاری رہیں جو فریومد میں پورے اقتدار اور آزادی کے ساتھ ایلخانیوں کی طرف سے حکومت کر رہا تھا ۔ وہ کاشتکاری کے علاوہ وزیر کے دربار میں بھی ملازمت کرتا رہا اور اس طرح اس کے اقتدار کے زیر سایہ بے فکری اور بے نیازی کی زندگی بسر کرتا رہا ۔ اس کے باوجود وہ نہ تو وزیر سے خوش تھا اور نہ ہی اپنی ملازمت سے مطمئن تھا جب اس کے باپ یمین الدولہ نے وفات پائی تو ابن یمین کی عمر سینتیس سال کی تھی اور وہ اپنے ملک میں بحیثیت شاعر کے بڑا نام پیدا کر چکا تھا ۔ وزیر خراسان کی سرپرستی اور جاہ و حشمت کی بدولت کاشتکاری کے ایام اس

Marfat.com

کے لئے بڑے خوشگوار تھے ' لیکن اس کی زندگی کا یہ دور جو پہلے بھی زیادہ اطمینان بخش نہ تھا دیرپا ثابت نہ ہوا۔ اسی زمانے میں سربداروں نے وزیر خراسان کی حکومت کی بساط الٹ دی۔ چنانچہ فریومد کے اس دہقان کو جو اپنے قلبی رجحان کے برعکس وزیر کے دربار سے منسلک تھا ایک عرصہ کے لئے اپنے ملک و قوم کو چھوڑ کر بے وطن ہونا پڑا۔ پہلے وہ وزیر خراسان کے ہمراہ گرگان گیا اور وہاں کے حاکم طغاتیمور نامی منگولی امیر کے دربار سے منسلک ہوگیا۔ لیکن اس بد مزاج اور گنوار امیر کے دل میں شاعر کی کوئی قدر نہ تھی۔ ابن یمین جو سوء اتفاق سے اس دربار میں آیا تھا اس صورت حال سے نہایت افسردہ اور نا خوش تھا۔ چنانچہ جونہی علاءالدین وزیر کی وفات ہوئی اس نے جو برسوں کی سرگردانی اور در بدری کی زندگی سے تنگ آ چکا تھا ' گرگان کو چھوڑ کر خراسان کی راہ لی۔ مسعودِ سربدار جو "کسوت مساوات" زیب تن کئے ہوئے تھا اور خراسان کے لئے آزادی اور آسائش کی نوید لایا تھا ' خراسان کے دوسرے کسانوں کی طرح اس کے لئے بھی امید کی کرن تھا (۱) چنانچہ فریومد کے اس دہقان کی امید بر آئی اور اس جوانمرد سربدار کی خدمت میں اسے اپنا کھویا ہوا آرام و سکون دوبارہ مل گیا۔ لیکن سربداروں کے سردار اور ہرات کے امیر معزالدین کرت کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں شاعر قیدی بنا لیا گیا۔ اس کا شعری دیوان ضایع ہوگیا اور وہ خود نا چار امیر ہرات سے منسلک ہوگیا۔ تین سال اس نے امیر کرت کی خدمت میں گذارے۔ جب فریومد واپس آیا تو مسعود سربدار کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سربداروں کی حکومت رو بہ زوال تھی۔ اگرچہ سربداروں نے فریومد کے شاعر کی بڑی گرمجوشی سے پذیرائی کی لیکن اب امور میں عدم استحکام آچکا تھا۔ ابن یمین نے بڑھاپے کے باعث امیران سربدار کے دربار سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور کاشتکاری کرنے لگا۔ گاؤں کی آرام دہ زندگی کے ان ایام میں وہ حکمت و اخلاق کے مسائل پر

Marfat.com

غور و فکر کرنے میں مصروف رہا - ۷۶۹ ہجری میں جب اس نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اس کی عمر چوراسی سال تھی - عمر کے آخری دنوں میں انقلاب زمانہ اور حوادث روزگار نے ابن یمین کو جو کسی زمانے میں ہر قسم کے فکر و تردد سے آزاد ایک دہقان تھا نا آسودگی، گوشہ نشینی اور باطنیت کی طرف مائل کر دیا تھا - غموں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے حشیش و شراب کا سہارا ڈھونڈا تھا لیکن یہ بات اس کے لئے مزید تشویش و پریشانی کا باعث بن گئی تھی - آخری عمر میں لقوہ کی بیماری نے اس کے چہرے کو ٹھیڑا دیا تھا (۲) ان سب مصائب نے اس کی آزاد اور بیقرار روح کو مایوسی اور قنوطیت کے بھاری بوجھ تلے دبا دیا تھا -

ابن یمین کا دیوان سربداروں اور آل کرت کے درمیان جنگ میں ضایع ہو گیا اور اس کی جوانی کے اشعار کا ایک معتد بہ حصہ جنگ و جدل کی نذر ہو گیا - لیکن شاعر اس حادثہ کے بعد بھی چھبیس سال تک زندہ رہا - اس لئے اس مدت میں اس نے ایک اور دیوان مرتب کیا - اس دیوان میں زیادہ تر اس کی آخری عمر کے اشعار ہیں اور اس میں عہد جوانی کے اشعار بہت کم ہیں - یہ دیوان قصاید اور غزلیات پر مشتمل ہے - لیکن اس کی طباعی اور مہارت کا اظہار اس کے مختصر قطعات میں زیادہ بہتر طور پر ہوا ہے - اخلاقی نکات سے سرشار اس کے یہ قطعات اکثر مختصر، محکم، تصنع سے پاک اور حکمت و عبرت سے لبریز ہیں - غور و فکر کی طرف میلان اور اخلاقی مسائل کا تجزیہ اس کی خصوصیات ہیں - خاص طور سے اس کے افکار کی گونا گونی اور اور بیان کی لطافت دلچسپ ہے - اس کے بعض مضامین پہلے شعراء مثلاً انوری، سعدی اور مولوی سے لئے گئے ہیں لیکن اس کی سادہ بیانی بہت مؤثر ہے - مجموعی طور پر اس کے کلام میں متضاد مضامین کی بھرمار ہے - کہیں تو سعدی اور ظہیر فاریابی کے کلام کی روانی اور سلاست ہے اور کبھی وہ مبہم

Marfat.com

الفاظ اور مبتذل مضامین کے استعمال سے اجتناب نہیں کرتا ۔ قصائد میں زیادہ تر انوری کو مدنظر رکھا ہے اور اس کے بعض مضامین کو نقل کیا ہے اور بعض کو اپنایا ہے ۔ ظہیر فاریابی ، مسعود سعد اور بندار رازی بھی اس کے مدنظر رہے ہیں ۔ غرض کہ فریومد کا یہ دہقان شاعر قدیم شعراء کے دواوین سے اچھی طرح مانوس اور شناسا تھا ۔ لیکن اپنی تمام ترکوشش کے باوجود وہ قدیم استادان سخن کی تقلید سے پوری طرح عہدہ برا نہیں ہو سکا ۔ کبھی کبھی سادگی میں خود کو عنصری اور انوری کا ہم پلہ سمجھنے لگتا ہے ۔ اس کے باوجود قصیدہ کی مانند غزل میں بھی کمتر و کم مایہ ہے ۔ اس کی بیشتر غزلیں معنوی اعتبار سے معمولی اور مبتذل مضامین پر مشتمل ہیں اور ان میں لطافت و طراوت کا فقدان ہے ۔ لیکن اس کے قطعات قدر و قیمت کے اعتبار سے بلاشبہ اعلیٰ پائے کے ہیں ۔ ان پر معنی چھوٹے چھوٹے قطعات میں شاعر نے لطیف اور عمدہ افکار کو نہایت خوبصورت تشبیہوں اور عمدہ مثالوں کے ذریعے بیان کیا ہے ۔ ہر چند کہیں کہیں لفظی انتشار موجود ہے لیکن پھر بھی ان میں سے بیشتر قطعات مکمل اور اصالت کے حامل ہیں ۔ اس لحاظ سے اس دور کے شعراء میں اسے ایک ایسا شاعر تصور کیا جا سکتا ہے جو کم نظیر ہے ۔

اس کی حکمت عملی ، تجربہ اور عقل سلیم پر مبنی ہے ۔ حادثات زمانہ نے جہاں اسے زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا وہیں ہر قدم پر حکمت و عبرت کی طرف بھی اس کی راہنمائی کی ۔ لیکن یہ حکمت و عبرت اس کے اپنے تجربات کا حاصل ہے ۔ اس لئے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلی آجاتی ہے ۔ مثلاً خوش حالی کے زمانے میں سخاوت پر زور دیتا ہے لیکن جب خود تنگدستی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو میانہ روی کی حمایت کرتا ہے ۔ جب ناسازگاری حالات کے باعث کاشتکاری سے حسب ضرورت آمدنی نہیں ہوتی تو ملازمت کرلیتا ہے لیکن جونہی اس کا ضمیر بیدار ہوتا

Marfat.com

ہے اسے نوکری کے خیال سے ندامت ہونے لگتی ہے۔ بلندی طبع اسے ملامت کرتی ہے اور جاہ طلبی کے میلانات پر اس کی سر زنش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی دوسرے شعراء کی طرح بادشاہوں کی ملازمت بھی اختیار کرتا ہے تو بالآخر اس سے توبہ کر لیتا ہے اور سلاطین کی پوری مملکت کا دو بیلوں اور ایک کھیت کے بدلے سودا کر لیتا ہے :

اگر دو گاو بدست آوری و مزرعہ یی

یکی امیر و یکی را وزیر نام کنی

ترجمہ : اگر تجھے دو بیل اور زمین کا ایک ٹکڑا میسر آ جائے تو ایک کا نام امیر اور دوسرے کا نام وزیر رکھنا ۔

بدان قدر چو کفاف معاش تو ندهد

روی و نان جوی از جهود وام کنی

ترجمہ : اگر یہ تیری معاشی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو تو یہودی سے نان جویں قرض لے لینا ۔

هزار مرتبه بهتر که از پی خدمت

کمر به بندی و بر چون خودی سلام کنی

ترجمہ : اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ تو خدمت میں کمر بستہ ہو اور اپنے جیسے کے سامنے کورنش بجا لائے ۔

اس درس اخلاق میں جسے ابن یمین نے اپنے تجربے کی روشنی میں پیش کیا ہے، سعی و عمل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ صوفیہ کے برعکس روزی کی تلاش میں بھاگ دوڑ کو توکل کے خلاف نہیں سمجھتا۔ ہر چند وہ حرص و آز کا بالکل متمنی نہیں ہے لیکن فقر و افلاس سے چھٹکارا پانے کے لئے سعی و کوشش کو ضروری سمجھتا ہے۔ بایں ہمہ جبر و تقدیر کے منفی اثر سے بھی بے خبر نہیں اور یہی خدشہ ہے جو طوفان حوادث کی کشمکش میں، جہاں

Marfat.com

انسان اپنے اختیار سے باہر قاہرانہ قوتوں سے نبرد آزما نہیں ہوسکتا' آیے پائیداری و استقامت کی رغبت بھی دلاتا ہے اور تسلیم و رضا کی طرف بھی راہنمائی کرتا ہے۔ چونکہ ایسے حالات میں ضعیف انسان تسلیم و رضا کے سوا کچھ نہیں کر سکتا ' لہذا اس کے لئے اس صبر و تسلیم میں بھی ایک لذت اور حلاوت ہے۔ لیکن یہ صبر و تسلیم' ذلت و خواری کا نام نہیں ہے۔ یہ ایسی خرد مندی اور روشن ضمیری ہے جو انسان کو فنا اور زوال کے خوف سے محفوظ رکھ سکتی ہے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دہقان شاعر قناعت کو آسودگی کی شرط سمجھتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ دنیاوی جاہ و مقام جس کا مقدر زوال اور بے ثباتی ہے' اس قابل نہیں کہ اُن کی خاطر انسان اپنے آپ کو دوسروں کا غلام بنا لے لیکن چونکہ جہاندیدہ اور تجربہ کار ہے' اس بات سے بھی بے خبر نہیں کہ لوگوں کے درمیان آدمی اسی وقت آزادی کے ساتھ باعزت زندگی بسر کر سکتا ہے جب وہ مخلوق سے بے نیاز ہو اور جو مخلوق کا دست نگر ہے اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس لئے زر و مال کو جہاں تک وہ شاد کامی کا سامان فراہم کرتا ہے' خوشی کا باعث سمجھتا ہے لیکن چونکہ رزق قسمت میں لکھا ہوتا ہے ' اس لئے تنگدستی کا غم کھانا بے فائدہ سمجھتا ہے اور قناعت و خرسندی سے بڑھ کر کسی چیز کو بہتر خیال نہیں کرتا۔ اس کے باوجود سعی و کوشش کو لازم سمجھتا ہے اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے خطرات کے مقابلے کو ضروری تصور کرتا ہے ۔ حقیقت میں اس کا مدعا ہوس پرستوں کی طرح نہ تو جاہ و جلال ہے اور نہ درویشوں کی مانند فقر و احتیاج ۔ اس کا مقصد معنوی آسائش ہے جس کے حصول کے لئے سعی و عمل ضروری ہے اور سعی و عمل کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں۔ اس طرح شاعر نے زندگی کے تجربے اور زمانے کی بے ثباتی سے مآل اندیشی اور

Marfat.com

قنوطیت پسندی کا سبق سیکھا ۔ اسی مآل اندیشی اور قنوطیت پسندی نے اسے گوشہ نشینی کی طرف مائل کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اہل جہاں کو تین گروہ میں تقسیم کرتا ہے ۔ کچھ طعام کی مانند ہیں جن سے انسان علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا ۔ کچھ کی حیثیت دوا کی ہے جس کی کبھی نہ کبھی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے ۔ باقی لوگ بیماری کی مانند ہیں ۔ ان سے پرہیز لازم ہے اور دل کے آئینے کو ان کے تنفس سے دھندلانا نہیں چاہیے ۔ اس کے باوجود بے ریا اور سچے دوست کی صحبت کو وہ ایک نعمت تصور کرتا ہے اور دوست کی خاطر جان و مال کو بھی اہمیت نہیں دیتا ۔ لیکن اس کے خیال میں دنیا کی بے ثباتی اور زوال کا خوف انسان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ یہاں کی کسی نعمت سے دل لگائے ۔ خیام کی طرح لیکن ایک سادہ و خوش اعتقاد کسان کی فصاحت کے ساتھ کہتا ہے :

ز دیوانہ یی کرد روزی سؤال
سلیمان مرسل علیہ السلام

ترجمہ : ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دیوانے سے پوچھا

کہ چون بینی این سلطنت کز پدر
مرا ماند با این ہمہ احتشام

ترجمہ : کہ یہ سلطنت جو مجھے باپ سے اتنے جاہ و حشمت کے ساتھ ملی ہے تجھے کیسی لگتی ہے ۔

چہ خوش داد دیوانہ وی را جواب
کہ چون نیست این مملکت مستدام

ترجمہ : دیوانے نے انہیں کتنا عمدہ جواب دیا چونکہ یہ مملکت ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے ۔

Marfat.com

پدر مدتی آهن سرد کوفت

تو در باد پیمودنی صبح و شام

ترجمہ : باپ ایک عرصہ تک آهن سرد کوٹتا رہا تو صبح و شام باد پیمائی میں مشغول ہے۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) سربداروں کی تحریک اور عامتہ الناس کے مختلف طبقوں میں رد عمل کے بارے میں اطلاعات کے لیے مثلاً حظہ ہو : رسالۂ پطرو شفسکی' نہضت سربداران در خراسان ' ترجمہ کریم کشاورز ' در فرہنگ ایران زمین جلد ۱۰ صفحہ ۴-۱ ' تہران ۱۳۴۱ ہجری شمشی -

(۲) دیوان مطبوعہ سعید نفیسی کے صفحہ ۱۲ پر اس طرف اشارہ ملتا ہے۔

ترا صورت از لقوہ گر کج شود

چہ نقصان رسد زان بمعنی راست

ترجمہ : اگر لقوے کے باعث تیرا چہرہ ٹیڑھا ہو جائے۔ تو اس سے حقیقی معانی کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے -

اگرچہ فتد تیر در احتراق

و گر چند گیرد تن ماہ کاست

ترجمہ : عطارد بھی تو آفتاب کے ساتھ ایک برج میں ہونے کے سبب اس کی شعاعوں میں چھپ جاتا ہے اور چاند کے جسم میں بھی تو کمی آتی رہتی ہے۔

ز معنی ندارد کسی آگہی

کہ مانند آئینہ صورت نما ست

ترجمہ : وہ جو آئینہ کی مانند صورت نما ہے' اسے معنی کی حقیقت کا علم نہیں ہے -

Marfat.com

Marfat.com

حافظ

خواجہ رندان

اگرچہ حافظ کا تمام دیوان عشق و مستی کا ایک نغمہ ہے لیکن اس رند جہانسوز نے اپنی حقیقت کو اس طرح ہر ایک سے مخفی رکھا کہ اس کے شعر سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس عشق و شراب سے اس کا مقصد در حقیقت عشق مجازی اور شراب شیرازی ہے یا یہ وہ عشق ہے جس کی صوفیا بات کرتے ہیں اور اُن کے یہاں جذب و فنا کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ ممکن ہے دونوں ہی مراد ہوں۔ لیکن کون ہے جو یقین سے کہہ سکے کہ کس جگہ کونسی شراب مقصود ہے؟ اس رندانہ ابہام سے ریا کی بو آتی ہے لیکن اس کے زمانے میں ریا کاری کے نقاب کو پھاڑ کر اپنے حقیقی چہرے کا اظہار کون کر سکتا تھا۔ اس کا زمانہ فساد، جھوٹ اور ریا کا زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عام لوگ بھی اخلاقی پستی میں مبتلا تھے۔ شرفا کا اخلاق بھی ہمارے زمانے کی طرح "مذہب منسوخ" کے بجائے "مذہب مختار" کی طرف مائل نظر آتا تھا۔ (۱) خوف و بدگمانی کا دور دورہ تھا۔ ہر طرف ظم و ستم کا بازار گرم تھا۔ امن و امان کی صورت حال نہایت خراب تھی۔ ایسے ماحول میں ہر حساس روح ریا و رندی کے مابین سرگرداں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حافظ نے بھی ریاکار زاہدوں سے نفرت کے باوجود خود رندانہ ریا سے کام لیا۔ اس نے ذومعنی باتیں کیں اور کوشش کی کہ عوام کی قیل و قال سے کنارہ کش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایہام و ابہام اس کے اسلوب کی ایک خصوصیت

Marfat.com

بن گئی ہے -

حافظ کون تھا ؟ - اس کے بچپن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم - اس کی جوانی کے زمانے میں فارس پر شاہ ابو اسحاق اینجو کی حکومت تھی لیکن غبار حوادث نے فیروزۂ ابو اسحاقی (۲) کو دھندلا کر رکھ دیا تھا - فارس سے باہر ہر جگہ خوف و بدامنی کا دور دورہ تھا - امیر مبارزالدین اپنے بیٹوں کی معیت میں کرمان پر قبضہ کر چکا تھا اور فارس کے لئے خطرے کا باعث تھا - آذر بائیجان ملک اشرف چوپانی کے ظلم و ستم کی آگ میں جل رہا تھا اور خراسان شورش پسندوں کے آشوب و مناقشت کی آماجگاہ تھا - ایلخانیوں کی حکومت سلطنت کے دعویداروں اور شہرت طلب امراء کے ہاتھوں کھلونا بن چکی تھی - بدامنی نے اپنے منحوس سائے چاروں طرف پھیلا دئے تھے - خراسان ' آذر بائیجان اور عراق میں ہر جنگ کے اختتام پر قحط رونما ہوتا یا طاعون کی وبا پھوٹ پڑتی اور باقی ماندہ بدنصیبوں کو لقمۂ اجل بنا دیتی (۳) فارس میں شاہ‌شیخ شراب اور عیش و عشرت میں غرق تھا - اگر کبھی جنگ لڑتا بھی تو ایک کھیل سمجھ کر - اس زمانے میں فارس میں کسی حد تک امن و آسودگی تھی اس کے باوجود اس امن و آرام کو بقاء و دوام نصیب نہ ہوا - جب امیر مبارزالدین اپنے بیٹوں کے ہمراہ آن پہنچا تو نہ فارس کو امان ملی اور نہ ہی اس کے جوان اور عیاش بادشاہ ابو اسحاق کو - یہاں تک کہ فارس پر آل مظفر کا قبضہ ہو گیا - شاہ ابو اسحاق نے اپنے خون سے اپنی عیش کوشیوں کا کفارہ ادا کیا - ان ایام میں حافظ ابھی جوان تھا اور شیراز میں اقامت گزین تھا - نسیم مصلیٰ اور آب رکنا باد اس کے دل کو جو خلوت اور غور و فکر کا متمنی تھا سامان تسکین فراہم کرتے تھے - وہ اپنے گھر میں آسودہ حال تھا - اور یہی وجہ تھی کہ شیراز سے محبت کرتا تھا - اس کے دیوان سے اس کی زندگی ' خاندان اور عزیز و اقارب کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں - تذکرہ نگاروں

Marfat.com

نے لکھا ہے کہ اس کی ماں کا زرون کی رہنے والی تھی اور اس کا باپ اصفہان یا کسی اور جگہ سے فارس میں منتقل ہو گیا تھا۔ اگر ان روایات پر اعتماد کر لیا جائے تو اس کے بھائی بہن بھی تھے اور اہل و عیال بھی۔ اس کے دیوان سے کسی حد تک ایک گھریلو ماحول کی تصویر مجسم ہوتی ہے۔ اس کی اہلیہ تھی جس کی رفاقت میں وہ اپنے دکھ اور تنہائیوں کو بھول جاتا تھا۔ اس سرو قامت کی ہم نشینی میں فتنۂ روزگار کو فراموش کر دیتا تھا لیکن اس دوست کی رفاقت جس کے باعث اس کا گھر رشک پری تھا زیادہ عرصہ قائم نہ رہی۔

حتیٰ کہ اس کا بیٹا بھی جو شاعر کے لئے "میوہ دل" تھا داغ مفارقت دے گیا۔ اس کے باوجود شاعر کے دل میں اپنے گھر اور گھر والوں کا عشق ہمیشہ باقی رہا۔ درحقیت یہی عشق تھا جو اس کو شیراز میں رہنے پر مجبور کرتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی اندوہ و ملال شاعر کو یار و دیار چھوڑ دینے پر مائل کرتا لیکن نسیم خاک مصلیٰ اور آب رکن باد کی محبت و الفت سیر و سفر ہیں مانع تھی۔ دو مختصر سفر جو اس نے یزد اور ہرمز کی جانب کیئے زیادہ خوش گوار نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ساری زندگی اپنے وطن میں بسر کی اور پھر کبھی اس منزل جاناں سے سفر کا ارادہ نہ کیا۔ آیا اہل و عیال کے علاوہ کسی اور عشق نے بھی جو "معدن لب لعل است و کان حسن" نے بھی شاعر کے دل کو تسخیر کر رکھا تھا۔ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن افسانوں طرازوں نے شاعر کے عشق کے بارے میں کئی داستانیں رقم کی ہیں۔ ایک داستان میں اسے شاخ نبات نامی لڑکی کا عاشق و شیدا بتایا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ہاتف غیبی نے خواب تنہائی میں اس جوان لیکن مایوس شاعر کو مژدہ وصال سنایا۔ ایک اور داستان میں اسے مفتی شیراز کے بیٹے کا عاشق بتایا گیا ہے۔ جب ایک دن ایک گنبد کے

Marfat.com

اندر اس کے ساتھ خلوت میں تھا تو شاہ شجاع عین خلوت نشینی کے دوران آن پہنچا پہلے تو اس کو خوف زدہ کیا لیکن بعد میں معاف کر دیا ۔ بلاشبہ یہ داستانیں بے بنیاد ہیں ۔ شاید صرف اس لئے یہ داستانیں وضع کی گئیں کہ حافظ نے چند مقامات پر اپنی غزلیات میں شاخ نبات کا نام لیا ہے اور شاہ شجاع کو بار ہا خطا بخش اور جرم پوش کے نام سے یاد کیا ہے ۔ شاخ نبات کی داستان بظاہر بابا طاہر کی داستانوں سے اخذ کی گئی ہے اور حافظ و مفتی کے بیٹے کی داستان ہمدان کے قاضی کی داستان سے مشابہ ہے جس کا ذکر گلستان سعدی میں بھی آیا ہے اور اسکو بے بنیاد قصے و کہانی کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے ۔ اسکے باوجود اسکے دیوان میں اسکی رندانہ سر مستیوں کی طرف اشارے ملتے ہیں اور اس کی حساس طبع اور ذوق لطیف کے پیش نظر بعید از قیاس بھی نہیں کہ حلقہ دلبران میں اسکا دل دست بدست گھومتا رہا ہو ۔ حافظ کی شیراز سے والہانہ دلبستگی کی بڑی وجہ اپنے خاندان سے عشق اور جوانی کی محبتیں تھیں ۔ اس کے علاوہ مطالعہ اس کا ایک مرغوب مشغلہ تھا جس کے باعث وہ شیراز میں رہنے پر مجبور تھا ۔ حافظ جوانی کے آغاز میں ہی قرات قرآن کے مختلف مروجہ انداز سیکھ چکا تھا ۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسکا تخلص حافظ تھا ۔ اس کے علاوہ اس کو تفسیر قرآن سے بھی شغف تھا اور مختلف تفاسیر کے مطالعے میں مصروف رہتا تھا ۔ بڑے بڑے علماء کی درس و تدریس کی مجالس میں شریک ہوتا اور جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا حکمت و کلام کی اہم کتابیں ان سے پڑھتا تھا ۔ شیراز میں ان دنوں اس قسم کی مجالس کا بڑا رواج تھا ۔ قاضی مجدالدین شیرازی کی مجلس میں بادشاہ وقت شاہ ابو اسحاق بھی حاضر ہوتا تھا اور حافظ کی طرح آل مظفر کا شاہ شجاع، قاضی عضدالدین ایجی کی شاگردی میں تھا ۔ شاید اسی قسم کی مجالس اور خانقاہوں میں جن کی رونق اور گہما گہمی کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے وہ بعض صوفیا اور مشایخ سے آشنا ہوا ۔ اس

Marfat.com

کے باوجود نہ وہ کسی صوفیانہ سلسلہ میں شامل ہوا اور نہ ہی صوفیاء کے ساتھ اس کے اچھے مراسم تھے ۔ حتیٰ کہ وقت کا مشہور و معروف صوفی نعمت‌اللہ بھی اس کا ہدف ملامت تھا ۔ اگرچہ وہ صوفیاء کی ریا کاری اور خود نمائی کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن ان کے علوم و افکار سے مستفید ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام میں عرفان کی جھلک ملتی ہے۔ وہ نہ ملامتی تھا اور نہ اویسی حتیٰ کہ وہ صوفیاء کی شطحیات سے بھی بیزار تھا۔ اس کے باوجود صوفیاء کا عرفان، فکر کشف و شہود اور وحدت و اتحاد اہل کلام کے افکار کی نسبت اس کے ذوق و طبع کے زیادہ موافق تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ اصطلاحات اور الفاظ اور اُن کی تعلیمات اس کے اشعار میں نمایاں ہیں ۔ لیکن عرفان کا یہ ذوق اسے لوگوں کی محبت سے دور نہ کر سکا ۔ وہ نہ تو خانقاہ نشیں تھا اور نہ ہی اہل ریاضت ۔ وہ اہل ذوق کی صحبت سے محظوظ ہوتا اور عشق و شراب سے پوری طرح لطف اٹھاتا ۔ شاہ ابو اسحاق کے اس سے دوستانہ مراسم تھے اور اس کا طرب انگیز دور سلطنت حافظ کی جوانی کو حسین خوابوں سے سرشار کر رہا تھا ۔ فارس میں امیر مبارزالدین کا مختصر دور حکومت جس کا آغاز "محتسب مآبانہ" تعصب اور سخت گیری سے ہوا (۴) اس کے بیٹوں کی خیانت و سرکشی پر ختم ہوا ۔ البتہ شاعر نے ان واقعات سے کوئی اثر قبول نہ کیا لیکن اس کا بیٹا شاہ شجاع جس نے باپ کی آنکھوں میں سلائیاں کھنچوا دی تھیں اور "محتسب" کی اس ریا اور تعصب کی بساط کو لپیٹ دیا تھا کچھ عرصہ تک حافظ کی دلچسپی کا مرکز رہا۔

بادشاہ اور اس کے عزیز و اقربا میں جو مسلسل کشاکش چلتی رہتی تھی اس نے اس کی سلطنت کو امواج خون میں غرق کر دیا تھا۔ شاعر جو ان حالات سے دل برداشتہ ہو چکا تھا عشق و شراب کی طرف راغب ہوا اور ہر روز بیش از پیش اس میں غرق ہوتا چلا گیا ۔ بادشاہ جو خود شاعر تھا

Marfat.com

اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ' لیکن اس کا رویہ بدبینی اور احتیاط پر مبنی تھا ۔ ایک دفعہ اس کا جذبہ رشک اور ناگواری اس بات کا باعث ہوئی کہ شاعر اس تہمت پر عوام کے غیض و غضب کا شکار ہوا کہ اس نے قیامت کے بارے میں شک کیا ہے ۔ (۵)

اس کے باوجود اس کی زندگی عشق و رندی اور بحث و مباحثہ میں گذر رہی تھی ۔ شاہ شجاع کے عہد حکومت میں "محتسب" کی سختیاں لوگوں کے دلوں سے محوہو گئیں ۔ شاہ شجاع کے بھتیجے شاہ یحیی اور شاہ منصور بھی اپنے مختصر دورہ حکومت میں اس کے سرپرست رہے ۔ حتیٰ کہ شاہ منصور نے شاہ یحییٰ کے برعکس دیوانی امور میں بھی اس سے رجوع کیا ۔ حافظ اس عشرت پرست' جوان اور بہادر بادشاہ سے جسے بدنصیبی نے تیمور کے رو برو کر دیا تھا قلبی تعلق پیدا کر چکا تھا ۔ اس زمانے میں حافظ کی شہرت فارس سے باہر بھی پھیل چکی تھی ۔ بادشاہ اور اکابرین زمانہ اس سے ملاقات کے متمنی نظر آتے تھے ۔ سلطان اویس ایلکانی نے "محتسب" کے دور حکومت کے آخری ایام میں شاعر کی توجہ اپنے دربار کی طرف مبذول کروائی تھی ۔ سلطان احمد ایلکانی کی اس سے خط و کتابت تھی اور وہ اسکو بغداد اور تبریز آنے کی دعوت دیتا تھا ۔ اتابک لر اسے انعام سے نوازنے کی نوید دیتا اور شاہ ہرمز اس کو لطف و کرم سے نوازتا ۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے بادشاہ بنگال اور دکن سے اسے خط لکھتے ۔ بادشاہوں کی طرح وزراء اور امراء بھی اس سے عزت و محبت سے پیش آتے ۔ شاہ ابو اسحاق کا وزیر قوام الدین حسن ' امیر مبارزالدین کا وزیر برہان الدین فتح اللہ ' شاہ شجاع کے وزیر قوام الدین صاحب عیار ' اور جلال الدین تورانشاہ اور دوسرے مشاہیر روزگار اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ اس پر تمام دروازے کھلے ہوئے تھے لیکن شاعر کو دربار اور درباریوں سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی ۔

Marfat.com

بے نیازی اور بلند نظری اس امر میں مانع تھی کہ وہ اپنی زندگی کو دنیا کے بے مروت ارباب اختیار کی خدمت میں گنوا دے ۔ اس کے باوجود اس نے اُن سے قطع تعلق نہیں کیا اور جب تک کوئی امر مانع نہ ہوا نہ ہو اکہ وہ ایسی چیزوں سے چشم پوشی کرے اس نے عمائدین اور محتشمین عصر سے مراسم رکھے نہ وہ زاہد کی طرح ہمیشہ حکام کی ہم نشینی سے گریزاں رہتا اور نہ ہی ایک مداح کی طرح ممدوحین کے دامن سے آویزاں رہتا ۔ جب تیمور کی سواری نہایت سفاکانہ انداز میں کھوپڑیوں کے میناروں سے گذرتی ہوئی شیراز پہونچی اس وقت حافظ اگر زندہ بھی تھا تو اپنی زندگی کے آخری سال گذار رہا تھا ۔ اس کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ ایک خاموش چٹان کی طرح بے شمار امواج حوادث سے گذر چکا تھا ۔ دولت شاہ کی روایت ہے کہ سمرقند کے فاتح نے اس گوشہ نشین شاعر کو اپنے پاس بلایا اور نہایت ظریفانہ انداز میں جو ایک خونخوار فاتح کے ظرف سے باہر ہے ایک شعر کی بدولت جس میں شاعر نے ترک شیرازی کے خال کے عوض سمرقند و بخارا کو بخش دیا تھا ملامت کی تو حافظ نے اس کو اپنا بوسیدہ خرقہ دکھایا اور از راہ تفنن کہا کہ اپنی غلط بخشیوں کی بدولت مجھے یہ دن دیکھنا پڑا ۔ اگر اس ملاقات کی صداقت پر یقین کر لیا جائے تو یہ لطیف جواب زندگی کے آخری ایام میں حافظ کے حالات کی نشان دہی کرتا ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ اس فرسودہ لباس شاعر نے فقر و فراموشی میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی اور یہ واقعہ ۷۹۱ ہجری یا ۷۹۲ ہجری میں پیش آیا اور اس کی تھکی ہوئی آنکھوں نے دوبارہ تیمور کی خونین سواری کو شیراز میں جو اس کو بہت عزیز تھا آتے ہوئے نہ دیکھا ۔

حافظ کی تالیفات میں اب دیوان کے علاوہ کچھ بھی دستیاب نہیں ۔ اگر اس نے کشاف زمخشری یا مصباح مطرزی کے حواشی لکھے بھی ہوں تو اب نایاب ہیں ۔

Marfat.com

اس کا دیوان بھی جیسا کہ مشہور ہے اس کی وفات کے بعد مرتب ہوا۔ اس کے ایک دوست محمد گلندام نے اسے جمع کیا۔ اس میں البتہ قصاید، قطعات، رباعیات اور مثنویات بھی ہیں لیکن بیشتر غزلیات پر مبنی ہے۔ اس دیوان میں عربی شعر، ملمع شعر اور حتیٰ کہ قدیم شیرازی لہجے میں بھی اشعار ملتے ہیں۔ قصاید کی تعداد پانچ یا چھ سے زیادہ نہیں جن میں اس نے بادشاہوں اور اس زمانے کے نامور لوگوں کی مدح کی ہے۔ قصاید کی طرز نگارش سے خاص طور پر ظہیر فاریابی اور کمال الدین اصفہانی کے اسلوب کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ قطعات زیادہ تر سادہ تاریخ ہیں یا پھر تنقید و نصیحت کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ رباعیات سے خیام کا رنگ نمایاں ہے۔ ویسے ہی مضامین اور ویسی ہی لطافت زبان ہے۔ حافظ نے مثنوی کی ہیئت میں چند چھوٹے قطعات بھی نظامی کی تقلید میں لکھے ہیں۔ وہ ساقی نامہ اور "آہوی وحشی" میں بھی نظامی کے پر شکوہ لحن اور سعدی کے شوخ و شیرین بیان کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی شہرت و مقبولیت کا باعث اس کی غزل ہے۔ حافظ غزل کا شاعر ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس کے قصاید کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور ان کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس کی غزل لطیف، صاف، مزین اور درخشاں ہے جس میں کبھی زمانے کے حالات اور کبھی شاعر کے اپنے احوال و افکار کا عکس ملتا ہے۔ اگرچہ اس نے ان اشعار میں سعدی اور خواجو کو سر مشق قرار دیا ہے لیکن جو لوگ فارسی غزل کے مزاج سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس نے ایک نئی طرز سخن کو متعارف کرایا ہے۔ ایک ماہر منبت کار کی طرح اس نے ہر شعر میں اپنی ہستی اور وجود کو سمو دیا ہے۔ عام طور پر ایسے اشعار میں ذوق و شوق کا فقدان ہوتا ہے لیکن حافظ کا شعر اس سے مبرا ہے۔ وزن و آہنگ کے ساتھ ساتھ معانی و افکار میں بھی ایک ایسا تناسب ہے جس نے اس کی غزل کو رمز و ایہام

Marfat.com

اور لطف تابندگی سے ہمکنار کر دیا ہے ۔

حافظ کے افکار کا اصلی سرچشمہ حساس دل اور خلاق ذوق کے علاوہ اس کا وسیع مطالعہ ہے ۔ اس نے قرآن اور اس کی تفاسیر سے لطف بیان اور ایجاز و ابہام کا سلیقہ اخذ کیا ۔ جبکہ حکماء اور متکلمین سے باریک بینی اور دقت نظر کا طریقہ سیکھا ۔ جب فرصت و تنہائی میں کتاب اور گوشہ چمن میسر آتا تو ذوق و شوق سے کتب و دواوین کے مطالعے میں مشغول رہتا ۔ مطالعہ میں یہ استغراق اور محویت جیسا کہ مشہور بھی ہے غزلیات کی جمع آوری اور تدوین میں مانع رہی ۔ شعر میں اس کا اثر محسوس ہے ۔ کبھی کبھی بعض شعراء مثلاً متنبی، ابو فراس، ابوالعلاء معری اور دوسرے شعراء کے فکر و بیان کی جھلک اس کے اشعار میں پائی جاتی ہے ۔ (۶) فارسی زبان کے قدیم شعراء سے بھی اس کی گہری وابستگی تھی ۔ اس نے رودکی اور انوری کے بعض مصرعوں کو تضمین کیا ہے ۔ بعض مضامین اس نے سنائی اور نظامی سے اخذ کئے ہیں ۔ (۷) بعض ترکیبات اور مفاہیم میں خاقانی اور کمال اصفہانی اس کے مورد توجہ رہے ۔ سعدی اور مولوی سے بھی نکتہ آموزی کی ۔ خواجو، سلمان اور عماد فقیہ سے بھی جو اس کے ہم عصر تھے بعض چیزیں اخذ کیں اور اُن کے کچھ اشعار کی تقلید کی ۔ غرض کہ دوسرے شعراء کا اثر بھی اس کے یہاں نمایاں ہے ۔ لیکن اس کی برتری اور فوقیت کا باعث تقلید و تضمین نہیں بلکہ اس کی جدت اور ذہنی اپچ ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر بھی جہاں شاعر نے کسی فکر یا بیان کو دوسرے شاعر سے اخذ کیا ہے اسے اپنے خلاق ذوق و قوت استعداد سے اس طرح سنوارا کہ گویا اس کی اپنی ہی تخلیق و خیال ہو ۔ وہ مروجہ معانی کو ایسی قادرالکلامی و شدت سے بیان کرتا ہے گویا اپنے فکر و احساس کی تعلیم و تلقین کے لئے آسمان کی بخیہ گری کر رہا ہو ۔ اس کے انداز بیان میں جوش و جذبہ کی چاشنی کے ساتھ شوخی اور

Marfat.com

طنز کا عنصر بھی شامل ہے۔ یہی بذلہ سنجی اور نکتہ آفرینی اس کے سوال و جواب کو لطیف اور عذر و عتاب کو شیریں بناتی ہے۔ لطیف طنز جس سے شاعر خود بھی دامن نہ بچا سکا اس کی غزلیات کو ایک خاص رنگ عطا کرتی ہے۔(۸) اس کے اسلوب بیان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ با محاورہ الفاظ اور عامیانہ تراکیب و کنایات سے پرہیز نہیں کرتا اور اس قسم کی باتوں کو بلا خوف و خطر لیکن مخصوص لطافت و ظرافت کے ساتھ اپنے شعر میں استعمال کرتا ہے۔ یہ وہ ہنر ہے جو اس کے متقدمین میں کمیاب ہے۔ تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ حافظ کا شعر اگرچہ عموماً مزین اور آراستہ نظر آتا ہے اور اس میں کہیں کہیں تصنع کا رنگ بھی نمایاں ہے پھر بھی عامیانہ الفاظ و تعبیرات کے استعمال سے اس کے شعر کا حسن زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات شاعر سادگی فکر اور آسان انداز بیان کے باعث عام طبقے سے زیادہ قریب ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا کلام عوام الناس کی بھی توجہ و تحسین کا باعث ہوا۔ در حقیقت وہ دوسرے شعراء یعنی فغانی، کلیم، نظیری اور صائب سے پہلے ہی غزل کو ادباء اور علماء کے حلقہ اثر سے نکال کر بازار میں لے آیا اور اسے رندوں اور لشکریوں کی محفلوں کی زینت بنا دیا۔ اس طرح اس نے سب کو محبت کی چاشنی سے نوازا اور یہ کام خود اپنی جگہ اس کے لئے شہرت کا باعث ٹھہرا۔ البتہ طرز غزل میں جو چیز حافظ کو نکتہ آفرینی سکھاتی ہے وہ عشق ہے جو اس کی حدت اور شیریں کلامی کا محرک ہے۔ عشق ہی نے اس کو ظریف اور نکتہ دان بنایا اور اسی کے باعث تکلف و تصنع اور تکرار کے باوجود اس کے شعر کی لطافت و تاثیر میں کمی پیدا نہیں ہوتی۔ اسے جو انتہائی مقبولیت حاصل ہوئی یہ در اصل خدا کی عنایت و بخشش ہے۔ وہ لوگ جو اس بخشش و عنایت سے محروم رہے اس سے بلاوجہ حسد کرتے ہیں۔ وہ شعری نبوغ کو اپنے لئے مبداء الہام سمجھتا ہے جو

Marfat.com

جو اکتساب اور عقل و علم سے ماورا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ تہذیب و اصلاح شعر کی ضرورت سے چشم پوشی نہیں کرتا ۔ الفاظ و معانی کے تناسب پر توجہ اور بعض موضوعات و مضامین کی تکرار جو اس کے شعر سے ہویدا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ شعر کے لئے صرف موہبت و عنایت خداوندی اور "شعری نبوغ" ہی کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کی آرایش و زیبایش پر بھی توجہ دیتا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے معاصرین میں سے وہ خواجو اور سلمان سے متاثر نظر آتا ہے اور احترام کے طور پر سلمان کو فضلا کا سرخیل کہتا ہے اور خواجو کو اپنے لئے نمونہ قرار دیتا ہے ۔ لیکن حقیقت میں وہ اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتا ہے اور اسے اس برتری کا احساس بھی ہے اور اسے اس کا حق بھی پہنچتا ہے ۔

حافظ کا شعر عشق و شراب کا نغمہ ہے ۔ شاعر عشق و شراب کے بغیر زمانے کے غم و الم، جھوٹ، گناہ اور فریب سے نجات حاصل نہیں کر سکتا ۔ خیام کی دنیا کی طرح اس کی دنیا بھی ویران اور غیر مستحکم ہے ۔ نہ تبسم گل میں علامت وفا ہے اور نہ ہی نالۂ بلبل میں امید کی کرن ۔ انسان بحر فنا کے کنارے کھڑا ہے آنکھ جھپکی اور بھنور میں گرا ۔ ایسی دنیا جہاں ظلم و ستم کے ہاتھوں مہر و محبت کا خون ہوتا ہو وہاں شراب کی صراحی سے بہتر کونسا دوست ہے جس کا ظاہر و باطن ایک ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر خود فراموشی، نجات اور سکون قلب کی خاطر شراب کی طرف مائل نظر آتا ہے اور اپنے روح فرسا تفکرات کی کشاکش اور اپنی ذات سے فرار کی راہیں تلاش کرتا ہے ۔ وہ اس بارگران کو جو اس کے لئے فکر و پریشانی کا سبب ہے جھٹک کر دور پھینک دینا چاہتا ہے چنانچہ وہ ابو نواس اور خیام کی طرح اپنے بے پایاں درد و غم کو امواج شراب کی نذر کر دیتا ہے ۔ زاہد حسب عادت اسے ملامت کرتا ہے ۔ اپنی نیکی اور عبادت کے زعم میں اس پر طنز

Marfat.com

کرتا ہے ۔ لیکن یہ ملامت ایک ایسے رند پر جو اپنی متاع حیات عشق کے ہاتھوں فروخت کر چکا ہے بے اثر ثابت ہوتی ہے ۔ اس دنیا میں جو واقعات بھی انسان کو پیش آتے ہیں کیا وہ نوشتۂ تقدیر نہیں ہیں ؟ البتہ ملحد یقیناً خطا کار ہے کیونکہ وہ حکمت و عنایت حق کی نفی کرتا ہے اور وہ خود کو اس امید سے جو سکون و اطمینان عطا کرتی ہے محروم رکھتا ہے۔ عنایت و الطاف الٰہی اپنے جلال و جبروت کے باوجود اپنی عظمت کے پیش نظر مایوس و ناامید گناہگار کو بھی اپنی آغوش رحمت میں لے لیتی ہے ۔ بہشت اگر پاداش عمل میں عطا ہو تو خدا کی عنایت و عظمت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حافظ، شیخ، زاہد، فقیہ اور واعظ سے جو قیامت کے خوف و ہراس سے مخلوق کو اپنے خالق سے دور اور اسکی رحمتوں سے مایوس کرتے ہیں، گریزاں نظر آتا ہے۔ وہ ریا کاری، منافقت اور تنگ نظری کو ہدف تنقید بناتا ہے۔ ہفتاد و دو ملت کی جنگ کو افسانہ سمجھتا ہے ۔ اس طرح جب تقدیر کے مقابلے میں تسلیم و رضا کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، جب تقسیم ازلی میں ہمارا کوئی دخل نہیں تو کیا فائدہ کہ انسان اس پر تنقید و اعتراض کرے اور اپنی قسمت پر روتا رہے۔ عقل کہتی ہے کہ جو اسے مل چکا ہے اسی پر راضی رہے اور اسی کو عین الطاف سمجھے۔ فطری طور پر عقل کا یہی تقاضا ہے کہ انسان حال کی لذت اور عیش زود گذر کے علاوہ کچھ نہ سوچے اور جو چیز ابھی حجاب میں ہے اور کسی کو بھی اس کی خبر نہیں اس کے وسوسے میں دل گرفتہ نہ ہو ۔ اسے چاہیے کہ کسی ندی کے کنارے سکون سے بیٹھ کر اپنی عمر کو ایک سبک رفتار اور رواں دواں ندی کی طرح جو بحر فنا کی طرف گامزن ہے گذرتے ہوئے دیکھتا رہے اور وقوع پذیر ہونے والے گونا گوں حوادث کا بے اعتنائی اور لا تعلقی کے ساتھ مشاہدہ کرے۔ جس تشکیک و تردید نے خیام اور ابوالعلاء معری کے فلسفے کو خشک و سخت بنا دیا تھا اسی نے حافظ کے افکار کو ایک خاص لطافت

Marfat.com

اور ترو تازگی عطا کی ہے۔

یہ ہے حافظ کا فکر و احساس جو ہمارے زمانے کی شاعری کے لئے بلکہ ہر زمانے کی شاعری کے لئے موزوں ہے۔ وہ ہمارے زمانے کے فلسفی کی طرح عقل و علم کو نقد و تنقید کے ترازو میں تولتا ہے اور آج کے خود آگاہ عارف کی طرح اشراق و شہود کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ ریا کار زاہد پر رندانہ طنز کرتا ہے اور فریب کار ظالم پر غم و غصے کا اظہار کرتا ہے۔ اشک فشانی اور دعائے نیم شبی کے باوجود اس کے چہرے پر شک، کا تبسم اور نگاہوں میں حیرت کے سائے لرزاں ہیں۔ خیام کی طرح وہ بھی ہر قدم پر فنا و زوال کی علامتیں دیکھتا ہے اور جلال الدین رومی کی طرح ہر نوا میں روح کا نغمہ سنتا ہے۔ ایک گناہ آلود اور خونیں عہد کی بے سر و سامانی اور آشفتہ حالی اس کی امید و نشاط کی حس کو کمزور نہیں کرتی۔ اس تباہی و بربادی اور جور و ستم کی کشا کش میں اگر کبھی خلوت و تنہائی میسر آتی ہے تو دو گھڑی فکر و تامل کی فرصت پاتا ہے۔ یہی اطمینان قلب جس کے باعث وہ فقر و موت کو ناچیز سمجھتا ہے اس گوشۂ تنہائی میں اس کی پژمردہ روح کو منور رکھتا ہے۔ وہ دل کی باگ عشق کے ہاتھوں دے دیتا ہے اور اپنی اس نازک طبعی کے باوجود جس پر نفس فرشتگان بھی گراں ہے صرف عشق کی خاطر طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ عشق و محبت کے معاملے میں اس کا دل عجیب و غریب واقع ہوا ہے جس میں صورت اور معانی دونوں سما سکتے ہیں۔ ہر حسن سے اس کے تار دل میں لرزش پیدا ہوتی ہے اور باطنی حسن بھی ظاہری حسن کی طرح اسے دام محبت میں اسیر کر لیتا ہے۔ وہ اپنی طبع نازک اور ذوق لطیف کے باعث کائنات کے دل کی تڑپ کو محسوس کرتا ہے۔ باد صبا کو اپنی طرح مجبور و سرگرداں پاتا ہے۔ وہ جوئے آب کی آرزو کو جو سرو کو پالینے کی متمنی ہے محسوس کرتا ہے اور غنچہ دھن بستہ کی تنگی دل

Marfat.com

اور شکایت کو سنتا ہے ۔ وہ عاشق پیشہ بلبل کی آہ و فریاد سمجھتا اور آہوی وحشی کی بیکسی اور تنہائی کو محسوس کرتا ہے ۔ وہ شمع و پروانہ کے درد و سوز کو اپنی روح کی گہرائی میں محسوس کرتا ہے ۔ وہ کائنات کے سارے حسن کو اپنے بیان میں جو حقیقت و مجاز کے ما بین ہے منعکس کرتا اور اسے غزل کے ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے جو " لسان الغیب " اور "ترجمان الاسرار " ہی سے ممکن ہے ۔

حافظ نے اس خاموش لیکن وحشت ناک دنیا میں نشاط و مسرت اور زندہ دلی کا نغمہ چھیڑا اور اپنی آواز کا جادو جگایا اور اس طرح اس نے درد و غم سے ماوراء باطنی حسن کی نشاندہی کی ۔ چار سو سال بعد جب یہ آواز جرمنی میں گونجی تو جرمن نسل شاعر گوئٹے (ا) نے اسے خوش آمدید کہا دیوان شرقی میں عزت و احترام کے ساتھ اس کا ذکر کیا ۔ کیونکہ اس نے بھی حافظ ہی کی طرح ایسے دور میں آنکھ کھولی تھی جب تاج و تخت پر لرزہ طاری تھا اور بادشاہتیں رو بہ زوال تھیں (۹) گوئٹے نے بھی اپنے اس دیوان میں کوشش کی ہے کہ حقیقت و مجاز کے درمیان ایک پل بنائے اور اپنی " شاخ نبات " کو جس کا نام ماریانا ہے (ب) زلیخا کے نام کے ساتھ اور ایسے عشق کے ساتھ جو حافظ کی طرح حقیقت و مجاز کے درمیان گامزن ہے منسوب کرے ۔ صرف گوئٹے ہی وہ پیر مرد نہیں ہے جس نے اپنے سفید بالوں اور عزت و احترام کے ساتھ " نور بیشتر " (ج) کی تلاش میں اس سرچشمہ روشنائی (۱۰) یعنی دیوان حافظ کی طرف رجوع کیا بلکہ روکرٹ (د) نے بھی اس امید میں کہ شاید وہ دوسرا فیٹز جرالڈ بن جائے اس کی رباعیات کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا ۔ حتیٰ کہ حافظ کی شہرت اور اس کا نام ہوگو ، بالزاک ، آندرہ ژید تک بھی پہنچا اور انہوں نے اس کو حیرت و تحسین سے یاد کیا ہے ۔(۱۱)

ا ۔ Goethe ب ۔ Marianne ج ۔ Mehr Licht د ۔ F. Ruekert

Marfat.com

تصریحات

(۱) عبید زا کانی کے رسالے اخلاق الاشراف کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں شاعر نے اخلاق حمیدہ کو مذہب منسوخ اور اخلاق رذیلہ کو مذہب مختار کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اس طرح اپنے زمانے میں شرفاء کے اخلاق کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ عبید زا کانی حافظ کا معاصر تھا۔ اس کی کتاب اگرچہ مبالغہ آمیز اور ہجو و ہزل کے نکتہ نظر سے لکھی گئی ہے لیکن کسی حد تک حافظ کے زمانے کی اخلاقی حالت کی نمایندگی کرتی ہے۔

(۲) دیوان حافظ، مطبوعہ قزوینی صفحہ ۱۶۱ میں اس بادشاہ کے دور حکومت کو اس طرح یاد کرتا ہے:

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحقی خوش درخشید ولی دولت مستعجل بود
دیدی آن قہقہۂ کبک خرامان حافظ کہ زسر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

ترجمہ:- سچ تو یہ ہے کہ ابو اسحاق کی انگشتری کا نگین (فیروزہ) خوب چمکا لیکن یہ چمک دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ اے حافظ کیا تو نے اس خوش خرام چکور کا قہقہہ نہیں دیکھا جو تقدیر کے شاہین یعنی موت کے دست و پنجے سے بے خبر تھا۔

(۳) مجمل فصیحی جلد سوم صفحہ ۷۱، ۷۳، ۷۶، ۷۷، ۹۳۔

(۴) حافظ اس متعصب اور سخت گیر امیر کو محتسب کے نام سے یاد کرتا ہے:

اگرچہ بادہ فرحبخش و باد گل بیز ست
ببانگ چنگ مخور می کہ محتسب تیز ست

Marfat.com

ترجمہ : اگرچہ شراب فرحت بخش ہے اور ہوا بوئے گل سے معطر ہے پھر بھی ساز و آواز کے ساتھ شراب مت پیئو کیونکہ محتسب بہت تیز ہے۔

می خور کہ شیخ و حافظ و مفتی و محتسب

چون نیک بنگری ہمہ تزویر می کنند

ترجمہ : شراب پیئو کیونکہ اگر غور کرو تو شیخ، حافظ، مفتی اور محتسب سبھی دھوکا دے رہے ہیں۔

(۵) حبیب السیر جلد سوم صفحہ ۳۰۷ کا از سعدی تا جامی اشاعت اول صفحہ ۳۰۸ سے تقابل کیا جائے۔

(۶) اس بارے میں شاعر کے دیوان سے بہت سے شواہد نقل کئے جا سکتے ہیں، مثلاً حافظ کا یہ شعر :

برو این دام بر مرغ دگر نہ

کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

ترجمہ : جاؤ اس جال میں کسی اور پرندے کو اسیر کرو کیونکہ عنقا کا آشیانہ بہت بلند ہے۔ اس شعر سے ابوالعلاء معری کے اس شعر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے :

اری العنقاء تکبران تصادا

فعاند من تطبق لہ عنادا

ترجمہ : میں عنقا کو دیکھتا ہوں کہ وہ شکار کئے جانے سے بہت بڑا ہے یعنی اس کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا اس شخص سے دشمنی کرو جس کی دشمنی کی طاقت رکھتے ہو۔

اور حافظ کا یہ شعر :

من پیر سال و ماہ نیم یار بیوفا ست

بر من چو عمر میگذرد پیر از آن شدم

Marfat.com

ترجمہ : میں ماہ و سال گذرنے سے بوڑھا نہیں ہوا - میں اس لئے بوڑھا ہو گیا ہوں کہ میرا دوست (محبوب) بیوفا اور عمر کی طرح گریز پا ہے -

ابو فراس کے اس شعر سے شباہت رکھتا ہے :

و ما ان شبت من کبر و لکن
لقیب من الاحبہ ما اشابا

ترجمہ : میں کبر سنی سے بوڑھا نہیں ہوا بلکہ مجھے اس ظلم و ستم نے ضعیف کر دیا جو میں نے اپنے دوست و احباب کے ہاتھوں برداشت کئے -

اور حافظ کا یہ شعر :

فلک بمردم نادان دهد زمام مراد
تو اہل دانش و فضلی همین گناهت بس

ترجمہ :- آسمان نے زمام مقصود نادان لوگوں کے ہاتھ میں دے رکھی ہے - تمہارا یہی گناہ ہے کہ تم اھل علم و دانش ہو -

متنبی کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے :

افاضل‌الناس اغراض لدی‌الزمن
یخلو من الهم اخلاهم من الفطن

ترجمہ : صاحب فضیلت لوگ زمانے کے نزدیک (گویا) کھلونے ہیں - جو لوگ ذہانت و فطانت سے عاری ہیں وہی غم سے بھی آزاد ہیں -

(۷) حافظ کی تضمینات کے سلسلہ میں محمد قزوینی کے مقالات مجلہ یادگار سال اول شمارہ ۹-۵ کی طرف رجوع کریں - اور حافظ کے بعض اشعار کی دوسرے شعراء کے ساتھ مشابہت کے لئے شعرالعجم ' جلد دوم صفحہ ۱۹۴ - ۱۸۶ کی طرف رجوع فرمائیں -

(۸) اگرچہ حافظ زیادہ تر اس لئے طعنہ زنی کرتا ہے کہ اپنے پر لگے الزامات سے خود کو بری کرے بہر حال یہ لطیف طعنہ زنی اس کے بیان کی خصوصیات

Marfat.com

میں سے ہے ۔ مثلاً یہ شعر :

گفتہ بی کز نفسم بوی ریا میآید
آفرین بر نفست باد کہ خوش بردی بوی

ترجمہ :۔ تم نے کہا ہے کہ میری سانس سے ریا کی بو آتی ہے آفرین کہ تمہیں کیا خوب شک گذرا !

حافظا می خور و رندی کن و خوش باش ولی
دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

ترجمہ :۔ اے حافظ شراب پیئو، رندی کرو اور خوش رہو لیکن دوسروں کی طرح قرآن کے نام پر دھوکا نہ دو ۔

حافظ این خرقہ بینداز مگر جان ببری
کاتش از خرقۂ سالوس و کرامت برخاست

ترجمہ : حافظ اس خرقہ کو پھینک دو تو شاید تمہاری جان بچ جائے کیونکہ یہ آگ ریا و کرامت کے خرقہ نے لگائی ہے ۔

(۹) گوئٹے نے اپنے دیوان شرقی میں مغنی نامہ کے آغاز میں ایک قطعہ " ہجرت " میں کہا ہے :

شمال مغرب اور جنوب پریشان اور آشفتہ حال ہے ۔ تاج ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں اور سلطنتیں رو بزوال ہیں

Goethe, West-oestlicher, Diwan, Page, 19 -

(۱۰) حالت نزع میں گوئٹے کی آخری بات یہ تھی : Mehr Licht اور اس طرح وہ زندگی کے آخری سانس تک نور کی تلاش کرتا رہا ۔ حافظ نامہ اوردیوان شرقی کے ہر حصے سے گوئٹے کی حافظ سے عقیدت و محبت جھلکتی ہے ۔ تفصیل کے لئے دیوان شرقی گوئٹے، ترجمہ شجاع الدین شفا مطبوعہ ۱۳۲۸ھ اور جہان نو شمارہ ۲ صفحہ ۴۰۴-۴۰۱ پر عبدالحسین زرین کوب کا مقالہ ملاحظہ فرمائیں ۔

Marfat.com

(١١) Hogo, v. Le Roi de Perse, Legend des Siecles

Balzac, La tille aux Yeux d,or

Gide, A. Nourritures Terrestres.

Marfat.com

Marfat.com

جامی

عارف جام

سلطان حسین بایقرا کے زمانۂ حکومت میں ہرات کا شہر ادب و فنون کا ایک درخشان مرکز شمار ہوتا تھا ۔ سلطان کے دربار میں با صلاحیت لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جن میں شعراء ' موسیقار ' خطاط ' داستان گو اور پہلوان شامل تھے ۔ ملک کے گوشے گوشے سے صاحبان فن ہرات آکر سلطان کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ یہ سلطان جس کی ٹانگیں فالج سے معذور تھیں خود شاعر تھا اور اہل فن کی صحبت سے محظوظ ہوتا تھا ۔ اسی طرح اس کا ترک نژاد وزیر امیر علی شیر نوائی بھی شاعر تھا اور شعر و ادب کا بڑا قدردان تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ ہرات میں اہل فن کی بڑی پذیرائی ہوتی تھی ۔ شعرا اپنی غزلیں سلطان اور وزیر کی خدمت میں پیش کرتے ' نقاش تصویریں اور مینی ایچرز ان کی نذر کرتے اور پہلوان اپنی جسمانی طاقت کا مظاہرہ کرتے تھے ۔ یہ سب لوگ تیمور کے بچے کھچے خزانوں سے دولت سمیٹ کر بڑی شان و شوکت کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔

ہرات کا شہر جس کے پانچ دروازے ' چار بازار ' متعدد مدارس اور درجنوں محلات اور باغات تھے اپنی دولت و عظمت میں ممتاز تھا ۔ اس کے پر شکوہ محلات اور پر فضا باغات اس کی خوبصورتی اور عظمت کی منہ بولتی تصویر تھے ۔ امراء بڑے کر و فر سے شہر میں آمد و رفت کرتے ۔ بہت

Marfat.com

سے دولتمند مفلوج بادشاہ کی پیروی میں تخت رواں بھی استعمال کرتے تھے جب کہ حسین غلاموں اور زرین کمر خادموں کا ہجوم بڑے کر و فر اور طمطراق کے ساتھ انہیں اپنے گھیرے میں لئے ہوتا تھا ۔ شہر کے مضافات میں واقع باغات مثلاً باغ سپید، باغ جہاں آرا اور باغ زاغان میں پر شکوہ ضیافتیں ترتیب دی جاتی تھیں اور پہلوان و عیار اپنے کرتبوں کا مظاہرہ کرتے ۔ سلطان اور وزیر کی دولتمندی اور شان و شوکت نے صاحبان ذوق اور اہل ہنر کی اس بہشت کو عظمت و زیبائی میں بے مثال بنا دیا تھا ۔ بڑے بڑے صاحبان فن ہرطرف سے یہاں کھنچے چلے آتے تھے ۔ باوجود اسکے اس دور کے تمام مشاہیر میں کوئی بھی جام کے اس سادہ مزاج اور درویش منش مولانا جیسی قدرت اور حشمت نہیں رکھتا تھا جس کا نام نورالدین عبدالرحمان تھا اور جو شعر بھی کہتا تھا ۔ یہ سادہ مزاج درویش جسے انتہائی احترام کے باعث "عارف جام" کے لقب سے پکارا جاتا تھا حقیقت میں ہرات کا اصلی سلطان تصور کیا جاتاتھا ۔ اگرچہ وہ شاعر تھا لیکن اس نے کبھی سلطان اور وزیر کا قصیدہ نہیں لکھا بلکہ اس کے برعکس سلطان اور وزیر اس کے عقیدتمند تھے اور ہمیشہ اسکی دلجوئی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے ۔ امیر علی شیر کو جب بھی موقع ملتا وہ اس سے ملنے جاتا اور اس کے ساتھ ہر موضوع پر تبادلۂ خیالات کرتا ۔ سلطان اسے اپنی محفل میں بلاتا اور اس کی عزت وتکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتا ۔ وقتاً فوقتاً اس کے ساتھ مشاعرہ اور مکاتبہ بھی ہوتا ۔ قرب و دور کے بادشاہوں کی بھی اس کے ساتھ خط و کتابت تھی اور وہ اسے بڑے خلوص کے ساتھ اپنی مملکت میں آنے کی دعوت دیتے تھے ۔ ہرات کے درباری اور اکابرین بھی اسے بڑی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ جو کوئی اس کی پناہ میں آجاتا یہاں تک کہ ماہ رمضان میں شراب پی کر دنگا فساد کرنے والا بھی محتسب اور قاضی کی باز پرس سے محفوظ

Marfat.com

رہتا (۱) اگر کوئی وزیر بادشاہ کے غیض و غضب کا نشانہ بن جاتا تو اس کی سفارش پر معافی کا سزاوار قرار پاتا ـ وہ جس محفل میں چلا جاتا سلطان اور وزیر کی موجودگی کے باوجود وہی توجہ کا مرکز بن جاتا اور اس طرح صدر نشینی کی ترتیب درہم برہم ہو جاتی ـ مجلس میں جہاں جگہ ملتی وہ بے تکلف بیٹھ جاتا لیکن بہر حال اسی کو صدر کی حیثیت حاصل ہوتی ـ وہ انہایت ہی سادگی پسند اور درویش منش تھا ـ اس کا گھر بھی سادگی کا نمونہ تھا اور لباس بھی بناوٹ سے پاک تھا ـ اکثر کھلی آستین کی قبا زیب تن کرتا ـ بیشتر اوقات زمین پر ہی بیٹھ جاتا ـ پہلی بار جو کوئی اسے اتنی سادہ قبا اور معمولی عمامہ میں دیکھتا اسے ہرگز یقین نہ آتا کہ اس شخص کی حشمت اور اثر و رسوخ سارے ملک میں امراء اور وزراء کیلئے باعث رشک و حسرت ہے ـ سیستان کا قاضی زادہ جب پہلی مرتبہ بہت سے شعراء اور طلبہ کی طرح اسے ملنے آیا تو اسے اس معمولی اور سادہ لباس میں دروازے پر کھڑے دیکھ کر یہ سمجھا کہ اس کے گھریلو ملازمین میں سے کوئی ہے (۲) لیکن بھی وہ قبا پوش درویش تھا جو بحث مباحثہ اور علمی گفتگو میں اپنے تمام ہم عصر علماء کو عاجز کر دیتا تھا ـ ہرات کے کسی دانشور میں بھی اتنی جرأت نہ تھی کہ اس کے سامنے علمیت کا دعویٰ کرے ـ سب اس کی برتری کو تسلیم کرتے تھے ـ محرم ۸۹۸ ہجری میں جب اس اکاسی سالہ بزرگ نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اس کی موت کو ایک بہت بڑا نقصان قرار دیا گیا ـ ٹانگوں سے معذور ہونے کے باوجود خود سلطان نے بہ نفس نفیس اس کے جنازے میں شرکت کی اور اس کی جدائی میں زار و قطار روتا رہا ـ اس کے سوگوار وزیر علی‌شیر نے اس کی موت کو اپنے لئے ایک عظیم المیہ کہا ـ

جامی کے دادا نیک اور پارسا عالم تھے ـ وہ اپنی عمر کے آخری دنوں میں اصفہان کے محلہ دشت سے خراسان منتقل ہو گئے ـ جامی کے والد جنہیں

Marfat.com

نظام‌الدین احمد دشتی کہتے تھے جام کے علاقہ میں قاضی تھے۔ وہ اپنے تقوی کی وجہ سے واجب‌الاحترام سمجھے جاتے تھے ۔ ان کا بیٹا عبدالرحمان جو بعد میں نورالدین اور عمادالدین کے القاب سے مشہور ہوا ۸۱۷ ہجری میں جام کے قصبہ خرجرد میں پیدا ہوا۔ بچپن میں ہی باپ کے ہمراہ ہرات آگیا ۔کچھ عرصہ بعد وہاں کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوا ۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق اس نے عربی، فنون بلاغت اور علوم شرعی کی تعلیم مشہور اساتذۂ وقت سے حاصل کی ۔ بعد میں حکمت کی طرف راغب ہوا اور بڑے انہماک کے ساتھ حکمت کی کتابوں کا مطالعہ کیا ۔ کچھ عرصہ بعد سمرقند چلا گیا اور اس شہر میں جو شاہرخ اور الغ بیگ کے زمانے میں دانشوروں کا مرکز تھا حصول علم میں مصروف ہو گیا ۔ اس نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں اپنی قوت حافظہ اور قوت استدلال سے اپنے بعض اساتذہ کو بھی بحث و مباحثہ میں لیچا دکھایا جس کی وجہ سے اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ہرات واپس آنے کے بعد تصوف کی طرف مائل ہوا ۔ چنانچہ سعدالدین کاشغری کے ہاتھ پر بیعت کی اور نقشبندی سلسلہ کو اپنایا ۔ سعدالدین کے بیٹے خواجہ کلاں نے اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دی ۔ اس بات سے اہل ہرات کے نزدیک اس کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوا ۔ سعدالدین کے بعد جب نقشبندی سلسلے کی خلافت خواجہ عبیداللہ احرار کو ملی تو جامی اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا ۔ حتیٰ کہ اس کی زیارت کے لئے مرو اور سمرقند کا سفر اختیار کیا ۔ اس سفر کے دوران علماء اور عرفاء نے ہر جگہ اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی ۔ ہر جگہ اہل مدرسہ و اہل خانقاہ عزت و احترام سے پیش آئے اور اس کے ملفوظات و تالیفات کی بڑی تعریف کی۔ اس وقت کے مشاہیر جنہوں نے علمی مباحثوں کے دوران اس کی قادرالکلامی اور علمیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا بہت جلد اس کی عظمت کے قائل ہو گئے ۔ عمر کے دوسرے

Marfat.com

نصف حصے میں جو زیادہ تر ہرات میں گذرا اسے ایک ممتاز عالم کی حیثیت حاصل تھی ۔ اسے حکمت و دانش سے محبت تھی اور فہم و فراست میں کوئی اس کا ہم پایہ نہ تھا ۔ صرف و نحو ' عروض اور موسیقی سے لے کر فقہ ' حدیث ' حکمت و عرفان تک سب چیزوں سے اسے دلچسپی تھی اور اس نے ہر مضمون پر کوئی نہ کوئی کتاب یا رسالہ سپرد قلم کیا ۔ علاوہ ازیں شعری ذوق بھی پایا تھا ۔ مختلف فنون میں مہارت کی بدولت اگر چاہتا تو اپنے ہم عصر شعراء کی طرح بادشاہوں اور شاہزادوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا سکتا تھا جنہیں شعر و ہنر سے بڑی گہری دلچسپی تھی لیکن عالمانہ وقار اور بے نیازی نے اسے مدح گوئی سے الگ رکھا ۔ اس کے باوجود کہ ریاضی ' معما اور حکمت سے لے کر شعر و انشائیہ تک اس کے تمام مضامین شاہزادوں کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز تھے اس نے ممکنہ حد تک مدح سرائی اور قصیدہ گوئی سے اجتناب کیا ۔ غالباً یہی چیز اس کی عزت اور شہرت میں اضافے کا باعث بنی ۔ اس کی بے نیازی اور آزادمنشی کے باعث اس دور کے امراء اور شاہزادے اس کی صحبت کے خواہاں تھے ۔ اس کی مقبولیت کی ایک وجہ اس کی روشن‌خیالی اور حاضر دماغی بھی تھی جو اسکی محفل کو لطائف اور بذلہ سنجیوں سے زعفران زار بنا دیتی ۔ بجائے اس کے کہ وہ خود شہرت اور اثر و رسوخ کے پیچھے بھاگتا انہوں نے خود اس کے دروازے پر دستک دی ۔ ہم عصر مؤلفین نے اپنی تالیفات میں اس کا ذکر اسی احترام و عقیدت سے کیا ہے جو بادشاہوں کو حاصل ہے ۔ دولتشاہ ' امیر علی شیر ' بابر ' واصفی ' فخرالدین صفی ' عبدالغفور لاری اور سام میرزا نے جو کچھ اس کے بارے میں لکھا ہے اس سے اس کی بے مثال مقبولیت اور شہرت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں اس کے خاندان کو علم و تقوی کے باعث تمام ہرات میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی ۔ اس کا بھائی محمد بھی جو اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا ادیب ' فاضل اور

Marfat.com

ماہر موسیقی تھا۔ اس کا بھانجا ہاتفی خرجردی مشہور شاعر تھا اور اکثر سفر میں رہتا تھا۔ اس کا سسر خواجہ کلاں نقشبندی سلسلے کا ایک بزرگ اور سعدالدین کاشغری کا فرزند ارجمند تھا۔ اس کی خواہر نسبتی کی شادی فخرالدین صفی کے ساتھ ہوئی جو شاعر، واعظ اور مصنف تھا۔ اسی طرح اس زمانے کے نامور واعظ اور مصنف ملا حسین کاشفی کے ساتھ بھی اس کا رشتہ تھا۔ معروف وزیر امیر علی شیر نوائی اس کا دوست اور عزیز شاگرد تھا۔ ہرات کے شعرا، ادبا، صوفیاء اور فقہا اس کے ساتھ نہایت ادب و احترام سے پیش آتے۔ وہ اپنا بیشتر وقت مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں گذارتا۔ اس نے شعری دواوین اور مختلف مثنویوں کے علاوہ متعدد موضوعات پر بہت سی کتابیں اور رسائل تحریر کئے۔ تقریباً چالیس پچاس سے زائد کتابیں اور رسائل اس سے منسوب ہیں جو علم نحو، عروض، قافیہ، معما، فقہ، حدیث، تفسیر اور علم کلام کے موضوعات پر ہیں۔ ان تصانیف میں نقد النصوص جو فصوص ابن عربی کی شرح ہے، نفحات الانس جو مشائخ کے حالات اور صوفیاء کے طبقات پر مبنی ہے، اشعۃ اللمعات جو لمعات عراقی کی شرح ہے اور بہارستان جو گلستان کی تقلید میں لکھی گئی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عرفان اور تصوف کے مسائل کی تشریح و توضیح میں اسے خاص شہرت حاصل تھی۔ اس لحاظ سے بعض اسے ابن عربی کا ثانی کہتے ہیں۔

ساٹھ سال کی عمر میں جامی حج کے ارادے سے خراسان سے روانہ ہوا۔ دوران سفر چار ماہ بغداد میں قیام کیا۔ دوران قیام اس پر شیعوں کے ساتھ متعصب ہونے کا الزام لگایا گیا اور اسے ایک بھری مجلس میں اہل بیت سے دشمنی کے لگائے گئے الزامات سے اپنے آپ کو بری ثابت کرنے کے لئے ثبوت پیش کرنا پڑا۔ اگرچہ اس مجلس میں وہ غالب آیا لیکن اس کے دل میں بغداد اور وہاں کے پر تعصب لوگوں کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ بعد میں وہ بغداد

Marfat.com

سے کربلا اور نجف گیا ۔ وہاں سے حجاز روانہ ہوا ۔ حج سے واپسی پر کچھ عرصہ اس نے دمشق اور حلب میں قیام کیا ۔ حلب میں عثمانی خلیفہ نے اسے روم آنے کی دعوت دی لیکن وہ آذر بائجان روانہ ہو گیا ۔ وہاں اوزن حسن نے اس سے تبریز میں سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی لیکن جامی نے اپنی ضعیف ماں کی خدمت کا بہانہ بنا کر اس کی پیشکش قبول نہ کی ۔ جب وہ واپس ہرات پہنچا تو اہل ہرات، خاص طور پر سلطان اور امیر علی شیر کو بے حد خوشی ہوئی ۔ اس نے اپنی باقی زندگی ہرات ہی میں گوشہ نشینی، مطالعہ، عقیدتمندوں کی رفاقت اور شاگردوں کے درمیان گذار دی ۔ اس دوران ایک بار خواجہ عبیداللہ کی زیارت کے لئے سمرقند بھی گیا ۔ جامی کی زندگی بڑی آزاد اور سادہ تھی ۔ اس کی مجلس لطائف اور نکتہ سنجیوں کی وجہ سے بے حد دلچسپ ہوتی تھی ۔ فخرالدین صفی نے جو اس کے عزیزوں میں سے تھا اپنی کتاب لطائف الطوائف کا ایک باب اس کے لطائف کے لئے مختص کیا ہے ۔ اس کی وفات کے بعد امیر علی شیر نے بھی اس کی زندگی کے حالات اور مقامات کے بارے میں ایک کتاب خمسۃالمتحیرین کے نام سے لکھی ۔

جامی کو اگرچہ شاعری میں بڑی شہرت حاصل تھی لیکن وہ شاعری کو اپنے لئے باعث عزت نہیں سمجھتا تھا بلکہ بعض اوقات نا پسندیدگی اور آزردگی کا بھی اظہار کرتا تھا ۔ اس کے باوجود اسے شاعری میں کم و بیش اپنے تمام معاصرین پر برتری حاصل تھی ۔ شعری صنایع کی طرف توجہ اور اطناب پر زیادہ زور نے اس کے شعر کو قدرے ملال انگیز بنا دیا ہے ۔ باوجود اس کے صوفیاء کی تعلیم اور افکار کو بیان کرنے کی جو قدرت اسکو حاصل تھی اور عربی مضامین کو فارسی اشعار میں ترجمہ کرنے کی جیسی اسے مہارت تھی وہ یقیناً قابل ذکر ہے ۔ لیکن بہر صورت اسے ایک موجد اور تخلیقی شاعر نہیں کہا جا سکتا ۔ در اصل علم و دانش میں شہرت اور مقام کے باعث ہی

Marfat.com

وہ شاعری میں بھی معروف ہوا ۔ البتہ اس زمانے میں جو کچھ ایک عارف اور عالم سے توقع کی جا سکتی تھی اس کی شاعری کا مقام اس سے بہت بلند ہے بایں ہمہ دوسرے شعراء کے یہاں جوش و جذبے کی جو شدت پائی جاتی ہے وہ اس کے کلام میں نہیں ہے ۔ اس کی جوانی مدرسہ اور اہل مدرسہ کی کتابوں کی ورق گردانی میں گذری تھی ۔ اگر اس کے اندر واقعی کوئی شاعرانہ ذوق تھا بھی تو اسے خانقاہوں کی خاموشی اور مدرسوں کے قیل و قال نے ختم کر دیا تھا ۔ مدرسے کی فضا میں اپنے موقف پر اڑے رہنے والے "لم و لا نسلم" (۳) فقہا اور متکلمین کے ساتھ مناقشہ اور مناظرہ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے کی جو اسے عادت پڑ گئی تھی اس کے زیر اثر وہ معروف شعراء کے ساتھ بھی معارضہ پر آمادہ رہتا تھا ۔ اس کی شاعری ایک باطنی تقاضا اور روحانی ضرورت نہ تھی ۔ اس کی حیثیت تفریح طبع یا مشاقی سے زیادہ کچھ نہ تھی ۔ اس کا محرک وہ درد و سوز نہ تھا جو جذبات کا طوفان بن کر باہر نکلتا ہے اور شعر میں ڈھل جاتا ہے ۔ اس کا مقصد اپنی قادرالکلامی اور مہارت کا اظہار تھا ۔ جس طرح علمی مباحث میں اس نے برتری حاصل کی تھی اسی طرح شاعری کے میدان میں بھی اپنی برتری ثابت کرنا چاہتا تھا ۔ اسی لئے اس کا کلام پرانے استادوں کے کلام کی تقلید محض کے سوا کچھ نہیں اور بعض بدخواہوں نے تو اس پر قدیم شعراء کے اشعار کے سرقہ کا بھی الزام لگایا ہے (۴) بلا شبہ یہ الزام بے جا ہے لیکن حقیقت میں اس کا کلام اس لطافت سے عاری ہے جو حقیقی شاعر کا طرۂ امتیاز ہے ۔ اس میں ظاہری صورت کے سوا کوئی شاعرانہ خوبی نہیں ۔ وہ ایسا کلام نہیں جو ایک متلاطم سیلاب کی مانند ٹھاٹھیں مارتا ہوا آگے بڑھے اور بدعت کی تنگنائی اور پرپیچ گھاٹیوں کی اجنبی چٹانوں کے بیچ سے ایک نئی راہ ایجاد کرے ۔ یہ ایسی شاعری ہے جو روشن و صریح ہے لیکن ہموار میدان سے گذرنے والی ندی کی مانند سست خرام اور

Marfat.com

روایتی اسلوب و انداز کی حامل ۔ نہ تو پرانی روایت سے ذرا بھی روگردانی کرتی ہے اور نہ ہی کوئی نئی چیز ایجاد کرتی ہے۔ اس میں نہ تو بلندی ہے نہ گہرائی۔ ادب کے استادوں کے کلام کی طرح بے عیب لیکن بے جان۔ بالآخر وہ بھی تو اپنے زمانے میں ادب کا ایک نامور استاد تھا ۔

وفات سے ایک سال پہلے امیر علی شیر کی درخواست پر اس نے اپنے دواوین امیر خسرو کی طرح تین جلدوں میں مرتب کئے۔ جوانی کے اشعار پر مشتمل فاتحۃالشباب ' درمیانی عمر کے اشعار پر مبنی واسطۃالعقد اور زندگی کے آخری سالوں کے اشعار پر حاوی خاتمۃالحیات ہے ۔ ان دواوین میں قصاید اور غزلیات بھی ہیں اور قطعات و رباعیات بھی لیکن ان میں سے زیادہ تر خسرو حافظ' سلمان اور دوسرے شعراء کی تقلید کے سوا کچھ نہیں ۔ اس کے باوجود ان کے مطالعہ سے شاعر کے ذہنی اور فکری ارتقاء کا علم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے کلام میں صوفیاء کے مضامین بڑی صراحت اور تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ قدیم صوفی شعراء میں سے کسی نے بھی وحدت‌الوجود کے نظریہ کو جامی کی طرح صحیح اور وضاحت سے بیان نہیں کیا ۔ مثال کے طور پر شاہ نعمت‌اللہ کا کلام دیکھئے اس میں جامی کی طرح شاعرانہ لطافت اور رنگ نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح شمس مغربی کا کلام بھی جامی جیسی صراحت سے عاری ہے ۔

اس کی ہفت اورنگ بھی در حقیقت خسرو اور نظامی کے اسلوب کی صدائے باز گشت ہے۔ تحفۃالاحرار ' نظامی کی مخزن‌الاسرار کی تقلید محض ہے۔ اسلوب بھی وہی ہے اور عرفانی مطالب و اخلاقی داستانیں بھی وہی ہیں ۔ اس کی لیلیٰ و مجنوں بھی نظامی اور امیر خسرو کی لیلیٰ و مجنوں سے مختلف نہیں ۔ یہاں تک کہ وزن اور اسلوب بھی وہی ہے ۔ اس میں صرف عربی روایات پر زیادہ زور ہے اور قیس بنی عامر سے منسوب دیوان کا اثر زیادہ

Marfat.com

محسوس ہوتا ہے ۔ جامی نے چند مثنویوں میں ضرور یہ کوشش کی ہے کہ تقلید محض سے قدم آگے بڑھائے ۔ مثلاً سبحۃالاسرار میں مخزن‌الاسرار کی تقلید کے لئے ایک نیا وزن تخلیق کیا ہے ۔ یوسف و زلیخا میں خسرو شیرین کی پیروی کرنے کے لئے ایک نئی حکایت تلاش کی ہے اس داستان میں جو قرآن سے مأخوذ ہے اور جامی کے علاوہ بعض دوسرے شعراء نے بھی اسے منظوم کیا ہے ' اکثر عشقیہ قصوں کے برعکس جو کردار فراق و تمنا کی آگ میں جل رہا ہے وہ عورت کا کردار ہے ۔ اگرچہ مرد بھی اپنی جگہ اسی کیفیت سے دوچار ہے ۔ ان دو مثنویوں کے علاوہ جن میں شاعر نے کسی حد تک تقلید محض سے دامن بچایا ہے ' اس کی خرد نامہ اسکندری بھی دلچسپ ہے ۔ چونکہ نظامی اور امیر خسرو کے اسکندر ناموں کے برعکس جنگنامہ نہیں' خرد نامہ ہے ۔ اس میں اس حکیمانہ گفتگو کی تفصیل ہے جو اسکندر اور یونانی فلاسفہ کے درمیان ہوئی ۔ یا ایسی باتیں ہیں جو ان فلسفیوں نے اسکندر کی عبرتناک موت کے موقع پر کہیں ۔ ان باتوں میں کہیں کہیں سعدی کے افکار کی صدائے باز گشت بھی سنائی دیتی ہے ۔ سلسلۃالذہب اپنی شکل اور مطالب کے لحاظ سے سنائی کی حدیقہ کی یاد دلاتی ہے ۔ اگرچہ اس میں حدیقہ کی طرح کوئی واضح نقشہ یا پلاٹ نہیں ہے ۔ لیکن مجموعی طور پر اس کے مطالب شریعت اور طریقت کے اسرار و رموز کے بیان پر مشتمل ہیں ۔ نیز اسی کی طرح اس میں قصص و امثال کی فراوانی ہے ۔ اس کے علاوہ عتیبہ اور ریا جیسے بعض قصوں میں ' ہفت گنبد نظامی کی عکاسی نظر آتی ہے ۔ لیکن کتاب کا پلاٹ حدیقہ اور بوستان کے بین بین ہے ۔ عارف جام کی اس ہفت اورنگ میں ایک چھوٹی سی مثنوی سلامان و ابسال بھی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔ سلامان و ابسال ایک رمزیہ داستان ہے جو مثنوی مولانا روم کے وزن پر کہی گئی ہے ۔ شاعر نے اس میں ایک فلسفیانہ داستان کو جو ہر سی

Marfat.com

کتب میں مذکور ہے، بظاہر حنین بن اسحاق سے منسوب ترجمہ سے استفادہ کر کے فارسی میں منظوم کیا ہے۔ اس داستان میں سلامان ایک ایسا جوان ہے جس کی ولادت ماں باپ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے بغیر ہوئی اور یونان کے بادشاہ ہرمانوس نے ایک فلسفی کی مدد اور راہنمائی سے اسکی پرورش کی اور اسے اپنا متبنیٰ بنا لیا، سلامان بڑا ہو کر ابسال نامی آیا کے دام الفت میں مبتلا ہو گیا۔ اس عجیب و غریب اور غیر مناسب عشق نے انہیں وہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ لیکن شاہ نے اپنے جام جہاں بین کی مدد سے انہیں تلاش کر لیا اور سلامان کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی خاطر ابسال کو جادو کی آگ سے ہلاک کر دیا۔ جامی کی روایت اور حنین کی روایت کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ اسی طرح ابن سینا سے منسوب سلامان و ابسال کا قصہ بھی ان دونوں سے مختلف ہے۔(۵) جامی کی داستان میں سلامان روح اور نفس ناطقہ کے لئے ایک استعارہ ہے جو بدن کے قفس عنصری میں گرفتار ہو چکا ہے اور اس دام تعلق سے اس کی رہائی اسی صورت میں ممکن ہے کہ تن نیست و نابود اور معدوم ہو جائے۔ جامی نے اس داستان کو مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کی طرز پر نظم میں ڈھالا ہے۔ اس مثنوی میں قصہ در قصہ کا انداز اپنایا گیا ہے۔ اگرچہ بعض بے جا تفصیلات و طوالت اور مختلف قصص و تماثیل کے استعمال نے اسے کسی حد تک ملال انگیز بنا دیا ہے لیکن داستان لطافت اور گہرائی سے عاری نہیں۔ اس فلسفیانہ داستان کا فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اس مثنوی کا استعاراتی انداز خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ جامی کی یہ مختصر سی مثنوی گہرائی کے اعتبار سے غالباً اس کی بہترین مثنوی ہے۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) بدایع الوقایع، مطبوعہ ماسکو، جلد اول، صفحہ ۸ - ۵۵۷

(۲) ایضا جلد اول، صفحہ ۴ - ۶۲۳

(۳) بوستان سعدی کے باب چہارم میں ہے :

فقیہان طریق جدل ساختند لم ولا نسلم در انداختند

ترجمہ :- فقیہوں نے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور میں نہ مانوں کی رٹ لگانے لگے -

(۴) مثلاً یہ طنز آمیز اشعار جو اس بارے میں کہے گئے ہیں اور مجمع الفصحا ، مطبوعہ مظاہر مصفا، جلد ۲، صفحہ ۸۵۲ پر درج ہیں :

ای باد صبا بگو بجامی آن دزد سخنوران نامی

ترجمہ : اے باد صبا جامی سے کہو جو نامور شعرا کے کلام کا چور ہے -

بردی اشعار کہنہ و نو از سعدی و انوری و خسرو

ترجمہ : سعدی، انوری اور خسرو کے نئے اور پرانے اشعار تو لے چرالئے -

اکنون کہ سر حجاز داری و آہنگ حجاز ساز داری

ترجمہ : اب جب تو نے حجاز جانے کا ارادہ کیا ہے اور آہنگ حجاز (ا) الاپ رہا ہے -

دیوان ظہیر فاریابی در کعبہ بدزد اگر بیابی

ترجمہ : اگر تجھے خانہ کعبہ میں ظہیر فاریابی کا دیوان مل جائے تو اسے بھی چرا لے -

(۵) Corbin, H. Avicenne et le recit Visionnaire, Page 236-279

ا. موسیقی کے ایک پردے کا نام ہے -

Marfat.com

صائب

سرزمین ہند کا زائر

صائب کا دلپسند مشغلہ مضامین نو کی جستجو تھی جبکہ قدیم شعراء کے نزدیک یہی سب سے مشکل راستہ تھا ۔(۱) وہ کہتا ہے کہ زلف یار پرایک عمر بات ہو سکتی ہے ۔ ظاہر ہے یہ دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جسے قدیم مضامین کی تکرار پسند نہ ہو ۔ یہ درست ہے کہ قدیم شعراء نے عام چیزوں کو بہت زیادہ موضوع سخن بنایا ہے لیکن اب بھی یہ دنیا بے شمار چھوٹی چھوٹی اور انجانی چیزوں سے بھری پڑی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی اور انجانی اشیاء کی دنیا شعر و نغمہ سے لبریز ہے لیکن ان میں پوشیدہ حسن کو منظر عام پر لانے کے لئے لطیف ذوق اور حساس دل کی ضرورت ہے ۔ صائب وہ شاعر ہے جس میں ذوق و احساس کا یہ سرمایہ بدرجہ اتم موجود ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ نئے مضامین کی جستجو کو وہ صحرا میں شکار کی مانند ایک سادہ سی تفریح سمجھتا ہے ۔ در اصل ایک سچا شاعر دنیا کو خاص نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اور ہر چیز میں حسن اور صداقت تلاش کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ صائب کے دیوان میں ہر جگہ نئے مضامین کی فراوانی ہے ۔ اس کی دور بین نگاہ ہمیشہ اپنے گرد و نواح سے نئی سوج اور اچھوتا مضمون ڈھونڈ نکالتی ہے ۔ جب وہ ایک پرانے درخت کو دیکھتا ہے کہ اس کی جڑیں نئے درخت کے مقابلے میں مٹی کے اندر دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں تو اسے خیال آتا ہے کہ ایک بوڑھا ایک نوجوان کے مقابلے میں دنیا سے زیادہ

Marfat.com

دلبستگی رکھتا ہے - باغ کے ایک گوشے میں ایک اداس اور لب بستہ غنچہ جلوہ نما ہے لیکن جب وہ پژمردہ ہو کر خاک پر بکھر جاتا ہے تو وہ ایک مسکراتا ہوا پھول بن چکا ہوتا ہے - اس منظر کو دیکھ کر معاً اسے خیال آتا ہے کہ باغ جہاں سے گذر جانا وہاں آنے سے بہتر ہے - جلتی ہوئی آگ میں اسے حرص و لالچ کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے - آگ لکڑی کے ہر ٹکڑے کو جو اس میں ڈالا جاتا ہے ہضم کر لیتی ہے یہی حال انسان کا ہے جسے دنیا کی تمام نعمتیں بھی سیراب نہیں کر سکتیں - اسے جتنا ملتا ہے اس سے زیادہ کی توقع رکھتا ہے - وہ انگور کی بیل کو دیکھتا ہے کہ ہمیشہ درخت کا سہارا لیتی ہے، اس سے لپٹی رہتی ہے تا کہ اس کا وجود باقی رہے اور اس کی نشو و نما ہوتی رہے اس سے اس کو اُن غفلت شعار انسانوں کی یاد آتی ہے جو دنیا سے چمٹے رہتے ہیں اور اس سے ان کا دل نہیں بھرتا - وہ گہوارے کی حرکت پر غور کرتا ہے جس کی وجہ سے بچہ گہری نیند سو جاتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے ایسے شخص کی حالت یاد آتی ہے جس کا وجود تشویش و کپکپی کی کیفیت سے گذر کر مستحکم تر ہو جاتا ہے - جب بلی کو دیکھتا ہے کہ ہمیشہ اپنے ہاتھ پاؤں کو چاٹتی رہتی ہے تو اس کو خود نما لوگوں کی یاد آتی ہے جو ہمیشہ اپنی شکل و صورت کو بناتے سنوارتے رہتے ہیں اور کسی وقت بھی اس کی دیکھ بھال سے فارغ نہیں ہوتے - وہ کباب سے ٹپکنے والے قطروں کو دیکھتا جو شعلہ آتش کو اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں تو اسے خیال آتا ہے کہ مظلوم کی آہ و زاری اور اشک فشانی ایک ذلیل اور کمینہ شخص کو اور بے رحم بنا دیتی ہے - (۲) اس طرح اس کے نزدیک دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس میں حسن بھی ہے اور غور و فکر کا سامان بھی - ہرن کی خوبصورت آنکھوں کے حلقے ایسی زنجیریں ہیں جن میں انسان کا دل اسیر ہو کر رہ جاتا ہے - رات کو آسمان کی وسعتوں پر نظر آنے والے ستارے

Marfat.com

چھلنی کے سوراخ کی مانند ہیں جن سے انسانوں کی روزی چھانی جاتی ہے ۔ وہ راکھ جو آگ کی چمک کو ڈھانپ لیتی ہے اس دوست کی طرح ہے جو موت کے وقت دوسرے دوست کی روشن آنکھوں کو بند کر دیتا ہے ۔ بلند آسمان اپنی عظمت و رفعت کے ساتھ وہ سیاہ خیمہ ہے جسے بیابان عدم میں لگایا گیا ہو ۔ انسان اس بیابان میں اس بیقرار و مضطرب بگولے کی طرح ہے جو اپنے گرد گھومتا ہے اور اس دور افتادہ سیاہ چادر کے پاس سے گذر کر غائب ہو جاتا ہے ۔ (۳) کسی ایسے شخص کے لئے جو ہر چیز میں شعر اور حسن کو جلوہ گر دیکھتا ہے تازہ مضامین کی جستجو کوئی مشکل کام نہیں وہ نہ تو قدما کے مضامین ، اُن کی روایات اور رسوم کی پابندی کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور نہ ہی اُن کی تعبیرات کو اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے بلکہ وہ بے تکلفی سے نئے اور عام الفاظ و تعبیرات کو اپنے کام میں لاتا ہے ۔ درحقیقت اس کا شعر اہل مدرسہ کا شعر نہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے اسے بتایا کہ ایک طالب علم نے اس کے شعر پر نامعقول قسم کا اعتراض کیا ہے ۔ اس نے اس کے جواب میں خفگی سے کہا کہ میرے شعر کو مدرسے کون لے گیا؟ (۴) اس کا شعر عام احساس اور عام حکمت کا مظہر ہے ۔ اس نے عام لوگوں کے انداز فکر اور اُن کے دکھوں کو اپنے شعروں میں اجاگر کیا ہے اور یہی وہ عام زبان و بیان تھا جس نے اس کے شعر کو تازگی و طراوت عطا کی ۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی شاعری دوسرے شعرا کی نسبت عام لوگوں میں بہت زیادہ مقبول ہوئی ۔ چونکہ اس کی شاعری شاعران کہن کے اسلوب کی تقلید و تکرار اور فن صنعت و بدیع کے استعمال پر مبنی نہیں اس لئے اہل مدرسہ اور ادب کے طالب علموں میں زیادہ مقبول نہ ہوسکی ۔ دراصل وہ بازاری لوگوں کا ، قہوہ خانوں میں بیٹھنے والوں کا اور عوام کا شاعر تھا ۔ چونکہ اس کی شاعری میں عام لوگوں کے احساسات و جذبات کی

Marfat.com

ترجمانی کی گئی تھی اس لئے وہ عام لوگوں میں بے حد مقبول تھا ۔ اس کے نئے انداز سخن کی خاص اور بے نظیر نفاست اسکو اہل مدرسہ کے روایتی اسلوب سے جدا کرتی ہے ۔ ایسی نفاست جس سے مینی ایچرسازوں اور منبت کاروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ۔ درحقیقت وہی ریزہ کاری جو سنگ مرمر کے استعمال سے تاج محل جیسی عظیم الشان عمارت میں نظر آتی ہے ان اشعار میں بھی نمایاں ہے جو تاج محل کے مالکوں کے حضور پیش کیے گئے ۔ صائب جو اصفہان سے ہندوستان آیا تھا تاج محل کے معماروں کی طرح تاج محل کے مالک شاہجہان کی توجہ ومحبت کا مرکز بنا ۔

شاہ عباس کی سلطنت کے آخری ایام میں جب صائب نے اصفہان کو چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا اس وقت مغلیہ دربار میں شعر و ادب کی گرم بازاری تھی ۔ شاہجہان جو اکبر و جہانگیر کے تخت کا وارث تھا انہیں کی طرح ادب و فنون سے دلچسپی رکھتا تھا ۔ اس نے اگرچہ اپنے باپ جہانگیر جیسا ذوق نہیں پایا تھا لیکن پھر بھی اہل ذوق اور اہل ہنر کی سر پرستی میں کوشاں رہتا ۔ اس کی لائبریری میں " مختلف علوم و فنون اور عربی ، فارسی و انگریزی" (۵) پر مشتمل کئی ہزار منتخب اور خوش خط کتابیں موجود تھیں ۔ اس کے دربار کے اکابرین شاعروں کو انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے ۔ ان کی بے پناہ دولت اور لامتناہی جلال وعظمت ان کی افسانہ آمیز سخاوتوں کی تصدیق کرتی تھیں ۔ خود بادشاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا ۔ ایک دفعہ ایک شاعر کا منہ سات بار زروجواہر سے پر کیا ۔ ایک اور موقع پر ایک شاعر کو اس کے وزن کے برابر چاندی اور سونا عطا کیا (٦) شعر دوستی کی اس شہرت نے دربار آگرہ کو شاعروں کی امیدوں کا قبلہ بنادیا تھا ۔ اس زمانے میں ایران کا دربار شاعروں کی پذیرائی نہیں کرتا تھا ۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ بعض شعراء اس دربار سے وابستہ تھے لیکن انکی

Marfat.com

اس جنس کا اب کوئی خریدار نہیں تھا۔ فقہاء کے عروج نے شاعری کی رونق کو بہت حد تک کم کر دیا تھا۔ شاعری صرف عام لوگوں میں مقبول تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے شاعران وقت کے اشعار میں بھی بازاری رنگ آچکا تھا اور اب شاعری ایوان مدرسہ سے نکل کر بازاروں اور قہوہ خانوں میں آگئی تھی۔ اس کے باوجود ایران میں شاعری کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ چنانچہ ان لوگوں کے لئے جو ذوق و استعداد کی دولت سے بہرہ ور تھے اس سرزمین میں کوئی جگہ نہ تھی۔ ان ایام میں مغلیہ دربار صفوی دربار سے کہیں زیادہ شعراء کی توجہ کا مرکز تھا۔ کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے سر میں سفر ہند کا سودا نہ سمایا ہو اور کوئی شاعر ایسا نہ تھا جس کے دل میں جہانگیر اور شاہجہان کے پر شکوہ دربار تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش نہ ہو۔ صائب بھی اسی خیال سے اصفہان سے عازم ہندوستان ہوا۔

صائب کا نام محمد علی بیگ تھا۔ اس کا تعلق تبریز سے تھا لیکن پرورش اصفہان میں ہوئی۔ اس کا خاندان تبریز سے اصفہان آبسا تھا۔ اس کا بچپن اور جوانی شاہ عباس اول کے عہد میں گذری۔ جوانی میں اس نے حج کیا اور کچھ عرصہ بلاد عثمانی میں مصروف سیاحت رہا۔ شاہ عباس کی سلطنت کے آخری ایام میں اصفہان سے نکلا اور کابل میں ظفر خان کے پاس جو باپ کی نیابت میں حکمرانی کر رہا تھا چلا گیا۔ ظفرخان نے جو خود بھی شاعر تھا اس تبریزی نوجوان شاعر کا جو تجارت کی غرض سے آیا تھا بیحد گرمجوشی سے استقبال کیا۔ کچھ عرصہ بعد ظفر خان آگرہ کے دربار میں چلا گیا اور صائب کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ اس زمانے میں آگرہ کے تخت پر شاہجہان رونق افروز تھا۔ اس نے اس جوان شاعر کو انعام و منصب عطا کیا۔ صائب جو اصفہان میں اس شہرت و ثروت سے محروم تھا شاہجہان کی نوازشوں سے بیحد متاثر ہوا۔ وہ بادشاہ کی ہمرکابی میں دکن بھی گیا لیکن جب ظفر خان

Marfat.com

کشمیر کے لئے روانہ ہوا تو یہ بھی اس کے ہمراہ چلا گیا ۔ اس کے باوجود اس کو یار و دیار کی یاد ستاتی تھی ۔ جب وہ ہندوستان آیا تو نظیری کو فوت ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور طالب آملی اپنی زندگی کے آخری ایام گذار رہا تھا ۔ لیکن قدسی اور کلیم کے عروج کا زمانہ تھا ۔ شاہجہان کا دربار مشہور شاعروں سے آراستہ تھا ۔ یہ شعراء صائب سے بڑی محبت اور گرمجوشی سے پیش آئے البتہ کلیم کبھی کبھار اس سے بد اخلاقی کے ساتھ پیش آتا تھا (۷) لیکن عام طور پر اس کا سلوک بھی بہتر تھا ۔ ظفرخان اس کو اپنا مداح ہی نہیں بلکہ استاد بھی سمجھتا تھا ۔ اس کے باوجود وطن کی یاد اس کو ستاتی تھی ۔ ہندوستان میں چھ سالہ قیام کے دوران جب اس کا باپ عبدالرحیم جس کی عمر ستر سال تھی اس سے ملنے ہندوستان آیا تو وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد اس کے ساتھ ہی ایران واپس لوٹ گیا ۔ یہ وہ دور تھا جب شاہ عباس کا انتقال ہو چکا تھا اور شاہ صفی کی سنگ دلی اور شقاوت نے اس کے دربار کو خون میں غرق کر دیا تھا ۔ اس بادشاہ نے اسے ملک‌الشعراء کا لقب عطا کیا اور شاعر نے فتح قندھار پر جو ایک عرصہ تک شاہجہان اور صفوی بادشاہوں کے درمیان کشیدگی کا سبب تھا تہنیت کہی ۔ اس کے بعد اس کی باقی زندگی اصفہان میں گذری ۔ لیکن شہنشاہ ہند کے انعام و اکرام کا سلسلہ بھی جاری رہا ۔ اورنگ‌زیب کے عہد حکومت کے آغاز میں ایک دفعہ وزیر وقت نے ایک شعر کا جواب موصول ہونے پر اس کو پانچ ہزار روپے بھجوائے (۸) اس زمانے میں اس کی شاعری شہرت کے لحاظ سے نکتہ عروج پر تھی (۹) تذکرہ‌نویسوں کے مطابق والی روم اور سلاطین ہند خطوط کے ذریعہ ایران کے بادشاہ سے اس کا دیوان منگواتے تھے ۔ لاہور اور جونپور کے شعراء اس سے ملنے کے لئے اصفہان کا سفر اختیار کرتے تھے (۱۰) اگرچہ اس کے شب و روز گوشہ نشینی میں گذرتے تھے اس کے باوجود شاہ‌عباس دوم کے دربار میں اس کی آمد و رفت تھی ۔ جب

Marfat.com

سلیمان تخت نشین ہوا تو بڑھاپے کے باوجود وہ دربار میں آتا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود تہنیت کے وہ اشعار جو اس نے بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر کہے بادشاہ کو پسند نہ آئے بلکہ بادشاہ کی ناراضگی کا سبب بنے(۱۱) چنانچہ صائب جو ان دنوں اپنی عمر کے آخری سالوں کو پہنچ چکا تھا دربار سے کنارہ کش ہوگیا ۔ اس کے چند ہی سال بعد اس نے ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی ۔ وہ عمر کے آخری حصہ میں افیون اور حقہ نوشی کا عادی ہو گیا تھا ۔ پہلے اسے شراب سے بھی احتراز نہیں تھا ۔ حقہ اور تمباکو کی تعریف میں اس نے ایک قطعہ نثر میں تحریر کیا ہے جو اس کے اس شوق کا غماز ہے ۔ اس سلسلے میں اس کا ایک قول بھی نقل کیا جاتا ہے کہ اگر حقے کی طلب نہ ہوتی تو میں نیند سے کیوں بیدار ہوتا ۔ اس نے اپنے اشعار میں شراب اور افیون کی بھی تعریف کی ہے اور ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں سے اسے رغبت تھی ۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بہت سے معاصرین کی طرح عام قہوہ خانوں میں بھی آتا جاتا تھا اور وہاں کے دلبروں سے بھی اس کے مراسم تھے ۔ وہ ایک لاغر اندام ' بلند قامت اور سیاہ رنگ شخص تھا جس نے نہایت مطمئن اور آزاد زندگی گذاری ۔ اس کی زندگی کا غالبا بیشتر حصہ گوشہ نشینی میں گذرا ۔

صائب نے بہت عرصہ تک شاعری کی ۔ اس کے اشعار کی تعداد دو لاکھ بتائی جاتی ہے ۔ اس کا ایک ضخیم دیوان دستیاب ہے ۔ ایک سفینہ بھی "بیاض" کے نام سے موجود ہے جو اس کے اپنے اور دیگر شعرا کے منتخب کلام پر مشتمل ہے ۔ اس کے علاوہ نہ تو اس کی مثنویوں مثلاً قندھار نامہ اور محمود و ایاز کو خاص اہمیت حاصل ہے اور نہ ہی اُن قصائد کو جو اس نے اکابرین عصر کی شان میں لکھے ۔ اس کی زیادہ تر اہمیت غزلیات کے باعث ہے جو صرف غزل ہی نہیں حکمت و عرفان کا سرچشمہ بھی ہیں ۔ ان غزلیات کے بعض اشعار ذوق و فکر کے شاہکار ہیں ۔ شاعر نے ان اشعار میں

Marfat.com

روزمرہ زندگی میں مستعمل عام ضرب الامثال کی مدد سے لطیف ترین اخلاقی نکات کی وضاحت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اشعار زبان زد عام ہیں اور وہ ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں ۔ صائب مضامین نو کا خالق ہے ور یہی اس کی شاعری کی خاص خصوصیت ہے۔ بعض اوقات نئے مضامین کی اتلاش اس کے شعر کو پیچیدہ اور نامانوس بھی بنا دیتی ہے ۔ کہیں کہیں اس کے شعر میں صنعت و تکلف بھی پایا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کا بیان سادہ اور عام فہم بھی ہے ۔ بہر حال اس کے منتخب اشعار بلند ذوق کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اسکی شاعری میں فلسفہ و عرفان کا خوبصورت امتزاج ہے۔ وہ صوفیاء کی طرح دلیل و استدلال کا انداز اختیار نہیں کرتا ۔ وہ ایک واعظ کی طرح تمثیل کے ذریعے بات کرتا ہے۔ خیام کی طرح اس کے یہاں بھی یاس و ناامیدی کا جذبہ بہت نمایاں ہے۔ اس کی باتیں افیون کی طرح تلخ اور شراب کی طرح نشہ آور ہیں ۔ اس کی حساس طبیعت منافقت سے بیزار نظر آتی ہے ۔ اس کی پرامن اور پرخلوص دنیا میں جو روح کی سر زمین ہے کفر اور دین ایک ہی میدان میں سماسکتے ہیں اور ان کی کشمکش ظاہری ہے۔ خیام اور حافظ کی طرح وہ بھی اس چار روزہ زندگی میں دوستوں کی رفاقت کو غنیمت سمجھتا ہے اور عطار اور جلال الدین کی طرح بیخودی اور نفی ذات کو روحانی سیر و سفر کی غایت و مقصد خیال کرتا ہے۔ وہ برہمن اور مہاتما بدھ سے اتفاق نہیں کرتا جو درد سے نجات کے لئے "نیروانا" کی جستجو کرتے ہیں تاکہ "فنا" کی پناہ میں زندگی کے درد و آلام اور ہستی کی اس لامتناہی پیاس سے جو انسان کی تمام بدنصیبیوں کی موجب ہے رہائی پا سکیں (۱۲) اسے عدم اور ہندوؤں کی نیروانا سے وحشت ہوتی ہے کیونکہ "فنا" ایک بے پایاں خواب ہے جو درد و رنج کو ختم کر دیتا ہے اور دل جو درد آشنا ہے اور درد سے لذت پاتا ہے اس کو درد کی خلش سے محروم کر دیتا ہے اور اس طرح درد میں جو سوز و گداز

Marfat.com

کی کیفیت ہے وہ ختم ہو جاتی ہے ۔ اس کے باوجود جو چیز تجدید حیات یعنی قیاست و محشر کو اس کے لئے مشکل بنا دیتی ہے وہ دنیا کے بے درد لوگوں کا دیدار ہے یعنی ایسے لوگوں کا دیدار جنہوں نے اس دنیا میں انسانی جان و دل کو عذاب میں مبتلا رکھا ۔ بدبینی کا یہ جان لیوا زہر اس کے افکار کی اتھاہ گہرائیوں میں درخشاں ہے ۔ لیکن یہ بدبینی اس کو سعی و عمل سے باز نہیں رکھتی ۔ وہ زندگی جس کی چاشنی درد و اندوہ ہے اس کے نزدیک سعی و عمل کی جولانگاہ ہے اور سعی و عمل ہی اس کو حقیقت کا رنگ عطا کرتی ہے ۔ حتیٰ کہ وہ توفیق ربانی کو بھی ہمت مردانہ کا نتیجہ سمجھتا ہے ۔ یہی ذوق و عمل اس کو رموز زندگی سے آشنا کرتا ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صائب اسرار حکمت کا شناسا ہے ۔ آفاق و انفس کی سیر اس کو بد بینی ' احتیاط اور بے یقینی سکھاتی ہے ۔ اس بارے میں وہ جو کچھ کہتا ہے شاید بہت ہی ہولناک اور یاس انگیز ہو لیکن یہ اس کے ذاتی تجربے کا حاصل ہے ۔ وہ خبردار کرتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں نہیں تھمانا چاہئے کیونکہ دوسرے لوگ اس کو ہمیشہ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کریں گے ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نصیحت تلخ ' بد بینی و ناامیدی سے لبریز ہے ' لیکن کون تجربہ کار مرد ایسا ہے جس نے اپنی زندگی میں صرف ایک دفعہ اپنی زندگی کی باگ دوسروں کو تھما دی ہو اور اس پر مسلسل پشیمانی کا اظہار نہ کیا ہو ۔ سعدی نے اس سے پہلے کہا تھا کہ دوسروں کو ضرورت کے وقت آزمانا چاہئے ۔ یہ آزمائش اگرچہ دوستی کی قاتل ہے ۔ لیکن کون ہے جس نے اس نصیحت پر عمل کیا ہو اور وحشتناک حقیقت سے دوچار نہ ہوا ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ حکمت عملی کے باب میں صائب کی بہت سی باتیں ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور یاس انگیز تلخی کے باوجود ایسے لوگوں کے لئے جو عبرت پذیر دل و دماغ رکھتے ہوں ایک نمونہ ہیں ۔

Marfat.com

تصریحات

(۱) متقدمین کے برعکس جو اس قسم کی باتیں کرتے تھے:

هل غادر الشعراء من متردم

ام هل عرفت الدار بعد توسم

ترجمہ:- آیا شعراء ایک بوسیدہ اور پرانا لباس چھوڑ کر جاچکے ہیں تاکہ ہم اسے استعمال میں لا سکیں۔

کیا تونے بہت تلاش اور چھان بین کے بعد اس گھر کو پالیا ہے۔

صائب کہتا ہے:

یک عمر میتوان سخن از زلف یار گفت

در بند آن مباش کہ مضمون نماندہ است

ترجمہ: زلف یار پر ایک عمر بات ہوسکتی ہے اس خیال میں نہ رہو کہ مضمون ختم ہوگیا۔

(۲) اظہار عجز در بر ظالم روا مدار

دود کباب مایۂ طغیان آتش است

ترجمہ:- ظالم کے سامنے اظہار عجز نہ کرو کباب کا دھواں آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیتا ہے۔

یہ شعر جو صائب کی مفردات میں بار ہا نقل ہوا ہے اس کے مطبوعہ دیوان میں نہیں ملتا۔

(۳) یک سیہ خانہ است گردون در بیابان عدم

گرد باد آن بیابان کن غبار خویش را

Marfat.com

ترجمہ ۔ اس بیابان عدم میں آسمان ایک سیاہ گھر کی مانند ہے اپنی مٹی کو اس بیابان کا بگولا بنالو ۔

(۴) شعر العجم ، صفحہ ۱۶/۹۳

(۵) نقدادبی ، صفحہ ۳۷۷

(۶) مرآۃ الخیال ، صفحہ ۸۶

(۷) نقدادبی ، صفحہ ۳۸۰ - ۳۷۹

(۸) کہا جاتا ہے کہ اورنگ‌زیب‌عالمگیر کے عہد حکومت کے آغاز میں صائب نے یہ شعر اس کے وزیراعظم‌جعفر خان کی خدمت میں روانہ کیا :

دور دستان را باحسان یاد کردن همت است

ورنه هرنخلی بپای خود ثمر می افکند

ترجمہ : دور افتادہ لوگوں کو احسان سے یاد کرنا جوانمردی ہے وگرنہ ہردرخت اپنے دامن میں ہی ثمر بکھیرتا ہے ۔

جعفرخان نے اس کو پانچ ہزار روپے اور ایک قول کے مطابق پانچ ہزار اشرفیاں روانہ کیں ۔ رجوع کریں ۔ خزانۂ عامرہ ، صفحہ ۲۸۸

(۹) دانشمندان آذربائیجان ، صفحہ ۲۱

(۱۰) شعر العجم ، جلد سوم ، صفحہ ۱۶۹

(۱۱) کہتے ہیں کہ شاہ سلیمان کی تخت نشینی کے موقعے پر کچھ شعر لکھے جن کا مطلع یہ تھا ۔

احاطه کرد خط آن آفتاب تابان را

گرفت خیل پری درمیان سلیمان را

ترجمہ ۔ بادشاہ کے آفتاب جیسے روشن چہرے کا سبزۂ خط نے احاطہ کر لیا ہے (یعنی بادشاہ نے ابھی عنفوان شباب میں قدم رکھا ہے) شاہ سلیمان پری چہرہ نازنینوں کے جھرمٹ میں ہے ۔

Marfat.com

(مذکورہ بالا شعر کے دوسرے مصرع میں ایہام ہے کیونکہ نوجوان بادشاہ کو خوبرو حسیناؤں نے گھیر رکھا تھا۔ شاعر نے بادشاہ کو حضرت سلیمان کے ساتھ تشبیہہ دی ہے کیونکہ اُن کے دربار میں جن و پری موجود رہتے تھے)

بادشاہ جس نے حال ہی میں جوانی میں قدم رکھا تھا اس مضمون کو غلط تعبیر کرتے ہوئے اپنے لئے طنز خیال کیا اور شاعر بادشاہ کے اس گمان سے بہت آزردہ خاطر ہوا۔ البتہ اس روایت کی صحت مورد تأمل ہے۔

امیری فیروز کوہی، مقدمہ کلیات صائب، صفحہ ۲۶ سے موازنہ کیجئے۔

(۱۲) صوفیا کی فنا اور ہندوؤں کی نیروان کے لئے رجوع فرمائیں: ارزش میراث صوفیہ، ص ۶۱ - ۶۰، ۸۰ -

Marfat.com

بہار

نغمہ سرائے آزادی

ملک الشعرا بہار آزادی کا ایک عظیم نغمہ نگار شاعر ہے - ایران کے عظیم شعراء میں کسی نے بھی بہار کی طرح آزادی کے نغمے نہیں گائے - اس نے اپنی شاعری کا آغاز اس دور میں کیا جب ملک و قوم کے خیرخواہ اور اس کا حقیقی درد رکھنے والوں نے جاہ و مقام کے بجائے آزادی کو اپنا نصب العین بنایا - جو لوگ اس وقت مشہد، تبریز، اصفہان، تہران اور دوسرے مقامات پر استبداد کے خلاف برسر پیکار تھے ان کا نصب العین تھا غیر ملکی مداخلت اور اثر و رسوخ کا مقابلہ، خودسر فرمان رواوں کے ظلم و ستم کا مقابلہ اور ایران کو کمزوری، غربت و افلاس اور بد عنوانی کے تاریک گڑھے میں دھکیل دینے والے عوامل کا مقابلہ - مشہد کا یہ جوان سال شاعر بہار بھی جو اس صورت حال میں اپنے ملک و ملت کی حیثیت اور آزادی کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، آزادی کو ملک و ملت کی تنہا امید سمجھتا تھا -

۱۳۲۲ ہجری قمری میں جب آستانۂ قدس رضویہ کے ملک الشعراء مرزا کاظم صبوری نے مشہد میں وفات پائی تو اس وقت اس کا بیٹا محمد تقی اٹھارہ سال کا تھا جس نے بہار تخلص اختیار کیا اور اپنے باپ کی جگہ سنبھالی - اس دور کے خراسان کے ادبی حلقوں میں اسے اس کی شاعرانہ استعداد کی وجہ سے حیرت واستعجاب کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا - آستانۂ قدس کی سلام کی مجالس اور مذہبی تقریبات کے موقعہ پر اس نے جو قصائد لکھے وہ قدما کے اسلوب پر اس کی قدرت اور

Marfat.com

کمال کی غمازی کرتے تھے ۔ چند سال بعد جب انقلاب مشروطہ (ا) ظہور پذیر ہوا اور محمد علی شاہ قاچار نے اپنی خودسری اور ہٹ دھرمی کی بنا پر مجلس شوریٰ اور نوبنیاد مشروطہ (آئینی حکومت) کو تباہ و برباد کرنے اور غیر محدود اختیار حاصل کرنے کی کوشش کی تو بہت سے دوسرے حریت پرست جوانوں کی طرح ملک الشعرا بہار بھی مشروطہ کے دفاع کےلئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بعد اس نے اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتوں کو آزادی کے لئے وقف کر دیا ۔ پہلے تو خراسان سے اس نے نوبہار اور تازہ بہار کے نام سے اخبار شائع کئے ۔ پھر خراسان کی ڈیموکریٹ پارٹی میں شامل ہوا اور اس کے بعد اپنی جدوجہد تیز کردی ۔ روس اور برطانیہ کی مداخلت کے خلاف پرجوش نظمیں کہیں اور مقالات لکھے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے شہر بدر کرکے تہران بھیج دیا گیا ۔ اس وقت اس کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی ۔ اس کے باوجود ایک ہی سال بعد وہ خراسان کی نشست پر مجلس شوریٰ کا رکن منتخب ہو گیا ۔ اس نے مجلس شوریٰ اور عام جلسوں میں آزادی ، انصاف اور تجدد کی حمایت میں پرجوش تقریریں کیں ۔ دوسرے آزادی پرستوں کے ساتھ مل کر اس نے حکام کی بدعنوالی اور عوام الناس کی جہالت ، عصبیت اور غیر ملکی مداخلت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ صحافت ، جدید افکار سے شناسائی اور اس دور کے حادثات نے اس کی نوخیز اور ولولہ انگیز صلاحیت کو ایک نئے راستے پرگامزن کر دیا ۔ ہجرت (ب) کے دوران بگھی کے الٹ جانے اور بازو ٹوٹ جانے کی وجہ سے اسے مجبوراً تہران واپس آنا پڑا ۔ اس طرح اسے شعر و ادب کے ساتھ دوبارہ رشتہ

(ا) ۱۹۰۶ کا آئینی انقلاب ۔

(ب) پہلی جنگ عظیم کے دوران اتحادی فوجوں کی ایران میں مداخلت کے باعث بہار نے دوسرے بہت سے آزاد یخواہوں کے ہمراہ قم کی طرف ہجرت کی ۔ رات کی تاریکی میں تہران سے قم جاتے ہوئے بگھی آلٹ گئی اور اس کا بازو ٹوٹ گیا ...

Marfat.com

استوار کرنے کا موقع مل گیا ـ دورۂ فترت کے سالوں (ا) میں وہ ادبیات کا مطالعہ کرتا رہا ـ کچھ عرصے کے بعد اس نے مجلہ دانشکدہ کا اجرا کیا اور ایک نئے ادبی دبستان کی بنیاد رکھی جو تہران کے اس دور کے ادبی ماحول میں ایک نئی بات تھی ـ روز نامہ ایران اور روز نامہ نوبہار کی ادارت اور مجلس شوریٰ کی رکنیت اس کی ادبی سرگرمیوں میں خلل انداز نہ ہوئی ـ اس کے مطالعہ اور تحقیق کی راہ میں قید اور جلاوطنی بھی جس نے آنے والے دور میں اسے بھی دوسروں کی طرح خاموش کر دیا تھا حائل نہ ہوئی ـ فوجی کودتا(ب) کے بعد کچھ عرصہ کے لئے اسے تدریس و تالیف کا موقع ملا

(ا) ۱۹۰۹ میں جب مجلس نے کام شروع کیا تو خزانہ خالی تھا ـ ملک قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا ـ مجلس نے حالات کی اصلاح کیلئے حکومت امریکہ سے مالی مشیر بھیجنے کی خواہش کی ـ چنانچہ حکومت امریکہ نے ۱۹۱۱ء میں مسٹر مارگان شوستر کو بطور مالی مشیر ایران بھیجا ـ روسیوں کو شوستر کی موجودگی نا گوار گذری اور اس کے اخراج کیلئے حکومت ایران پر دباؤ ڈالا مجلس ان کے مطالبے کو خاطر میں نہ لائی جس سے روسی سخت برافروختہ ہوئے اور حکومت ایران کو شوستر کے اخراج کے لئے الٹی میٹم دے دیا ـ مجلس نے روس کے اس الٹی میٹم کو مسترد کردیا ـ روس نے حکومت ایران پر دباؤ ڈالنے کےلئے اپنی فوجیں بندر انزلی میں اتار دیں ـ ادھر برطانوی حکومت نے ہندوستانی سواروں کے دو دستے شیراز بھیج دیئے ـ آخر کار نائب السلطنہ ناصرالملک نے مجلس کو توڑدیا ـ مجلس تین سال تک کالعدم رہی ـ اس تین سال کے عرصے کو دورۂ فترت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ـ

ب. ۲۲فروری ۱۹۲۰ کا فوجی انقلاب جس کے نتیجے میں رضاخان برسراقتدار آیا اور چند سال بعد قاچاری خاندان کی حکومت ختم کرکے پہلوی خاندان کی بنیاد رکھی ـ

Marfat.com

اسی دوران اس نے کسی حد تک پہلوی زبان سیکھی اور فارسی نظم و نثر کے اسالیب کا بغور مطالعہ کیا ۔ اس کے علاوہ تاریخ سیستان ' مجمل التواریخ والقصص ' تاریخ بلعمی کا کچھ حصہ اور جوامع الحکایات عوفی کے انتخاب کی تصحیح کی اور شائع کیا ۔ سبک شناسی کے نام سے ارتقائے زبان کی تاریخ لکھی ۔ شہریور ماہ ۱۳۲۰ ھ ش بمطابق ستمبر ۱۹۴۱ء (۱) کے بعد خاموشی کو پھر توڑا اور قلم کے ذریعے اپنی آواز بلند کی ۔ سیاست اور صحافت کا آغاز کیا ۔ پارلیمنٹ کا رکن اور وزیر بنا ۔ اس عہد میں اگرچہ پہلے جیسا جوش و جذبہ نہیں تھا تا ہم آزادی کے نغمے گائے اور بدعنوانی کے خلاف جہاد کیا لیکن اس بار مخالفین اور دعویداروں کی ریشہ دوانیوں نے اسے بددل کردیا جبکہ پہلے جیسی شہرت اور مقبولیت بھی حاصل نہ ہوئی ۔ آخر کار تپ‌دق کی بیماری کے باعث جس نے نا امیدی ' ناکامی اور بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ شدت اختیار کی وہ ۱۳۳۰ ہجری شمسی بمطابق ۱۹۵۱ء میں فوت ہو گیا ۔ حالآنکہ اس وقت بھی آزادی اور خصوصاً صلح پسندی کے نغمے اس کی زبان پر جاری تھے(۲)۔

بہار کے دیوان میں جو اس کی موت کے چند سال بعد شائع ہوا ہر صنف کے اشعار موجود ہیں قصائد ' غزلیات، مثنویاں، ترجیعات اور مسمطات وغیرہ ۔ یہ اشعار نہ صرف مضامین اور مطالب کے لحاظ سے جدید اور قدیم کا امتزاج ہیں بلکہ اپنے قالب اور مفاہیم کے لحاظ سے بھی مختلف قسم کے ہیں ۔ مضمون اور معیار کے اعتبار سے اس کا تمام کلام یکساں اہمیت کا حامل نہیں ہے ۔ بعض

۱ ۔ دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں نے ایران میں جرمن نازیوں کی موجودگی کا بہانہ بنا کر اپنی فوجیں داخل کردیں اور ایران کو مجبور کیا کہ سامان جنگ روس کو پہنچانے کے لئے راستہ دے ۔ اس صورت‌حال کے پیش نظر رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۴۱ء کو اپنے بیٹے کے حق میں استعفیٰ دے دیا اور خود ایران سے باہر چلا گیا ۔

Marfat.com

چاہیے کہ اس امتیاز کو برقرار رکھیں ۔ اس کی مثنویوں اور قطعات میں عام طور پر اخلاقی مضامین بیان کئے گئے ہیں ۔ اگرچہ ان مثنویوں میں نظامی، سنائی اور جامی کا اسلوب نمایاں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک خاص تازگی اور طراوت بھی ہے ۔ الفاظ و معنی کے اعتبار سے ان اشعار میں جو شوخی اور بے تکلفی ہے وہ ان کے قدیم قالب اور ہیئت کی تلافی کردیتی ہے ۔ اس کے باوجود ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اس کے دیوان کے اس حصے میں شائد کوئی بھی اہم تخلیق نہیں ہے حتیٰ کہ "چھاز خطابہ" جو عظمت و دل آویزی کے اعتبار سے اس کی بہترین مثنوی شمار ہوتی ہے ربیعی پوشنجی کی ایک مثنوی کی تقلید کہی جا سکتی ہے جو تقریباً سات سو سال پہلے اسی وزن اور اسی موضوع پر لکھی گئی تھی "کارنامۂ زندان" بھی کسی حد تک سنائی کے "کارنامۂ بلخ" اور بعض دوسری مثنویوں کی تقلید ہے (۳) بلاشبہ بہار نے ان مثنویوں کی تقلید و پیروی میں بڑی مہارت اور ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے ۔

قطعات میں اخلاقی اور معاشرتی مضامین کے علاوہ کبھی کبھی حکایات اور لطائف بھی بیان کئے گئے ہیں جن کی بہترین مثال "ضلال مبین" اور "وعدہ مادر" ہیں (۴) البتہ مسمطوں میں قصاید جیسی روانی اور شیرینی نہیں ملتی ۔ اس کی ایک وجہ خود اس صنف کی پابندیاں ہیں ۔ اس قسم کے اشعار کے قوافی متغیر ہوتے ہیں اور شاعر کے لئے بہت سے موزوں قوافی کا انتخاب کرنا اور زور طبع میں اسی حد تک اضافہ کرنا مشکل ہوتا ہے ۔ بہار نے اسی لئے اس صنف پر زیادہ طبع آزمائی نہیں کی ہے ۔ اس کی "خمریہ" مسمط منوچہری کی مسمطوں کی ایک اچھی تقلید ہے (۵) معہذا بعض مسمطوں میں اس نے کبھی کبھی تفنن طبع سے کام لیا ہے اور ان کے لئے نئی ہیئت اور قالب وضع کئے ہیں ۔ غزل میں وہ عراق عجم اور فارس کے قدیم شعرا کے اسلوب کی طرف مائل نظر آتا ہے ۔ ان غزلیات میں قدما کے اسلوب و انداز کی جھلک

Marfat.com

ضرور ہے لیکن ان میں کوئی نئی اور دلکش بات نہیں ۔ بعض غزلیات میں سیاسی اور صحافیانہ خاص الفاظ اور افکار بھی موجود ہیں جو ان کی اہمیت میں کوئی اضافہ نہیں کرتے ۔ غرض کہ بہار کی غزلیات میں اس کے قصائد جیسی بلندی اور لطافت نہیں ملتی ۔ وہ درد و نیاز مندی جس نے سعدی ، حافظ ، عراقی اور دوسرے شعرا کی غزل کو خاص لطافت اور سوز عطا کیا ہے بہار کی طبیعت اور کلام میں کہیں موجود نہیں اور جیسا کہ اس نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ عشق نے بھی اس کے قلب و روح کو گداختگی نہیں بخشی ۔ اس کی طبیعت میں جو رزمیہ جوش ہے جو اس کے قصائد کو شکوہ اور رفعت عطا کرتا ہے اس نے اس کی غزلیات کو کسی حد تک غیر مانوس اور درد و سوز سے عاری کر دیا ہے ۔ در حقیقت اسی خود پسندی اور بے نیازی کی روح نے ہی خاقانی جیسے شعراء کی غزل کو بھی بے روح اور پژمردہ بنا دیا ہے ۔ چنانچہ ان کے گلے شکوے اور آہ و فریاد بے اثر ہیں اور کہیں بھی دل کے ٹوٹنے کی آواز یا روح کی فریاد سنائی نہیں دیتی ۔ بہار کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ غزل یا عشق و محبت کا شاعر نہیں ہے بلکہ حماسہ اور قصیدہ کا شاعر ہے ۔ اس کے بیان کی رفعت اور صلابت نے اس کے قصائد کو خاص رنگ عطا کیا ہے ۔ اس کے قصائد نہایت مستحکم ، پرجلال اور ولولہ انگیز ہیں ۔ ان میں جذبۂ معارضت اور جوش عمل کی شدت ہے ۔

کیا شعر و شاعری میں بہار کا کوئی خاص اسلوب ہے ؟ یقیناً ہے لیکن یہ خاص اسلوب خراسانی دبستان اور عراقی دبستان کا مغربی ادب وثقافت کے لائے ہوئے بعض اسالیب کے ساتھ ایک امتزاج ہے ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بہار فارسی شاعری میں مشرق کی قدیم روایات اور جدید مغربی اسلوب کے باہمی امتزاج کے ذریعہ جو تبدیلی لانا چاہتا تھا اس میں اسے خاطرخواہ کامیابی نہیں ہوئی اور وہ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا ۔ اس کے لئے

Marfat.com

ضروری تھا کہ ایک عرصے تک انتظار کیا جائے تا کہ آنے والی نئی نسل کے نوجوان شعراء اس ارتقاء اور تغیر کو کوئی واضح اور ٹھوس شکل دے سکیں۔

بہر حال بہار کے قصائد اور اس کی بعد کی تمام تخلیقات پر قدما کا اسلوب و آہنگ نمایاں ہے۔ ماضی کے شعراء کا عکس اس کے دیوان میں جابجا نظر آتا ہے اور اس کے اشعار میں ماضی کے نغمہسراؤں کے گمشدہ نغمے دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں۔ اس کی تغزلیات اور تشبیہات میں رودکی کے نغموں کا شکوہ و استحکام اور فرخی کے بیان کی شیرینی، سادگی اور بے تکلفی نمایاں ہے۔ اسکی حبسیات میں مسعود سعد اور خاقانی کی لے سنائی دیتی ہے لیکن ان شعراء کے درد و سوز اور گلے شکووں کے مقابلے میں بہار کے یہاں جو درد و سوز اور گلے شکوے ہیں ان میں زیادہ شدت اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ شراب سے متعلق جو اس کے اشعار ہیں ان میں بشار، خیام اور منوچہری جیسے ماضی کے بادہ پرستوں کا لحن سنائی دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اس قدر مختلف اسالیب کی پیروی آسان کام نہیں ہے۔ شاعر کی جودت طبع اس وقت زیادہ نمایاں ہے جب وہ ارادی طور پر قدما کے اشعار کی تقلید میں طبع آزمائی کرتا ہے۔ ان تمام تجربات کے دوران مختلف النوع ترکیبات اور تعبیرات پر اس کی مہارت عیاں ہے۔ یہ مہارت اور قدرت اس کے آغاز جوانی کے اشعار میں بھی آشکارا و ہویدا ہے۔ اس کی طبع جوان اور اس کے جوش و جذبہ نے ان پرانی اور کہنہ طرزوں میں ایک خاص طراوت اور تازگی پیدا کی ہے۔ قدیم اسلوب کے ساتھ وابستگی اور قدیم شعراء کے ساتھ شیفتگی اس کے نزدیک دین و مذہب کا حکم رکھتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے اشعار میں ہر جگہ شعرائے سلف کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ اس میں احترام کے ساتھ ساتھ تحسین و تقدیس بھی شامل ہے۔ وہ سعدی کی والہانہ انداز میں تعریف کرتا ہے اور فردوسی کو ایسا شاعر سمجھتا ہے جو شاعری میں " نعوذباللہ اگر خدا نہیں تو پیغمبر ضرور ہے " (۶)

Marfat.com

بہار کے بیشتر قصائد میں مذہبی روح بہت نمایاں ہے۔ اس کی تصدیق نہ صرف ان اشعار سے ہوتی ہے جو حضرت پیغمبر اور آئمہ اطہار کی منقبت میں ہیں بلکہ اس کے ان اخلاقی افکار و نظریات سے بھی ہوتی ہے جن میں عرفانی روح اور فلسفیانہ تعلیمات کی نسبت مذہبی روح زیادہ نمایاں ہے۔ ہرچند آستانۂ قدس کے ملک‌الشعراء ہونے کی حیثیت سے پیغمبر(صلعم) اور آئمہ کی شان میں نعت اور منقبت لکھنا اس کے فرائض میں شامل تھا لیکن ان نظموں میں اس کا مذہبی جوش و جذبہ اس کے اندر مذہبی روح کی شدت کا ترجمان ہے۔ جہاں تک مدح گوئی اور مرثیہ نگاری کا تعلق ہے ان میں وہی مبالغہ آرائی اور اغراق کا پہلو موجود ہے جو مذہبی شاعری میں عام طور پر پایا جاتا ہے لیکن اس کے یہاں لطافت اور مأنوسیت ہے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی نئے افکار و خیالات بھی ملتے ہیں۔ جس زمانے میں وحدت اسلامی کا تصور مسلمان مفکرین کی توجہ کا مرکز بنا رہا اس زمانے میں کچھ عرصے تک بہار کے دل میں بھی یہ تصور جاگزین رہا۔ اس کا اندازہ اس کی نظم " اندرز بشاہ " سے بخوبی ہوتا ہے جس میں اس نے قاچاری بادشاہ محمد علی مرزا کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ اسے پندونصیحت کی ہے۔ اسی طرح اس کے عہد جوانی کے بیشتر اشعار جو اس کے خراسان میں قیام اور تہران میں سکونت کے ابتدائی ایام کے دوران کہے گئے مذہبی روح سے سرشار ہیں لیکن دین سے گہرا شغف رکھنے کے باوجود جو بہار کے دور جوانی کے بیشتر اشعار میں عیاں ہے اس کے نزدیک توہم پرستی قابل مذمت اور ملامت ہے اور وہ اسے کسی صورت میں بھی مذہب کا حصہ نہیں سمجھتا اس کے ان اشعار میں بے پناہ طنز و تضحیک ہے جہاں اس نے ان ناپسندیدہ توہمات اور خرافات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً قصیدہ " جہنم " میں طنز و استہزا کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ اس کا یہ قصیدہ بے اختیار ابوالعلا کے "رسالۃ الغفران" کی یاد دلاتا ہے اور اس کے انداز بیان کی یاد تازہ کرتا ہے۔

Marfat.com

اس کا یہی طنزیہ اور شوخ لہجہ "نکیر و منکر" کے قطعہ میں بھی موجود ہے۔ ان خیالات کا اظہار کرتے وقت شاعر عامتہ الناس کی برہمی اور مخالفت کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔ وہ اپنے اشعار میں بار بار عوام کی شکایت کرتا ہے اور ان کی جہالت کا رونا روتا ہے لیکن بحیثیت سیاست دان سماجی امور میں عوام کی طاقت اور نفوذ کا بھی قائل ہے اس لئے کبھی کبھی قدیم رومیوں کی مانند جو کہا کرتے تھے "زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" عوام کی طاقت اور عصبیت کا بھی سہارا لیتا ہے۔

اگرچہ کبھی کبھی ایام محرم میں وہ غم سے اشک بار ہو جاتا ہے لیکن اس میں وہ جہالت اور تعصب نہیں ہے جس کا مظاہرہ عوام کرتے ہیں۔ بہار کے مذہبی مرثیوں میں مذہبی روح اور عقیدہ ایک لطیف اور معتدل صورت میں جاوہ گر ہے۔ محتشم اور دوسرے فارسی شعرا کے مرثیوں میں غم و الم کے بیان میں مبالغہ اور خشک فریاد و فغاں کی جو کیفیت ہے وہ بہار کے مرثیوں میں خاص عرفانی اور روحانی کیفیت و لطافت میں ڈھل جاتی ہے۔ وہ عوام کی جاہلانہ روش عزاداری کو پسند نہیں کرتا اور اس کی بار بار مذمت کرتا ہے۔ مذہب سے لگاؤ اور عہد ماضی کی روایات و رسوم کی پاسداری کے باوجود اس کے اندر ترقی پسندی کا جذبہ اور آئین نو کی خواہش نمایاں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ترقی کے بغیر اصلاح ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں وہ عورتوں کی تعلیم اور روشن خیالی کو ملکی ترقی کے لئے نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ اس کے بیشتر اشعار میں مذہب اور ترقی پسندی کا جذبہ ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔

حکمت و عبرت اس کے بہت سے اخلاقی افکار کا طرۂ امتیاز ہیں۔ "پندپدر" میں نہایت مؤثر اور پر درد انداز میں دنیا کی بےثباتی بیان کرتا ہے اور اس امر پر زور دیتا ہے کہ اس سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔ قدیم و جدید کا ذکر کرتے ہوئے قارون کی داستان اور مسیح کی حکایت بیان کرتا ہے

Marfat.com

اور اس طرح عہد ماضی کی تاریخ میں طویل صدیوں کی پرانی یادگاروں کو تلاش کرتا ہے اور ان سے درس عبرت حاصل کرتا ہے ۔ نظم "سینما" میں حوادث جہاں کے تسلسل کو بڑے پر اثر اور دلکش انداز میں بیان کرتا ہے ۔ ان نقوش کا جو سینما کے اچھوتے اور عجیب و غریب پردے پر ہر وقت محو حرکت ہیں مخلوق جہاں کے ساتھ موازنہ کرتا ہے ۔ ان عبرتناک اور درس آموز خیالات کو اس نے نہایت موزوں اور خوبصورت انداز میں اشعار کے پیکر میں ڈھالا ہے حالانکہ بعض کی ہیئت اور اوزان پرانے اور فرسودہ ہیں ۔ اس کے ان اخلاقی اشعار میں پاکبازی اور آزادی کا بار بار ذکر آتا ہے ۔ وہ اسلاف کے اوصاف و عادات کا متاع گم گشتہ کی طرح تذکرہ کرتا ہے ۔ اس نے عدل و انصاف کی بھی جگہ جگہ توصیف کی ہے ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی ان باتوں میں اہل تصوف کی تعلیمات و نظریات کا بھی عمل دخل ہے؟ ہاں ۔ لیکن وہ اس تصوف کا قائل نہیں جو خلاف شرع اور گستاخانہ انداز رکھتا ہے ۔ وہ اس تصوف کا حامی ہے جو سماجی اور معاشرتی زندگی میں پاکبازی ، پارسائی اور اعتدال پیدا کرے ۔ ایسا تصوف جس کا دار و مدار ذوق ، قلب ، الہام اور شہود پر ہو اور جو روح کو ظاہری امور سے مبرا کر دیتا ہے ۔ ہر چند وہ خود حقیقت کی اصلیت سے نا آشنا ہے لیکن جو چیز اس کی تعلیمات اور اخلاقی نظریات کو عظمت عطا کرتی ہے وہ اس کی خوش‌بینی اور رجائیت ہے ۔ اس کے کلام میں بد بینی ، قنوطیت اور نفرت کا وہ عنصر نہیں ہے جو بیشتر شعراء کے اشعار میں پایا جاتا ہے اور جو پڑھنے والے کو رنجیدہ و غمگین بنا دیتا ہے ۔ وہ فطرت کے حسن و جمال میں روشن پہلو کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ وہ ہر جگہ مسرت و حسن کا نظارہ کرتا ہے ۔ اس جہان کی ہر شئے اسے مناسب اور درست نظر آتی ہے ۔ اس کے خیال میں یہاں کے تمام نقوش نئے ، خوبصورت اور موزوں ہیں ۔ دوسرے شعراء اس کارخانۂ قدرت میں

Marfat.com

جن معایب اور خامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں انہیں وہ خدا کی حکمت اور اس کی صناعی قرار دیتا ہے۔ یہی خوش بینی اس کے اندر امید اور عمل کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے پایاں فلسفیانہ گہرائی اور اس کے تصورات و نظریات میں اپنے وجود کو گم نہیں کردیتا بلکہ اس کے مقابلے میں جذبۂ عمل میں خاص لطافت اور کشش محسوس کرتا ہے۔ اس کے نزدیک فلسفیانہ فکر مجرد افکار کی پر پیچ دہلیز کی تاریکی اور سکوت سے نکل کر آخر کار مسلک عمل ہی پرگامزن ہوتی ہے۔ اس کے کچھ اشعار فلسفیانہ ضرور ہیں لیکن اس نے فلسفے کے کسی خاص مسلک یادبستان کی پیروی نہیں کی۔

بہار کو قدیم ایران اور اس کی تاریخ سے عشق ہے۔ اس کا اندازہ اس کے تمام دیوان سے بخوبی ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں ایران کی گذشتہ تاریخ عبرت و حکمت کی آئینہ دار ہے۔ بہار اپنے قصائد میں بار بار اسلاف کے مفاخر اور مآثر کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ جب عہد قدیم کے بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے تو اس کا لہجہ جوش و ولولہ سے سرشار ہوتا ہے۔ ماضی سے عشق اور ایران کے قدیم بادشاہوں اور سرداروں سے والہانہ لگاؤ کا جذبہ اس کے کلام میں ہر جگہ موجزن ہے۔ تاریخ ایران سے عشق کے باعث اس نے اپنی پوری زندگی ایران کی قدیم تاریخ، ادب اور زبان کی تحقیق کے لئے وقف کردی۔ اس سلسلے میں شاہنامہ پر اس کی تحقیق خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ماضی کے بادشاہوں سے جو اسے عشق ہے اس کی وجہ اس کا جذبۂ ہیرو پرستی ہے۔ اس کی ہیرو پرستی ایران کے بادشاہوں اور سرداروں ہی تک محدود نہیں بلکہ وہ کارلائل کی طرح تاریخ کے تمام دلاوروں اور قہرمانوں (۱) کو تحسین و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جرمنی کے قیصر ویلہم کے ساتھ بھی اس کی شیفتگی کی یہی وجہ ہے۔ مگر شاہنامہ کی داستان کے عظیم ہیرو رستم کا وہ دل سے قدردان

---

۱. Heroes

Marfat.com

ہے کیونکہ وہ قدیم ایران کا مظہر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نجابت، آزاد منشی، فخر و دلاوری کا بھی مظہر ہے۔ اس کے باوجود اس نے اپنی نظم "رستم نامہ" میں اس کے متعلق جو داستان نقل کی ہے اس میں اسے طنز و مزاح کا بھی نشانہ بنایا ہے۔ اس مفصل قصیدے میں اس نے رستم کی زندگی کو دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ رستم عوام کی عقل و فہم کے برخلاف معجزانہ طور پر چاہ شغاد سے زندہ باہر نکل آتا ہے اور ہندوستان چلا جاتا ہے۔ چونکہ وہ زندۂ جاوید اور امر ہے دین زرتشت قبول کر کے عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وہاں جب اسے خبر ملتی ہے کہ ایران میں ایک طاقتور بادشاہ نے بر سر اقتدار آ کر امن و امان بحال کر دیا ہے اور ترکوں اور عربوں کا اثر و رسوخ کم ہو گیا ہے تو سر زمین ہند سے زابل آجاتا ہے۔ سڑک سے دور ایک جگہ پر قلعہ نما مکان تعمیر کرتا ہے۔ زمین خرید کر کھیتی باڑی اور عبادت گزاری میں مشغول ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد تہران سے ایک جوان بطور افسر مال سیستان آتا ہے۔ رستم اسے اپنے گھر پر مدعو کرتا ہے اور اس کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ جب جوان جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتا ہے تو رستم حیرت زدہ رہ جاتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ انگیٹھی منگوا کر جیب سے سلفا نکالتا ہے۔ رستم سلفے کی شکل و صورت دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ شاید یہ گرز کی ایک قسم ہے لیکن اس میں یہ دیکھنے کی تاب و طاقت نہیں کہ وہ جوان کس طرح گرز سے مقدس آگ کو کوٹتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سلفے میں بھر کر پیتا ہے اور نہ ہی اس میں اس بات کا حوصلہ ہے کہ سلفے کی مکروہ اور متعفن بو کو برداشت کر سکے۔ اسی طرح لالہ زار (۱) کے جوان کی بے خواری اور گانا بجانا بھی رستم کے لئے باعث حیرت ہے خاص کر اس کی وائلن کی آواز اور

۱۔ تہران کے ایک بازار کا نام جس میں لوگوں کے لئے عیش و نشاط کا سامان مہیا تھا

Marfat.com

لے جسے اس نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا ۔

غرض کہ رستم نے دوستانہ مہمان نوازی کے بعد جوان کو تحفے تحائف دے کر رخصت کیا ۔ لیکن چونکہ اس جوان کے دل میں رستم کے مال و دولت کی لالچ پیدا ہوگئی تھی اس لئے خراسان پہنچ کر اس نے حکومت کو رستم کے بارے میں غلط رپورٹ پیش کی اور اپنی رپورٹ میں اس نے یہ بھی لکھا کہ وہ سیستان کو توڑنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ اس طرح سرداروں اور جرنیلوں کو فریب دے کر اس نے رستم پر لشکر کشی کی ۔ رستم کی اس لشکر کے ساتھ لڑائی قابل دید ہے ۔ اس موقع پر بہار نے نہایت اچھوتے اور عمدہ پیرائے میں آج کے ساز و سامان اور وسائل کی پرانے ساز و سامان اور وسائل پر برتری اور فوقیت کو بیان کیا ہے ۔ رستم اپنے جنگی لباس' گرز ، کمان ، خود اور زرہ بکتر کے ساتھ جب اس فوج کا مقابلہ کرنے آتا ہے تو اس فوج کے جدید ساز و سامان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ۔ اسے اس موقع پر ساز و سامان سے لیس سرکاری فوجوں کے مقابلے میں ڈن کیشوٹ (۱) کے چہرے کی کیفیت یاد آجاتی ہے ۔ (۲) آخر کار رستم اپنے اس زنگ آلود اور فرسودہ اسلحے کے ساتھ دشمن کی توپوں کی گولہ باری کے مقابلے میں کر بھی کیا سکتا ہے ؟

چنانچہ اس کے دوست ساتھی مارے جاتے ہیں ۔ اس کا پسندیدہ لیکن کمزور اور بوڑھا گھوڑا رخش بھی مارا جاتا ہے ۔ ناچار قلعہ میں محصور ہوجاتا ہے ۔ اچانک اسے سیمرغ کا وعدہ یاد آتا ہے ۔ خنجر کی نوک سے اپنی قمیض کی سلائی کو کھولتا ہے ۔ اس میں سے سیمرغ کے پروں کو نکال کر آگ پر رکھ دیتا ہے دولمحوں میں سیمرغ حاضر ہو جاتا ہے اور رستم کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے ۔ محاصرہ کرنے والی فوجیں جب قلعہ کے اندر داخل ہوتی ہیں تو وہاں رستم اور اس کے خزانوں کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا ۔ رستم بھی اب اپنے

---

۱. Don Ouixote

Marfat.com

آپ سے عہد کر لیتا ہے کہ وہ کبھی بھی ملک کیان (ایران) کو یاد نہیں کرے گا اور اس قوم سے کبھی کوئی امیدوابستہ نہیں کرے گا جو آج اس " فر کیان" کے شکوہ و جلال اور عظمت کو پس پشت ڈال کر " جھوٹ ، ملفا ور سگرٹ نوشی" سے اپنا دل خوش کرتی ہے۔

یہ طنز و کنایہ اور مزاح سے بھرپور ایک دل آویز داستان ہے جس میں شاعر ایران کی گذشتہ عظمت و جلال پر خاص انداز میں آنسو بہاتا ہے۔ تخیل اور افسانہ پردازی کے لحاظ سے بھی اس کی قوت بیان دلکش اور دلفریب ہے اس سے زیادہ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ شاعر نے اس حکایت کو قصیدہ کی صورت میں پیش کیا ہے اور لفظ " رستم " کو ردیف کے طور پر استعمال کیا ہے :-

شنیده ام که یلی بود پهلوان رستم کشیده سر ز مهابت بر آسمان رستم

ترجمہ: میں نے سنا ہے رستم پہلوان بڑا دلاور تھا۔ رستم کا قد اتنا بلند تھا کہ اس کا سر آسمان کو چھو رہا تھا۔

ستبر بازو ولاغر میان و سینه فراخ دو شاخ ریش فروهشته تا میان رستم

ترجمہ: اس کے بازو سخت اور مضبوط ، کمر باریک اور سینہ کشادہ تھا۔ اس کی داڑھی جس کی دو شاخیں تھیں کمر تک لمبی تھی۔

اکثر قدیم شعرا کے برعکس جو اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتاتے بہار اپنے خاندان، گھر، باغ ، اپنے پیشے ، حالات اور اپنی بیوی بچوں کا بار بار تذکرہ کرتا ہے۔ اس کے اشعار سے اسکے روزگار اور اس کے فکری ماحول کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ شروع میں وہ ایک حساس اور باذوق جوان نظر آتا ہے لیکن پرخاشجو اور مبارزہ طلب (۱) بھی تھا جو شہرت اور روزگار کی تلاش میں تہران آیا۔ وہ خراسان کو ملک کی عزت و آبرو کا گہوارہ سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں وہ تقوی اور طہارت کی سر زمین ہے

---

۱. چیلنج کو قبول کرنے والا

Marfat.com

اس لئے نہیں کہ وہاں ایک اثنا عشری امام کا مزار ہے بلکہ اس لئے کہ وہ ماضی کے عظیم ناموروں کی یادگار ہے ۔ رستم ، طوس اور ابومسلم جیسے افراد کی یادیں وہاں سے وابستہ ہیں ۔ اتنی شہرت کا حامل یہ خطہ اس کی جائے پیدائش بھی ہے اور بلاشبہ اس کی نگاہوں میں نہایت محبوب اور مقدس ہے ۔ اس کے مقابلے میں تہران ایک قابل نفرت شہر ہے جو گناہ ، گھٹن اور بدعنوانی کا مرکز ہے ۔ شاعر وہاں کے زعما اور اکابرین کے جوروستم اور وہاں کے ریاکاروں اور جھوٹے لوگوں کی بار بار شکایت کرتا ہے اور نہایت تلخ اور دکھ بھرے لہجے میں اس کی مذمت کرتا ہے اور اس کے تباہ و برباد ہو جانے کی بددعا دیتا ہے ۔ لیکن شاعر گناہوں کے اس شہر میں اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر امورمملکت میں بھر پور دلچسپی لیتا ہے ۔ وہ ہر چیز کے بارے میں بات کرتا ہے اور ان پر اپنے دکھ کا اظہار کرتا ہے ۔ گلی کوچوں میں کیچڑ و مٹی کی شکایت کرتا ہے ۔ گندے حماموں پر نکتہ چینی کرتا ہے ۔ تہران کی ٹرام کا مذاق اڑاتا ہے جس میں آج کی ہماری بسوں کی طرح چالیس سال پہلے " آدمی پر آدمی اور جانور پر جانور " لدے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ قاچاریوں کی نااہلی اور کمزوری پر اسے دکھ بھی ہوتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے ۔ دشمنوں اور دوستوں کی ظالمانہ کاروائیوں سے سخت نالاں ہے اور اس پر غصے کا اظہار کرتا ہے ۔ اس صورتحال سے اس کی حساس طبع اور ذوق لطیف کو دکھ پہنچتا ہے اور بسا اوقات اس کی مضطرب روح یاس و ناامیدی کا شکار ہو جاتی ہے ۔ یاس و ناامیدی کے ان شدید لمحات میں دو دلی اور تردد کا شکار ہو جاتا ہے ۔ وہ اپنی ذات، اپنی فکر ، اپنے نظریہ ، مقصد اور نصب العین کے خلاف بغاوت کرتا ہے ۔ اس کی طبیعت کی جولانی اور دشمن سے مقابلے کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے ۔ مستقل مزاجی کی جگہ اس کے اندر دورنگی

Marfat.com

پیدا ہو جاتی ہے اور یہ چیز اس بات کا باعث بنتی ہے کہ شاعر آئیڈیالوجی اور سیاست میں بھی غیر مستقل مزاجی اور دو رنگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ شاعری کی بجائے در اصل سیاست اس کا مشغلہ بھی تھا اور پیشہ بھی۔ جلاوطنی، زندان، شہرت، گمنامی، پارلیمنٹ کی رکنیت اور وزارت اس پیشے کا حاصل ہیں۔ محلات کی زندگی، باغات کی زندگی، جیل کی زندگی یہ سب اس کی زندگی کے نشیب و فراز تھے جن کا ذکر اس کی شاعری میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے حالات و واقعات کو بھی اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔ کہیں باپ کی موت پر نوحہ کناں ہے تو کہیں دوستوں کے غم میں نڈھال ہے۔ ایک جگہ بیوی بچوں کو شدت جذبات سے یاد کرتا ہے تو دوسری جگہ بڑھاپے اور عیالداری سے بھی شاکی ہے۔ کہیں سفیدرنگ کے خوبصورت کبوتروں کا ذکر کرتا ہے جو اسے بے حد پسند ہیں۔ کہیں اپنے گھر کے باغیچہ میں راتوں کو ڈرانے والی مینڈکوں کا ذکر کرتا ہےتو کہیں کھٹملوں کا جنھوں نے جیل میں اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔

یہ حالات و واقعات اس کی زندگی کی واضح تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کی مدد سے ہم اس کی تصویر میں رنگ بھر سکتے ہیں۔ ان مخصوص افکار و احوال کا ایک حصہ اس کی "اخوانیات" میں موجود ہے۔ اخوانیات ایسے اشعار ہیں جو وہ اپنے دوستوں اور شاعری کا ذوق رکھنے والے حضرات کو بھیجتا رہا ہے۔ ان اشعار میں سادگی، لطافت اور پاکیزگی کے ساتھ مہر و محبت کا جذبہ بھی شامل ہے۔ لیکن اس کی محبت صرف دوستوں تک محدود نہیں وطن کے لئے بھی اس کے دل میں شدید محبت پائی جاتی ہے۔ قصیدہ لزنوہ جو انداز و اسلوب کے اعتبار سے اخوانیات کی طرح ہے اور جسے شاعر نے اپنی عمر کے آخری حصے میں یارودیار سے دور سوئٹزرلینڈ کے ایک چھوٹے سے صاف ستھرے قصبے میں لکھا جہاں وہ تنہائی اور وحشتناک بیماری

Marfat.com

کی جانکاہ راتیں گذار رہا تھا ، میں اس کے احساسات و جذبات کی بھر پور ترجمانی ہوتی ہے۔ ان اشعار میں وہ وطن سے جدائی پر آنسو بہاتا ہے اور ماضی کا ذکر بڑے شوق و حسرت سے کرتا ہے :۔

آن روز چہ شد کایران ز انوار عدالت چون خلد برین کرد زمین را و زمن را

ترجمہ : وہ زمانہ کہاں گیا جب ایران نے عدل و انصاف کی برکت سے کرہ ارض اور زمانہ کو بہشت برین کی مانند بنا دیا تھا۔

آن روز کہ از بیخ کہنسال فریدون برخاست منوچہر و بگسترد فتن را

ترجمہ : وہ زمانہ جب فریدون کی پرانی نسل سے منوچہر اٹھا اور اس کی اولاد خوب پھولی پھولی۔

وآن روز کہ کمبوجیہ پیوست بایران فینیقی و قرطاجنہ و مصر و عدن را

ترجمہ : اور وہ زمانہ جب کمبوجیہ نے فینیقیہ ، قرطاجنہ(۱)، مصر اور عدن کا ایران کے ساتھ الحاق کیا۔

وآن روز کہ دارای کبیر از مدد بخت بر کند ز بن ریشۂ آشوب و فتن را

ترجمہ : اور وہ زمانہ (کہاں ہے) جب عظیم بادشاہ دارا نے اپنے بخت کی مدد سے فتنوں اور ہنگاموں کو کچل کے رکھ دیا ۔

وامروزچہ کردیم کہ در صورت و معنی دادیم زکف تربہت سر و عدن را

ترجمہ : اور آج ہم سے کون سی خطا سرزد ہوئی کہ صورت و معنی دونوں اعتبار سے ہم نے اپنی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو کھو دیا ۔

یہ صحیح ہے کہ بہار کے بعض اشعار اور مضامین پر توارد و تقلید کا الزام لگایا جا سکتا ہے اور بعض جگہ قصیدہ میں جو اس لے نتائج اخذ کئے ہیں وہ اس کے مقدمہ سے مطابقت نہیں رکھتے ۔ اس کے علاوہ بعض اشعار میں قدیم اسلوب کی رفعت وشکوہ کو برقرار نہیں رکھا گیا ۔ اس کے باوجود ان

(۱) ملک سپین کا ایک شہر جو بندرگاہ بھی ہے ۔

Marfat.com

اشعار کی ادبی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ زبان و الفاظ کے لحاظ سے بھی بہار کے کلام میں یہ خاصیت ہے کہ اس نے سادہ اور عامیانہ الفاظ کو سبک خراسانی اور سبک عراقی (۱) کی مسلمہ قدیم تعبیرات و ترکیبات میں سمو دیا ہے اور بہار کو اس کام میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتی غرض کہ الفاظ و معنی کے اعتبار سے اس کے اواخر کے اکثر اشعار میں جدیدیت اور تنوع نمایاں ہیں اور اس بنا پر بہار کو ایران کے ادبی تجدد کا نقیب کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قدیم شاعری کے اسلوب کو جس طرح اس نے اپنی شاعری میں برتا ہے اس لحاظ سے اسے قدیم روایتوں کا ایک عظیم احیاء کنندہ بھی شمار کرنا چاہیے۔

۱۔ فارسی ادب کے دو دبستان

Marfat.com

تصریحات

(۱) درحقیقت بہار کی سبک شناسی، مختلف صدیوں میں اسلوب نثر نگاری کے ارتقاء سے متعلق ایک بحث ہے اور آج کی مستند ادبی تنقید کے مطابق اسلوب شناسی کی بحث سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

(۲) جغد جنگ کا قصیدہ جسے غیرمعمولی شہرت حاصل ہوئی اور اس کا بہت چرچا ہوا شاعر کی آخری عمر میں کہا گیا اور شاعر نے اس میں صلح اور آزادی کے لئے بڑے اشتیاق اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔

(۳) بہار نے حقیقت میں اس مثنوی میں سنائی کی مثنویوں کے وزن اور بحر کے علاوہ ان کے طنز آمیز اور عمیق اسلوب کی بھی پیروی کی ہے۔

(۴) دیوان جلد ۲ صفحہ ۴۳۳، ۴۴۳

(۵) دیوان جلد ۱، صفحہ ۱۶-۱۳

(۶) دیوان جلد ۱، صفحہ ۳۲۰-۳۱۷

(۷) ای خلق خدای آواز کنید کاواز عموم آواز خداست

ترجمہ: اے خلق خدا آواز دو کیونکہ زبان خلق نقارہ خدا ہوتی ہے۔

دیوان جلد ۱ صفحہ 264 کا اس لاطینی ضرب المثل سے تقابل ہو۔

آواز خلق آواز خدا ہے۔ Vox Populi, Vox Dei

(۸) دین کیشوت ایک افسانوی ہیرو ہے اور اس کے مداحیہ شجاعانہ کارناموں میں طنز کی ایک خاص چاشنی ہے۔ ہسپانوی ادیب سر وانتش کی تالیف دین کیشوت کو محمد قاضی نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

Marfat.com

اشاریہ

نام اشخاص

نام	آ	صفحہ
آبلارد		۲۳۱، ۲۳۷
آپالو		۲۷۳
آتابکن آذربائجان		۲۱۲
آسکروالڈ		۱۰۰، ۱۱۴
آشیل		۲۶، ۲۷
آفاق		۲۱۴
آق سنقریان		۲۱۲
آگممنون		۲۶
آگسٹے		۳۱۹
آل بویہ		۶۵
آل زیار		۶۵
آل سامان		۴
آل کرت		۳۲۳
آل محتاج		۳۷
آل مظفر		۳۳۲، ۳۳۴
آندرونیکوس		۱۹۷، ۲۰۳، ۲۴۷
آندرہ ژیدہ		۳۴۴
اباحی		۸۰

نام	ا	صفحہ
ابراہیم		۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۱، ۲۳۰
ابسال		۳۶۱
ابن اثیر		۹۷
ابن الجوزی		۲۳۳، ۲۳۴
ابن بطوطہ		۲۵۸، ۳۰۸، ۳۳۴
ابن سقا		۳۳۲، ۲۳۷
ابن سلام		۲۰۸
ابن سینا		۱۸۶، ۲۲۹، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۵۰، ۳۶۱
ابن عربی		۲۶۹، ۲۷۲، ۳۵۶
ابن عمید		۶۵
ابن قیم الجوزیہ		۲۳۳
ابن یمین		۳۲۲
ابو اسحاق		۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۴۵
ابو الحسن		۳۶
ابو الحسن بیہقی		۱۲۵
ابوا لحسن مرادی		۷

Marfat.com

نام	صفحه
ابو الحسن ورزی	۲۷۳
ابو الخیر	۲۲۲
ابو العباس اسفراینی	۳۸
ابو العلاء	۳۸۲،۱۹۸
ابو العلاء گنجوی	۲۱۲
ابو العلاء معری	۳۲۲،۳۳۹،۱۳۱
ابوالفتح بستی	۶۵
ابو الفرج	۱۸۶،۱۶۰
ابو الفرج‌بن جوزی	۲۹۹،۲۷۸
ابو الفرج رونی	۱۱۵،۱۱۳
ابو الفرج‌نصربن رستم	۱۱۵
ابو الفضل بلعمی	۱۳،۸
ابو القاسم	۱۱۱
ابو القاسم‌فردوسی	۲۰
ابو المظفر	۳۷
ابو بکر بیستون	۲۸۳
ابو بکرمحتاج	۷۷
ابو جعفر	۹
ابو حنیفه	۱۲۷
ابو حیان‌توحیدی	۲
ابو زراعه‌جرجانی	۱۲،۱
ابو سعید	۱۹
ابو سعیدابوالخیر	۱۸۵
ابو سعیدشعرائی	۷۷
ابو سعید مهنه	۷۳
ابو سهل زوزنی	۵۰
ابوعبدالله‌اندلسی	۲۳،۲۳۲،۲۳۵،۲۳۹
ابو عبدالله(جعفربن‌محمد)رودکی	۳
ابو علی ثقفی	۲۲۱
ابو فراس	۳۵۱،۳۳۷،۳۳۹
ابو کتانی	۲۳۲
ابو مسلم	۳۸۹
ابو نصر	۱۱۱
ابونصرعتبی	۶۵
ابونصرمشکان	۹۵
ابونواس	۵۸،۶۱،۶۳،۷۱،۹۳،۳۳۱
ابوهریره	۲۳۲
ابویزید	۲۳۶
ابویعقوب	۸۲،۷۸
ابیقور	۱۳۵،۱۳۲،۶۷
ابی نواس	۶۷
اپیکتت	۵۳
اپیکور	۷۰،۵۳
اتابک‌ابوبکربن سعدزنگی	۲۸۱،۲۸۰

Marfat.com

نام	صفحہ
اتابکان فارس	۲۷۹
اتابک جہان پہلوان	۲۱۴
اتابک سعد	۲۸، ۲۹۵
اتابک لر	۳۳۶
اتسز	۱۸۳
اثنا عشری امام	۳۸۹
اثیر الدین اخسیکتی	۱۹۱
احمد ایلکانی	۳۳۶
احمد بن عبد الصمد	۵۰
احمد بن مسعود تیشہ	۱۷۰
احمد بہمنیار	۲۰۲
ادیپوس	۳۰
ادیب صابر	۳۱۴
اڈمنڈ ڈنلس	۱۱۴
اردشیر	۲۰۱
ارسطو	۱۲۵، ۲۰۹
ارسلان	۱۱۲
ارنسٹ رنان	۲۹۶
اروج بیگ	۲۳۷
استاد رشیدی	۱۰۵
اسفندیار	۲۵، ۲۶، ۲۸، ۶۳، ۲۲۷، ۲۹۱
اسکندر	۳۹، ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۴۹، ۲۷۳، ۳۶۰
اسماعیل	۸۰
اسماعیل بن احمد	۱۳
اسماعیلیہ	۸۰
اشاعرہ	۷۴، ۱۲۷
اشرف چوپانی	۳۳۲
اشعری	۷۴، ۱۲۷
اشعریون	۳۸
اعشی	۶۴
افلاطون	۲۱۷، ۲۳۰، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۹۸، ۲۹۹
اکبر	۳۶۶
اگست	۷
الغ بیگ	۳۵۴
الکبیادس	۲۹۸
الیاس	۲۱۳
امام جعفر صادق	۸۰
امیر خسرو	۳۵۹، ۳۶۰
امام غزالی	۱۲۷، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۶۱
امام فخر رازی	۲۵۳
امام منصور سرخسی	۱۵۷
امامی	۳۰۴
امرؤ القیس	۶۴، ۶۵
امیر ابوبکر محتاج	۷۷

Marfat.com

نام	صفحہ
امیربخارا	۹
امیرچغانیاں	۳۷
امیرخراسان	۹
امیر خسرو	۱۶۱، ۳۰۷
امیرعلی‌شیرنوالی	۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۷
امیرفیروزکوہی	۳۷۴
امیرمبازرالدین	۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۶
امیرمحمد	۶۵
امیرمحمدبیگ	۲۸۲
امیرمعزی	۱۱۵
امیرنصر	۱۰، ۱۴، ۷۷
امیریوسف	۳۸
انصاری	۲۳۲
انکیانو	۲۸۲، ۲۹۰
انوری	۶۲، ۱۲۸، ۱۶۰، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۹۶، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۳۹
اوحدالدین علی	۱۸۵
اورانوس	۳۲
اورنگزیب	۳۶۸، ۳۷۳
اوری‌پاؤنڈ	۲۳۰، ۲۳۱
اوزن‌حسن	۳۵۷
اویس‌ایلکانی	۳۳۶
اویسیہ	۲۲۲
اہل‌اخوت	۲۵۶
اہل‌فتوت	۲۵۶
ایرج	۲۵، ۲۶
ایلیڈ	۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰
ایوانف	۹۷
ب	
باباطاہر	۳۳۴
بابا گوریو	۲۹۸
بابر	۳۵۵
باربک	۳۱۰-۳۱۷
باطنی	۱۱-۷۶-۷۷
بالزاک	۲۹۷-۲۹۸، ۳۴۴
بائرن	۱۰۰
بایزید	۲۲۷
بایزید بسطامی	۲۲۸
بحتری	۹۴-۲۰۳-۲۷۸
بختیار	[illegible]
بدیع‌الزمان فروز انفر	۲۷۵
برہان‌الدین فتح‌اللہ	۳۳۶
برہان‌الدین محقق	۲۵۴
بشار	۶-۳۸۱
بشار بن برد	۲

Marfat.com

نام	صفحه
بشر حافی	۱۶۹
بطلیوس	۱۵۲
بغرا خان	۳۰۸-۳۱۰، ۳۱۲
بلعمی	۳-۸-۱۰
بلعمیون	۳
بندار رازی	۳۲۷
بنی اسرائیل	۲۳۴
بوالفرج	۱۱۱
بوالو	۲۲۴
بودائی	۳۶
بوذر	۹۳
بو سهل زوزنی	۶۵
بوعلی سینا	۱۸۹
بونا پارت	۱۱۴
بونصر فارسی	۱۱۱
بهاءالدین ولد بلخی	۲۲۲
بهاءولد	۲۵۲-۲۵۴
بهار	۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳
بهرام	۲۰۹-۲۱۵-۳۱۳
بهرام چوبینه	۲۰
بهرام شاه	۱۱۲، ۱۴۳، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۶
بهرام شاه بن مسعود	۱۱۶
بهرام گور	۲۰، ۲۰۸
بهرامی	۱۰۵-۱۱۴
بیهقی	۳۸-۴۴-۵۱-۵۳

پ

نام	صفحه
پاسکال	۱۵۰
پان	۲۴۹
پچورین	۲۴۹-۲۷۳
پرودانس	۲۲۹
پرویز	۳۱۲
پریام	۲۶-۲۷-۲۹
پور دستان	۱۰۶
پور زال	۱۷۲
پورسقا	۲۴۷
پول کراوس	۱۴۰
پیر میهنه	۱۸۵
پیندار	۲۹۸

ت

نام	صفحه
تاهرتی	۸۵
تتیس	۲۶
تحسین یازیجی	۲۷۴

Marfat.com

نام	صفحہ
تقی زادہ	۹۷
تیتان	۱۸، ۳۲
تیمور	۳۳۶، ۳۳۷، ۳۵۱
تیئوفیل گوتیہ	۲۱۰
ث	
ثقۃالملک طاہر	۱۱۱، ۱۱۲
ج	
جامی	۱۶۱، ۱۷۶، ۲۰۵، ۳۰۳، ۳۴۶، ۳۵۲، ۳۷۹
جریر	۹۴، ۲۰۰، ۲۰۳
جعفر	۴
جعفر برمکی	۱۷
جعفر بن محمد رودکی	۳
جعفر خان	۳۷۳
جلال‌الدین	۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۹، ۳۷۰
جلال‌الدین تورانشاہ	۳۳۶
جلال‌الدین خلجی	۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۲
جلال‌الدین رومی	۳۴۳، ۳۶۱
جلال‌الدین محمد	۲۲۲، ۲۵۲
جلال‌الدین مولوی	۲۴۹
جلال‌الدین ہمائی	۹۷، ۱۴۰
جمال‌الدین اصفہانی	۱۹۱
جنید	۲۳۲
جہانگیر	۳۶۶-۳۶۷
جہانیوں	۳
چ	
چاسر	۲۲۵
چغانیاں	۳۶-۳۷-۷۷
چغری	۷۵
چہجو	۳۰۸، ۳۱۰
ح	
حاتم طائی	۲۸۸
حاج ملا ہادی سبزواری	۲۷۵
حافظ	۶۲-۶۳-۲۶۷-۳۵۹-۳۷۰-۳۸۰
حبیب نجار	۲۲۰
حجت‌الحق عمر خیام	۱۳۲
حجت خراسان	۸۰
حسام‌الدین	۲۵۲
حسام‌الدین چلپی	۲۵۱، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۶۵، ۲۷۴
حسان	۹۴، ۱۹۷
حسن بن صباح	۹۶
حسن دہلوی	۳۱۰
حسنک وزیر	۸۵
حسن مرو رودی	۷۷

Marfat.com

نام	صفحه
حسین بایقرا	۳۵۱
حضرت سلیمان	۳۷۴
حضرت علی	۲۳
حضرت عیسیٰ	۲۴۲
حضرت فاطمه	۸۰
حکیم شهید بلخی	۷
حلاج	۲۲۰،۲۲۱
حنفی	۳۸-۷۴-۱۲۷
حنین بن اسحاق	۳۶۱
حی بن یقظان	۲۲۸
خ	
خان جهان	۳۱۰
خان شهید	۳۱۰
خاقان	۱۸۴،۱۹۷
خاقان چین	۳۱۳
خاقانی	۶۲-۱۱۳-۱۶۱-۱۷۷-۱۹۱-۱۹۷-۱۹۸-۲۰۰-۲۰۲-۲۰۳-۲۱۲-۲۱۴-۲۳۱-۲۴۱-۲۴۷-۲۹۵-۳۱۴-۳۳۹،۳۸۰،۳۸۱
خسرو	۲۰۵،۲۰۶-۲۰۷-۲۰۹-۳۰۹-۳۱۲
خسرو شاه	۱۴۳

نام	صفحه
خضر خان	۳۱۲-۳۱۷
خلخالی	۱۵
خلف بن احمد	۳۷-۷۸
خلیل	۱۲۹
خواجو	۲۰۵-۳۳۸-۳۴۱
خواجه احمد بن حسن سمندی	۶۴
خواجه حسن دهلوی	۳۰۹
خواجه عبدالله احرار	۳۵۴
خواجه عبدالله انصاری	۱۶۷
خواجه کلان	۳۵۴
خواجه مسعود	۱۱۶
خواجه نظام‌الدین	۱۲۷
خوارزم شاه	۱۸۳-۲۵۳
خوارزمی	۶۵
خیام	۶۷-۷۱-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰،۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۲-۱۳۴-۱۳۵-۱۴۰-۲۸۹-۳۲۷-۳۳۸-۳۴۱-۳۴۲،۳۴۳-۳۷۰،۳۸۱
د	
دارا	۲۰۹،۳۹۱
داستایوسکی	۶۳

Marfat.com

نام	صفحہ
دارستر	۱۴
دانائے نیشاپور	۱۳۷
دانتے	۱۶۴، ۱۷۷
داؤد	۳۰۱
داودیان	۲۱۲
دقیقی -	۱، ۲۱، ۳۷
دوپریہ	۸
دولتشاہ	۱۵۱، ۲۴۶، ۲۵۸، ۳۳۷، ۳۵۵
دولرانی	۳۱۲، ۳۱۷
دہقان	۷۸
دین زرتشت	۳۸۶
ڈ	
ڈکارٹ	۲۹۸، ۳۰۵
ڈن کیشوٹ	۳۸۷، ۳۹۳
ذ	
ذی القرنین	۲۰۹، ۲۲۴، ۲۶۳، ۲۷۳
ذیمقراطیس	۱۴۰
ر	
رابعہ بلخی	۲۴۱
رابعہ عدویہ	۱۶۷، ۲۲۸
رابینسن کروسو	۲۹۷
رادویانی	۳۶

نام	صفحہ
رازی	۱۳۱، ۱۳۲
رافضی	۱۲۷
ربیعی پوشنجی	۳۷۹
رخش	۳۸۷
رستم	۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۶۳، ۱۰۶، ۷، ۲۹۱۲۲، ۳۸۵، ۳۸۲، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹
رستم فرخزاد	۲۰
رشید	۱۹۸، ۱۹۹
رشیدوطواط	۱۱۲، ۱۹۱، ۲۰۱، ۳۱۴، ۴۵
رشیدی	۵، ۱۴
رضا خان (پہلوی)	۳۷۷، ۳۷۸
رضی الدین نیشاپوری	۳۱۴
رکن الدین اکاف	۲۲۰
رکن الدین قلج ارسلان	۲۵۷
رواقی	۵۴
رودکی	۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۲۰، ۴۴، ۴۵، ۷۱، ۱۱۳، ۱۲۸، ۲۰۱، ۲۴۱، ۳۳۹، ۳۸۱
روکرٹ	۳۰، ۳۴۴
رومی	۱۵۰
روسیو ژولیت	۲۰۷، ۲۱۷

Marfat.com

نام	صفحه
رئیسه کرد	۲۱۳
ربکا	۲۰۲
ز	
زال	۲۸
زلیخا	۳۴۴
زنادقه	۱۳۱
زندیق	۸۰
زهری	۲۳۲
زئوس	۲۷
زیمقراطیس	۱۳۲
ژ	
ژان والژان	۲۸۸
س	
سامانی	۲۳، ۷۳
سام میرزا	۳۵۵
سانتا ترزا	۲۲۸
سپائی نوزا	۲۶۹
سراج‌الدین ارموی	۲۵۷
سروانتش	۳۹۳
سریانی	۱۳۲، ۲۳۰
سعادت	۱۰۶، ۱۱۲
سعد	۱۱۶
سعدالدین کاشغری	۳۵۴
سعد بن سلیمان	۱۰۹
سعدی	۹۷، ۱۸۶، ۱۸۸، ۲۵۷، ۲۶۷، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۳، ۲۸۹، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۶، ۳۶۰، ۳۷۱، ۳۸۰، ۳۸۱
سعید نفیسی	۱۳، ۱۴، ۲۴۶، ۳۰۳، ۳۲۹
سفیان بن عینیه	۲۳۳
سفیان ثوری	۲۳۸
سقراط	۲۴۲، ۲۶۱، ۲۹۸، ۲۹۹
سکاکی	۳۲
سلامان	۳۶۱
سلجوقی	۴۴
سلجوقی ترکمان	۸۴
سلطان تغلق	۳۰۸
سلطان ولد	۲۵۵، ۲۵۶
سلمان	۳۳۹، ۳۴۱، ۳۵۹
سلیمان	۳۰۱، ۳۲۷، ۳۶۹، ۳۷۳
سمعانی	۱۳
سنائی	۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۶۵، ۲۹۵، ۲۷۲، ۳۱۴

Marfat.com

نام	صفحہ
	۳۳۹، ۳۶۰، ۳۷۹، ۳۹۳
سنجر	۱۲۷، ۱۵۹، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۰۶
سوزنی	۱۶۰، ۲۹۶
سوفوکل	۳۰
سوفوکلس	۲۱۱
سہراب	۲۵، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۲
سہروردی	۲۲۹
سیاوش	۲۵، ۲۶
سید برہان الدین	۲۵۴
سید حسن	۱۶۰
سید حسن تقی زادہ	۷۳
سید محقق	۲۵۴
سیزر	۳۲
سیف الدین محمود	۱۰۹، ۳۰۹
سیمجوریون	۷۳
سیمرغ	۲۸، ۲۳۰، ۳۸۷
ش	
شاپور	۲۰، ۲۰۶
شاتو دیف	۱۱۴
شاخ نبات	۳۳۴
شافعی	۳۸، ۷۴، ۱۲۷

نام	صفحہ
شاہجہان	۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸
شاہرخ	۳۵۴
شاہ سمنگان	۱۹
شاہ شجاع	۳۳۶
شاہ صفی	۳۶۸
شاہ عباس	۱۷، ۱۸، ۲۳۷، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸
شاہ منصور	۳۳۶
شاہ نعمت اللہ	۳۵۹
شاہ ہرمز	۳۳۶
شاہ یحییٰ	۳۳۶
شبلی	۲۸۸
شبلی نعمانی	۲۷۴، ۳۰۴
شجاع الدین شفا	۳۴۸
شرف الدین	۲۸۱
شرف الدین لالا	۲۵۳
شرف العلاء	۲۳۷
شروانشاہان	۲۱۲
شکر	۲۰۷
شلر	۲۲۴
شمس	۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۶

Marfat.com

نام	صفحه
شمس‌الحق تبریزی	۲۶۶
شمس‌الدین صاحبدیوان	۲۸۲
شهاب‌الدین سهروردی	۲۷۸، ۲۹۹
شهزاده محمود	۱۰۹، ۱۱۰
شهید	۱۲، ۴۴، ۴۵، ۳۵، ۱۱۳
شیخ اشراق	۲۳۰
شیخ جام	۲۳۶
شیخ صنعان	۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۳۸-۲۳۹، ۲۴۰
شهرزاد	۱۱۱
شیرویه	۲۰۷
شیرین	۲۰۶، ۲۰۷
شیعه	۸۱
صاحب بن عباد	۶۵
صالح	۱۱۲، ۲۸۸
صائب	۳۴۰، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲
صدرالدین قونوی	۲۵۷، ۲۵۸
صفاری	۱۲۸
صفی‌الدین هندی	۲۵۷
صلاح‌الدین	۲۵۷، ۲۶۶
صلاح‌الدین زرکوب	۲۵۶، ۲۵۰

نام	صفحه
ط	
طالب آملی	۳۷۸
طاهر دبیر	۴۹
طغاتیمور	۳۲۲
طغانشاه بن آلپ ارسلان	۳۱
طغرل	۳۸، ۷۵
ظ	
ظفر خان	۳۶۷، ۳۶۸
ظهیر فاریابی	۲۱۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۸، ۳۶۲
ع	
عارف جام	۳۵۲
عاموس	۸۷
عباس اقبال	۷۴، ۱۱۵، ۱۴۰، ۱۷۷
عبدالحسین زرین کوب	۳۴۸
عبدالرحمن (جامی)	۳۵۴
عبدالرحمن قوال	۶۵
عبدالرحیم	۳۶۸
عبدالرزاق	۲۳۲، ۲۳۳
عبدالرزاق صنعانی	۲۳۲، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۳۹
عبدالرزاق محدثی	۲۳۲

Marfat.com

نام	صفحہ
عبدالرسول	۲۰۲
عبدالعظیم قریب	۳۰۳، ۳۰۴
عبدالغفور لاری	۳۳۵
عبدالملک عطاش	۹۶
عبدالله توکل	۲۱۷
عبدالله منازل	۲۲۱
عبدالواسع جبلی	۳۱۴
عبدالوہاب حسینی	۲۰۳
عبیدالله	۷۷، ۳۵۷
عبیدالله بن محمد	۸۰
عبید زاکانی	۳۴۵
عتبی	۱۳، ۷۴
عثمان مختاری	۱۵۹
عدنی	۳
عراقی	۳۸۰، ۳۵۶
عرفی	۲۰۵
عزالدین کیکاؤس	۲۵۷
عزالدین مقدسی	۲۳۰
عزرائیل	۲۲۰
عضدالدین ایجی	۳۳۴
عطار	۱۵۰، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳- ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹- ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱- ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۱، ۲۶۵، ۲۷۲- ۳۷۰
عطار تونی	۲۲۳
علاءالدین	۱۸۴، ۲۵۵، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۲۱-۳۲۲
علاءالدین خلجی	۳۱۲
علاءالدین عطا ملک صاحبدیوان	۲۰۹
علاءالدین غوری	۱۸۳
علاءالدین کیقباد	۲۵۳
علی (علی بن ابی طالب)	۲۳
علی اصغر حریری	۲۰۳
علی بژهئی	۱۹۳
علی بن جولوغ	۳۶
عمادالدین	۳۵۴
عمادالملک	۳۰۹
عماد فقیہ	۳۳۹
عماد کاتب اصفہانی	۹۳، ۱۳۰
عمار	۹۳
عمار کاتب	۱۲۷، ۱۳۰
عمونی	۳۰
عمیدالملک	۱۱۱

Marfat.com

نام	صفحہ
عنصری	۴، ۴۱، ۴۴، ۵۰، ۶۳، ۶۴، ۶۴، ۱۱۳، ۱۲۹، ۱۳۹، ۸۵۸، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۷۷، ۲۰۱، ۳۲۴
عوفی	۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۲۰۳
عیسیٰ	۱۹۳، ۲۰۶، ۲۴۲، ۲۵۹
غ	
غزالی	۱۲۷، ۱۵۰، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۱
غزنوی	۲۳
غضائری	۱۱۳
غیاث‌الدین بلبن	۳۰۸، ۳۱۰
غیاث‌الدین تغلق	۳۱۱، ۵۰۸
ف	
فاریا	۱۱۴
فاطمہ خاتون	۲۵۶
فاطمی	۳۸، ۸۰، ۸۱، ۹۵
فتیان	۲۵۶
فخرالدین	۳۲۱
فخرالدین صفی	۳۵۷
فخر داعی	۲۷۹
فخر گرگانی	۲۴۱
فدر	۲۹۸

نام	صفحہ
فرانسوادو بونیوارد	۱۱۴
فرخی	۵، ۶، ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۷۱، ۱۳۹، ۱۵۸، ۱۸۵، ۳۸۱
فردوسی	۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۳۱، ۳۳، ۵۰، ۱۷۹، ۱۶۸، ۱۸۸، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۴۱، ۲۹۶، ۲۸۱
فروز انفر	۲۴۷، ۲۱۶
فروغی	۱۴۰، ۳۰۳، ۳۰۴
فروید	۱۹
فرہاد	۲۰۷، ۲۰۹
فریدالدین عطار	۲۲۱
فریدون	۳۹۱
فضل بن ربیع	۲۳۲، ۲۳۳
فضل بن عیاض	۲۳۳
فغانی	۳۴۰
فلکی شروانی	۲۱۲
فلوطین	۸۱
فیاض	۴۷
فیٹز جیرالڈ	۳۴۴
فیضی دکنی	۲۰۶
فیلون	۲۳۰

Marfat.com

نام	صفحہ
ق	
قابوس	۴۹، ۵۹
قاچاری	۳۸۹
قارون	۳۸۳
قدسی	۳۶۸
قرمطی	۳۸، ۸۰، ۸۵
قزل ارسلان	۲۱۲، ۲۱۴
قزوینی	۱۲۶، ۱۷۶، ۳۴۵
قطب‌الدین	۳۱۰
قطران	۵، ۱۸۶
قنطی	۱۲۸
قوام‌الدین حسن	۳۳۶
قوام‌الدین درگزینی	۱۵۷، ۱۷۳
قوام‌الدین صاحب عیار	۳۳۶
قیس	۲۰۷، ۲۰۸، ۳۵۹
ک	
کاتبی ترشیزی	۲۰۵
کارلائل	۳۸۵
کاظم صبوری	۳۷۵
کافی‌الدین عمر	۱۹۲
کانت	۲۶۳
کاونٹ دومونٹ	۱۱۴
کبرویہ سلسلہ	۲۲۲
کرامتی	۳۸
کرامی	۷۳، ۷۴
کریستو	۹۹، ۱۱۴
کریم کشاورز	۳۲۹
کسائی	۹۴، ۹۵
کلیم	۳۴۰، ۳۶۸
کمال اسماعیل	۱۶۱، ۳۱۴
کمال‌الدین اصفہانی	۳۳۸، ۳۳۹
کموجیہ	۳۹۰
کنٹر بری	۲۲۵
کنسٹانس	۲۲۵
کومننوس	۲۴۷
کیخسرو	۳۲۰
کیقباد	۳۱۲، ۳۲۰
گ	
گردیزی	۵۱
گنوسی حکمت	۸۱
گوتم بدھ	۱۵۰
گوئٹے	۲۳۲، ۲۳۸، ۲۹۷، ۳۴۴، ۳۴۸
ل	
لارڈ بیرن	۱۱۴

Marfat.com

نام — صفحه

لافونٹین ۲۹۷
لیبی ۴۴، ۱۱۳
لرمونتوف ۱۹۹، ۲۳۹، ۲۴۹، ۲۷۳- ۲۷۴
لوکن ۲۴، ۳۲
لونگوس ۲۱۷
لونگینوس ۲۳، ۳۲
لیلیٰ ۲۰۷، ۲۰۸، ۳۱۲

م

مارگان شوستر ۲۷۷
ماریانا ۳۴۴
مالرب ۸
مالک دینار ۲۳۶
مانی مذهب ۸۱
مبارزالدین ۳۳۲
متنبی ۴۵، ۶۴، ۱۹۱، ۲۰۲، ۲۴۸، ۲۷۸، ۳۳۹، ۳۴۷
مجتبیٰ مینوی ۷۳
مجدالدین ۳۳۴
مجدالدین بغدادی ۲۲۲
مجدالدین رومی ۲۸۲
مجدهمگر ۳۰۴

نام — صفحه

مجنون ۲۰۸، ۲۰۹، ۳۱۲، ۳۱۳
مجوسی ۸۰
مجیرالدین بیلقانی ۱۹۸، ۲۱۲
محمود ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۳۷، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۵۱، ۵۳، ۵۸، ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۷۸- ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۹۴، ۹۵، ۱۰۹، ۱۴۳- ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۷۶، ۳۲۱
محتشم ۳۸۳
محمد ۱۱۵، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۲۶، ۲۴۴، ۳۰۸، ۳۵۵
محمد بن احمد نخشبی ۷۷
محمد تقی ۳۷۵
محمد فاتح ۱۹۷
محمد خطیبی ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۵
محمد دبیر سیاقی ۷۰
محمد ذکریا رازی ۱۳۱
محمد شفیع ۱۴۰
محمد علی بیگ ۳۶۷
محمد علی شاه قاچار ۲۷۶
محمد علی فروغی ۱۴۰
محمد علی موحد ۳۱۷
محمد علی میرزا ۳۸۲

Marfat.com

نام	صفحه
محمد قاضی	۳۹۳
محمد قزوینی	۳۳۷
محمد گلندام	۳۳۸
مختاری	۱۱۳، ۱۶۰
مدرس رضوی	۱۳، ۱۳۰، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۸
مدرک بن علی	۲۳۷
مریم	۲۰۷
مسعود	۳۳، ۴۴، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۸، ۵۹، ۶۵، ۷۰، ۷۵، ۷۸، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۴۳، ۱۵۸، ۱۶۰
مسعود بن نخشبی	۷۸
مسعود ثانی	۱۱۱
مسعود رازی	۵۲
مسعود سعد	۹۹، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۸-۱۵۹، ۱۶۴، ۳۲۴، ۳۸۱
مسعود فرزاد	۱۱۴
مسکویه	۲
مسلم زنادقه	۱۳۱
مسیح	۳۸۳
مسیحیت	۸۱

نام	صفحه
مصباح مطرزی	۳۳۷
مصعبی	۳
مصلح‌الدین	۲۸۱
مظاهر مصفا	۳۶۲
معتزله	۸۱، ۱۲۷
معتصم	۲۹۵
معروف کرخی	۲۸۸
معری	۱۳۲، ۱۶۴
معزالدین کیقباد	۳۱۰
معزی	۱۱۲، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۶۰
معین	۱۳۰
معین‌الدین پروانه	۲۵۹
مکتبی شیرازی	۲۰۵
ملا حسین کاشفی	۲۵۶
ملک احمد	۳۱۲
ملک شاه	۱۱۰
ملک محمد	۳۱۰
ملکه ارمن	۲۰۶
مندائی	۲۲۹
منگول خاقان	۲۸۲
منلاس	۲۵
منوچهر	۴۹، ۳۹۱

Marfat.com

نام	صفحہ
منو چہر بن قابوس	۳۹
منوچہری	۳۹، ۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۱ – ۱۱۳، ۱۳۹، ۱۵۸، ۳۸۱
موست	۲۹۷
مولانا روم	۶۰، ۲۵۱، ۲۷۳، ۳۶۰
مولوی	۲۳۳، ۳۲۳، ۳۳۹
مومنہ خاتون	۲۵۳
مہاتما بدھ	۲۵۹، ۳۷۰
مہدوی دامغانی	۲۰۳
مہدی	۸۰
مہدی حمیدی	۱۷۷
مہستی	۱۵۹
میتھیو آرنلڈ	۳۱، ۳۲
میداس	۲۳۹، ۲۷۳
میکیاولی	۳۰۱، ۳۰۵
مینورسکی	۲۰۳
ن	
ناحوم	۸۷
ناصر خسرو	۱، ۳، ۷۳، ۷۵، ۷۸، ۸۱، ۸۲، ۸۸، ۸۹، ۹۲، ۹۳، ۹۵، ۱۶۱، ۲۳۱
نائب‌السلطنہ ناصرالملک	۳۷۷
نجم‌الدولہ	۱۳۰
نجم‌الدین رازی	۲۵۷
نخشبی	۷۷ - ۸۲
نذیر احمد	۱۷۸
نزاری باطنی	۹۶
نصاری	۲۳۷
نصر بن احمد	۳، ۴، ۷۷
نطشے	۱۸ - ۳۲
نظام‌الدین احمد دشتی	۳۵۳
نظام‌الدین اولیاء	۳۰۹ - ۳۱۱
نظامی	۲۰۵، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۳۲، ۲۶۵، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۲، ۳۱۳ - ۳۱۴، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۵۹، ۳۷۹
نظامی عروضی	۱۱۲، ۱۲۵
نظیری	۳۳۰، ۳۶۸
نعمان	۲۰۸، ۳۱۳
نعمت‌اللہ	۳۳۵
نکلسن	۱۷۷، ۲۷۴
نوافلاطونی	۸۱
نوح بن نصر	۷۷
نوذر	۱۷۲
نورالدین	۳۵۵

Marfat.com

نام	صفحہ
نورالدین صیاد	۲۸۲
نورالدین عبدالرحمان	۳۵۲
نوشیروان	۲۰۶، ۲۲۴
نوفل	۲۰۸، ۳۱۲
و	
واصفی	۳۵۵
والٹیئر	۲۹۹
وحشی بافقی	۲۰۵
وحیدالدین محمد	۱۸۵
ورقاء	۲۴۱
وکٹر ہوگو	۶۳، ۲۹۸
ولٹر	۲۷۵
ویلہم	۳۸۵
ہ	
ہاتفی	۱۸۸، ۲۰۵
ہاتفی خرجردی	۳۵۶
ہارون الرشید	۱۷، ۱۸، ۲۳۲، ۲۳۳
ہرمانوس	۳۶۱
ہرمز	۳۳۳
ہفتالی	۳۶
ہکٹر	۲۹
ہلوئیز	۲۴۷

نام	صفحہ
ہمام تبریزی	۲۹۵، ۳۰۴
ہوراس	۶، ۷، ۳۱۹
ہوگو	۲۶۴، ۲۷۵، ۲۸۸، ۲۹۷، ۳۴۴
ہومان	۲۹
ہومر	۲، ۳، ۲۵
ہیلن	۲۵، ۲۹
ی	
یعقوب	۷۷
یمین الدولہ	۳۲۱
یمین الدین طغرائی	۳۲۱
یوسف	۱۰۹، ۲۱۳

Marfat.com

نام اماکن

نام	صفحہ
آ	
آب رکنا باد	۳۳۲، ۳۳۳
آذر بائیجان	۳۳۲، ۳۵۷
آرگوس	۲۶
آرمینیا	۷۹
آستانۂ قدس	۳۷۵، ۳۸۲
آق	۲۵۳
آگرہ	۳۰۹، ۳۶۶، ۳۶۷
آود	۳۱۰
آئرلینڈ	۳۱
ا	
اخستان	۲۱۲، ۲۱۵
اران	۲۱۱
ارزنجان	۲۵۳
اروپا	۳۰۵
ارومیہ	۲۵۶
اصفہان	۱۷، ۹۶، ۲۶۶، ۳۳۳، ۳۵۳ - ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۵

نام	صفحہ
افریقہ	۸۰
الموت	۹۶
امریکہ	۳۷۷
اودسا	۲۹۸
ایتھنز	۲۱۱
ایران/	۲۱، ۲۳، ۷۰، ۷۷، ۷۹، ۱۸۱ - ۱۸۶، ۲۰۸، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۷، ۳۷۸ - ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۲
ایشیائے کوچک	۷۹، ۱۹۷
ب	
باغ ارم	۲۵۸
باغ پیروزی	۷۵
باغ جہاں آرا	۳۵۲
باغ زاغان	۳۵۲
باغ سپید	۳۵۲
باغ سلطان	۲۵۸
باغ فیروزی	۹۷، ۱۴۳
بامیان	۲۷۸

Marfat.com

نام	صفحہ
بحیرہ آبسکون	۵۷
بحیرہ طبریہ	۲۷۷
بخارا	۱، ۲، ۳، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۵۳ – ۳۳۷
بدخشان	۸۳، ۸۸
بدنہ	۱۸۵
بر صغیر پاک و ہند	۸۰
بصرہ	۲۷۸
بعلبک	۲۷۷
بغداد/	۹۶، ۱۲۴، ۱۷۰، ۲۵۳، ۲۷۷، – ۲۷۸، ۲۸۱، ۳۳۶، ۳۵۶
بلاد عثمانی	۳۶۷
بلخ	۵۰، ۵۶، ۸۲، ۱۷۴، ۱۸۴، ۱۸۵ – ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۷۸، ۳۰۹، ۳۱۰
بندر انزلی	۳۷۷
بنگال	۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۳۶
بیت المقدس	۲۳۶
بیزانس	۱۹۷
پ	
پاریس	۲۵، ۲۹، ۳۰۹، ۳۱۰
بمبئی	۳۲
پیرس	۱۳۰، ۲۹۸
ت	
تاج محل	۳۰۹، ۳۶۶
تبریز	۱۹۸، ۳۳۶، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳۷۵
تروا	۲۵، ۲۷، ۲۹
تہران	۱۳، ۷۰، ۹۷، ۱۷۶، ۱۸۸، ۲۱۷، ۲۷۴، ۳۲۹، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷– ۳۸۲، ۳۸۶، ۳۸۹
ج	
جالندھر	۱۱۱
جام	۳۵۲، ۳۵۴
جامع بعلبک	۳۰۳
جبال	۶۵، ۹۶
جبل لبنان	۲۷۷
جرمنی	۳۴۳، ۳۴۴، ۳۸۵
جزیرہ سنٹ کریسٹو	۱۱۴
جزیرہ نمائے بالکان	۱۹۷
جنیوا	۱۱۴
جونپور	۳۶۸
جوئے مولیاں	۹، ۱۴
جیحون	۳۶
چ	
چاہ شغاد	۳۸۶

Marfat.com

نام	صفحہ
چغانیاں	۳۶
چین	۱۷۳
ح	
حجاز	۷۹، ۲۵۳، ۳۵۷
حلب	۲۵۴، ۲۷۸، ۳۵۷
حیرہ	۲۰۸
خ	
خاک مصلیٰ	۳۳۳
خانہ کعبہ	۱۹۹
خاوران	۱۸۴
خراسان	۴، ۱۳، ۵۳، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۸۴، ۱۹۹، ۳۲۱، ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۵۳، ۳۷۶، ۳۸۲، ۳۸۷، ۳۸۱
خرجرد	۳۵۴
خفاجہ	۲۷۸
خوارزم	۱۵۰، ۲۵۳
خوشخانہ	۵۱، ۷۰، ۷۵، ۹۷
د	
دامغان	۴۹، ۵۶، ۵۷، ۵۸
دجلہ	۱۷، ۲۲۱

نام	صفحہ
دربند	۲۱۴
درہ ہمکان	۸۳
دشت	۳۵۳
دشت	۳۵۳
دکن	۳۳۶
دمشق	۲۵۴، ۲۵۵، ۳۵۷
دندانقان	۷۵
دوشنبہ	۱۸۸
دہک	۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۱
دہلی	۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۰
ر	
رامپور	۱۷۸
رودک	۳
روس	۳۷۷، ۳۷۸
روم	۱۸، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۳۶، ۲۵۳، ۲۵۷، ۳۱۹، ۳۵۷
رے	۲۲، ۴۹، ۵۷، ۷۰
ریڈنگ جیل	۱۰۰، ۱۱۴
ز	
زابل	۳۸۶
زاولستان	۸۶
س	
سبزوار	۳۱۹، ۳۲۱

Marfat.com

نام	صفحہ
سپین	۳۹۱
سرخس	۱۵۷، ۱۷۴، ۱۸۵
سمرقند	۳، ۱۰۵، ۱۸۴، ۲۵۳، ۳۳۷، ۳۵۴
سنائی آباد	۱۶۴
سندھ	۳۹
سو	۹۹، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۱۱
سوڈان	۷۹
سومنات	۲۷۸
سوئٹزر لینڈ	۳۹۰
سیستان	۳۵، ۳۶، ۳۷، ۷۷، ۷۸، ۳۵۳، ۳۸۶، ۳۸۷
سیواس	۲۵۳
ش	
شادیخ	۲۲۰
شام	۷۹، ۲۳۶، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۷۷، ۲۸۸
شروان	۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۱۲
شیراز	۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۷۷
شیلان	۱۰۰، ۱۱۴

نام	صفحہ
ص	
صنعا	۲۷۸
ط	
طالقان	۷۷، ۹۶
طبران	۲۰
طبرستان	۲۲، ۳۹
طرابلس	۲۷۷
طور	۲۶۹
طوس	۲۰، ۲۲، ۱۸۵، ۲۱۵، ۳۸۹
ع	
عجم	۴، ۱۳
عدن	۳۹۱
عراق	۱۲۷، ۱۷۰، ۳۳۲
عراق عجم	۳۹، ۶۴، ۶۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۷، ۱۷۳، ۳۷۹
عرب	۴، ۱۳
علیگڑھ	۱۷۸
غ	
غرجستان	۷۷
غزنہ	۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۱۱۰
غزنی	۲۲، ۳۹، ۴۲، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۶۴، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۴۳، ۱۳۵، ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۳، ۷۴۱

Marfat.com

نام	صفحه
غور	۱۸۳
ف	
فارس	۲۵۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۳۰۰، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۷۹
فریومد	۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۴
فلسطین	۷۹
فینیقیه	۳۹۱
ق	
قبادیان	۷۳، ۷۴
قرشی	۳۰۹
قرطاجنه	۳۹۱
قزوین	۹۶
قفقاز	۱۹۹
قندهار	۳۶۸
قونیه	۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۶
قیروان	۷۹
ک	
کابل	۷۳، ۳۰۹، ۳۶۷
کاخ محمودی	۱۴۳
کازرون	۳۳۳
کاشغر	۲۷۸
کانپور	۱۷۶
کربلا	۳۵۷
کرمان	۳۳۲
کشمیر	۳۶۸
کوفه	۲۷۸
کوه البرز	۴۹، ۵۷
کیسپین	۴۹
گ	
گجرات	۳۱۲
گرگان	۴۹، ۵۰، ۳۲۲
گنجه	۲۰۵، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵
ل	
لاچین	۳۰۹
لارنده	۲۵۳
لاله زار	۳۸۶
لاهور	۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۵، ۳۶۸
لباطیه	۷۳
لبنان	۲۳۶، ۲۷۷
لیدن	۱۲، ۱۳، ۴۷، ۱۱۶، ۱۴۰، ۱۸۸، ۲۴۶
م	
مازندران	۸۳

Marfat.com

نام	صفحہ
ماسکو	۲۷۴، ۳۶۲
ماوراء النہر	۳، ۴، ۱۱، ۲۰، ۳۶، ۳۷، ۷۷، ۲۵۳
مدرسہ نظامیہ	۲۷۷
مدینہ منورہ	۱۹۸، ۱۹۹
مرنج	۱۰۰، ۱۰۲، ۱۱۱
مرو	۷۳، ۷۴، ۳۵۴
مروروذ	۷۷
مشرقی افریقا	۸۰
مشرقی روم	۱۹۷
مشہد	۳۷۵
مصر	۱۳، ۳۲، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۹۷، ۳۹۱
مغرب	۷۹
مکہ	۱۲۸، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۳۲، ۲۵۳
ملتان	۷۳، ۳۱۰
ملک کیان	۳۸۸
مولیان	۴
میسوپوٹیمیا	۲۳۴
میہنہ	۷۷، ۲۲۲

ن

نام	صفحہ
ناصریہ	۸۳
نائے	۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۵
نجف	۳۵۷
نسیم مصلیٰ	۳۳۲
نظامیہ	۳۵۴
نظامیہ نیشاپور	۱۲۷
نمور	۷۷
نوگرفت	۱۰۵
نیشاپور	۵۰، ۵۳، ۵۶، ۷۴، ۷۷، ۸۲، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۸، ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۱۷، ۲۲۲، ۲۴۱، ۲۵۳

و

نام	صفحہ
وخش	۲۵۳

ہ

نام	صفحہ
ہرات	۲۲، ۵۱، ۷۷، ۱۸۵، ۳۲۲، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۵۷
ہمدان	۱۰۹، ۱۴۰، ۳۳۴
ہند	۳۹، ۱۰۰، ۱۱۱، ۱۴۱، ۱۷۲، ۳۶۷، ۳۸۶
ہندوستان	۳۹، ۵۲، ۸۵، ۱۰۰، ۲۶۶، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۵، ۳۳۶، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۸۶
ہیلڈبرانڈ	۳۱

Marfat.com

نام	صفحہ	نام	صفحہ
ی		یورپ	۲۰، ۲۹۷
یزد	۳۳۳	یوگوسلاوی	۲۴۹
یمکان	۷۳، ۸۸، ۹۵، ۹۶	یونان	۱۸، ۲۵، ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۱۵، ۲۴۹، ۳۶۱
یمن	۲۰۸		

Marfat.com

نام کتب

آتشکده آذر ۲۳۶
آثارالبلاد ۱۲۶ ، ۱۷۳ ، ۱۷۶
آثارالوزراء ۳۷
آئینه اسکندری ۳۱۳
احوال و اشعار رودکی ۱۳ ، ۱۴
اختیارات شاهنامه ۱۱۳
اخلاق‌الاشراف ۳۳۵
ادیپوس ۳۰
ارزش میراث صوفیه ۲۷۵ ، ۳۷۳
اسرارالتوحید ۲۳۲
اسرار نامه ۲۲۲ ، ۲۲۳
اسکندر نامه ۲۰۹ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۳۲ - ۲۳۸ - ۳۱۳
اشارات ۱۸۶
اشتر نامه ۲۲۳
اشعة‌اللمعات ۳۵۶
اعجاز خسروی ۳۱۱
اقبال نامه ۲۰۹ - ۲۱۳
اقلیدس ۱۲۵
الف لیله ۲۶۳
الفهرست ۱۱ - ۷۷
الکامل ۹۷
المعجم ۵ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۸۸
الهوامل والشوامل ۱۳
الهی نامه ۱۶۳ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۳۶ - ۲۴۲
امثال و حکم دهخدا ۲۷۳
انجیل لوقا ۲۳۰
انجیل متی ۲۳۲
اوستا ۲۳ - ۲۲۹
ایوان مدائن ۲۰۳
بختیار نامه ۲۲۵
بدایع‌الوقایع ۳۶۲
بقیه نقیه ۳۱۱
بلعام و برصیصا ۲۳۴
بوستان ۲۸۳ - ۲۸۸ - ۲۸۹

Marfat.com

نام	صفحه
	۲۹۰ - ۲۹۷ - ۳۰۱ - ۳۶۰ - ۳۶۲
بهارستان	۳۰۳ - ۳۱۷ - ۳۳۶
بهرام نامه	۲۱۰
بهشت سخن	۱۷۷
بیان‌الادیان	۱۲۷ - ۱۳۰
بی سرنامه	۲۲۱ - ۲۲۳
بی نواؤن	۲۸۸
پ	
پرنس	۳۰۵
پنج گنج (نظامی)	۲۰۵ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲
پندنامه	۲۲۳
ت	
تاج‌الفتوح	۳۱۰ - ۳۱۲
تاریخ ایران در عهداسلامی	۲۴۷
تاریخ بخارا	۱۴
تاریخ بیهقی	۵ - ۴۷ - ۵۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۹۷
تاریخ بلعمی	۳۷۸
تاریخ سیستان	۵، ۹، ۲۰ - ۲۲ - ۳۷۸
تاریخ بهمنی	۹۷

نام	صفحه
تازه بهار	۳۷۶
تتمهٔ صوان‌الحکم	۱۳۰
تحریمةالقلم	۱۶۳
تحفة الاحرار	۳۵۹
تحفةالصغر	۳۱۱
تحفةالملوک	۵ - ۲۳۲ - ۲۳۶ - ۲۳۸،
تحقیق در احوال و اشعار عطار	۲۴۶ - ۲۴۷
تذکرةالاولیاء	۱۷۸ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۳۲ - ۲۳۵ - ۲۳۶ ۲۴۶ ۲۴۷
تذکره دولت شاه	۱۵۱ - ۱۸۸
ترجمان‌البلاغه	۵ - ۳۶
تغلق نامه	۳۱۱
تورات	۸۷ - ۹۷ - ۳۰۱
ج	
جستجو در احوال و آثار فریدالدین عطار نیشاپوری	۲۴۶
جشن‌هزار رساله متنبی	۲۰۲
جوامع الحکایات	۲۶۵ - ۳۷۸
جواهرالذات	۲۲۳
جهان نو	۳۴۸

Marfat.com

نام	صفحہ
چہار خطابہ	۳۷۹
چہار مقالہ	۴، ۵، ۱۳، ۳۷، ۴۷، ۱۱۱، ۱۳۰
ح	
حافظ نامہ	۳۴۸
حبیب السیر	۳۴۶
حدائق السحر	۵، ۴۵، ۴۷
حدیقہ	۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۱۴، ۲۷۵، ۲۹۵، ۳۶۰
حلاج نامہ	۲۲۳
خ	
خداینامہ	۲۲۹
خردنامہ	۲۰۹
خردنامہ اسکندر	۳۶۰
خریدۃ القصر	۱۲۸، ۱۳۰
خزانۂ عامرہ	۲۷۳
خزائن الفتوح	۳۱۰، ۳۱۲
خسرو شیرین	۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۳۱۲، ۳۶۰
خسرونامہ	۲۲۳
خضرخان و دولرانی	۳۱۲
خمسۃ المتحیرین	۳۵۷
خمسہ نظامی	۳۱۴
خواتیم	۲۹۳
خیاط نامہ	۲۲۳
د	
دانشمندان آذربائیجان	۳۷۳
دریائے گوہر	۱۱۴
دلالۃ المتحیرین	۱۳۰
دن خوان	۲۴۷
دیوان الصبابہ	۲۴۷
دیوان خاقانی	۲۰۲
دیوان سنائی	۱۷۶، ۱۷۸
دیوان شرقی	۳۴۳، ۳۴۸
دیوان شمس	۲۶۶
دیوان کبیر	۲۶۶
دیوان ہند	۱۱۵
ر	
راہنمای کتاب	۲۰۳، ۲۴۶
رباعیات حکیم خیام نیشاپوری	۱۳۰
رسالۃ الطیر	۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۱
رسالۃ الغفران	۳۸۲
رسالہ پطر و شفسکی	۳۲۹

Marfat.com

نام	صفحہ
رسالہ فریدون سپہ سالار	۲۵۸
رسالہ قشیریہ	۲۲۳، ۲۳۸، ۲۳۷
رسائل رازی	۱۴۰
روز نامہ ایران	۳۷۷
روز نامہ نوبہار	۳۷۷
ز	
زندگی مولانا جلال الدین	۲۷۴
زین الاخبار	۷۰
س	
سبحۃ الابرار	۳۶۰
سبک شناسی	۳۷۸
سخن و سخنوران	۷۰، ۲۰۳
سفرنامہ ابن بطوطہ	۳۱۷
سلامان وابسال	۲۲۸، ۳۶۰
سلسلۃ الذہب	۳۶۰
سندبادنامہ	۵، ۲۲۶، ۲۴۶
سیاحت نامہ	۷۶
سیاست نامہ	۱۱، ۱۵، ۷۷، ۱۲۷، ۱۶۰
سیر العباد الی المعاد	۱۶۴
سیر حکمت در اروپا	۳۲، ۷۰، ۲۷۴
	۳۰۵

نام	صفحہ
ش	
شاہنامہ	۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵
	۲۸، ۴۰، ۶۳، ۱۱۳، ۲۱۵، ۳۸۵
شاہنامہ ابو منصوری	۲۱
شرح اسرار مثنوی	۲۷۵
شرح یمنی	۲، ۱۳
شرقیات ہوکو	۳۰۵
شعر العجم	۳۰۴، ۳۷۳
شیرین و خسرو	۳۱۲
شیرین و فرہاد	۳۱۲
ص	
صفیر سیمرغ	۲۲۹
ط	
طبقات الصوفیہ	۲۲۳، ۲۳۲
طرائق الحقائق	۲۴۷
طربخانہ رشیدی	۱۳۰، ۱۴۰
طریق التحقیق	۱۶۴
ع	
عشق نامہ	۱۶۴
عقل سرخ	۲۲۱
عقل نامہ	۱۶۴
عیون الحکمت	۱۸۶

Marfat.com

نام	صفحه
غ	
غرة‌الکمال	۳۱۱، ۳۱۴
غزالی‌نامه	۹۷
ف	
فارسال	۲۱۳، ۳۲
فامشی	۲۳۴
فخری‌نامه	۱۶۳
فرائیکیه	۲۷۳
فرهنگ ایران زمین	۲۰۳، ۲۴۷، ۲۲۹
فصوص ابن عربی	۳۵۶
فن شعرار سطو	۳۲
فیه مافیه	۲۵۹، ۲۶۴، ۲۷۰
ق	
قابوس نامه	۱۶۰
قاموس	۹۷
قرآن	۲۶۵
قران السعدین	۳۱۰، ۳۱۲
قصص مثنوی	۲۷۵
قصیده عینیه	۲۴۱
قندهار نامه	۳۶۹
ک	
کارنامه بلخ	۱۶۴، ۳۷۹
کارنامه زندان	۳۷۹
کتاب الانساب	۱۳
کشاف زمخشری	۳۳۷
کشف الاسرار	۲۳۰
کشف المحجوب	۸۷، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۴۷
کلمات مکنونه فیض	۲۴۶
کلوله	۲۰۷
کلیات صائب	۳۷۴
کلیله	۲۳۰، ۲۶۴
کلیله دمنه	۵، ۱۵
کنزالاسرار	۲۲۳
کوپولین	۳۱
کیمیای سعادت	۲۷۵
گ	
گلستان	۱۴۰، ۲۷۷، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۳۴، ۳۵۶
ل	
لانولئن	۲۲۴
لباب الالباب	۵، ۱۲، ۱۴، ۱۱۶
لسان الغیب	۲۲۳

Marfat.com

نام	صفحه
لطائف الطوائف	۳۵۷
لغت فرس اسدی	۵
لمعات عراقی	۳۵۶
لوقا	۲۳۸
لیلی و مجنون	۱۸۸، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۳۵۹
م	
ماخذ قصص و تمثیلات	۲۷۵
مجالس	۲۷۰
مجالس العشاق	۱۵۰، ۱۷۶
مجالس المومنین	۱۷۳
مجالس پنجگانه	۲۸۲
مجالس سبعه	۲۵۹، ۲۶۰
مجله ارمغان	۲۰۲
مجله دانشکده	۳۷۷
مجله دانشکده ادبیات تهران	۲۰۲
مجمع الفصحا	۳۶۲
مجمل التواریخ والقصص	۳۷۸
مجمل فصیحی	۲۲۲، ۳۳۵
مجنون و لیلی	۳۱۲
مجموعه چستر بیتی	۱۳۰
محمود و ایاز	۳۶۹
مختارنامه	۲۲۳
مخزن الاسرار	۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۳، ۲۳۸، ۲۹۵، ۳۱۲، ۳۵۹، ۳۶۰
مرآة الخیال	۳۷۳
مرزبان نامه	۲۲۹، ۲۳۶
مرصاد العباد	۱۲۸، ۱۳۰
مریم وشکر	۳۱۲
مصادرات اقلیدس	۱۲۶
مصیبت نامه	۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۲، ۲۳۳
مطائبه نامه	۱۶۳
مطلع الانوار	۳۱۲
مظهر العجائب	۲۲۱، ۲۲۳
مغنی نامه	۳۳۸
مفتاح العلوم	۳۲
مفتاح الفتوح	۲۲۳
مقالات شمس	۲۵۹
مقامات شیخ احمد جام	۲۱۰
مناقب العارفین	۲۵۸، ۲۶۳، ۲۷۳
منصورنامه	۲۲۳
منطق الطیر	۲۲۳، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۳۱، ۲۳۲

نام	صفحہ
	۲۳۷، ۲۳۸
ن	
نصیحت الملوک	۲۸۲، ۳۰۱
نفحات الانس	۲۷۴، ۳۵۶
نقد ادبی	۷۱، ۱۸۸، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۷۵، ۳۷۳
نقد العلم	۲۳۳
نقد النصوص	۳۵۶
نوبہار	۳۷۶
نہایت الکمال	۳۱۱
نہ سپہر	۳۱۰
و	
وسط الحیات	۳۱۱
وصلت نامہ	۲۲۳
وصیت نامہ	۲۲۳
ویلہلم ٹل	۲۲۴
ہ	
ہشت بہشت	۳۱۳
ہفت اورنگ	۳۵۹، ۳۶۰
ہفت پیکر	۲۰۸، ۳۱۳
ہفت خوان رستم	۲۵، ۲۹
ہفت گنبد	۲۰۸، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۳۱۳، ۳۶۰
ی	
یادداشتہای حاشیہ گلستان	۳۰۴
یغما	۳۲، ۳۳، ۱۷۷، ۲۰۳، ۲۱۷، ۳۰۴
یفتاح	۳۰
یوسف وزلیخا	۳۱، ۳۶۰

Marfat.com

تکملۂ اشاریہ

مؤلف نے اشاریہ میں بعض لاطینی ناموں کے بارے میں توضیحات دی ہیں ۔ قارئین کی سہولت کے لئے ان توضیحات کو یکجا کر کے علیحدہ درج کیا جاتا ہے ۔

(۱) آبلارد (Abelard) فرانسیسی فلسفی جو ۱۰۷۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۱۴۲ء میں وفات پائی

(۲) آرگوس (Argos) یونان کے ایک شہر کا نام جو صوبہ ارگولیدہ کا دارالحکومت بھی تھا ۔

(۳) آشیل (Achille) قدیم یونان کا ایک نامور بادشاہ جس نے تروا کی جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے ۔

(۴) آنڈرہ ژیڈ (Andre Gide) عہد حاضر کا مشہور فرانسیسی ادیب ۔ وہ ۱۸۶۹ میں پیدا ہوا اور ۱۹۵۱ میں وفات پائی ۔

(۵) اڈیپوس (Oedipus Oedipe) تب کا بادشاہ جس پر یونان کی پرانی کہانیوں کے مطابق مصیبتوں کے کئی پہاڑ ٹوٹے تھے ۔

(۶) ارنسٹ رنان (Ernest Renan) فرانسیسی ادیب ، مورخ اور فلسفی وہ ۱۸۲۳ میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۲ میں وفات پائی ۔

(۷) اسپی نوزا (Spinoza) ہالینڈ کا یہودی فلسفی ۔ اس کے فلسفے کی بنیاد وحدت الوجود پر ہے ۔ وہ ۱۶۳۲ میں پیدا ہوا اور ۱۶۷۷ میں وفات پائی ۔

(۸) اسکار وائلڈ (Oscar Wilde) انگریز ادیب اور شاعر جو 1856 میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۰ میں وفات پائی ۔

Marfat.com

(۹) آگا ممنون (Agamemnon) یونان کا بادشاہ جو تروا کی جنگ میں یونانی فوجوں کا سپہ سالار تھا ۔

(۱۰) آگسٹے (Auguste) روم کے مشہورو معروف قیصر اوکتاو کا لقب جس نے ۶۳ قبل مسیح سے ۱۴ قبل مسیح تک حکومت کی ۔

(۱۱) ایفی گنی (Iphi gonie) آگا ممنون کی بیٹی جسے باپ نے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے آن کی بھینٹ چڑھا دیا لیکن دیوتاؤں نے اس کی جان بچا لی اور اسے کسی دوسری جگہ پہنچا دیا ۔

(۱۲) ایلیڈ (Iliade) ہو مر سے منسوب یونانی رزمیہ داستان جو جنگ تروا کے واقعات اور چوبیس نظموں پر مشتمل ہے ۔

(۱۳) بابا گوریو (Pere Goriot) بالزاک کی کتاب کا ایک کردار جو اپنی بیٹیوں کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے ۔

(۱۴) بالزاک (Balzac) فرانسیسی مشہور ادیب جس نے بہت سی داستانیں لکھی ہیں ۔ وہ ۱۷۹۹ میں پیدا ہوا اور ۱۸۵۰ میں وفات پائی ۔

(۱۵) بایرن (Byron) معروف انگریز شاعر جو ۱۷۸۸ میں پیدا ہوا ۔ اس نے ۱۸۲۴ میں وفات پائی ۔

(۱۶) بوالو (Boileau) فرانسیسی شاعر اور نقاد ۔ وہ ۱۶۳۶ میں پیدا ہوا اور ۱۷۱۱ میں وفات پائی ۔

(۱۷) پیرس (Paris) پریام کا شاہزادہ جس نے ہیلن کو اغوا کر لیا تھا اور جس کی ہوا و ہوس کے باعث تروا کی مشہور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تھے ۔

(۱۸) پاسکال (Pascal) فرانسیسی دانشور اور ریاضی دان جس کی فزکس اور ریاضیات پر بڑی مشہور تحقیقی تالیفات موجود ہیں ۔ وہ ۱۶۲۳ میں پیدا ہوا اور ۱۶۶۲ میں وفات پائی ۔

(۱۹) پان (Pan) قدیم یونان کی اساطیر کے مطابق ریوڑ اور گاؤں کا

Marfat.com

دیوتا جس کے ساتھ بڑی دلچسپ داستانیں منسوب کی گئی ہیں ۔

(۲۰) پروڈنس (prudence) چوتھی صدی کا مسیحی لاطینی شاعر جو ہسپانیہ کا رہنے والا تھا ۔ اس نے بہت لطیف اور مشہور اشعار کہے ۔

(۲۱) پریام (Priam) یونان کے قدیم افسانوں کے مطابق تروا کا آخری بادشاہ جس کے زمانے میں اس کا شہر یونانیوں کے قبضے میں چلا گیا ۔

(۲۲) پینڈار (Pindare) قدیم یونان کا ایک عظیم غزلسرا شاعر جو ۵۲۱ ق-م سے ۴۴۱ ق‌م میں ہو گذرا ہے ۔

(۲۳) تھیٹس (Thetis) یونانی اساطیر میں ایک سمندری دیوی اور یونان کے معروف پہلوان آشیل کی ماں ۔

(۲۴) تئوفیل گوتیہ (Tehophile Gautier) فرانسیسی شاعر اور ادیب وہ ۱۸۱۱ میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۱ میں وفات پائی ۔

(۲۵) چاسر (Chaucer,G) انگریز شاعر جس نے کاونٹر بری کی داستانیں شعر میں ڈھالی ہیں ۔ وہ ۱۳۴۰ میں پیدا ہوا اور ۱۴۰۰ میں وفات پائی ۔

(۲۶) داستایوسکی (Dostoievski) روسی ادیب جس نے موت کا گھر اور جرم و سزا جیسی مشہور داستانیں لکھیں ۔ وہ ۱۸۲۱ میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۱ میں وفات پائی ۔

(۲۷) ڈانٹے (Dante) معروف اطالوی شاعر جس نے کمیڈی الہی Devine Comedy کے نام سے شعر کہے ۔ اس کا سال پیدائش ۱۲۶۵ اور سال وفات ۱۳۲۱ ہے ۔

(۲۸) ڈکارٹ (Descartes) فرانس کا مشہور فلسفی جو ۱۵۹۶ میں پیدا ہوا اور ۱۶۵۰ میں وفات پائی ۔

(۲۹) دوپریہ (Duperir) فرانسیسی قانون دان جسے اس کی جوان سال بیٹی کی موت پر مالرب تعزیت کہتا ہے اور ایک مرثیہ میں لڑکی کو پھول سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پھول چمن میں ایک دن سے زیادہ باقی

Marfat.com

نہیں رہتا ۔

(۳۰) رابنسن کروسو (Robinson Crusoe) انگریز ادیب ڈانیل ڈفو کی داستان کا ایک معروف کردار ۔ رابنس کو سمندری طوفان ایک جزیرہ پر پھینک دیتا ہے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ تھی ۔ وہ اپنی کوشش اور ہوشمندی سے اپنی بود و باش اور رہائی کا طریقہ ڈھونڈ لیتا ہے ۔

(۳۱) روکرٹ (Rueckert) جرمن شاعر جو ۱۷۸۹ میں پیدا ہوا اور ۱۸۶۶ میں وفات پائی

(۳۲) رومئو ژولیٹ (Romeo and Juliet) شکسپیر کے مشہور ڈرامہ کا نام جس کے کردار بھی اسی نام سے ہیں جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن خاندانی اختلافات کے باعث انہیں ناکامی ہوتی ہے ۔

(۳۳) زئوس (Zeus) یونانی اساطیر میں دیوتاوں کا باپ اور حاکم

(۳۴) سانتاترزا (Santa Tereza) ہسپانیہ کی ایک مسیحی عارفہ خاتون جو ۱۵۱۵ء میں پیدا ہوئی اور ۱۵۸۲ میں وفات پائی ۔

(۳۵) سوفوکلس (Sophocles) قدیم یونان کا شاعر اور ڈرامہ نویس ۔ وہ ۴۹۷ق م سے ۴۰۵ ق م میں ہو گذرا ہے ۔

(۳۶) شیلر (Schiller) جرمن شاعر اور ادیب جو ویلھلم ٹل اور دوسرے بہت سے معروف ڈراموں کا مصنف ہے ۔ وہ ۱۷۵۹ میں پیدا ہوا اور ۱۸۰۵ میں وفات پائی ۔

(۳۷) فدر (Phedre) آگسٹے کے عہد کا لاطینی قصہ گو ۔ وہ ۳۰ ق م سے ۴۴ عیسوی میں ہو گذرا ہے ۔

(۳۸) فروئڈ (S. Freud) آسٹریائی یہودی دانشور جس نے نفسیاتی تحلیل کا طریقہ وضع کیا ۔ وہ ۱۸۵۶ میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۹ میں وفات پائی ۔

(۳۹) فٹز جرالڈ (Fitz gerald,E) انگریز شاعر اور ادیب جس نے خیام کی رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کیا ۔ وہ ۱۸۰۹ میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۳

Marfat.com

میں وفات پائی ۔

(۴۰) فیلون (Philon) یہودی الاصل یونانی دانشور جو پہلی صدی عیسوی میں ہو گذرا ہے

(۴۱) کارلائل (Carlyle .Th)) سکاٹ لینڈ کا مورخ اور ادیب

(۴۲) کانٹ (Kant) جرمن فلسفی دانشو جو ۱۷۲۴ میں پیدا ہوا اور ۱۸۰۴ میں وفات پائی

(۴۳) کوہولین (Cocholin) رستم و سہراب کی داستان میں رستم کے کردار کی طرح آئر لینڈ کی داستانوں کا ایک کردار

(۴۴) گوئٹے (Goethe) مشہور جرمن شاعر جو ورتر اور فاؤست کے علاوہ بہت سی دیگر کتابوں کا مصنف ہے۔ وہ ۱۷۴۰ میں پیدا ہوا اور ۱۸۳۲ میں وفات پائی ۔

(۴۵) لافونٹن (La Foutain) فرانسیسی داستان گو شاعر جو ۱۶۲۱ میں پیدا ہوا اور ۱۶۹۵ میں وفات پائی ۔

(۴۶) لرمونتوف (Lernmntov) روسی شاعر اور ادیب جو عہد کے ہیرو کی داستان کا مصنف ہے۔ وہ ۱۸۱۴ میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۱ میں وفات پائی ۔

(۴۷) لوکن (Lucain) نرون کا ہمعصر لاطینی شاعر جس نے فارسال نظم کہی (۶۵-۳۹)۔

(۴۸) لونگینوس (Longinus) یونان کا نقاد دانشور جس نے فن بلاغت کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ۔ (۲۷۳-۲۱۳)

(۴۹) مالرب (Malherbe) فرانسیسی شاعر جو فرانس کی کلاسیکل شاعری کا استاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کا وہ مرثیہ جو اس نے دوپریہ کی بیٹی کی وفات پر لکھا مشہور ہے۔ وہ ۱۵۵۵ میں پیدا ہوا اور ۱۶۲۸ میں وفات پائی ۔

Marfat.com

(۵۰) میتھیوارنلڈ (Arnold Mathew) انگریز معروف نقاد اور شاعر ۔ وہ ۱۸۲۱ میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۸ میں وفات پائی ۔

(۵۱) منلاس (Mene las) اسپارٹ کا بادشاہ اور آگا ممنون کا بھائی جس کی بیوی ہیلن کو پیرس اغوا کر کے لے گیا تھا اور یہی واقعہ تروا کی جنگ کا باعث ہوا ۔

(۵۲) موسہ (Musset, A) فرانسیسی شاعر جس نے غنائی اشعار کے علاوہ کئی ڈرامے بھی تحریر کئے ۔ وہ ۱۸۱۰ میں پیدا ہوا اور ۱۸۵۷ میں وفات پائی ۔

(۵۳) نٹشے (Nietzsche) جرمن دانشور اور شاعر جس کے نظریات اخلاق و ادب کے بارے میں مروجہ اصولوں سے ہٹ کر تھے ۔ غلاموں اور آقاؤں کے اخلاق سے متعلق اس کے نظریہ اور مرد برتر کی تعریف کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی اور آخر کار پاگل پن کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ۔ وہ ۱۸۴۴ میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۰ میں وفات پائی ۔

(۵۴) والٹیر (Voltaire) فرانسیسی ادیب، شاعر اور دانشور جو ۱۶۹۴ میں پیدا ہوا اور ۱۷۷۸ میں وفات پائی ۔

(۵۵) وکٹر ہوگو (Hugo Victor) فرانسیسی معروف شاعر اور ادیب جو ۱۸۰۲ میں پید ہوا اور ۱۸۸۵ میں وفات پائی ۔

(۵۶) ہکٹر (Hector) تروا کا ایک نامور شہزادہ جس نے آشیل کے دوست کو قتل کیا اور خود آشیل کے ہاتھوں مارا گیا ۔

(۵۷) ہیلن (Helene) یونان کی شہزادی اور منلاس کی بیوی جسے تروا کا شاہزادہ پیرس اغوا کر کے لے گیا تھا اور اسی وجہ سے تروا کی جنگ ہوئی ۔

(۵۸) ہوراس (Horace) مشہور رومی شاعر جو ۶۳ ق م سے ۵ ق م میں ہو گذرا ہے ۔

Marfat.com

(۵۹) ہومر (Homere) یونانی شاعر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نویں صدی قبل مسیح میں ہو گذرا ہے ۔ یونان کی قدیمترین رزمیہ تالیفات ایلیڈ اور اڈیسہ کو اسی سے نسبت دی جاتی ہے ۔

(۶۰) ہیلڈ برانڈ (Hilde Brands lied) جرمنی کی قدیم رزمیہ نظم کا ایک حصہ جو ہیلڈ برانڈ اور جوان سال پہلوان کی گفتگو پر مشتمل ہے جو جنگ میں اس کے مدمقابل اور اسی کا بیٹا تھا ۔

Marfat.com

فہرست منابع و مآخذ

اس فہرست میں فارسی کی صرف ایسی کتابیں و مجموعہ ہائے مقالات درج کئے گئے ہیں جن کا مطالعہ قارئین کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے - فارسی تذکرے ، تاریخ ، شعر و ادب کی کتابیں، اور متفرق مقالات اس فہرست میں شامل نہیں کئے گئے ہیں -

★ احوال و اشعار رودکی ، سعید نفیسی ، ۳ جلد ، طہران ۱۹-۱۳۰۹ شمسی

★ اشعار برگزیدۂ صائب ' با مقدمۂ زین‌العابدین مؤتمن ، طہران ۱۳۲۰

★ اشعار برگزیدۂ فرخی سیستانی ' با مقدمۂ رشید یاسمی ، طہران ۱۳۱۹

★ بہارستان جامی ، با مقدمۂ محمد محیط طباطبائی ، طہران ۱۳۱۱ ش

★ ترانہ ہای خیام ، صادق ہدایت ، طہران ۱۳۱۳

★ جامی ، علی اصغر حکمت ، طہران ۱۳۲۰

★ جستجو در احوال و آثار شیخ عطار نیشابوری ، سعید نفیسی، طہران ۱۳۲۰

★ حافظ چہ می گوید؟ محمود ہومن ، طہران ۱۳۱۷

★ حافظ چہ می گوید؟ احمد کسروی ، طہران ۱۳۲۵

★ حافظ شناسی یا الہامات خواجہ ' محمد علی بامداد ' طہران ۱۳۲۶

★ حافظ شیرین سخن ، دکتر محمد معین ، طہران ۱۳۱۹

★ حافظ نامہ ، سید عبدالرحیم خلخالی ، طہران ۱۳۲۰

★ حدیقۃالحقیقہ ، با مقدمۂ مدرس رضوی ، طہران ۱۳۲۹

Marfat.com

★ حماسه سرائی در ایران، دکتر ذبیح‌الله صفا، طهران ۱۳۳۳
★ حماسه ملی ایران، تئودور نولدکه، ترجمهٔ بزرگ علوی، تهران ۱۳۲۷
★ در پیرامون اشعار و احوال حافظ، سعید نفیسی، طهران ۱۳۲۱
★ دیوان ابن یمین، بتصحیح و مقدمهٔ سعید نفیسی، طهران ۱۳۱۸
★ دیوان انوری، با مقدمهٔ مدرس رضوی، ۲ج، طهران ۱۳۳۷-۴۰
★ دیوان انوری، با مقدمهٔ سعید نفیسی، طهران ۱۳۳۷
★ دیوان حافظ، بتصحیح و مقدمهٔ پژمان بختیاری، طهران ۱۳۱۵
★ دیوان خاقانی، بتصحیح علی عبدالرسولی، طهران ۱۳۱۶
★ دیوان خاقانی، بتصحیح و مقدمهٔ دکتر سجادی، طهران ۱۳۳۸
★ دیوان سنائی، بتصحیح و مقدمه مدرس رضوی، ۱۳۲۰
★ دیوان فرخی، بتصحیح و مقدمهٔ عبدالرسولی، ۱۳۱۱
★ دیوان فرخی، بتصحیح و مقدمهٔ محمد دبیر سیاقی، طهران ۱۳۳۵
★ دیوان مسعود سعد، بتصحیح و مقدمهٔ رشید یاسمی، طهران ۱۳۱۸
★ دیوان منوچهری، بکوشش محمد دبیر سیاقی، چاپ دوم، طهران ۱۳۳۸
★ دیوان ناصر خسرو، با مقدمهٔ سید حسن تقی زاده و باهتمام مجتبی مینوی، طهران ۱۳۰۴-۷
★ رباعیات حکیم خیام نیشابوری، با مقدمهٔ محمد علی فروغی، طهران ۱۳۲۱
★ زندگانی مولانا جلال‌الدین بخامهٔ بدیع‌الزمان فروزانفر، طهران ۱۳۱۵
★ سعدی نامه، مجموعهٔ مقالات راجع به سعدی، طهران ۱۳۱۶
★ سلامان و ابسال جامی، بامقدمهٔ رشید یاسمی، طهران ۱۳۰۵
★ سوانح مولوی رومی، تألیف شبلی نعمانی، ترجمهٔ فخرداعی گیلانی، طهران ۱۳۳۲
★ سیری در دیوان شمس، علی دشتی، طهران ۱۳۳۷

Marfat.com

★ شخصیت مولوی، حسین شجره، طهران ۱۳۱۶
★ شرح احوال و نقد آثار عطار نیشابوری، بدیع‌الزمان فروزانفر، طهران ۱۳۴۰
★ شرح حال ابن یمین، رشید یاسمی، طهران ۱۳۰۳
★ شرح حال شیخ بزرگوار سعدی، جابری انصاری، اصفهان ۱۳۱۶
★ فرخی سیستانی، دکتر غلامحسین یوسفی، مشهد، ۱۳۴۱
★ فردوسی نامهٔ مهر، مجموعهٔ مقالات راجع به فردوسی، طهران، ۱۳۱۳
★ کلیات صائب، با مقدمهٔ امیری فیروز کوهی، طهران، ۱۳۳۶
★ گلستان سعدی، بتصحیح و مقدمه میرزا عبدالعظیم خان گرگانی، طهران.۱۳۱۰
★ گنجینهٔ گنجوی، وحید دستگردی، طهران، ۱۳۱۸
★ مجله دانشکده ادبیات، شماره مخصوص رودکی، طهران ۱۳۳۸
★ محیط زندگی و احوال و اشعار رودکی، سعید نفیسی، طهران ۱۳۴۱
★ منتخبات اشعار صائب، با مقدمهٔ حیدر علی کمالی، طهران ۱۳۰۵
★ نظامی شاعر داستانسرا، دکتر علی اکبر شهابی، طهران ۱۳۳۷
★ نقشی از حافظ، علی دشتی، طهران ۱۳۳۷
★ ولد نامه یا مثنوی ولدی، از بهاؤالدین ولد، با تصحیح و مقدمهٔ جلال همائی، طهران ۱۳۱۶
★ هزارهٔ فردوسی، مجموعهٔ مقالات راجع به فردوسی، طهران ۱۳۱۳

Marfat.com

Marfat.com

ضمیمہ

" خیام با کاروان حلہ "

ا۔ اس کتاب میں قابل غور امور میں سے ایک بات خیام نیشاپوری کو شاعر تصور کرنا اور خیام سے منسوب رباعیات (۱) کی بنیاد پر کتاب کے ایک حصے میں خیام کی تصویر کشی اور اس بات پر اعتقاد کہ : وہ رصد پر مامور ہوا اور اس نے تقویم کی اصلاح کی اور الی آخر (۲) حالانکہ دقیق ، وسیع اور غیر جانبدارانہ تحقیق کی بنیاد پر اگرچہ خیام فلسفی اور ریاضی دان تھا اور فلسفہ و ریاضی پر اس کی بعض تصنیفات بھی موجود ہیں لیکن جیسا کہ مشہور ہے اس کے برعکس کبیسہ اور تقویم کی تدوین میں اس کا قطعی دخل نہیں تھا ۔ اس نے علم نجوم کے بارے میں بھی کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ ہی وہ فارسی کا شاعر تھا (۳) ۔ چنانچہ اس کا ہم عصر نظامی عروضی جسے خیام سے بڑی عقیدت تھی اور اس کی مجالس انس میں حاضر ہوتا تھا اور اس کا نام نہایت احترام سے لیتا تھا ، اس کی شاعری کے بارے میں کہیں ذکر نہیں کرتا اور " چہار مقالہ " کے باب " شعر و شاعران " میں اس کا نام نہیں لیتا حالانکہ اس نے بہت سے معمولی قسم کے شعرا کا بھی ذکر کیا ہے ۔(۴) اسی طرح خیام کے معاصرین میں عبدالرحمان خازنی (۵) ، زمخشری اور ابوالحسن بیہقی جیسے بعض اکابرین جنہوں نے اس کی تصنیفات اور اسکے حالات زندگی پر اظہار خیال کیا ہے اور ان میں سے آخری دو اشخاص کو اس کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف بھی حاصل تھا (۶) لیکن انہوں نے اور ان

Marfat.com

کے علاوہ اس دور کے بعض شعرا مثلاً سنائی (۷) اور خاقانی (۸) نے بھی جن کے کلام میں خیام کا ذکر بھی موجود ہے اس کے شاعر ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اسی طرح خیام کی موت کے بعد ستر سال (چھٹی صدی ہجری کے اواخر) تک نہ تو اس کے فارسی شاعر ہونے کا کوئی ذکر ملتا ہے اور نہ ہی اس امر سے متعلق کوئی دستاویز ملتی ہے۔ یہاں تک کہ "نزهةالارواح" کے مؤلف شہر زوری کا زمانہ آجاتا ہے جس نے خیام کے ساتھ شاعری کو منسوب کیا ہے (۹) اور اس کے بعد آئے دن اس سے منسوب رباعیات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہمارے نزدیک کے ادوار میں ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی (۱۰) ان میں سے کچھ تو خواجہ عبداللہ انصاری، ابو سعید ابی الخیر، حافظ، عراقی، مہستی، نجم‌الدین کبری، مجد همگر، نجم‌الدین رازی، شاهی، طالب آملی، شاہ نعمت‌اللہ، مغربی، انوری، سحابی استر آبادی، اوحدالدین کرمانی، سنائی، بابا افضل کاشی، سعدی، عبید زاکانی، سراج‌الدین قمری، همتی بلخی، فخر رازی، شاہ سنجان خوافی، سلمان ساوجی، کمال الدین اسماعیل عطار اور مولوی جیسی معروف شخصیتوں کی ہیں (۱۱) اور ان میں سے کچھ جو شاید ان رباعیات کے پہلے حصے پر مشتمل ہیں بظاہر علی بن محمد بن احمد بن خلف خراسانی ملقب بہ ابن الخیام (۱۲) نامی شاعر کی ہیں جو خیام نیشاپوری کا ہم عصر تھا (۱۳)۔

اس کے باوجود اگر ہم مذکورہ رباعیات کو خیام ہی کی تالیف سمجھیں پھر بھی ان رباعیات کو اس کی شخصیت اور افکار کی شناخت کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ بعض پہلو ایسے ہیں جو ان رباعیات کے مضامین سے متصادم اور متضاد نظر آتے ہیں :

ایک تو اس کی فلسفیانہ تالیفات کے مطالب (جن کا اس سے انتساب مسلمہ ہے) (۱۴) دوسرے اس کے کردار و افکار سے متعلق تفصیلات جو اس

Marfat.com

کے معاصرین نے جن کی تعداد یقیناً زیادہ نہیں (نہ کہ بعد میں آنے والے افسانہ طرازوں نے) بیان کی ہیں (۱۵) - تیسرے اس کی وہ شخصیت جس کی بنا پر اس کے ہمعصر اسے جانتے تھے - اس کے علاوہ وہ خطابات (شیخ الامام و حجۃالحق) بھی جو اس کو دئیے گئے اس تضاد کو زیادہ واضح کرتے ہیں (۱۶) -

علاوہ ازیں " شعر " کے مندرجات ہمیشہ اور لازمی طور پر کہنے والے کے حقیقی نظریات و عقائد کی نشاندہی نہیں کرتے - ہم کئی ایسے اشخاص کو جانتے ہیں جنہوں نے اپنے اشعار میں اکثر شراب ، شاہد اور عشق مجازی کا بارہا تذکرہ کیا ہے لیکن ان چیزوں سے ان کی عملی اور اخلاقی زندگی کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے ★

★ نمونہ کے طور پر عصر حاضر ، بلکہ شاید سارے تاریخی ادوار ، کے معروفترین شیعہ راہنما کی ایک مسمط کا بند پیش کیا جاتا ہے :

دختر رز اندک اندک شدمھی رخسارہ گلگون
غیرت لیلی شد و هر کس و را گردید مجنون
تا که روزی می فروشش دید و بر وی گشت مفتون
خواستگاری کرد و بردش از سرای مام بیرون
از نتاجش بادۂ گلرنگ روح افزای جان شد

ترجمہ : - دختر رز (انگور کی بیل) آہستہ آہستہ گلگوں رخسار لئے پروان چڑہی - وہ لیلی کے لئے باعث رشک ہوئی جس نے بھی اسے دیکھا اس کا دیوانہ بن گیا۔

ایک دن اسے ایک مے فروش نے دیکھا اور دل و جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا - اس نے اس کا رشتہ طلب کیا اور اسے اسکی ماں کے گھر سے لے گیا -

(اس طرح) دونوں کے وصال سے بادہ گلگوں جو روح افزائے جان ہے، پیدا ہوا -

Marfat.com

اس بنا پر اگرچہ شعر یعنی حقیقی شعر کو (صرف منظومہ نہیں) ہمیشہ ہنر کا ایک نمونہ سمجھاجاتا ہے اور شاعر کے ذوق، سلاست بیان، ظرافت طبع اور لطافت روح کی غمازی کرتا ہے لیکن یہ بھی وہ آئینہ نہیں ہے جس میں ہمیشہ شاعر کے معتقدات و اعمال کو ، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ، دیکھا جاسکے۔ البتہ اشعار سے مستند تاریخی واقعات کی تائید ہوسکتی ہے اور بعض صورتوں میں جبکہ یہ مذکورہ واقعات کی تکمیل کرتے ہوں یا کم از کم تضاد کے حامل نہ ہوں ان سے بھی علیحدہ طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ہر وقت تاریخی واقعات کی جگہ نہیں لے سکتے اور صرف کسی ایک حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق یا نفی کر سکتے ہیں۔ اگر تاریخ نویسی اور احوال نگاری کی بنیادیں صرف شعر ، خاص کر تاریخی واقعات سے متضاد شعر ، پر استوار ہوتیں تو اس سے حقایق کی نشاندہی نہیں ہو سکتی تھی۔ (اس بارے میں بند "ج" کے ذیل میں زیادہ توضیحات آئیں گی)

سعدی " با کاروان حلہ "

ب۔ " با کاروان حلہ " میں دوسری بات جس میں بحث کی گنجائش ہے وہ سعدی کے بارے میں بیشتر مورخوں کی تقلید کرتے ہوئے یہ کہنا ہے کہ اس نے اپنا نام اتا بک ابوبکر کے خاندان سے اخذ کیا تھا اور ایسی وضاحت پیش کرنا ہے کہ:

جن ایام میں سعدی گلستان و بوستان کی تصنیف میں مشغول تھا اس کی عمر پچاس سال یا شاید اس سے بھی کچھ زیادہ تھی (۱۷) اور یہ کہ اس سے پہلے اس نے شیخ ابو الفرج بن جوزی سے کسب فیض کیا تھا جو بغداد کے محتسب ہونے کے علاوہ دینی معاملات میں نہایت سخت گیر اور حد درجہ

Marfat.com

متقی تھے ... اور یہ کہ سعدی کے استاد ابو الفرج بن جوزی صوفیاء کو فریب خوردۂ دیو و شیطان سمجھتے تھے وغیرہ ... (۱۸) لیکن یہ سب غلط ہے کیونکہ :

پہلی بات تو یہ ہے کہ اتابک خاندان میں سعد نامی دو شخص تھے۔ ایک اتابک ابوبکر کا باپ ' جس کی وفات کے بعد سعدی نے اپنی شاعرانہ زندگی کا آغاز کیا اور اس کا ذکر گذرے ہوئے لوگوں کی طرح کرتا ہے لیکن اس کے کلام میں اس کا نہ تو کوئی ذکر ہے ' نہ اس سے متعلق کوئی نصیحت اور کسی قسم کے تعریفی کلمات ہیں۔ لہذا اس سے تخلص اخذ کرنا ناممکن سی بات ہے۔ دوسرا شخص متذکرہ سعد کا پوتا اور اتابک ابوبکر کا بیٹا تھا جس کی ولیعہدی سے قبل اور جس کے دور حکومت سے بہت پہلے سعدی نہ صرف اس نسبت و نام سے پکارا جاتا تھا بلکہ پہچانا بھی جاتا تھا۔ اس بنا پر سعدی کے نام سے اس کی شہرت کی توجیہ کسی اور طرح ہونی چاہیے۔ عقلی اعتبار سے یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اس کا تعلق قبیلہ بنی سعد سے تھا جس کا شجرۂ نسب سعد غیور سے ملتا ہے۔ وہی سعد بن عبادہ خزرجی انصاری جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مشہور و برگزیدہ صحابی تھے اور جن کی اولاد میں سے کچھ نے پہلی چند صدیوں میں فارس کی جانب ہجرت کی اور وہیں سکونت اختیار کی۔ سعدی نے اپنی غزل میں غلامان بنی سعد کا خوان یغما پر ٹوٹ پڑنے کی طرف جو اشارہ کیا ہے (۱۹) اس کا ذکر تاریخ و ادب میں پہلے کبھی نہیں ہوا۔ البتہ اس بات سے صوبہ فارس میں اس نام کے ایک ایسے قبیلے کی نشاندہی ہوتی ہے جس کا کوئی ایک فرد سعدی کی ولادت سے سو سال پہلے شیراز سے شام گیا اور وہیں آباد ہو گیا اور اس طرح دمشق میں شیرازی الاصل ایک سعدی قبیلہ وجود پذیر ہوا۔ چھٹی ،ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں اس خاندان کے کچھ لوگوں کا شمار شام کے مشہور

Marfat.com

علماء میں ہوتا تھا اور ان کا حسب و نسب کچھ اس طرح تھا : سعدی عبادی خزرجی انصاری شیرازی الاصل ۔

اس کے علاوہ خود سعدی اپنے قبیلے کا شمار علمائے دین میں کرتا ہے (۲۰) اور ایک غزل میں اس نے اپنی اور سعد غیور کی غیرت کا موازنہ بھی کیا ہے(۲۱) ان دونوں باتوں سے بھی اس کی نسبت سعد بن عبادہ سے ظاہر ہوتی ہے۔★

سعدی کے بارے میں دوسری بات یہ تھی کہ بوستان و گلستان کی تصنیف و تالیف کے وقت اس کی عمر پچاس برس سے کچھ زیادہ تھی ... یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس نقطۂ نظر، (اگرچہ گلستان کے ایک شعر اور بوستان کے بھی ایک شعر سے اسے استناد کیا گیا ہے) (۲۳)' کی درستگی اس بات کی متقاضی ہے کہ سعدی کی ولادت ۶۰۶ھ کے قریب قریب ہوئی ہو (۲۴) لیکن متعدد قرائن سے اس امر کی نفی ہوتی ہے ۔

۱۔ بوستان کے اس شعر سے استناد کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ سعدی کی

★ استاد محیط طباطبائی کے مقالہ سے مأخوذ : ایک اور مضبوط دلیل جو بنی سعد بن عبادہ خزرجی انصاری سے سعدی کے انتساب کی تائید کرتی ہے اور مذکورہ مقالہ میں اس کا ذکر نہیں تھا (شاید کسی اور جگہ اس کا ذکر ہو لیکن میری نظر سے نہیں گذرا) خطۂ فارس میں ان بزرگوں کا وجود تھا جو " سعدی " کے عنوان سے شہرت رکھتے تھے ۔ ان میں سے نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی ہجری کے مشہور صوفی و عارف قطب الدین بن عبداللہ محیی الدین بن محمود انصاری خزرجی سعدی شیرازی ہیں جو قطب محیی کے نام سے مشہور تھے اور انکی خانقاہ جہرم سے تین میل کے فاصلے پر تھی اور اخوان آباد کے نام سے موسوم تھی ۔ ان کے بہت سے مرید تھے ۔ ان کی تالیفات میں سے کچھ شعر اور بہت سے خطوط دستیاب ہیں جن کا مجموعہ شائع بھی کیا جا چکا ہے ۔ (۲۲)

Marfat.com

پیدائش ۵۸۵ھ میں ہوئی :

بیا ای کہ عمرت بہ هفتاد رفت　　مگر خفتہ بودی کہ برباد رفت (د ۲)

ترجمہ :- اے کہ تیری عمر ستر برس ہو چکی ہے تو شاید سو گیا تھا کہ ساری عمر برباد گذر گئی ۔

۲　بوستان کی ایک حکایت کے مطابق اصفہان پر غیاث الدین تتر خوارزم شاہ کے حملے سے پہلے بھی سعدی ایک بار اصفہان گیا تھا اور اس دوران اس نے وہاں اصفہان کے ایک جنگجو پہلوان سے دوستانہ روابط بھی استوار کئے تھے :

گرفتی کمر بند جنگ آزمای　　و گر کوہ بودی بکندی زجای...

مرا یکدم از دست نگذاشتی　　کہ با راست طبعان سری داشتی (۲۶)

ترجمہ :- وہ جنگجو کمر سے پکڑ لیتا اور اگر پہاڑ بھی ہوتا تو اسے اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکتا ۔ میری رفاقت کو لمحہ بھر کے لئے بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا کیونکہ اس کی نیک طینت لوگوں سے راہ و رسم تھی ۔

اس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ تتر نے اصفہان پر ۶۲۱ھ میں حملہ کیا اگر سعدی کی ولادت ۶۰۶ھ میں ہوئی ہوتی تو اس شہر پر تتر کے حملے سے پہلے شاید اس سے کئی سال پہلے' اس کی ایسی عمر نہیں تھی کہ وہ اس قسم کی خصوصیات کے مالک پہلوان سے دوستی کرتا اور اس کی نیک طبعی اس کو گرویدہ بنا لیتی ۔ دوسری طرف ہم جانتے ہیں کہ اتابک ابوبکر کے باپ پر جب تتر شاہ نے حملہ کیا تو اس وقت اتابک شیراز میں قید تھا ۔ وہ اسی جنگ کے نتیجہ میں رہا ہو کر تخت اتابکی پر رونق افروز ہوا اور جس سال بوستان اس کے نام سے تصنیف ہوئی اس وقت تک فارس سے اصفہان تک کا علاقہ اسکے زیر نگین تھا ۔ شیراز میں اس کا دربار ہمیشہ ان دو علاقوں سے تعلق رکھنے والے علما و ادباء سے آراستہ تھا ۔ ان حالات میں اگر بوستان کی تصنیف کے وقت سعدی کی عمر پچاس برس سے زیادہ نہ ہوتی تو کیا لوگ اس پر نکتہ چینی نہ کرتے کہ اصفہان

Marfat.com

پر تتر کے حملے کے وقت تمہاری عمر پندرہ سال سے زیادہ نہیں تھی ، پھر تم کس طرح دعوی کرتے ہو کہ مذکورہ واقعہ سے پہلے تمہاری ایک اصفہانی پہلوان اور جنگجو سے اس حد تک دوستی اور رفاقت تھی ؟ اس سے قطع نظر کہ یہ قبیح جھوٹ ہے نہا اس قسم کے اعتراض کے امکان کے پیش نظر خود سعدی کو یہ خیال نہ آتا کہ وہ اس قسم کے دعووں سے پرہیز کرے ؟ ★

تیسری یہ بات کہ ابوالفرج ابن جوزی سعدی کے استاد تھے ۔ اس سلسلے میں یہ امر توجہ طلب ہے کہ سعدی کے زمانے میں اس کنیت کا اطلاق کم از کم تین اشخاص پر ہوتا تھا :

۱۔ ابولفرج عبدالرحمان بن جوزی ، حنبلی مکتب فکر کے محدث اور خطیب جو صوفیا کے مخالف تھے اور انھوں نے اپنے عقاید کے مطابق صوفیا اور دیگر غیر اسلامی مذاہب کی تردید میں "تلبیس ابلیس" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی(۲۷) ۵۹۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔ قاعدے کے اعتبار سے وہ سعدی کے استاد نہیں ہوسکتے ۔ کیونکہ اگر سعدی کو ان کا شاگرد قبول کر لیا جائے تو کچھ لوگوں کے اس قول کو بھی ماننا ہوگا کہ سعدی کی پیدائش ۵۷۰ھ میں ہوئی جب کہ سعدی نے ۶۹۰ھ میں وفات پائی ۔ لہذا اس امر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس نے کم از کم ۱۲۰ برس عمر پائی جو ایک امر محال ہے اور ۵۸۵ھ میں سعدی کی پیدائش کے سلسلے میں جو متعدد مضبوط دلائل موجود ہیں ان کے

★ دوبارہ استاد محیط طباطبائی کے مقالہ سے ماخوذ کیا گیا ۔ میں یہاں اس بات کا اضافہ کروں گا کہ اگر ۶۰۶ھ میں سعدی کی پیدائش ہوئی ہو تو پھر "با کاروان حلہ" کا مؤلف سعدی کو کس طرح ابن جوزی جو صوفیاء سے اختلاف رکھتا تھا، کے ارشاد یافتہ اشخاص میں شمار کرتا ہے۔ کیا یہ ابن جوزی ۵۹۷ھ میں وفات نہیں پا گیا تھا ؟ یہ بھی ایک غلطی ہے اور مذکورہ ابن جوزی ، سعدی کے استاد نہیں تھے ۔

Marfat.com

بھی منافی ہے ۔

۲۔ ابوالفرج جمال الدین بن عبدالرحمان مذکورہ بالا ابن جوزی کے پوتے جو خلیفہ مستعصم کے زمانے میں بغداد کے محتسب تھے اور درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ۔ وہ ۶۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵۵ھ میں بغداد پر منگولوں کے حملے کے دوران قتل کر دئے گئے ۔ یہ بھی سعدی کے استاد نہیں ہو سکتے۔ انکی شاگردی کےلئے ضروری تھا کہ سعدی کی ولادت ۶۱۵ھ کے لگ بھگ ہوتی تا کہ ۶۴۵ھ میں وہ تیس سالہ مرد ہوتا اور اس چالیس سالہ محتسب ابوالفرج کی مجالس و وعظ میں شرکت کی اہلیت رکھتا اور ان کے پند و نصائح سے کما حقہ بہرہور ہوتا اور یہ امر ان متعدد مضبوط دلائل کے بھی منافی ہے جن کی رو سے سعدی کی ولادت ۵۸۵ھ کے قریب ثابت کی جاتی ہے اس کے علاوہ یہ امر اس کی زندگی کے حالات و واقعات اور ان کے گلستان و بوستان کی منثور و منظوم تحریروں سے ربط و تعلق میں بے پناہ اختلال و اضطراب کا باعث بنتا ہے اور تاریخی حقائق اور اس کی زندگی سے مربوط مسلمہ واقعات (مثلاً ۶۲۶ھ سے پہلے بیت المقدس کا سفر ' ۶۴۲ھ میں دمشق میں رونما ہونے والے قحط میں اس کی موجودگی اور ۶۰۳ھ میں اپنے زمانے کے مشہور مبلغ بابا اسحاق کے دیدار کے لئے بلاد روم کے دور افتادہ علاقوں کے سفر) سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا ۔ علاوہ ازیں ۶۱۵ھ کے قریب سعدی کی ولادت اس امر کی متقاضی ہے کہ بوستان و گلستان کی تصنیف و تالیف کے وقت اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہو اور یہ قابل قبول نہیں ہے ۔ پھر سعدی کی اس عبارت سے " کہ مجھے شیخ کی نصیحت یاد آئی " اچانک لفظ " ناصح " کا ضمنی مفہوم اور اس کا تبلیغی پہلو ذہن میں آتا ہے جو محتسب کے مفہوم سے چنداں مطابقت نہیں رکھتا ۔ " ناصح " پند و نصیحت کرتا ہے حالانکہ محتسب کا کام احتساب و نہی ہے ۔

Marfat.com

۳- الناصح ابوالفرج عبدالرحمان بن لجم الدین عبدالوهاب بن شیخ ابو الفرج الجوزی السعدی الشیرازی الاصل المعروف بابن الحنبلی - اس شخص کا شجرۂ نسب قبیلہ بنی سعد کے ان اشخاص سے ملتا ہے جن کے بارے میں ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ وہ شیراز سے ہجرت کر کے دمشق چلے گئے تھے - وہ دمشق میں پیدا ہوئے - شام اور شام سے باہر تحصیل علم میں مصروف رہے - کچھ عرصہ وہ اربل میں مقیم رہے - ۶۲۰ھ میں دمشق میں رہنے والے حنبلی مکتب فکر کے لوگوں کی مذہبی امور میں راہنمائی کے لئے عراق سے شام تشریف لائے - ۶۳۴ھ تک وہ حیات تھے اور ہمیشہ رشد و ہدایت اور دیگر دینی خدمات سرانجام دینے میں مصروف رہے - ان کی اربل سے دمشق واپسی کا زمانہ تقریباً وہی زمانہ تھا جب سعدی ایک طویل سیر و سیاحت کے بعد بغداد آیا تھا اور عازم شام تھا - بعید نہیں کہ اسی زمانے میں جب ابوالفرج ابن جوزی ناصح دوبارہ دمشق آئے اور لوگوں کی رشد و ہدایت اور وعظ و تعلیم کے کام میں مصروف تھے ، سعدی بھی بغداد سے دمشق آیا ہو اور وہاں اپنے قدیم ہم‌وطن رشتہ دار سے ملا ہو اور اس نے دوران تدریس اس کو ترک سماع کی تلقین کی ہو (۲۸)

"حافظ با کاروان حلہ"

ج- "با کاروان حلہ" میں قابل غور ایک اور بات حافظ کی زندگی اورشاعری کے بارے میں اس قسم کے تبصرے اور تجزئے ہیں کہ :

وہ نہ کسی سلسلۂ صوفیا میں شامل ہوا اور نہ ہی صوفیا کے ساتھ اس کے مراسم اچھے تھے - حتی کہ اس زمانے کا مشہور و معروف صوفی نعمت‌اللہ بھی اس کی تنقید کا نشانہ بنا ... وہ نہ ملامتی تھا اور نہ اویسی - حتی کہ وہ صوفیا کی شطحیات سے بھی بیزار تھا ... وہ نہ تو خانقاہ نشین تھا اور نہ ہی

Marfat.com

اہل ریاضت ۔ وہ اہل ذوق کی صحبت سے محظوظ ہوتا اور عشق و شراب سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ۔ (۲۹) شاہ شجاع اور اس کے عزیز و اقارب میں جو مسلسل کشا کش چلتی رہتی تھی ، حافظ ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر عشق و شراب کی طرف راغب ہو گیا اور ہر روز بیش از پیش اس میں غرق ہوتا چلا گیا ۔ ایک دفعہ بادشاہ کے جذبہ رشک و ناگواری کے باعث وہ اس تہمت پر عوام کے غیض و غضب کا شکار ہوا کہ اس نے قیامت کے بارے میں شک کیا ہے (۳۰) اور اسکا عقیدہ ہے کہ تقدیر کے سامنے انسان کیلئے تسلیم و رضا کے سوا کوئی چارہ نہیں اور ... (۳۱)

ان باتوں کا تنقیدی جایزہ لینے سے پہلے یہاں چند نکات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا :

۱۔ حافظ نے اپنے کچھ اشعار میں بعض صوفیا و مشائخ کی تعریف و توصیف کی ہے اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے مثال کے طور پر :

۔ شیخ امین الدین محمد بلیانی کازرونی جو آٹھویں صدی ہجری کے عظیم عرفا اور مشائخ میں شمار ہوتے تھے ۔ حافظ نے اپنے ایک قطعہ میں بعض دوسرے علما اور اکابرین کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے :۔

بہ عہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق

بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد

ترجمہ : شیخ ابواسحاق بادشاہ کی سلطنت کے زمانے میں ملک فارس پانچ عجیب شخصیتوں کی وجہ سے آباد تھا ۔

اولاً ...

دگر بقیۂ ابدال شیخ امین‌الدین

کہ یمن ہمت او کارهای سر بستہ گشاد

ترجمہ : دوسرے ابدال کے بقیہ شیخ امین‌الدین جس کی توجہ کی برکت

Marfat.com

سے اٹکے ہوئے کام کھلے

دگر مربی اسلام شیخ مجدالدین ★ کہ قاضیی بہ از او آسمان ندارد یاد

ترجمہ :- تیسرے اسلام کے مربی شیخ مجدالدین کہ ان سے بہتر کوئی قاضی آسمان کو یاد نہیں ہے۔

نظیر خویش بنگذاشتند و بگذشتند

خدای عز و جل جملہ را بیامرز زاد ★★

ترجمہ :- انہوں نے اپنی مثال نہ چھوڑی اور چلے گئے۔ اللہ تعالی سب کی بخشش کرے۔

- مولانا بہاءالدین عبدالصمد بحر آبادی (شیخ سعیدالدین محمد حموی کے اخلاف) اور حافظ کے معاصر علماء میں سے تھے۔ خواجہ حافظ نے شائد ان کی مجلس درس سے کسب فیض بھی کیا۔ وہ اشارتاً ان کے بارے میں کہتا ہے :

شد لشکر غم بی عدد از بخت می خواہم مدد

تا فخر دین عبدالصمد باشد کہ غم خواری کند(۳۲)

ترجمہ :- غم کا لشکر ان گنت ہوگیا ہے۔ میں نصیبہ کی مدد چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ دین کا فخر عبدالصمد غمخواری کرے۔

- سید کمال‌الدین ابوالوفا آٹھویں صدی ہجری کے خانقاہ نشین صوفیاء

★ آٹھویں صدی ہجری کے فقہا اور علما میں سے تھے۔ چالیس سال تک شیراز کے قاضی‌القضات رہے۔ فقہ اور اسلامی علوم میں انہوں نے کتابیں لکھی ہیں۔

★★ جیسا کہ ظاہر ہے حافظ نے یہ اشعار ان افراد کی موت اور اقتدار سے علیحدگی کے بعد کہے اس لئے اس تعریف میں کسی قسم کے منافع کا حصول یا نقصان کے خوف کا شائبہ نہیں اور یہ بات اس امر کی اہمیت میں اور اضافہ کرتی ہے۔

Marfat.com

اور پاک طینت مشائخ میں سے تھے ۔ خواجہ حافظ ان کی مدح میں کہتا ہے :

وفا از خواجگان شہر با من کمال دولت و دین بوالوفا کرد (۳۳)

ترجمہ :۔ شہر کے سرداروں میں سے میرے ساتھ وفا ۔ دین و دولت کے کمال ابوالوفا نے کی ۔

۲۔ حافظ کے بعض اشعار میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو صوفی کہتا ہے :۔

صوفی صومعۂ عالم قدسم لیکن حالیا دیر مغان است حوالتگاہم (۳۴)

ترجمہ :۔ میں عالم قدس کے عبادت خانے کا صوفی ہوں لیکن فی الحال دیر مغان میری تفریح گاہ ہے

اور اپنے اشعار کی "صوفیانہ" اشعار کے عنوان سے تعریف و توصیف کرتا ہے :

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازت است ای نور دیدہ صلح بہ از جنگ وداوری (۳۵)

ترجمہ :۔ میں ایک صوفیانہ بات کہتا ہوں اجازت ہے ؟ اے نور چشم صلح لڑائی اور ثالثی سے بہتر ہے ۔

اور ریاضت کی ستایش میں کہتا ہے :

دلا ز نور ریاضت گر آگہی یابی چون شمع خندہ زنان ترک سر توانی کرد (۳۶)

ترجمہ : اے دل اگر تو ریاضت کے نور سے باخبر ہو جائے گا تو شمع کی طرح ہنستے ہوئے ، سر سے دست بردار ہوسکے گا .

اور پیر طریقت کی زبانی کہتا ہے :

نصیحتی کنمت یاد گیرو در عمل آر کہ این حدیث زپیر طریقتم یاد است (۳۷)

ترجمہ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں ۔ یاد کرلے اور عمل کر ۔ اس لئے کہ یہ بات مجھے پیر طریقت کی یاد ہے

وہ روحانی سیر و سلوک اور گوشۂ خانقاہ کو اپنے لئے سب کچھ

Marfat.com

سمجھتا ہے :

دلا رفیق سفر بخت نیکخواهت بس　　نسیم روضۂ شیراز پیک راحت بس
دگر زمنزل جانان سفر مکن درویش　　کہ سیر معنوی و کنج خانقاهت بس(۳۸)

ترجمہ :- اے دل تیرے سفر کا ساتھی تیرا نیک خواہ نصیبہ کافی ہے۔ شیراز کے باغ کی نسیم تیرے لئے راستہ کا قاصد کافی ہے ۔

اے درویش ! محبوب کی منزل سے سفر نہ کرنا۔ تیرے لئے روحانی سیر اور خانقاہ کا گوشہ کافی ہے ۔

وہ اپنی خرقہ پوشی کی طرف اشارہ کرتا ہے :

شرمم از خرقۂ آلودۂ خود می آید　　کہ برو پارہ بہ صد شعبدہ پیراستہام(۳۹)

ترجمہ : مجھے اپنی ناپاک گدڑی سے شرم آتی ہے جس کے ہر ٹکڑے کو میں نے سو شعبدوں سے آراستہ کیا ہے ۔

صوفیان و استدند از گروسی همه رخت　　دلق ما بود کہ در خانۂ خمار بماند
خرقہ پوشان دگر مست گذشتند و گذشت　　قصۂ ما است کہ در هر سر بازار بماند
داشتم دلقی و صد عیب مرامی پوشید　　خرقہ رهن مي ومطرب شد و زنار بماند(۴۰)

ترجمہ :- صوفیوں نے تمام سامان ، شراب کی گروی سے چھڑا لیا ۔ ہماری گدڑی ہے کہ شراب فروش کے گھر میں پڑی رہ گئی ۔

گدڑی پہننے والے مست گذرے اور ختم ہوا ۔ ہمارا قصہ ہے کہ ہر بازار میں موجود رہ گیا

میرے پاس ایک گدڑی تھی اور میرے سو عیب چھپاتی تھی ۔ گدڑی شراب اور مطرب میں گروی ہو گئی اور زنار رہ گیا ۔

ازین مزوجہ و خرقہ نیک در تنگم　　بہ یک کرشمۂ صوفی کشم قلندر کن(۴۱)

ترجمہ : اس کلاہ و گدڑی سے میں بہت تنگ ہوں مجھ کو ایک صوفی کش ادا سے قلندر بنادے ۔

Marfat.com

خرقہ پوشی من از غایت دینداری نیست

پردہ ای برسر صد عیب نہان می پوشم (۴۲)

ترجمہ :۔ میری خرقہ پوشی انتہائی دینداری کی وجہ سے نہیں ہے سو چھپے عیبوں پر ایک پردہ ڈالتا ہوں ۔

حافظ این خرقہ بینداز مگر جان ببری

کاتش از خرمن سالوس و کرامت برخاست (۴۳)

ترجمہ :۔ حافظ یہ گدڑی اتار پھینک ، شاید جان بچا لے ۔ اس لئے کہ مکر اور کرامت کے خرمن سے آگ بھڑک اٹھی ہے ۔

حافظ این خرقہ کہ داری تو ببینی فردا کہ چہ زنار زیرش بہ جفا بگشایند (۴۴)

ترجمہ : اے حافظ ! توکل اپنی اس گدڑی کو دیکھے گا کہ کتنے زنار اس کے نیچے سے زبردستی کھولیں گے ۔

آتش زھد و ریا خرمن دین خواھد سوخت

حافظ این خرقۂ پشمینہ بینداز و برو (۴۵)

ترجمہ : زھد اور ریا کی آگ دین کا کھلیان جلا دے گی ۔ اے حافظ ! اس ادنی گدڑی کو پھینک اور چل دے ۔

در ھمہ دیر مغان نیست چون من شیدائی

خرقہ جائی گرو بادہ و دفتر جائی (۴۶)

ترجمہ :۔ کسی دیر مغاں میں مجھ جیسا شیدائی نہیں ہے ۔ گدڑی ایک جگہ شراب میں رہن ہے کتاب دوسری جگہ ۔

این خرقہ کہ من دارم در رھن شراب اولی

وین دفتر بی معنی غرق می ناب اولی (۴۷)

ترجمہ :۔ یہ گدڑی جو میں پہنے ہوئے ہوں ، اس کا شراب میں رہن ہونا بہتر ہے اور اس بے معنی دفتر کا خالص شراب میں ڈوبنا بہتر ہے ۔

Marfat.com

حافظ این خرقۂ پشمینہ بینداز کہ ما

از پی قافلہ با آتش و آہ آمدہ ایم (۴۸)

ترجمہ :- اے حافظ ! اس ادنی گدڑی کو پھونک دے ، اس لئے کہ ہم قافلے کے پیچھے پیچھے ، آگ اور آہ لیکر آئے ہیں -

خـرقـۂ زہد مرا آب خرابات ببرد

خانۂ عقل مرا آتش خمخانہ بسوخت

ما حرا کم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم

خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت(۴۹)

ترجمہ :- میرے زہد کی گدڑی کو شراب خانہ کا پانی بہا لے گیا ۔میری عقل کو شراب خانہ کی آگ نے جلا دیا -

گفتگو کم کر اور واپس آجا ۔ اس لئے کہ میری آنکھوں کی پتلی نے خرقہ سر سے اتار دیا ہے اور شکرانہ میں جلا دیا ہے -

مدام خرقۂ حافظ بہ بادہ در گرواست   مگر ز خاک خرابات بود طینت او(۵۰)

ترجمہ : حافظ کی گدڑی ، ہمیشہ شراب میں گروی ہے شاید شرابخانہ کی خاک سے اس کا خمیر اٹھایا گیا ہو -

خرقۂ زہد و جام می گرچہ نہ در خور ہم اند

این ہمہ نقش می زنم از جہت رضای تو (۵۱)

ترجمہ :- اگرچہ خرقہ زہد وجام شراب کی آپس میں کوئی مناسبت نہیں لیکن تیری رضا کی طلب میں ، میں یہ سب نقشے بنا رہا ہوں -

۳- حافظ کے ہم عصر صوفیاء و مشائخ نے خواجہ اور اس کی تالیفات کا ذکر بڑے ادب سے کیا ہے اور بعض نے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں اسے اہل سلوک میں شمار کیا ہے ۔ اسی طرح اس کے زمانے کی دوسری تفصیلات بھی جو دستیاب ہیں سب کی سب روحانیت اور عرفان میں اس کے بلند مقام اور

Marfat.com

اہل طریقت کے ساتھ اس کی عقیدت پر شاہد ہیں :

سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے بزرگ صوفیا میں سے ہیں ۔ وہ خواجہ کی وفات تک زندہ تھے ۔ انہوں نے خواجہ کے بارے میں دوسروں سے جو کچھ سنا اور خواجہ سے اپنی ملاقات کے دوران جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل خود انکی اپنی زبانی سنئے (۵۲) :

جب ہم شیراز پہنچے وہاں کے اکابرین سے ملاقات کا موقع ملا ۔ خواجہ حافظ سے بھی ملاقات ہوئی ۔ ان سے ملاقات سے پہلے ان کا یہ شعر میری نظر سے گذر چکا تھا :

حافظ از معتقد انست گرامی دارش

زانکہ بخشایش بس روح مکرم با اوست (۵۳)

ترجمہ :- حافظ، معتقدوں میں سے ہے، اس کو معزز سمجھ ۔ اسلئے کہ مکرم روح کی اس پر بہت بخشش ہے ۔

اس طرح ہمیں معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اویسی ہے ۔ جب ملاقات ہوئی تو ہماری آپس میں بڑی محرمانہ باتیں ہوئیں ۔ ایک عرصہ تک شیراز میں اکٹھے رہے اور اس کے مشرب کو بہت عمدہ پایا ... اس کے اشعار سے بہت زیادہ معرفت جھلکتی ہے اور حقیقت کی گتھیاں سلجھتی ہیں ۔ اکابرین عصر نے اس کے اشعار کو لسان الغیب کہا ہے ★ بلکہ ایک بزرگ نے اس ضمن میں کہا ہے کہ حافظ کے دیوان سے بہتر کوئی دیوان نہیں لیکن اس کی پہچان صرف صوفی کو ہے ۔ خواجۂ شیرازی درگاہ عالیہ کے مجذوبوں اور بارگاہ الہیہ کے محبوبوں میں سے

★ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حافظ کو اس کی زندگی ہی میں لسان الغیب کے لقب سے پہچانا جاتا تھا۔ لوگ اس کے کلام کو زبان غیب سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دیوان میں موجود یہ اشعار اس نے ایک بشر کی حیثیت سے نہیں کہے بلکہ غیب کی طرف سے اس کی زبان پر جاری ہوئے ہیں ۔

Marfat.com

ہیں ۔ فقیر کے ساتھ اسے عقیدت تھی ۔ ایک عرصہ تک ہماری ملاقاتیں رہیں ۔ اس کی باتوں میں معنویت کی ایسی بلندی تھی جو کسی ایسے شخص سے ممکن نہیں جو صوفیاء کے گروہ سے تعلق نہ رکھتا ہو ۔

میر سید علی ہمدانی کا آٹھویں صدی ہجری کے عظیم مشائخ اور عرفاء میں شمار ہوتا ہے ۔ وہ صوفیاء کے ہمدانی سلسلے کے بانی اور اسلام کے معروف علما اور مبلغین میں سے ہیں ۔ آپ حافظ کی تمام زندگی میں (ما سوائے پانچ سے آٹھ سال کے) بقید حیات تھے ۔ (۵۴) انہوں نے حافظ کے بارے میں دوسروں سے بھی سنا اور اس کے علاوہ خود بھی ملے ★ اسی تعلق کی بنا پر جو انہیں خواجۂ شیراز سے تھا ، انہوں نے اس کے دیوان کی اصطلاحات کے لئے پہلا فرہنگ نامہ تدوین کیا اور اس کے بعض اشعار کی عارفانہ نقطہ نظر سے شرح بھی لکھی ۔ ہر چند حافظ کے بارے میں ان کے کام کا ماحاصل ایک مختصر رسالے سے زیادہ کچھ نہیں (۵۵) لیکن یہ مختصر رسالہ بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ تقدم کے علاوہ اس سے خواجہ حافظ کے مقام اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے جو اسے اپنے زمانے کے مشائخ اور عرفا میں حاصل تھی ۔ سید ہمدانی جیسی مشہور اور اہم شخصیت کا جو حافظ سے عمر میں بھی بڑے تھے ، اپنی تمام تعلیمی ، دینی اور سماجی مصروفیات کے باوجود ، حافظ کی زندگی ہی میں اس کے دیوان کی تدوین سے پہلے اس کے اشعار کی تفہیم کے لئے اس رسالے کو سپرد قلم کرنا حافظ کی عظمت کا آئینہ دار ہے ۔

متذکرہ رسالے میں جہاں حافظ کے کلام کو لسان الغیب کے نام موسوم کیا گیا ہے★★ اس سے نہ صرف حافظ پر عرفانی روح کے غلبہ اور

★ مذکورہ بالا سید محمد اشرف کے ہمراہ ۔ ملاحظہ ہو : (۵۲)

★★ صفحۂ ماقبل کی پاورقی کے مندرجات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے استاد زرین کوب کی تحریر ملاحظہ ہو : عوام الناس کے افسانہ طرازی کے ذوق نے حافظ کو اس کی موت کے بعد لسان الغیب بنا دیا (از کوچۂ رندان ، ص ۱۸۷)

Marfat.com

حاکمیت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ بڑی صراحت سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ:
" خواجہ کے تین مرشد تھے ۔ حضرت شیخ الاسلام احمد جام (۵٦) دوسرے حاجی قوام الدین (۵۷) اور تیسرے شیخ شہاب الدین (۵۸)

سید قاسم انوار آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے بزرگ صوفیا میں سے ہیں ۔ آپ ولایت ، قطبیت اور ارشاد کی مسند پر فائز تھے ۔ حتی کہ لوگ انہیں صاحب کرامات سمجھتے تھے (۵۹) آپ حافظ کی زندگی میں تقریباً چالیس سال تک زندہ رہے (٦٠) آپ خواجہ کے اشعار کے بڑے مداح تھے چنانچہ لکھتے ہیں : انہیں حافظ سے عقیدت تھی ★ اور دیوان حافظ ان کے حضور ہمیشہ پڑھا جاتا اور وہ اکثر اس کے دیوان کا مطالعہ کرتے (٦١) وہ خود بھی کبھی کبھار حافظ کی زمین میں غزل کہتے ۔ حتی کہ بعض نے ان کے اشعار کو حافظ کے اشعار سے تشبیہ دیا ہے ۔ البتہ یہ بات چنداں درست نہیں (٦٢) لیکن پھر بھی ان کے اسلوب کے بعض پہلو' حافظ کے اشعار کی یاد دلاتے ہیں (٦٣) اور ان میں سے بعض کا مضمون بھی ایک جیسا ہے (٦٤)

میر سید شریف جرجانی کا جن کی مجلس درس میں حافظ بھی شریک ہوتا تھا (٦٥) بڑے بڑے علماء اور متکلمین میں شمار ہوتا ہے ۔ انہوں نے دینی علوم ، ادبیات اور حکمت و عرفان' کلام' اصول حدیث ، تفسیر اور فقہ و اصول پر متعدد کتابیں تالیف کیں (٦٦) اور طریقت میں بھی بقول جامی

★ استاد زرین کوب خود اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حافظ کے اشعار کے گرویدہ مشائخ میں قاسم انوار کا نام بھی لیا جا سکتا ہے جیسا کہ دولتشاہ کہتا ہے : دیوان حافظ ان کے حضور ہمیشہ پڑھا جاتا تھا (جستجو در تصوف ایران' صفحہ ۲۳۱) لیکن اسی جگہ حافظ کے اشعار سے بعض صوفیہ اور مشائخ کی عقیدت اور لگاؤ کو بعد کے ادوار کا واقعہ سمجھتے ہیں ۔

Marfat.com

وہ خواجہ علاءالدین عطار کے اصحاب اور حلقہ بگوشوں میں تھے جن کا شمار تصوف کے معروف مشائخ میں ہوتا تھا (۶۷) ' آپ کی مجلس درس میں جب کبھی اشعار پڑھے جاتے آپ کہتے کہ ان لغویات کی بجائے فلسفہ و حکمت کی باتوں کرو لیکن جب خواجہ حافظ آ جاتے تو آپ خود اس سے مخاطب ہوتے اور کہتے : کہ تم پر کونسا الہام ہوا ہے ۔ اپنی غزل سناؤ ۔ جرجانی کے شاگرد اس پر معترض ہوتے کہ آخر اس میں کیا راز ہے کہ ہمیں تو شعر پڑھنے سے منع کرتے ہیں لیکن حافظ سے اشعار کی خودخواہش کرتے ہیں ۔ استاد جواب دیتے کہ : حافظ کا کلام سراسر الہام ، حدیث قدسی ' حکمت کے لطائف اور قرآنی نکات پر مشتمل ہوتا ہے (۶۸)

حافظ کا ایک ہمدرس کہ جس نے کئی بار خواجہ کو اس کی زندگی میں اپنا دیوان تدوین کرنے کی طرف توجہ دلائی اور آخر کار اس کی وفات کے بعد اس نے اس کام کا خود بیڑا اٹھایا حافظ کو " معدن اللطائف الروحانیہ و مخزن المعارف السبحانیہ " کے لقب سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ " درس قرآن میں انہماک، تقوی و احسان کے التزام' کشاف و مفتاح کی بحث اور مطالع و مصباح★ کے مطالعہ میں مصروف رہنے کے باعث حافظ نے اپنی بکھری ہوئی غزلیات کو جمع کرنے کا اہتمام نہ کیا ۔ حالانکہ اسی مصنف کے بقول " اس کی ولولہ

★ کشاف تفسیر قرآن کے بارے میں اہم ترین کتاب ہے جسے زمخشری نے تالیف کیا۔

مفتاح العلوم، سکاکی کی علوم ادبی کے بارے میں ایک بہت مشہور کتاب ہے۔ مطالع یا تو مطالع الانظار مولفۂ شمس الدین ابوالثنا محمود اصفہانی ہے جو طوالع الانظار کی شرح ہے اور جسے قاضی بیضاوی نے توحید کے بارے میں تالیف کیا یا پھر قطب الدین رازی کی شرح مطالع ہے جو منطق کے بارے میں ہے ۔ مصباح : شاید کتاب مطرزی ہے جو صرف و نحو پر ہے ۔

Marfat.com

انگیز غزلیات کے بغیر صوفیاء کی محفل سماع میں گرمی نہیں پیدا ہوتی تھی" (۶۹) -

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس سے مجموعی طور پر اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حافظ، اس کتاب کے مولف کے عقیدہ کے برعکس، مشائخ و صوفیاء کا قدر دان تھا - اس کے علاوہ اسکی صوفیاء کے ساتھ وابستگی اور پیر طریقت، خانقاہ و صوفیانہ مضامین سے اسکی دلبستگی کی بھی تائید ہوتی ہے - اس سلسلے میں ہم نے جن چیزوں سے استناد کیا ہے وہ یا تو حافظ کے معاصرین کے بیانات ہیں جو اس کے دور کے بہت نزدیکی ماخذ سے نقل کئے گئے ہیں یا اس کے اپنے اشعار ہیں -

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے پیش نظر اس کتاب کے صفحہ ۳۳۵ پر حافظ سے جو باتیں منسوب کی گئی ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں اور خود یہ فیصلہ کریں کہ یہ باتیں کس حد تک درست ہیں :

" ... نہ وہ کسی صوفیانہ سلسلہ میں شامل ہوا اور نہ ہی صوفیاء کے ساتھ اس کے مراسم اچھے تھے ... وہ نہ ملامتی تھا اور نہ اویسی حتیٰ کہ وہ صوفیاء کی شطحیات سے بھی بیزار تھا - وہ نہ تو خانقاہ نشین تھا اور نہ ہی اہل ریاضت "-

جیسا کہ اس کتاب سے اور مؤلف کی دوسری دو کتابوں " جستجو در تصوف ایران " اور " از کوچہ رندان " سے ظاہر ہوتا ہے ان تجزیوں کے لئے مؤلف نے مندرجہ ذیل چیزوں سے استناد کیا ہے :

(۱) صوفیاء پر تنقید اور ان کے اعمال کی مذمت کے بارے میں حافظ کے اشعار (۷۰)

(۲) جامی جو حافظ سے صرف ایک چوتھائی صدی بعد پیدا ہوا خواجہ کے صوفی ہونے کے بارے میں صاف طور پر کہتا ہے :

Marfat.com

معلوم نہیں کہ اس نے کسی پیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں اور تصوف کے کسی سلسلے سے اس کا کوئی تعلق تھا یا نہیں"۔ (۱۷)

پہلی دلیل کے مطابق اگر حافظ کا کام سوائے صوفیاء کی مذمت اور ان پر تنقید کے کچھ نہ تھا تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ صوفیاء کے ساتھ حافظ کے روابط اچھے نہ تھے اور وہ ان سے نفرت کرتا تھا ، لیکن جب اس کے دیوان میں بعض صوفیاء اور مشائخ کی ستائش بھی موجود ہے★ پھر اس کے بارے میں یک طرفہ فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس صورت میں یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ حقیقی صوفیاء اور سچے تصوف کے ساتھ دلی لگاؤ اور وابستگی کے باوجود بعض نام نہاد صوفیاء سے نفرت بھی کرتا تھا جنھوں نے اپنے اعمال اور کردار سے اس مسلک کو بد نام کر دیا تھا۔ در اصل اس نے ان لوگوں کو طنز و تنقید کا نشانہ بنایا جو تصوف اور دین کے نام پر مکر ، فریب ، ریا کاری ، سطحیت ، ظاہر داری اور اس قسم کے دوسرے قبیح اعمال میں مبتلا تھے۔ وہ انہیں شریعت اور طریقت کی روح کے خلاف سمجھتا تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں حافظ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے تقریباً اسی قسم کے خیالات کا اظہار ان افراد نے بھی اپنی تصانیف میں کیا ہے جن کے صوفی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ مثلاً:

مولانا رومی جو خود ایک خاص طریقت کے بانی اور تصوف میں ایک مشہور فرقہ کے پیشوا ہیں نے کئی مواقع پر کبھی خود اپنی زبان سے اور کبھی دوسروں کے اقوال کے حوالے سے ان کثافتوں اور خرابیوں کا ذکر بڑے چبھتے

★ ڈاکٹر زرین کوب نے خود اس حقیقت کی تصدیق کی ہے کہ حافظ کے لہجے سے کبھی کبھی شیخ امین الدین بلیانی اور فخر الدین عبدالصمد جیسے معاصر مشائخ کے بارے میں عقیدت کا اظہار ہوتا ہے (جستجو در تصوف ایران صفحہ ۲۳۲)

Marfat.com

ہوئے انداز میں کیا ہے جن میں بعض صوفیاء مبتلا تھے ۔ مثلاً اس صوفی کی حکایت میں جس نے ایک خانقاہ میں پڑاؤ کیا اور صوفیاء نے اسکی اجازت کے بغیر اس کے گدھے کو بیچ دیا تا کہ ان پیسوں سے اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکیں اور خانقاہ کے نگران پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ یہ کام گدھے کے مالک کی مرضی سے کر رہے ہیں گدھا گیا ، گدھا گیا ' کی آواز لگاتے رہے حتی کہ گدھے کا مالک بھی جو اصل صورتحال سے بے خبر تھا انکی تقلید میں وہی کلمات کہنے لگا وغیرہ ... اس حکایت میں اور مثنوی کے دیگر مقامات پر نام نہاد صوفیاء کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہا گیا ہے اور کتنے چبھتے ہوئے انداز ہیں :

دیر یابد صوفی آز از روزگار زان سبب صوفی بود بسیار خوار (۷۲)

ترجمہ :۔ صوفی زمانہ سے مراد دیر سے پاتا ہے اسی لئے صوفی پرخور ہوتا ہے ۔

صوفیی گشته به پیش این لئام الخیاطه واللواطه والسلام (۷۳)

ترجمہ :۔ ان کمینوں کے لئے صوفی ہونا بن گیا ہے ، سینا اور اغلام والسلام ۔

خانقاہی کو بود بہتر مکان من ندیدم یکدمی در وی امان

ترجمہ :۔ خانقاہ جو بہتر جگہ ہے میں نے اس میں ایک لمحہ کے لئے امن نہ دیکھا۔

رو به من آرند مشتی خمر خوار چشمها پر نطفه ، کف... (۷۴)

ترجمہ :۔ شراب نوشوں کا گروہ میری طرف رخ کرتا ہے ۔ آنکھیں مستی سے بھری ہوئی اور ہاتھ ...

لاف درویشی زنی و بیخودی های و هوی مستیان ایزدی

ترجمہ :۔ تو درویشی اور بے خودی کی ڈینگیں مارتا ہے اللہ کے عاشقوں جیسی ہائے و ہو کرتا ہے۔

ای خری کاین از تو خر باور کند خویش را بهر تو کور و کر کند (۷۵)

ترجمہ :۔ اے گدھے تیری ان باتوں پر گدھا یقین کر سکتا ہے جو تیری خاطر اپنے آپ کو اندھا بہرا بنالے ۔

اسی طرح حافظ کے ہم عصر صوفی و عارف شمس مغربی ہیں جن کا

Marfat.com

سلسلۂ طریقت امام علی الرضا (ع) سے جا ملتا ہے ۔ انہوں نے بہت سے مشائخ کے محضر سے کسب فیض کیا ۔ وہ خود بھی تدریس معارف، رشد و ہدایت اور لوگوں کی دستگیری میں مصروف رہے ۔ گیلان، آذر بائیجان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ان کے بہت سے شاگرد اور مرید موجود تھے ۔ ان میں سے بعض بڑے معروف اور اصحاب الرائے تھے ۔ آپ نے نظم و نثر میں عرفان، تفسیر اور توحید پر بڑی اہم تألیفات چھوڑی ہیں ۔ نیز آپ کا شمار صاحب کرامت اور مستجاب الدعوۃ اولیاء میں ہوتا تھا(۷۶) انہوں نے بھی اسی انداز میں جو خواجہ کا مخصوص انداز ہے خانقاہ کے بندھن سے اپنی رہائی کا ذکر کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خرقہ ریاوسالوس کو پھاڑ ڈالا ہے اور سجادہ وتسبیح کو ایک طرف پھینک دیا ہے اور توبۂ ناموس کو توڑ ڈالا ہے اور زھد و ورع کے جال سے نکل آئے ہیں ۔ جگہ جگہ انہوں نے صوفیاء کے کشف و کرامات، خلوت و ریاضت، احوال و مقامات، پیر و مریدی و ارشاد و ارادت و صومعہ و زاویہ اور اوراد و اوقات پر طنز بھی کیا ہے اور انہیں دو ٹوک انداز میں آفات راہ یا محض خیالی قرار دیا ہے (۷۷)

یہی حال شمس الدین محمد لاہیجی کا ہے جو بزرگ صوفی مشائخ اور سید محمد نور بخش کے خلیفہ تھے اور ایک نہایت اہم اور مفصل عرفانی کتاب کے مؤلف ہیں ۔ استاد زرین کوب نے اس کتاب کے بعض حصے "از میراث صوفیہ" کے ذیل میں نقل بھی کئے ہیں ۔ ان کی بڑی وسیع و عریض صوفیانہ تشکیلات اور پروگرام تھے۔ انہوں نے بڑی ریاضتیں کیں اور اپنے پیر سے رشد و ہدایت کی اجازت حاصل کی۔ آپ دوسروں کو خرقہ عطا کرتے ۔ انہوں نے شیراز میں ایک عظیم خانقاہ کی بنیاد رکھی ۔ روحانی مقام کے باعث معاصرین کی نظر میں آپ کا بڑا احترام تھا ۔ مثلاً معروف فلسفی دوانی جب بھی آپ کے گھر آتا سب سے پہلے ان کے جوتوں کو بوسہ دیتا ۔ اسی طرح مولانا جامی اپنے معاصر غیر سنی مشائخ کے خلاف تمام

Marfat.com

محاذ آرائی کے باوجود ان کے مداح تھے ... (۷۸) انھوں نے بڑی کبھی کبھی صوفیاء کی بے ذوقی اور باطنی صفائی کے فقدان کی مذمت کی ہے اور خانقاہ کو "پیر میکدہ کے بتلائے ہوئے راز" سے خالی ہونے کے باعث "مدرسہ" قرار دیا ہے۔ ایک جگہ واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ : "ہم سے کشف و کرامات کی باتیں نہ پوچھیں" ۔ (۷۹)

غرض کہ صوفیاء اور مشائخ میں سے بہت کم ایسے افراد ملیں گے جنھوں نے صوفیگری اور اس کے لیے ضروری لوازمات و شرائط کی نفی نہ کی ہو یا انھیں درویشوں اور صوفیاء کے ہاتھوں تکلیف نہ پہنچی ہو اور اگر ہم ہر ایک کو صرف اس قسم کے رد عمل کے اظہار کی وجہ سے ، تصوف اور صوفیاء سے بیزار سمجھنے لگیں تو پھر کوئی بھی صوفی نہیں رہے گا ۔

اس کے علاوہ حافظ کا اپنے تین بڑے معاصر صوفیاء (شاہ نعمت اللہ ولی ، شیخ زین الدین علی کلاہ ، عماد فقیہ کرمانی) کے ساتھ اختلاف کی کوئی معتبر تاریخی دستاویز موجود نہیں ہے ۔ کیونکہ پہلے دو افراد کے بارے میں حافظ کی طعنہ زنی کی تصدیق نہ ہو سکی بلکہ بقول استاد زرین کوب اس کا صرف کسی حد تک امکان ہے اور شیخ زین الدین کے بارے میں "یہ امکان بھی زیادہ قوی نہیں" ۔ عماد فقیہ کے ساتھ اس کے اختلاف کا جہاں تک تعلق ہے اگرچہ اس کا ذکر بعض کتابوں میں ملتا ہے اس کے بارے میں خود استاد زرین کوب نے وضاحت کی ہے کہ " مسلمہ نہیں ہے اور عماد فقیہ کی بلی سے منسوب قصہ کا کوئی معتبر ماخذ نہیں ملتا اور گربۂ زاہد جس کا حافظ نے اپنی غزل میں نام لیا ہے، بظاہر جیسا کہ مشہور ہے اس کا شیخ عماد سے کوئی تعلق نہیں "(۸۰)

اب یہ کہ نفحات میں حافظ کے بارے میں لکھا ہے : معلوم نہیں کہ اس نے کسی پیر کے ہاتھ بیعت کی تھی اور سلسلہ ھای تصوف میں سے کسی کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کیا تھا یا نہیں اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ کے

Marfat.com

سلوک و تربیت کی ماہیت جامی پر واضح نہیں تھی اور یہ کوئی عجیب بات بھی نہیں ہے کیونکہ ان چند سطروں کے مجموعہ سے جو حافظ کے ذیل میں لکھی گئی ہیں صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف خواجہ کا نام اور سال وفات جانتا تھا اور اس کے علاوہ حافظ کے حالات کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں تھا (۸۱) پس اس کا قول اس بات کی دلیل نہیں کہ حافظ نے وادی سلوک میں قدم نہیں رکھا تھا اور و. اہل فقر و اصحاب طریقت سے نہیں تھا ۔ خاص طور پر جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حافظ کے معاصرین میں سے ایک عارف اسے " اویسی " اور " مجذوب " کے نام سے یاد کرتا ہے اور دوسرا ان کے نام گنواتا ہے جنھوں نے عالم ظاہر و معنی میں اس کی تربیت کی ہے اور وہ خود پیر طریقت کا قول نقل کرتا ہے اور اسکے معاصر صوفیاء میں سے بعض کی ستایش کرتا ہے اور اس کے عہد میں ہی بڑے بڑے صوفیاء کو اس کے اشعار ازبر تھے اور اس کے ساتھ ان کے بڑے مخلصانہ روابط تھے★ اور جامی بھی اعتراف کرتا ہے کہ اسکی باتیں اس گروہ (صوفیہ) کے مشرب و مسلک پر اس قدر منطبق ہوئی ہیں کہ کسی شخص کو بھی یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی " اور... (۸۱)

علاوہ ازیں اگر بفرض محال جامی کی تحریروں سے یہ نتیجہ اخذ بھی کریں کہ حافظ کسی بھی تصوف کے مروجہ سلسلہ سے منسوب نہ تھا اور سرکردہ صوفیاء میں سے کسی کے ہاتھ پر اس نے بیعت نہیں کی تھی اور خرقہ پوش نہیں تھا اور یہ کہ اس نے خانقاہ سے تربیت حاصل نہیں کی تھی تو کیا سلوک کا تنہا

★ ملاحظہ ہوں صفحہ ۳۴۶ سے ۳۵۷ تا اور ان کے مندرجات کا ان باتوں کے ساتھ موازنہ کریں : صحیح ہے کہ اگر حافظ اویسی ہو تو اسے مشائخ کے خرقہ کی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ کسی بھی قدیم ماخذ میں اسکی طریقت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا اور حتیٰ کہ بہت قدیم سے اسکی صوفیہ سے نسبت کی بھی تردید کی جاتی رہی ہے اس کے اندر ایک حقیقی صوفی کو تلاش نہیں کیا جاسکتا (از کوچۂ رندان صفحہ ۱۰۷)

Marfat.com

یہی ایک راستہ ہے ؟ کیا ایسے لوگ نہیں ہوئے جو عالم سلوک میں اعلی ترین مقامات پر فائز ہوئے، اور عمل، ریاضت اور تفکر کے ذریعے عرفان و معنویت کی بلندیوں کو چھونے کے باوجود نہ تو کسی سلسلۂ تصوف سے وابستہ تھے اور نہ انہوں نے خرقہ پہنا اور نہ خانقاہ میں گوشہ نشین ہوئے اور نہ ہی انہوں نے دوسرے ظاہری لوازمات کو اہمیت دی اور نہ ظاہری لحاظ سے دوسروں سے کسی طرح ممتاز تھے اور نہ انہیں گوارا تھا کہ مرشد اور روحانی مربی کی حیثیت سے ان کی شہرت ہو اور صرف معدودے چند افراد ہی انہیں پہچانتے تھے جو انکی صحبت و تربیت سے فیض یاب ہوتے تھے (۸۲)

یہ بات کہ " حافظ شراب سے لطف اندوز ہوتا تھا اور وہ خود فراموشی، نجات اور سکون قلب کی خاطر شراب کی طرف مائل ہو گیا تھا ۔ وہ اپنے روح فرسا تفکرات کی کشاکش میں اپنی ذات سے فرار کی راہ تلاش کرتا تھا ۔ وہ اس بارگران کو جو اس کے لئے فکر و پریشانی کا سبب تھا جھٹک کر دور پھینک دینا چاہتا تھا چنانچہ وہ ابو نواس اور خیام کی طرح اپنے بے پایاں درد و غم کو امواج شراب کی نذر کر دیتا تھا " (۸۳) ان خیالات کی کسی بھی ایسے تاریخی مآخذ سے تائید نہیں ہوتی جو حافظ کے عہد میں یا اس کے قریبی دور میں لکھے گئے بلکہ تمام مذکورہ مآخذ اسی بات کی ترجمانی کرتے ہیں کہ حافظ اپنے عہد میں اور اس کے قریبی ادوار میں روحانی ، عرفانی اور دینی مقامات پر فائز شخص کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا★ اور صرف حبیب السیر میں جو حافظ کی وفات کے ایک سو چالیس سال بعد تالیف ہوئی ، عماد فقیہ کی تحریک پر (۸۴)

★ جو پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس میں اضافہ کرتے ہیں کہ دیوان حافظ کے قدیم ترین مخطوطہ میں جو اس کے بہت ہی نزدیکی دور میں لکھا گیا ، اسے ملک القراء (قرآن کے قراء کا بادشاہ) کے نام سے یاد کیا گیا ہے (از کوچۂ رندان ، صفحہ ۱۸۰)

Marfat.com

حافظ کی زندگی میں اس کی تکفیر کی داستان ہے کہ جس سے استاد زرین کوب نے اس کتاب میں استناد کیا ہے (۸۵) اور "از کوچۂ رندان" میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "نہ اصل داستان مسلمہ ہے اور نہ ہی اس میں عماد کی مداخلت درست معلوم ہوتی ہے" (۸٦) علاوہ ازیں حبیب السیر کا مولف جس نے شائد پہلی بار مذکورہ حکایت درج کی ہے، اس کے آخر میں وضاحت کرتا ہے کہ حافظ کے معاصر عظیم صوفی مشائخ میں سے ایک نے اسکی راہنمائی کی اور اس طرح اس نے اس بڑے خطرے سے نجات پائی جو مذکورہ تکفیر کے باعث اسے در پیش تھا۔ اور یہاں جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مولانا شیخ زین الدین تایبادی کے سوا کوئی اور نہیں تھا جو ان دنوں خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے حجاز مقدس جارہے تھے۔

اب اس قصہ کے مطابق حافظ پر جب کفر گوئی کی تہمت لگائی جاتی ہے تو وہ ایک ایسی شخصیت سے مدد طلب کرتا ہے جو دین و روحانیت کے نہایت اعلی مقام پر فائز تھے' امور شریعت اور سنت رسول کے سختی سے پابند تھے اور بدعتوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے (۸۷) چنانچہ جب مدد طلب کی گئی تو وہ بھی بلا چون و چرا اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے اس تہمت سے نجات دلائی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خواجہ واقعی کسی چیز میں ملوث تھا یا راہ شریعت سے کسی طرح بھٹک گیا تھا تو وہ شیخ سے کیسے مدد طلب کر سکتا تھا اور شیخ کس طرح اس کی مدد کو آ سکتے تھے؟ اس لئے خواجہ کی تکفیر کا واقعہ، اگر اس میں کوئی حقیقت تھی بھی تو ایسے واقعات کی طرح تھا جو دوسرے بزرگان دین اور پیشوایان طریقت کو بھی پیش آئے اور بعض افراد نے یا تو بغض و عناد کے باعث یا انکی باتوں کو غلط سمجھنے کی وجہ سے ان پر کفر و فسق کے الزامات لگائے۔ در اصل ان کے اندر کفر و فسق والی کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ مثلا حافظ ہی کے زمانے میں ایک بڑے معروف صوفی علاءالدولہ سمنانی، شیخ اکبر محی الدین عربی کی تکفیر

Marfat.com

و نکتہ چینی کرتے تھے جو عرفان و حقیقت کی باریکیوں کی شناخت کرنے والا تاریخ اسلام کا عظیم ترین دانشور اور نابغۂ روزگار تھا ۔ وغیرہ (۸۸)

یہ بات بھی محتاج بیان ہے کہ استاد زرین کوب خواجہ کی شیخ سے مدد طلب کرنے اور خواجہ کی رہائی میں شیخ کی مداخلت کو قبول کرتے ہیں (۸۹) لیکن شیخ جام کے ساتھ ناپبادی کو جو شدید عقیدت تھی (۹۰) اسے مدنظر رکھے بغیر ان کا نظریہ ہے کہ حافظ (کو بالضرور شراب کے مٹکے توڑنے اور میخواروں کے ساتھ انکی چپقلش کی وجہ سے) شیخ جام سے نفرت تھی۔ اور " ذوق رندانہ پن" اور رشد و ہدایت کے مدعیوں کی دکانداری سے اظہار نفرت حافظ کو اس بات پر اکساتی ہے کہ وہ " شیخ جام " اور " شیخ خام " کے مقابل میں " جام مے " سے اظہار عقیدت کرے اور " پیر گلرنگ" سے مدعیوں کا منہ چڑائے اس کے بیان میں اس پیر گلرنگ کا اشارہ بلا شبہ شراب گلرنگ ، شراب کہنہ کی طرف ہے (۹۱) دوسرے مطالب کے لئے جن کا اپنی جگہ پر ذکر ہو چکا ہے پاورقی نمبر (۵۶) ملاحظہ ہو ۔

استاد زرین کوب نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حافظ پر اپنی زندگی میں " شاہد بازی " اور " بادہ خواری " کی تہمت لگی تھی ، اس قصہ سے بھی استفادہ کیا ہے کہ حافظ کو : ایک مفتی زادہ کے ساتھ خلوت میں پکڑ لیا گیا اور بڑی رسوائی ہوئی ... (۹۲) اس قصہ کا اصل ماخذ ممکن ہے مجالس العشاق ہو جس کی روایت کے مطابق : جب خلوت حاصل ہوئی حافظ نے شراب کا پیالہ لڑکے کے ہاتھ پر رکھا اور جب ماجرا یہاں تک پہنچا تو اعلی حضرت شاہنشاہ نے جو اس واقعہ سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے بہ نفس نفیس وہیں کسی کونے میں چھپے بیٹھے تھے ، آواز دی :

" حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش" ★ (حافظ قرا بہ (صراحی)

★ یہاں تک تو مفتی زادہ تھا اب اتنی آسانی سے مفتی کیسے بن گیا؟

Marfat.com

کش اور مفتی پیالہ نوش ہو گیا) اور حافظ نے جواب دیا : " در دور پادشاہ خطا بخش و جرم پوش " (خطا بخش ، جرم پوش ، بادشاہ کے دور میں)

پھر ایک لڑکے کا ایک آہنگر جوان پر عاشق ہو جانا اور یہ حکایت کہ حافظ ان دونوں عاشق و معشوق کے درمیان بیٹھا تھا ۔ لڑکے نے حافظ سے ایک غزل سنانے کی فرمائش کی ۔ اس نے فی البدیہہ یہ غزل کہی :

دلم ربودۂ لولی و شیست شور انگیز
دروغ وعدہ و قتال وضع و رنگ آمیز

ترجمہ :- میرا دل ایک مطربہ صفت ، شور انگیز کا اچکا ہوا ہے جو وعدہ خلاف اور قاتل وضع اور رنگ آمیز ہے ۔

فدای پیرہن چاک ماہرویان باد　　هزار جامۂ تقوی و خرقۂ پرهیز

ترجمہ :- حسینوں کے چاک لباس پر قربان ہوں تقوی کے ہزار لباس اور پرہیز کاری کی گدڑیاں ۔

فرشتہ عشق نداند کہ چیست بحث مکن　　بخواہ جام و گلابی بہ خاک آدم ریز

ترجمہ :- فرشتہ نہیں جانتا کہ عشق کیا ہے ، بحث نہ کر گلابی رنگ کے شراب کا جام لا ، آدم کی خاک پر ڈال دے ۔

غلام آن کلماتم کہ آتش انگیزد　　نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

ترجمہ :- میں ان باتوں کا عاشق ہوں جو آگ بھڑکا دیں نہ اس کا جو باتوں میں ، تیز آگ پر ٹھنڈا پانی چھڑکے ۔

مباش غرہ بہ بازوی خود کہ در غیب است　　هزار تعبیۂ حکم پادشاہ انگیز

ترجمہ :- اپنے بازوؤں پر گھمنڈ نہ کر اس لئے کہ ہر وقت غیب میں ہزاروں حکم دینے والے بادشاہ چھپے ہوئے ہیں ۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان بر خیز

Marfat.com

ترجمہ : عاشق و معشوق کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔ اے حافظ تو خود اپنے لئے پردہ ہے درمیان سے اٹھ جا ۔

اس کے بعد حافظ کی میخواری کے بارے میں توضیحات (۹۳) جو بیان کی جا چکی ہیں اس کے ذریعے نہ صرف باقی ماندہ مطالب بلکہ مجالس العشاق کی تمام روایتوں کے بودے پن کا سراغ لگایا جا سکتا ہے ۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں بیان کی گئی تمام باتیں سب کچھ ہو سکتی ہیں لیکن ان کا تاریخی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس دلیل کے پیش نظر کسی محقق کے لئے اس کے بے وقعت ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا ۔ سعید نفیسی اس کے بارے میں لکھتے ہیں : " یہ کتاب فارسی زبان کی ایک نہایت تعجب انگیز اور بے بنیاد کتاب ہے " یہ امام جعفر صادق سے لے کر آزری طوسی تک تہتر مشاہیر کے احوال پر مشتمل ہے اور مؤلف نے عجیب اہتمام کے ساتھ سب کے سب تہتر افراد کو عاشق اور اکثر کو امرد بچوں کا عاشق ٹھہرایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے مندرجات کس حد تک ڈھیلے کمزور اور غیر معتبر ہیں (۹۴) ۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے ظہیرالدین بابر کے قول کے مطابق اس کی روایتوں کو نہایت سست اور اکثر بے مزہ جھوٹ قرار دیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اس کی تاریخی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے (۹۵) اپنی اصطلاح میں استاد زرین کوب نے اس " روایت " کے بارے میں ایک خفیف اشارے پر ہی اکتفا کیا ہے نہ تو انہوں نے اس کی تفصیل دی ہے اور نہ ہی اس کے ماخذ کا ذکر کیا ہے ۔ شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ اگر وہ دونوں کام کرتا (یعنی ماخذ و داستان کی تفصیل دیتا) تو اس سے اس بات کا بے بنیاد ہونا واضح ہوجاتا اور حیرت کی بات ہے کہ استاد ایک جگہ بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ حافظ اور مفتی زادہ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے " وہ بلا شبہ افسانہ ہے " (۹۶) لیکن بعد میں اسی افسانے کو اور جو کچھ حافظ کے معاد

Marfat.com

سے انکار اور بعد کے بکھیڑوں سے متعلق لکھا گیا ، ایسے مشکوک ہونے کے باوجود دو روائتیں قرار دیتے ہیں تاکہ حافظ پر اسکی اپنی زندگی میں الحاد اور فسق و فجور کے لگنے والے الزام کا ، ان کی بنیاد پر ثبوت اور جواز پیدا کر سکیں۔ حالانکہ اگر "مجالس العشاق" کے مندرجات کو دلیل مان لیں تو ہمیں یہ بات تسلیم کر لی پڑے گی کہ شیخ نجم الدین کبری ' شیخ عطار ، ابن فارض' شمس تبریزی' شیخ نجم الدین رازی ' عبدالرحمان جامی، ذوالنون مصری' بایزید بسطامی ' شیخ ابوالحسن خرقانی، شیخ احمد جام ' شیخ شہاب الدین سہروردی شہید ، شیخ سعدالدین حموی ، شیخ روز بہان، شیخ سیف الدین با خزری ' عزیز نسفی ، مولانا رومی ' خواجہ بہاءالدین نقشبند ، ملا سعدالدین تفتازانی ' میر سید شریف جرجانی اور... سب کے سب اپنے عہد میں اغلام بازی اور ... میں ملوث تھے۔

اگر حافظ (تاریخی حافظ نہ کہ افسانوی حافظ) کی شناخت کے لئے ایسے بچکانہ افسانوں کو دستاویز قرار دیا جا سکتا ہے تو کیا صوفیاء کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ بھی اسی طرح کی روایتوں سے استناد کریں جو تذکرۂ میخانہ جیسی نہایت معتبر کتابوں میں درج ہیں ؟ : ★

" رمضان المبارک کے دوران ایک روز حافظ کو شہر کے منچلوں نے بہت ستایا اور اتنا تنگ کیا کہ وہ اپنے حالات اور اپنی نا مناسب شاعری سے بے حد مایوس اور دل شکستہ ہوئے۔ وہ اس شکستہ خاطری کی کیفیت میں بابا کو ہی کے آستانۂ مبارک پر حاضر ہوئے۔ جب ان کی مراد پوری ہوگئی تو تین دن تک بغیر کھائے پیئے گریہ و زاری میں مشغول رہے اور بارگاہ الہی میں رحمت کی دعا کرتے رہے۔ رمضان کی تئیسویں شب تھی کہ اسی گریہ و زاری کے عالم

★ اس روایت کو صرف موازنہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے اس لئے نہیں کہ اسے مکمل طور پر قبول کیا جائے۔

Marfat.com

میں ان کی آنکھ لگ گئی ۔ عالم خواب میں خوشبو انکی مشام جان کو معطر کرنے لگی ۔ انہیں ایک شہسوار نظر آیا جس کے گھوڑے کے نعل سے لے کر عرش معلے تک نور بلند ہو رہا تھا ۔ اس شہسوار نے حافظ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اٹھو تمہاری مراد پوری ہو گئی اور اپنے دہن مبارک سے ایک نہایت ہی سفید لقمہ نکال کر حافظ کے منہ میں دے دیا اور فرمایا : تجھ پر علوم کے دروازے وا ہو گئے ہیں ۔ فصاحت و بلاغت میں تو یگانہ روزگار ہو گا اور تیرے اشعار کو لوگ ہاتھوں ہاتھ بطور تحفہ لے جائیں گے اور رہتی دنیا تک تو اس صفحہ ہستی پر یادگار رہے گا ۔

کہتے ہیں کہ خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے اتنا لذیذ لقمہ کبھی نہیں کھایا اور کسی لذت نے انہیں اتنا محظوظ نہیں کیا جتنا اس لقمے نے کیا ۔ جب وہ خورشید تابان پنہاں ہونے لگا تو میں دوڑ کر ان کے پاس گیا تا کہ ان کے حالات دریافت کروں ۔ مجھے ایک پیر روشن ضمیر نظر آیا ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ نیر اعظم کس طرف سے طلوع ہوا اور اس کا اسم مبارک کیا ہے ؟ فرمایا : افسوس تم نہیں پہچانتے ۔ وہ ساقی شراب طہور کی نشاط آفرین کیفیتوں کا راز داں ہے یہ وہ ہیں جن کی شان میں حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ : انا مدینۃ العلم و علی بابہا ۔ میں بیتابی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا تاکہ ان کی قدم بوسی کروں اور اپنے سروجان کو اس کے قدموں پر نثار کر سکوں ۔ اسی دوران مؤذن کی آواز میرے کانوں میں پڑی ۔ خواب سے بیدار ہوا ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرا باطن اس پر انوار ہستی کی تشریف آوری اور دیدار کی برکت سے منور ہو چکا ہے ۔ صبح کے وقت میرے دل کا سمندر موجزن ہوا اور اس غزل کی آمد ہوئی جس کا ہر مصرع قیمتی جواہرات کی لڑی کی مانند ہے ' بیت :

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند　　　وندر آن ظلمت شب آب حیاتم دادند

ترجمہ : شب گذشتہ صبح کے وقت انہوں نے مجھے غم سے نجات دے دی اور

Marfat.com

اس تاریکی میں انہوں نے مجھے آب حیات دیدیا ۔

القصہ جب سورج طلوع ہوا تو میں شہر آیا اور اپنے دوستوں کے پاس گیا ۔ انہوں نے از راہ مذاق مجھ سے شعر سنانے کی فرمائش کی ۔ میں نے یہ غزل سنانا شروع کی ۔ جب غزل ختم ہوئی تو سب نے کہا یہ اشعار تیرے نہیں ہو سکتے ۔ ہمارے خیال میں آج تک کسی شاعر نے اتنے عمدہ شعر نہیں کہے ۔ ہم کیسے مان لیں کہ یہ اشعار تیرے ہیں ۔ میں نے کہا : کسی غزل کا طرح مصرع بتائیں ۔ انہوں نے مصرع بتایا ۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس مصرعہ طرح میں بہترین غزل کہی ۔ وہ جو بھی مصرعہ طرح پیش کرتے اس پر ایسی عمدہ غزل کہتا کہ اس سے بہتر ممکن نہیں ۔ میرے دل میں ہمیشہ یہ بات رہتی کہ ان اللہ علی کل شیء قدیر ۔

خلاصہ کلام یہ کہ تھوڑے ہی عرصے میں حضرت امیر المومنین ، قاتل الکفار و المشرکین کی نظر کرم سے نادرۂ جان اور یگانہ روزگار بن گئے اور خاص و عام میں اتنا مقبول ہوئے کہ لوگ دور و نزدیک سے برسوں اور مہینوں کی مسافت طے کر کے آتے تھے اور ان کے اشعار بطور تحفہ لے جاتے تھے جیسا کہ اس قول کی صداقت اظہر من الشمس ہے" ۔ (۷۹)

تنہا دستاویز جس سے حافظ کی شراب خوری کے لئے استناد کیا جاتا ہے اس کے چند اشعار ہیں اور ہم نے پہلے خیام پر بحث کے دوران اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جو کچھ شعر میں بیان ہوتا ہے وہ عہد ماضی کے واقعات کی تصدیق میں اس وقت قابل استناد ہوتا ہے جب دوسرے مستند تاریخی واقعات اس کی تائید کریں یا کم از کم ان سے اس کی تردید نہ ہوتی ہو ۔ اب اس بحث کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے استاد زرین کوب کی روش کو پیش نظر رکھتے ہیں ۔ وہ سعدی کی سوانح حیات کے بارے میں رقمطراز ہیں :

شیخ کے کلام میں سفر ہند کے بارے میں جو سب سے بڑا اشارہ ملتا ہے

Marfat.com

وہ سومنات کی داستان ہے جسے ایک روایت کی حیثیت سے بالکل قبول نہیں کیا جا سکتا۔ گلستان میں بلخ اور بامیان کے سفر کا جو اشارہ ملتا ہے ظاہراً نثر کی صنف "مقامات" میں مروجہ حکایات (غیر حقیقی واقعات) کی مانند ہے کیونکہ اگر سعدی در حقیقت بلخ و بامیان گیا ہو تو بعید نظر آتا ہے کہ وہ اپنی تالیفات میں کسی جگہ بھی ان دو عظیم و عجیب و غریب بتوں کا ذکر نہ کرے اور اپنی تمام تصنیفات میں خراسان میں اپنے قیام اور وہاں کے اکابرین، مشائخین اور زعماء سے اپنی آشنائی کا ذکر نہ کرے (۹۸)

ان باتوں سے (جن پر بحث و تمحیص کی گنجایش ہے' اور رہے گی ا گرچہ ہندوستان، بلخ، اورایشیا کے مشرقی حصوں میں شیخ کے سفر کی اصالت کی تردید کی جا سکتی ہے) معلوم ہوتا ہے کہ استاد زرین کوب کے عقیدہ کے مطابق کوئی شاعر یا ادیب ایک ادبی قطعہ یا شعر کے ضمن میں جو کچھ بھی کہتا ہے وہ کسی تاریخی واقعہ کی نشاندہی کے لئے کوئی اطمینان بخش سند نہیں بن سکتا اور اگر قرائن سے اس کی تصدیق نہ ہو سکے تو اس کو محض تمثیلی و خیالی حادثہ سمجھنا چاہیے۔ یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ جب سعدی کی نظم و نثر میں مشرق، بلخ' کاشغر اور ہندوستان کا ذکر آتا ہے تو اس کو محض "خیالی دعویٰ" (۹۹) پر محمول کیا جاتا ہے حالانکہ گلستان و بوستان میں واضح طور پر مذکور ہے:

"ایک سال میں نے بلخ کے علاقہ بامیان کی طرف سفر کیا" (۱۰۰) اور "میں کاشغر کی مسجد میں داخل ہوا" (۱۰۱) اور "سومنات میں میں نے عاج سے بنا ہوا ایک بت دیکھا وغیرہ (۱۰۲) اگر سعدی کے متین و صریح لہجہ پر اعتراض و خدشات کے اظہار کی گنجایش ہے تو حافظ کے شاعرانہ' استعاراتی اور تخیلاتی لہجے پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے اور کس طرح مندرجہ ذیل اور اس قسم کے دوسرے اشعار کو دلیل یا بنیاد بنا کر حافظ کی میخواری کو ثابت کیا جا سکتا ہے؟

Marfat.com

گرچہ دوریم بہ یاد تو قدح می گیریم

بعد منزل نبود در سفر روحانی (۱۰۳)

ترجمہ : اگرچہ ہم دور ہیں ، تیری یاد میں پیالہ پی رہے ہیں ۔ روحانی سفر میں منزل کی دوری نہیں ہوتی ۔

کنون کہ می دمد از بوستان نسیم بہشت

من و شراب فرحبخش ویار حور سرشت (۱۰۴)

ترجمہ : اب ، جبکہ باغ سے بہشت کی ہوا آرہی ہے میں ہوں فرحت بخش شراب ہے اور حور طبعیت دوست ۔

مطلب طاعت و پیمان و صلاح از من مست

کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روزالست (۱۰۵)

ترجمہ : مجھ مست سے ، صحیح اطاعت ، اور عہد نہ چاہ میں روز الست سے شراب نوشی میں مشہور ہوں ۔

حافظ دگر چہ می‌طلبی از نعیم دہر می می چشی وطرۂ دلدار می کشی (۱۰۶)

ترجمہ : اے حافظ دنیا کی لذت تو اور کیا چاہتا ہے ؟ تو شراب پیتا ہے ، اور محبوب کی زلف کو کھینچتا ہے ۔

شرابی مست می خواہم کہ مرد افگن بود زورش

مگر یکدم بر آسایم زدنیا و شر و شورش (۱۰۷)

ترجمہ : میں ایسی مست شراب چاہتا ہوں کہ جس کا زور مرد افگن ہوتا کہ دنیا اور اس کے شور و شر سے ذرا آرام پاؤں ۔

می دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ

ہمین بس است مرا صحبت صغیر و کبیر (۱۰۸)

ترجمہ : دو سالہ شراب ، اور چودہ سالہ معشوق ، بڑے چھوٹے کی صحبت میں مجھے یہی کافی ہے ۔

Marfat.com

یہاں ہمارا مقصد ہر گز یہ نہیں ہے کہ بے مقصد تاویلات کو موضوع بحث بنائیں اور اس طرح دو سالہ شراب کو قرآن اور چودہ سالہ محبوب کو پیغمبر اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم سے تعبیر کریں (۱۰۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح حافظ کے بہت سے اشعار میں عرفانی و روحانی شراب و معشوق کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح بعض جگہ ظاہری معنی بھی مراد ہیں۔ اس کے باوجود حافظ کے اشعار میں مجازی شراب و معشوق کے متعلق پائے جانے والے اشارات کو اس کے عقاید و خیالات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا کیا پتہ کہ ان مضامین کو اس نے محض تفنن طبع یا شاعری کی خاطر پیش کیا ہو؟ یا اپنے شعر کو دلکش اور پر کشش بنانے کے لئے یہ شوق انگیز اور نشاط آور کلمات استعمال کئے ہوں؟ یا واقعی اپنی زندگی اور اپنے کردار کی نشاندہی میں سنجیدہ ہو۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ جو تقوی و تعبد کی بلندیوں پر ہوتے ہوئے ہر گناہ سے دور تھے اور روحانیت کی دنیا میں ظاہری و معنوی درجات سے بہرہ ور تھے لیکن شعر و ادب کے میدان میں انہوں نے اکثر شراب و معشوق کی بات کی اور زاہد، واعظ، شیخ و محتسب کا مذاق اڑایا اور مے پرستی، معشوق پرستی، بت پرستی اور کافری کا دم بھرتے رہے اور ایمان، تقوی اور اس کے لوازمات کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو:

ملا محسن فیض کاشانی جو چھ شیعہ محدثین میں سے ایک تھے اور جن کا شمار اس مذہب کے مفکر، فقیہ، مفسر و اخلاق دان علماء میں ہوتا ہے کہتے ہیں:

در دی کشان زهم چو بپا شد وجود من | در کردن شما که زخاکم سبو کنید
شربت لعل لبت بود شفـای دل ما | به عبث ما ز پی نسخهٔ عطار شدیم
هرزه گردد اسکندر درمیان تاریکی | آب زندگی باده است چشمهٔ خضر جام است

Marfat.com

ترجمہ :- اے درد نوش ساتھیو ! جب میرا وجود بکھر جائے تو تم پر واجب ہے کہ میری خاک سے سبو بناؤ ۔

۔ تمہارے لعل فام لبوں میں ہمارے دل کی شفا موجود ہے۔ ہم عبث طبیب سے نسخہ لیتے رہے ۔

۔ اسکندر تاریکیوں میں بیہودہ گھومتا رہا شراب آب زندگی اور چشمہ خضر جام ہے ۔

ملا عبدالرزاق لاہیجی جو بہت بڑے شیعہ مفکر و عالم ہیں کہتے ہیں ۔

حنای پای تو شد خون من حلال تو باشد

بہای خون من این بس کہ پایمال تو باشد

ترجمہ : میرا خون تیرے پاؤں کی حنا بن گیا ، تم پر حلال ہو ۔ میرے خون کی قیمت بھی ہے کہ تمہارے پاؤں آسے پائمال کر دیں ۔

تو بہ ہر کوچہ خرامان و من از رشک ہلاک

کہ نبستہ است کسی چشم تماشائی را

ترجمہ : تو ہر گلی کوچے میں محو خرام ہے اور رشک مجھے مارے جا رہا ہے کیونکہ چشم تماشائی کو کس نے بند کیا ہے ۔

حیف است کہ در گردن حورافگندش کس

دستی کہ بیاد تو در آغوش تو ان کرد

ترجمہ : وہ ہاتھ جو تیری یاد لیئے آغوش میں رکھا جا سکتا ہے حیف ہے کہ کوئی اس کو کسی حور کی گردن میں حمایل کر دے ۔

ما جام می دو سالہ در میکدہ ها ناموس ہزار سالہ برباد دہیم (۱۱۱)

ترجمہ : ہم میکدہ میں دوسالہ شراب کے جام سے اپنی ہزار سالہ عزت و ناموس کو خاک میں ملا دیں گے ۔

Marfat.com

ملا احمد نراقی جو صفائی تخلص کرتے تھے اور جو شیعہ مذہب کے بہت بڑے فقیہ، متکلم اور اخلاق دان تھے۔ تیرہویں صدی ہجری میں استعمار گر روس کے ساتھ ایرانی معرکوں میں ان کے فتوے بہت موثر ثابت ہوئے۔ کہتے ہیں:

آیا چه نمایان شد از چاک گریبانش
کش چون گرهی بگشود، شد چاک گریبان ها

ترجمہ: اس کے چاک گریبان سے کیا نمایاں ہوا کہ جب اس نے بند قبا کو کھولا تو گریبان چاک ہونے لگے۔

شیخ ماپنهان هوای خانهٔ خمار داشت نیم شب تنها ندانم با که آنجا کار داشت

ہمارا شیخ چھپ کر میکدہ جانے کا متمنی تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ نیم شب کس سے ملنے تنہا وہاں گیا۔

ترسم نشده غوره انگور خزان آید یا می نشده انگور ماه رمضان آید

ترجمہ: مجھے ڈر ہے کہ انگور پکنے سے پہلے ہی خزاں نہ آجائے۔ یا انگور ابھی شراب نہ بن پائے کہ رمضان کا مہینہ آ جائے۔

شراب کهنه در خم می زند جوش وداع ای عقل و دین و تقوی و هوش

ترجمہ: خم شراب میں کہنہ شراب جوش مار رہی ہے۔ ای عقل و دین و تقوی و ہوش تجھے الوداع کہتا ہوں۔

ساقیا جامی به من زان آب رمانی بده
جام هایی در پی از چیزی که می دانی بده

ترجمہ: ای ساقی اس آب رمانی سے مجھے ایک جام دو اور اس چیز سے جس کو تم جانتے ہو پے در پے جام دیتے چلے جاؤ۔

چون شدم من مست و بیخود زان دو لعلم بوسه ها
آشکارا گر زیان دارد به پنهانی بده

Marfat.com

ترجمہ : جبکہ تمہارے لعل گوں ہونٹوں سے میں مست و بیخود ہو چکا ہوں ۔ اگر آشکارا ممکن نہیں تو چھپ کر ہی مجھے بوسے دو ۔

ساقی بہ یاد دوست بدہ ساغری ز می
از آن گنہ چہ باک کہ باشد بہ یاد وی

ترجمہ : اے ساقی مجھے محبوب کی یاد میں ایک جام شراب دے ۔ اس گناہ سے کیا ڈر جو اس کی یاد میں ہو ۔

تا کی دلا بہ مدرسہ طامات و ترہات   بشنو حدیث یار دو روزی ز چنگ و نی

ترجمہ : ای دل کب تک اہل مدرسہ کی خرافات و مہملات میں الجھا رہے گا ۔ کچھ دن چنگ ونے کی لے میں حدیث دوست بھی سن ۔

دستی بہ گیسوانش خواہم دراز کردن
یا می کشم بہ شادی یا می کشد بزاری

ترجمہ :۔ میں اس کے گیسوؤں کی طرف اپنا ہاتھ بڑہاؤں گا یا خوشی سے ان سے کھیلوں گا یا پھر وہ مجھے ذلت سے مار ڈالے گا ۔ ؟

رندی و لاابالی این است پادشاہی   از کفر و دین رہائی اینست رستگاری

ترجمہ :۔ رندی اور لاابالی ہی اصل بادشاہی ہے ۔ کفر و دین سے نجات ہی اصل نجات ہے ۔

ایک دفعہ جب ایک مدرسے کی تعمیر ہو رہی تھی تو نراقی کا وہاں سے گذر ہوا اور اس نے فی البدیہ یہ شعر کہا :

در حیرتم آیا زچہ رو مدرسہ کردند   جائی کہ در آن میکدہ بنیاد توان کرد

ترجمہ : مجھے حیرت ہے کہ مدرسہ کس لئے تعمیر کیا جا رہا ہے ۔ حالانکہ اسی جگہ پر میکدہ بھی بنایا جا سکتا ہے ۔

ایک دن اس نے مندرجہ ذیل دو شعروں کو اپنے ہم عصر بذلہ سنج شاعر یغما کے لئے پڑھا :

Marfat.com

عاشق ار بر رخ معشوق نگاهی بکند   نہ چنان است گمانم کہ گناہی بکند
ما بہ عاشق نہ ہمین رخصت دیدار دہیم   بوسہ را نیز دہیم اذن کہ گاہی بکند

ترجمہ :۔ اگر عاشق معشوق کے رخ روشن پر نظر ڈالے تو میرے خیال میں یہ کوئی گناہ نہیں ۔
ہم عاشق کو صرف دیدار ہی کی نہیں کبھی کبھار بوسے کی بھی اجازت دیتے ہیں ۔

یغما بڑی خاموشی کے ساتھ اس طرف دیکھ رہا تھا ۔ نراقی نے کہا : کچھ کہو خاموش کیوں ہو ۔ یغما نے کہا کہ میں تیرے تیسرے فتوے کا منتظر ہوں ... !

(۱۱۲) شیخ بہائی جو بہت بڑے شیعہ عالم تھے اور تمام دینی علوم (فقہ ، علم کلام ، دعا ، اخلاق ، سلوک ، حدیث ، تفسیر ، علم الرجال و علم درایت و ...) کے علاوہ توحید ذات باری اور منقبت و ستایش معصومین میں بھی ان کی گرانقدر تصنیفات موجود ہیں کہتے ہیں :

بہ کف دارند خلقی نقد جان ها   سرت گردم مگر بوسی بہ چند است
بہائی گرچہ می آید ز کعبہ   همان دردی کش و زنار بند است

ترجمہ :۔ لوگ جان ہتھیلی پہ لئے پھرتے ہیں تجھ پر میں نثار ایک بوسے کی کیا قیمت ہے ۔ بہائی اگرچہ کعبہ سے لوٹا ہے لیکن وہی درد نوش و زنار پوش ہے ۔

دی مفتیان شهر را تعلیم کردم مسأله
و امروز اهل میکده رندی ز من آموختند
چون رشتہ ایمان من بگسستہ دیدند اہل کفر
یک رشتہ از زنار خود بر گردن من دوختند

ترجمہ :۔ کل میں نے شہر کے مفتیوں کو ایک شرعی مسئلہ سمجھایا اور آج اہل میکدہ مجھ سے رندی سیکھ رہے ہیں ۔

اہل کفر نے جب میرے ایمان کے دھاگے کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو اپنے زنار سے ایک دھاگہ میری گردن میں ڈال دیا ۔

Marfat.com

سجادۂ زهد من کہ آمد خالی زعیوب و عاری از عار
پودش همگی ز تار چنگ است تارش همگی ز پود زنار

ترجمہ :- میرا سجادۂ زہد کب عیوب سے خالی اور عار سے عاری رہا۔ اس کے تار و پود چنگ و زنار کے دھاگوں سے بنے ہوئے ہیں۔

گہ خرقہ ریائی پوشم کہ شیخ وقتم
گہ زیر خرقہ زنار بندم کہ بت پرستم

ترجمہ :- کبھی میں ریاکاری کا خرقہ زیب تن کرتا ہوں کیونکہ میں شیخ وقت ہوں اور کبھی خرقے کے نیچے زنار باندھ لیتا ہوں کیونکہ بت پرست ہوں۔

تاکس نبرد رہ بہ شناسائی ذاتم گہ مومن و گہ کافر و گہ گبر و یہودم

ترجمہ : تاکہ کوئی شخص میری ذات کی اصلیت سے آشنانہ ہو میں کبھی مومن، کبھی کافر، کبھی آتش پرست اور کبھی یہودی بن جاتا ہوں۔

سجدہ بر بتی دارم راہ مسجدم منما کافر رہ عشقم من کجا مسلمانی

ترجمہ :- میں بت کو سجدہ کرتا ہوں۔ مجھے مسجد کا راستہ نہ دکھاؤ میں عشق کی راہ کا کافر ہوں میں کہاں مسلمان ہوں۔

زاهدی بہ میخانہ سرخ رو ز می دیدم گفتمش مبارکباد بر تو این مسلمانی

ترجمہ : میخانہ میں، جوش مے سے سرخ کئے ہوئے زاہد کے چہرے کو دیکھ کر میں نے کہا کہ تجھے یہ مسلمانی مبارک ہو۔

در میکدہ دوش زاهدی دیدم مست تسبیح بہ گردن و صراحی در دست

ترجمہ :- کل رات میں نے میکدہ میں ایک زاہد کو دیکھا۔ تسبیح اس کی گردن میں تھی اور ہاتھ میں صراحی لئے ہوا تھا۔

گفتم زچہ در میکدہ جا کردی گفت از میکدہ هم بہ سوی حق راهی هست

ترجمہ :- میں نے کہا کہ تم کیوں میکدہ میں آن بیٹھے ہو۔ اس نے کہا کہ میکدہ سے بھی حق کی طرف راستہ نکلتا ہے۔

Marfat.com

زمراحم الہی نتوان برید امید مشنو حدیث واعظ کہ شنیدنش وبالی است

ترجمہ : خدا کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہوا جا سکتا ۔ واعظ کی باتیں مت سنو ان کا سننا وبال جان ہے ۔

می کشد غیرت مرا غیری اگر آہی کشد

زانکہ می ترسم کہ از عشق تو باشد آہ او

ترجمہ : اگر کوئی غیر بھی آہ بھرے تو رشک مجھے مارے ڈالتا ہے ۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ یہ آہ کہیں تیرے عشق کے باعث نہ ہو ۔

بہائی خرقۂ خود را مگر آتش زدی کامشب

جہان پر شد ز دود کفر و سالوسی و زراقی

ترجمہ :۔ بہائی کیا تو نے آج رات اپنے خرقہ کو آگ لگا دی ہے کہ پورا جہان کفر، ریا و فریب کے دھواں سے بھر گیا ہے ۔

زاہد بہ تو تقوی و ریا ارزانی من دانم و بی دینی و بی ایمانی

ترجمہ :۔ اے زاہد تمہارے پاس تقوی و ریا کی فراوانی ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ میں بے دین و ایمان ہوں ۔

تو باش چنین و طعنہ می‌زن برمن من کافر و من یہود و من نصرانی (۱۱۳)

ترجمہ : تم ایسے ہی رہو اور مجھ پر طعنہ زنی کرتے رہو کہ میں کافر ہوں ، میں یہودی ہوں اور میں نصرانی ہوں ۔

حاجی میرزا حبیب اللہ خراسانی متوفی (۱۳۲۷ھ.ق) جو ایک شیعہ عالم ، مجتہد، فلسفی ، پیشوا اور میرزائے بزرگ شیرازی کے شاگردوں اور ستایشگروں میں سے تھے کہتے ہیں :

لب معشوق و می از دست بہ تصویر عذاب

نتوان داد کہ این نیز عذابی دگراست

از کف دوست گرفتیم بسی بادۂ ناب

ایک در لعل لبش بادۂ نابی دگراست

Marfat.com

ترجمہ :۔ عذاب کے تصور سے لب معشوق اور جام شراب کو چھوڑ دینا ایک اور عذاب میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے ۔

ہم نے محبوب کے ہاتھوں سے بادہ ناب کے بہت سے جام لئے ۔ لیکن اس کے لعل فام ہونٹوں میں کوئی اور ہی شراب ہے ۔

شیخ و سالوسم ولی ساغر کشی کار من است
صد هزاران فتنہ در هر پیچ دستار من است

ترجمہ : میں شیخ وریا کار ہوں ، شراب نوشی میرا کام ہے ۔ میری دستار کے ہر پیچ میں سینکڑوں ہزاروں فتنے سو رہے ہیں ۔

واعظی گفت در این ماہ کہ ماہ رجب است
توبہ کردن نہ عجب توبہ شکستن عجب است

ترجمہ :۔ واعظ نے کہا کہ یہ مہینہ جو رجب کا مہینہ ہے اس میں توبہ کرنا عجیب بات نہیں توبہ کو توڑنا عجیب بات ہے ۔

گفتمش ماہ رجب گرچہ مہ توبہ بود
فصل گل نیزمہ بادہ و شور و شغب است

ترجمہ :۔ میں نے اس سے کہا کہ رجب کا مہینہ اگرچہ توبہ کا مہینہ ہے فصل بہار بھی تو عیش و نوش کا موسم ہے ۔

سبب توبہ وعشرت چو بہ هم گرد آیند
جنگ خیزد ز دو سو چون دو مخالف سبب است

ترجمہ :۔ عیش و عشرت اور توبہ جب آپس میں ملتے ہیں تو دو مخالف اسباب ہونے کے باعث ان کے مابین جنگ شروع ہو جاتی ہے ۔

کار ترجیح بہ اجماع همہ بادہ کشان
بہ کف ساقی زیبا رخ دیبا سلب است

ترجمہ : تمام بادہ کشوں کی متفقہ رائے کے مطابق اس بات کا فیصلہ خوبرو

Marfat.com

اور نازک اندام ساقی کے ہاتھ میں ہے ۔

می حرام است و رجب نیز بود ماہ حرام

می در این ماہ چہ نوشی طرب اندر طرب است

ترجمہ :۔ شراب حرام ہے اور رجب بھی ماہ حرام ہے ۔ اس ماہ میں شراب پینا گویا نشاط اندر نشاط کے مترادف ہے ۔

مہ خرداد مہ پارسی و ماہ رجب

عربی ، جنگ دوماہ جنگ عجم با عرب است

ترجمہ :۔ خرداد فارسی اور رجب عربی مہینہ ہے اور ان دو مہینوں میں جنگ گویا عرب و عجم کی جنگ ہے ۔

نی کہ می خوردن خرداد مہ آید واجب؟

روزہ در ماہ رجب دا شتن ار مستحب است

ترجمہ :۔ رجب میں روزہ رکھنا اگر مستحب ہے تو خرداد میں شراب پینا کیوں واجب نہیں ۔

کنیت و نام و لقب بادۂ انگوری را

سیصد و شصت فزون تر بہ لسان عرب است

ترجمہ :۔ عربی زبان میں انگور سے بنی شراب کے تین سو ساٹھ سے زیادہ کنیت ، نام اور لقب ہیں ۔

چون بہ ہر روز بود شرط خرد بادہ زدن

بادہ را نیز بدین گونہ شمار لقب است

ترجمہ :۔ چونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ ہر روز شراب پیئیں اس طرح شراب کے بھی اتنے ہی القاب ہیں ۔

خواہم از پردہ ناموس بر آیم یکبار

بزنم این درم نامرہ یک سر بہ قمار

Marfat.com

ترجمہ :- میں چاہتا ہوں کہ اس عزت و ناموس کے پردے سے باہر آ جاؤں اور اس غیر خالص سکے کو قمار بازی میں ہار دوں ۔

یعنی این خرقہ ازرق بہ در آرم از بر
جامۂ سرخ بپوشم ز طرب چون گلنار

ترجمہ :- یعنی اس سبز رنگ عبا کو اتار کر خوشی سے گلناوی رنگ کا لباس پہن لوں ۔

گر بریزی سیہ اوراق مرا در دریا
روسیہ گردد چون نامۂ من آب بحار

ترجمہ :- اگر تم میرے سیاہ نامہ اعمال کو سمندر میں ڈال دو تو سمندر کا پانی بھی میرے نامہ اعمال کی طرح سیاہ ہو جائے گا ۔

بوریا نیستم آخر ز چہ رو ہر شام و سحر
ساحت مدرسہ را فرش شوم مسند وار

ترجمہ :- میں کوئی بوریا تو نہیں ہوں آخر کس لئے ہر شام و سحر مسند کی طرح صحن مدرسہ کا فرش بنا رہوں ۔

نہ کہ جاروبم آخر زچہ رو ہر شب و روز
صحن مسجد را با مژہ بروبم هموار

ترجمہ :- میں کوئی جھاڑو تو نہیں ہوں پھر کیوں شب و روز صحن مسجد کو پلکوں سے صاف کروں ۔

فقدم باز کہ در میکدہ ، سراز مستی
همچو خورشید بہ هر صبح نهم بر دیوار

ترجمہ :- کاش ایک بار پھر میکدہ میں مست ہو کر سورج کی طرح ہر صبح سر دیوار سے ٹکا دوں ۔

از قدح ریزی چون شیشہ صفا پیشہ شوم
هرچہ اندیشہ بہ دل یکسرہ سازم اظهار

Marfat.com

ترجمہ :۔ میں کثرت شراب نوشی سے جام شراب کی طرح پاکدل ہو کر دل میں چھپے تمام تفکرات کو ایک ہی دفعہ ظاہر کردوں ۔

کف بہ لب آرم و سر جوش زنم ہمچون خم
بسکہ لبریز شود خاطر پاکم ز اسرار

ترجمہ :۔ از بس کہ میرا دل اسرار و رموز سے لبریز ہو میرے لب کف آلود اور میرے سر میں خم شراب کا سا جوش ہو ۔

شامگاہ ہمچو سبو سر بنہم بر سر دست
صبحدم ہمچو قدح لب بنہم برلب یار

ترجمہ :۔ شام کے وقت مینا کی طرح ہاتھوں ہاتھ گھومتا رہوں اور صبح کے وقت جام شراب کی مانند محبوب کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دوں ۔

می خورم بادہ ز جوش خم و از نرگس دوست
می دہم بوسہ بہ جام می و بر لعل نگار (۴۱۱)

ترجمہ :۔ میں شراب پیتا رہوں ۔ شراب کے جوش اور محبوب کی نرگس مستانہ سے مدہوش ہو کر جام شراب اور محبوب کے لعلگوں ہونٹوں کے بوسے لیتا رہوں ۔

استاد علامہ سید محمد حسین طباطبائی جو اسلامی علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے آن کی تصنیفات میں سے مخصوصاً قرآن کریم کی تفسیر المیزان تعریف و توصیف سے ماورا ہے کہتے ہیں :

مہر خوبان دل و دین از ہمہ بی پروا برد
رخ شطرنج نبرد آنچہ رخ زیبا برد

ترجمہ :۔ مہر خوباں نے سب کا دل و دین لوٹ لیا ہے اس کا حسن شطرنج کے مہرے رخ سے بھی زیادہ بازی جیت لے جاتا ہے ۔

Marfat.com

خم ابروی تو بود و کف مینوی تو بود
کہ در این بزم بگردید و دل شیدا برد

ترجمہ: تیرے خم ابرو اور کف روشن نے اس بزم کے دور جام میں ہر دل کو اپنا مفتون کر لیا۔

همی گویم و گفتہ ام بارها | بود کیش من مہر دلدار ها
به آوای نای و به آهنگ چنگ | خروشند به سرو سمن سار ها
به یاد خم ابروی گلرخان | بکش جام در بزم میخوار ها
گره را ز کار جهان باز کن | کہ آسان کند بادہ دشوار ها
بپای بکش جام و سرگرم باش | بهل گر بگیرند پیکار ها (۱۱۵)

ترجمہ :۔ میں اب بھی کہہ رہا ہوں اور پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مہر خوبان میرا مذہب ہے۔

گل رخ محبوب کے خم ابرو کی یاد میں بادہ نوشوں کی محفل میں جام شراب نوش کرو۔

دنیا کی گتھیوں کو سلجھا لو کیونکہ شراب بہت سی مشکلوں کو آسان بنا دیتی ہے۔

جام پہ جام چڑھاؤ اور مدہوش و سرمست رہو۔ اگر لوگ آمادۂ جنگ ہوں تو چھوڑ دو۔

اس قسم کے اور بہت سے اشعار موجود ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کے عظیم لوگوں نے جو اس طرح کے اشعار لکھے ہیں ان کی تعداد حافظ سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور بعض مواقع پر تو ان کا لہجہ اس سے بھی زیادہ گستاخ اور بے پرواہ ہے (اس قسم کے کچھ شواہد کو میں نے اختصار سے بیان کر دیا۔ اگرچہ پھر بھی سلسلہ سخن دراز ہوا۔ مضامین کے انتخاب میں بھی افراط سے کام نہیں لیا گیا۔) اب کیا کہا جا سکتا ہے ؟ آیا محض مذکورہ اشعار کو سند قرار دیتے ہوئے ان پر گناہ اور بے راہ روی کی تہمت لگا

Marfat.com

دی جائے اگر جواب ہاں میں ہے تو ان کی علمی اور عملی زندگی جو سراسر پاک و پاکیزہ ہے اس کی توجیہ کیسے ہو گی ؟ اگر ایسا نہیں تو ان میں اور حافظ میں کیا فرق ہے ؟ صرف یہ کہ حافظ نے فن شاعری کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے انھی مطالب کو جو انھوں نے کہے کہیں زیادہ نرم و لطیف بلکہ شاعرانہ انداز میں بیان کردیا اور یہی چیز اس کی زیادہ مقبولیت کا باعث ہوئی ؟ کیا ایسا نہیں کہ جب ان بزرگوں کے اشعار کے ظاہری معانی کو ان کی زندگی ، کردار و افکار سے متعلق ثقہ واقعات کے منافی پاتے ہیں تو ان کی شاعرانہ توجیہ کرتے ہوئے انھیں میخواری و بت پرستی پر محمول نہیں کرتے ۔ پس ہم حافظ کو کس طرح مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں ۔ باوجود اس کے اس کے معاصرین میں سے کسی نے بھی اس کی میخواری و بے پروائی کا ذکر نہیں کیا ۔ بلکہ سب نے اس کو عالم عرفان و معنویت کے بلند ترین مقامات پر فائز گرادنتے ہوئے اس کو پارسا اور مومن کہا ہے ۔ تاریخ کے اس تضاد سے صرف نظر جب ان اشعار کے ظاہری معنی حافظ کے بعض دوسرے اشعار سے مطابقت نہیں رکھتے تو پھر کن وجوہات کی بنا پر ان پر اصرار کریں اور باقی کو نظر انداز کردیں ۔ کیا وہ حافظ نہیں ہے جو شراب سے پیدا ہونے والی ظاہری مستی کو رد کرتا ہے :-

مستی عشق نیست در سر تو ‌‌‌‌ رو کہ تو مست آب انگوری (۱۱۶)

ترجمہ :- عشق کی مستی تمہارے سر میں نہیں ۔ جاؤ کہ تم شراب انگور سے مست ہو ۔

اور وہ مے گساری کے بجائے توبہ و خشوع و خضوع کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے :

می صبوح و شکر خواب صبحدم تا چند

بہ عذر نیمشبی کوش و گریہ سحری (۱۱۷)

Marfat.com

ترجمہ :- صبوحی شراب اور صبح کی میٹھی نیند کب تک ؟ - آدھی رات کے وقت عـذر ، اور صبح کی گریہ و زاری کی کوشش کرو .

اور ایک غزل کا آغاز ان اشعار کے ساتھ :

بہ سر جام جم آنگہ نظر توانی کرد
کہ خاک میکدہ کحل بصر توانی کرد

ترجمہ :- جام جمشید کے راز کو تو اس وقت دیکھ سکتا ہے جبکہ میکدہ کی خاک کو تو آنکھ کا سرمہ بنا سکے .

مباش بی می و مطرب کہ زیر طاق سپہر
بہ این ترانہ غم از دل بدر توانی کرد

ترجمہ :- نیل فام چراغ کے نیچے ' بدون شراب اور مطرب نہ رہ - اس لئے کہ تو اس ترانے سے غم کو دل سے نکال سکتا ہے -

دلا ز نور ریاضت گر آگہی یابی
چو شمع خندہ زنان ترک سر توانی کرد
ولی تو تا لب معشوق و جام میخواہی
گمان مدار کہ کاری دگر توانی کرد(۱۱۸)

ترجمہ :- اے دل اگر تو ریاضت کے نور سے باخبر ہو جائے تو شمع کی طرح ہنستے ہوئے سر سے دست بردار ہوجائے گا -

لیکن جب تک تو معشوق کا ہونٹ اور شـراب کا جام چاہتا ہے اس کا لالچ نہ کر کہ تو کوئی دوسرا کام کر سکے گا -

آخـر استاد زرین کوب کس طـرح حافظ کے ان اشعار کو جو عرفانی مفاہیم ' تجربات اور تمایلات سے لبریز ہیں (۱۱۹) اہل سلوک سے وابستگی کی علامت خیال نہیں کرتے بلکہ مکتب عرفان سے قلبی تعلق کے بجائے محض آشنائی تک محدود سمجھتے ہیں (۱۲۰) لیکن اس بات کا احتمال کم ہے کہ اس کی

Marfat.com

خمریات محض خمریات گو شاعروں سے آشنائی اور ان کی تعبیرات میں مخفی لطافتوں کو پسند کرنے کے باعث ہوں ۔ اس کے باوجود تاریخی شواہد اس احتمال کی تائید کرتے ہیں اور خود بقول استاد زرین کوب: "حافظ کا اندازبیان بعض جگہ اتنا مبہم و اسرار آمیز ہے کہ ان کو ان کے ظاہری مفہوم پر محمول نہیں کیا جا سکتا ... اور یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہی دیوان حافظ کی شرح لکھنے والوں نے اس کے اشعار کی تاویلات کی ہیں" (۱۲۱) تعجب تو یہ ہے کہ اس کے باوجود ان خمریات کو وہ حافظ کی مے گساری کی دلیل سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ: "اگر حافظ ایسے روحانی نفس کا مالک ہوتا تو پیری کے ایام میں بھی کبھی اس قسم کی ہوا و ہوس کا شکار نہ ہوتا ۔ افسوس کہ اس کے اشعار اس حد تک تقدس و پرہیز گاری کی گواہی نہیں دیتے (۱۲۲) کیا صرف شعر ہی تقدس و پرہیز گاری کے گواہ ہونے یا نہ ہونے کا مظہر ہے اگر کوئی اہل، تقدس و پرہیز گار ہو تو شعر کہتے ہوئے تفنن طبع کے لئے بھی کوئی ایسی بات نہ کہے جو ظرافت، طنز اور فطری بذلہ سنجی کا پہلو لئے ہوئے ہو اور حافظ پر واجب تھا کہ دین کے جانے پہچانے مذہبی پیشواؤں: (شیخ بہائی، فیض، نراقی، حاج میرزا حبیب و ...) سے بھی زیادہ محتاط و پرہیز گار ہوتا اور اس کا دیوان ایک علمی رسالہ ہوتا، گویا حافظ کے اشعار کی تحلیل کرنے والوں نے صرف حافظ اور اس کے شعروں کو دیکھا ہے اور مذکورہ بالا بزرگان دین میں سے کسی کے اشعار سے بھی واقف نہیں ۔

ایک اور نکتہ جو ضمنی طور پر حافظ کی میخواری کی دلیل سمجھا گیا ایسے سرکاری حکام و عمال سے حافظ کے روابط تھے جو بادہ نوشی کی محفلیں سجاتے اور اس کی تعریف و ستایش میں رطب اللسان رہتے ۔ یہ دلیل بھی ناقص معلوم ہوتی ہے کیونکہ بہت سے بڑے بڑے مذہبی پیشوا جن کے تقوی و زہد میں کوئی شک نہیں بعض وقتی مصلحتوں کے تحت مجبور تھے کہ ایسے حکام و

Marfat.com

عمال سے روابط رکھیں جن میں یہ جملہ عیوب موجود ہوں حتیٰ کہ کبھی کبھی ان کی تعریف و توصیف بھی کریں اور اس کے باوجود اس قسم کی آلودگیوں کا ان کی زندگی میں کبھی بھی دخل نہیں رہا ۔ مثال کے لئے تیموری بادشاہوں اور ان کے حکام کے اہل سنت علماء سے روابط اور صفوی سلاطین اور ان کے حکام کے شیعہ علماء سے روابط ذہن میں رکھیے ۔

اور یہ کہ حافظ معتقد تھا کہ انسان کے لئے تقدیر کے سامنے تسلیم و رضا کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں اس کے بعض اشعار سے اخذ شدہ' مفہوم ہے مثلاً :

رضا بداده بده و زجبین گره بگشا

کہ برمن و تو در اختیار نگشاده است (۱۲۳)

ترجمہ : ملے ہوئے پر راضی ہو جا اور پیشانی سے گرہ کھول دے اس لئے کہ مجھ اور تجھ پر اختیار کا دروازہ نہیں کھلا ہے ۔

اور بعض اشعار جبر و تقدیر کے منفی مفہوم کے باوجود مورد توجہ قرار نہیں پائے :

سعی نابرده در این راه بہ جائی نرسی

مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر (۱۲۴)

ترجمہ :۔ کوشش بغیر ' تو اس راہ میں کسی جگہ نہ پہونچے گا ۔ اگر توصلہ چاہتا ہے تو استاد کی فرمانبرداری کر ۔

دهقان سالخورده چه خوش گفت با پسر

کای نور چشم من بجز از کشته ندروی (۱۲۵)

ترجمہ : بوڑھے کا شتکار نے ' لڑکے سے کیا اچھی بات کہی' اے میرے نور چشم! بوئے ہوئے کے سوا تو کچھ نہ کاٹے گا ۔

اگر حافظ کے اشعار اس کے افکار کو پرکھنے کی مستند سند ہو سکتے ہیں تو کیوں ایسے اشعار ہی کو جو تقدیر کے سامنے انسانی بے بسی کے غماز ہوں

Marfat.com

لیا جائے اور ان اشعار کو جو انسان کے آزاد ارادے اور اس کی قدر و قیمت کے گواہ ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے - اور کیوں ایسے ہی عقاید جو تقدیر کے ہاتھوں انسانی بے چارگی و بے بسی کے مظہر ہوں مورد بحث قرار پائیں اور مندرجہ ذیل اشعار اور ایسے ہی دوسرے اشعار کو جو صفحہ ہستی میں انسانی مقام کی ارفعیت اور اس کی اہمیت و قدرت کے غماز ہوں توجہ کے قابل نہ سمجھا جائے -

چرخ برهم زنم ارغیر مرادم گردد

من نه آنم که زبونی کشم از چرخ فلک (۱۲۶)

ترجمہ : آسمان کو درہم و برہم کردوں گا اگر وہ میری مراد کے سوا گھومے گا - میں وہ نہیں ہوں کہ چرخ فلک سے زبون حالی برداشت کروں -

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم

فلک را سقف بشکافیم و طرحی نو در اندازیم (۱۲۷)

ترجمہ : آ، تاکہ پھول برسائیں اور ساغر میں شراب ڈالیں - آسمان کی چھت کو پھاڑ ڈالیں اور نئی بنیاد قائم کریں -

چه گویمت که به میخانه دوش مست و خراب

سروش عالم غیبم چه مژده ها دادست

ترجمہ : میں تجھے کیا بتاؤں کہ کل شب مست و خراب ہونیکی حالت میں عالم غیب کے فرشتے نے مجھے کیا خوشخبریاں دی ہیں -

که ای بلند نظر شاهباز سدره نشین

نشیمن تو نه این کنج محنت آباد است

ترا ز کنگره عرش می زنند صفیر

ندانمت که در این دامگه چه افتاد است (۱۲۸)

ترجمہ : کہ اے بلند نظر ، سدرہ نشین شاہباز ! تیرا آشیانہ ، اس محنت آباد کا گوشہ نہیں -

Marfat.com

تجھے عرش کے کنگرہ سے آوازیں دے رہے ہیں۔ نہ معلوم، تو کیوں اس جال میں پھنسا ہوا ہے۔

بال بگشای و صفیراز شجر طوبیٰ زن

حیف باشد چو تو مرغی کہ اسیر قفسی(۱۲۹)

ترجمہ: پر کھول اور، طوبیٰ کے درخت سے چہچہا، افسوس کہ تجھ جیسا پرندہ، قفس کا قیدی ہے۔

همائی چون تو عالیقدر حرص استخوان حیف است

دریغ آن سایۂ همت کہ با نا اهل افکندی (۱۳۰)

ترجمہ: تجھ جیسا بلند مرتبہ ھما، اور ہڈی کا لالچ کب تک ؟۔ اس سایۂ ہمت پر افسوس جو تو نے نا اہل پر ڈالا۔

سرم بہ دنیی و عقبیٰ فرو نمی آید

تبارک‌الله از این فتنہ ها کہ در سر ماست (۱۳۱)

ترجمہ:- میرا سر دنیا اور عقبیٰ کی طرف نہیں جھکتا ہے تبارک اللہ! ان فتنوں کی وجہ سے جو ہمارے سر میں ہیں۔

جامی (با کاروان حلہ)

اس کتاب پر میرا آخری تبصرہ جامی کے سلسلے میں ہے جہاں مصنف نے مبالغے سے کام لیا ہے اور جامی کے بارے میں اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ : "سلطان و وزیر کا مداح نہیں تھا" (۱۳۲)

حالانکہ اس کے حالات زندگی اور اس کی تصنیفات سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے اس سلسلے میں چند گزارشات :

سلطان ابو سعید تیموری کے عہد حکومت میں جامی نے اپنا پہلا دیوان مرتب

Marfat.com

کیا اور اس کے دیباچہ میں لکھا : ”کہ جب اس کم ہمت و کم مایہ غلام کو چند نظموں کا لکھنا میسر ہوا اور کچھ اوراق سیاہ کرنے کا اتفاق ہوا تو مناسب بلکہ واجب سمجھا کہ یہ بادشاہ کے نام سے مزین ہو اور کتاب کا دیباچہ بادشاہ کے اسم ہمایونی سے مشرف و معزز ہو۔

زان کہ نقد سخن دراین بازار گرچہ باشد چو زر تمام عیار
نرود همچو نقد ہای روان تا نباشد بر آن ز سکہ نشان
سکۂ آن اگر نہ ای آگاہ نیست غیراز قبول حضرت شاہ
شاہ روشن ضمیر صافی دل حامی حق و ماحی باطل
معدن عدل و منبع انصاف مخزن فضل و مجمع الطاف
شاہ سلطان ابوسعید کہ هست آسمان پیش قصر قدرش پست

ترجمہ : اس لئے کہ اس بازار میں شعر کا سکہ اگرچہ زر خالص سے ہی کیوں نہ بنا ہو مروجہ سکوں کی طرح نہیں چلتا اگر اس پر علامت سکہ نہ ہو۔

اگر تم آگاہ نہیں ہو تو جان لو کہ بادشاہ کی شرف قبولیت کے بغیر سکہ نہیں چل سکتا۔

صاف دل و روشن ضمیر بادشاہ جو حق کا علمبردار اور باطل کو مٹا دینے والا ہے۔

وہ عدل کا معدن اور انصاف کا سرچشمہ ہے۔ وہ فضل و کرم کا خزینہ اور لطف و کرم کا مجموعہ ہے۔

شاہ سلطان ابو سعید کی قدر و منزلت کے سامنے آسمان اپنی تمام رفعتوں کے باوجود پست ہے۔

ابو سعید کے بعد جب سلطان حسین بایقرا تخت حکومت پر رونق افروز ہوا تو جامی نے دیوان کے اس دیباچہ کو جو ابوسعید کے نام تھا حذف کر دیا اور

Marfat.com

اس کی جگہ ایک اور مفصل دیباچہ سلطان وقت سلطان حسین بایقرا کے نام لکھا اور اپنے پہلے دیوان کے نسخہ کو مرتب کیا اور حبیب السیر میں خواند میر کی تصریح کے باوجود کہ ”مولانا جامی نے اپنا پہلا دیوان سلطان ابوسعید کے زمانے میں مرتب کیا“ اس دیوان کا کوئی نشان نہیں ملتا اور اب سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ جامی نے پہلی بار ۸۸۴ھ میں سلطان حسین میرزا کے زمانے میں دیوان کی تدوین کا کام شروع کیا۔ اس کے باوجود نیرنگی زمانہ کے باعث اس کے پہلے دیوان کے دیباچہ کا ایک نسخہ محفوظ رہا اور گردش روزگار نے اسے پانچ سو سالہ بلاخیز امواج حوادث میں بھی محفوظ و باقی رکھا تاکہ انسانی تدابیر کی کمزوری کی عکاسی ہو سکے اور اس بات کا اظہار ہو کہ عبدالرحمن جامی کا سا تجربہ کار اور اہل فضل ودانش بھی خواہ زمانے کے اجتماعی تقاضوں، خواہ فطری میل و رجحان کے باعث اپنے احترام، مقام اور اثر و رسوخ کے تحفظ کے لئے ایسا کام کر سکتا ہے۔(۱۳۳)

جامی نے نہ صرف اپنے دیوان کو جو پہلے سلطان ابوسعید کے نام سے معنون تھا سلطان حسین بایقرا کے نام منسوب کر دیا بلکہ اپنی بہت سی دوسری تصنیفات کو اس کے نام سے آراستہ کیا۔ اسی طرح بہارستان جسے اس نے اپنے دس سالہ بیٹے کے نام لکھا (۱۳۴)، سبحۃ الابرار، خرد نامۂ اسکندری، یوسف و زلیخا (۱۳۵)، دستور معما (۱۳۶)، اور سب سے اہم سلسلۃ الذہب کو بھی اس کے نام منسوب کیا۔ اس کتاب کے تین دفتروں میں سے ایک دفتر، معدلت نامہ بادشاہوں کے عدل و انصاف کے بارے میں ہے اور چونکہ کئی مقام پر تحفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اسے ”تحفہ شاہی“ بھی کہا جاتا ہے (۱۳۷) اب اس کے آغاز کے چند اشعار ملاحظہ ہوں: ”گفتار در اظہار دولت خواہی و مدحت گذاری خلافت پناہی سلطنت شعاری خلد اللہ ملکہ“

حق چہ داد از بی اطیعوا اللہ   بہ اطیعو الرسول ما را راہ

Marfat.com

حرف دیگر نزد به لوح بیان — جز اولی الا مر منکم از پی آن ★
چون اولی‌الامـر ساخت پیرا یه — شرع و دین با نیست همسایه
بلکه حـق راست سایهٔ ممدود — وندر آن سایه عالمی خشنود
خلق را عدل شاه دین پرور — سایهٔ فضل حق بـود برسر
خاصه آن شهـر یار عالی رای — کش بود برسرای عالی پای
تـاج داران مسکـن تمـکین — جمله ظل اللهند فی الارضین ★★
لیک ظـل مـطابق کامـل — نیست جز شاه فاضل و عادل...
جـود اوسیم را بـر انـدزد — گنج هـا را از آن بـر اندازد
پـرکند از نـوالهای نـوال — شکم حـرص و معده‌ی آمال
مستحق نـا کشیده ذل طـمع — جـوع آزش رسد به حد شبع
سائـل از جـستجـو نیاساید — روزیش بی سئوال پیش آید
سازد القصه فـر دولت شاه — کارهـا را بموجب دلخواه
دولت شاه جان فـرخنده است — که‌جهان‌زان‌چوتن‌به جان زنده است
باد آن جـان همیشه پایـنده — زان جهان و جهانیان زنده(۱۳۸)

ترجمہ :- پروردگار عالم نے اطیعو اللہ کے بعد اطیعوالرسول کی طرف ہماری راہنمائی کی ۔ لوح بیان پر اطیعوالرسول کے بعد اولی الامرمنکم کے علاوہ کوئی لفظ رقم نہ کیا ۔

جب اولی الامر نے زینت و آرایش کو اپنا شعار بنا لیا تو شرع و دین سے وہ

★ آیہ قرآنی " اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی لامر منکم " کی طرف اشارہ ہے ۔ جامی اور دوسرے بہت سوں کے قول کے مطابق بادشاہوں کی اطاعت واجب ہے اور ان کے حکم کو خداوند تعالی اور حضرت محمد پیغمبر خدا کی طرح سمجھو ۔

★★ اس عبارت کی طرف اشارہ ہے " السلطان ظل اللہ "

Marfat.com

دور ہو گیا ۔

حق تعالی کے طویل و عریض سایہ رحمت میں ایک دنیا شاد و خرم ہے ۔

مخلوق کے لئے ایک دین پرور و عادل بادشاہ کا وجود گویا ان کے سروں پر جیسے اللہ تعالی کے فضل و کرم کا سایہ ہو ۔

خصوصاً وہ بلند فکر بادشاہ جس کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہو ۔

وہ عالی مقام تاجدار سب زمین پر اللہ کا سایہ ہیں ۔

لیکن کاملیت کے لحاظ سے فاضل و عادل بادشاہ کے علاوہ کوئی اور نہیں بخشش و عطا میں وہ سیم و زر کے خزانے لٹاتا ہے ۔

داد و دهش سے وہ حرص وہوا کا شکم اور آرزو و تمناوں کا معدہ سیر کر دیتا ہے ۔

مستحق کی آرزو سوال کی ذلت اٹھائے بغیر پوری ہو جاتی ہے اس کی سخاوت و بخشش سائل کی حریصانہ طبع کو سیر کر دیتی ہے ۔

سائل تلاش و جستجو سے آسودہ نہیں ہوتا اس کو روزی سوال کرنے سے پہلے ہی مل جاتی ہے ۔

مختصر یہ کہ شاہ کی شان و عظمت سے کام حسب پسند انجام پاتے ہیں ۔

بادشاہ کی بلند اقبالی ایک جاوداں روح ہے اور دنیا اس سے اس طرح زندگی پاتی ہے جیسے جسم جان سے ۔

خدا کرے وہ روح ہمیشہ باقی رہے اور اس سے جہان اور اہل جہان قائم و دائم رہیں ۔

اور یہ تعریف و تمجید مذکورہ بادشاہوں کی حد تک محدود نہیں جیسا کہ اس کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے بہت سے امراء و زعماء بھی اس سے بہرہ ور ہیں ۔ مثلاً مولانا جامی اور امیر علیشیر کے درمیان جو ارادت و مودت اور ارتباط و تعلق تھا اس میں کوئی کلام نہیں ۔ بے شک انہوں نے اپنی اکثر منظوم و

Marfat.com

منثور تحریروں میں اس نیک خصال امیر کی مدح و ثنا کی ہے (۱۳۹) اور میر علیشیر کی کتاب (خمسۃ المتحیرین) کا ایک حصہ ان تحریروں پر مشتمل ہے جو موصوف کی خواہش پر جامی نے سپرد قلم کی (۱۴۰)۔ نفحات الانس (۱۴۱) و اشعۃ اللمعات (۱۴۲) میدان تصوف میں دو اہم ترین تصنیفات سے لے کر میر علیشیر کے مرقع کے دیباچہ پر لکھے جانے والی شرح تک سب میں مدح و ستایش موجود ہے (۱۴۳)
جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا جامی نے حکام وقت کی ستایش و توصیف دوسرے شاعروں سے کم نہیں کی اور بقول استاد زرین کوب: "اس عالم و عارف کی سی حشمت و عظمت کا کوئی اور مالک نہ تھا اور گویا وہ ہرات کا روحانی بادشاہ تھا اور بادشاہ کی وسیع و عریض سلطنت میں اس کا اثرو رسوخ امراء وزراء کے لئے باعث رشک تھا (۱۴۴) ان ملاحظات کے پیش نظر جامی سے اہل اقتدار کی ستایش و تعریف نا گوار گذرتی ہے۔ کیونکہ ایک سادہ لوح شاعر جو علم و عرفان سے بے بہرہ اور مالی نکتہ نظر سے ضرورت مند ہو یا اپنی مجبوریوں سے عاجز آکر مدح و ثنا کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ اتنا باعث تعجب نہیں جتنا جامی جیسی بلند پایہ شخصیت کا مدح سرائی کی طرف مائل ہونا تعجب انگیز ہے۔ بہر صورت اسے مدح سرائی سے مبرا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

با کاروان حلہ پر تبصرہ کے دوران جو نکات بھی اٹھائے گئے اگر وہ سب صحیح بھی ہوں تو بھی اس کتاب کی اہمیت اپنی جگہ محفوظ ہے۔ یہ عہد حاضر میں فارسی شعرا کے حالات زندگی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں تحقیق، تجزیہ و تحلیل اور دلاویز نثر کے ایک مکمل نمونے کے طور پر اپنی جگہ باقی رہے گی اور بعض نکات پر اتنا تفصیلی اظہار رائے بھی اس امر کا غماز ہے کہ میں استاد زرین کوب کی اس کتاب اور دیگر کتب کی عظمت و اہمیت کا کتنا قائل ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ ان کی تمام تصنیفات کو ایسے نکات سے جن میں بحث و تمحیص کی گنجایش ہے پیراستہ دیکھوں۔

Marfat.com

حوالہ‌جات و تصریحات

(۱) با کاروان حلہ، مطبوعہ تہران ۱۳۴۷ھ-ش: ۱۹۶۸ء صفحہ ۹۷ تا ۱۱۷

(۲) وہی ماخذ۔ صفحہ ۱۰۳

(۳) تحقیقات استاد محیط طباطبائی

(۴) نظامی عروضی سمرقندی کا چہار مقالہ ڈاکٹر معین کے مقدمہ، حواشی و تعلیقات کے ساتھ مطبوعہ تہران ۱۳۳۰ھ. ش: ۱۹۵۱ء، صفحہ ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۴۲ تا ۸۶

(۵) اس کی کتاب "میزان الحکمہ" کی طرف رجوع فرمائیے، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۹ھ. ق، صفحہ ۸ و ۸۷، ۱۵۱

(۶) چہار مقالہ کے حواشی از ڈاکٹر معین، صفحہ ۳۰۲-۳۰۳ اور تتمہ صوان الحکمہ کا ترجمہ مطبوعہ لاہور، صفحہ ۸۸ تا ۹۰

(۷) مکاتیب سنائی، مطبوعہ رامپور ۱۳۴۱ھ. ش: ۱۹۶۲ء، صفحہ ۷۰ تا ۷۷، سنائی کا ستایش سے لبریز خط خیام کے نام

(۸) دیوان خاقانی تصحیح ضیاء الدین سجادی، صفحہ ۵۸

(۹) حواشی ملاحظہ فرمائیے - نمبر ۸

(۱۰) رباعیات خیام پر محمد علی فروغی کا مقدمہ، مطبوعہ تہران ۱۳۳۹ھ. ش - ۱۹۶۰ء، صفحہ ۱۹

(۱۱) چہار مقالہ (تصریحات صفحہ ۳۳۰، حواشی) طربخانہ پر جلال الدین ۴۹۶

Marfat.com

همائی کا مقدمہ ، مطبوعہ تہران ص ۵ ' ٦ ' ۱۲ ' ۲۱ ' ۲۳ ' ۳٦ ' ۵۱ ' ۵۲

(۱۲) لغت نامہ دهخدا میں " خیام ' علی " کے زیر عنوان اس شخص کا نام آیا ہے - اور اس کے دیوان کے بارے لکھا گیا ہے -

(۱۳) تحقیقات استاد محیط طباطبائی

(۱۴) رسالہ " الکون و التکلیف " میں دنیا میں وجود شر کے بارے میں مرقوم توجیہات ملاحظہ ہوں اور اس تصریح کے ساتھ کہ : " تمام ممکنہ موجودات حق تعالیٰ کے مقدس وجود سے صادر ہوتی ہیں بنحواحسن اور صحیح نظام کے ساتھ" اور ہرممکن الوجود کی ماہیت جسے واجب الوجود نے ایجاد و موجود کیا ، اپنی ذات میں ' وجود شر نہیں بلکہ وجود خیر محض ہے"اور" ایجاد کرنے والے سے شر کو نسبت نہیں ، یہ امر مسلم ہے کہ عنایت سرمدیۂ حقۂ الٰهیہ خیر کی جانب متوجہ ہے" اور...اس وقت اس قسم کے مطالب کا موازنہ خیام سے منسوب رباعیات میں پائی جانے والی بد بینی اور نظام آفرینش پر اعتراضات سے کیا جائے اور ... (مذ کورہ رسالہ مصر اور روس میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور مرحوم ضیاءالدین درسی نے جو علم الکلام کے استاد تھے اس حصہ کا ترجمہ کیا اور " کنزالمسائل فی اربع رسائل " میں شامل کیا اور ۱۳۳۰ ھ : ۱۹۵۱ء میں ایران میں شائع ہوا)

(۱۵) بیہقی جسے خیام کی ہم نشینی میسر آئی تتمۂ صوان الحکمۃ میں لکھتا ہے کہ : ایک دن (خیام) شہاب الاسلام الوزیر عبدالرزاق بن الفقیہ الاجل ابی القاسم عبداللہ بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں امام القراء ابوالحسین الغزالی بھی تشریف رکھتے تھے اور ایک آیہ پر آئمۃ القرا کے اختلاف کے بارے میں بحث چل رہی تھی - جب امام(خیام) پہنچے تو شہاب الاسلام نے کہا کہ :" لو اہل علم و دانش بھی آ گیا " مختلف وجوہ میں سے قابل اختیاروجہ کے بارے میں پوچھا گیا ، (خیام) نے اختلاف قراءکی مختلف وجوہات کو بیان کیا - ہر ایک کے لئے دلیل لایا اور ایسے نکات پر جوشاذ ونادر ہی زیربحث آتے تھے تفصیل سے بحث کی - اس کے

Marfat.com

بعد قابل اختیار وجہ کو بیان کیا اور اس کی صحت کے بارے میں دلیل پیش کی۔ امام ابوالفخر الحسین نے کہا کہ اللہ تعالی علما میں تیرے جیسوں کی تعداد زیادہ کرے! خداوند دنیا کو امام (خیام) کے وجود سے خالی نہ کرے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا حکیم و فلسفی کا ذکر کیا حتی کہ پوری دنیا کے قرا میں سے بھی اختلاف قرأت پر کوئی اتنی مدلل گفتگو کر سکتا ہے "۔ یہی بیہقی ' امام محمد بغدادی کے قول سے خیام کی موت کے بارے میں یوں رقمطراز ہے کہ کتاب الشفاء سے وہ مطالعہ الٰہی کے مطالعہ میں مشغول تھا جب وہ واحد و کثیر کے باب پر پہنچا تو اوراق کے درمیان کسی عبارت کے مطالعہ میں مصروف ہوا اور مجھے کہا کہ جاؤ لوگوں کو بلاؤ تا کہ میں وصیت کروں۔ جب اصحاب جمع ہوئے تو وصیت کی شرائط بتا کر نماز میں مشغول ہوا۔ عشاء کی نماز کے لئے خلوت چاہی۔ جب اپنا سر خاک پر رکھا تو کہا: میں نے تجھے پہچان لیا اپنے امکان کی حد تک۔ مجھے معاف فرما ' میری معرفت تیری ذات تک ہے اور تو ہی میرا وسیلہ ہے۔ یہ کہہ کر جان، جان آفرین کے سپرد کی (ترجمہ تتمۂ صوان الحکمہ ص ۸۸ تا ۹۰)

(۱۶) عبدالرحمان خازنی اس کو "الشیخ الامام" کے لقب سے یاد کرتا ہے (میزان الحکمہ۔ ص ۱۵۱) بیہقی "حجۃ الحق" اور "امام" کے لقب سے' (ترجمہ تتمۂ صوان الحکمہ ص ۸۸) چہار مقالہ کا مصنف اور دوسرے بھی اس قسم کے عناوین سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ (چہار مقالہ اور اس کی تعلیقات ص ۱۰۰)

(۱۷) با کاروان حلہ ' صفحہ ۲۳۲

(۱۸) وہی ماخذ صفحہ ' ۲۳۰ ' ۲۳۹

(۱۹) تو ہم چنان دل شہری بہ غمزہ ای ببری

کہ بندگان بنی سعد خوان یغمارا

(کلیات سعدی مطبوعہ تہران ۱۳۴۰ھ ش : ۱۹۶۱ء ' صفحہ ۲۴۳)

ترجمہ: تم اپنے ناز و غمزہ سے اہل شہر کے دل اس طرح لوٹ رہے

Marfat.com

ہو جس طرح بنی سعد کے غلام مال غنیمت لوٹ لے جاتے ہیں ۔

(۲۰) همهٔ قبیلهٔ من عالمان دین بودند — مرا معلم عشق تو شاعری آموخت
(وہی ماخذ صفحہ ۴۵۴)

ترجمہ : میرے قبیلے کے تمام لوگ علمائے دین تھے ۔ تیرے عشق نے مجھے شاعری سکھا دی ۔

(۲۱) سختم آید که به هر دیده تو را می نگرند
سعدیا غیرتت آمد نه عجب سعد غیور
(وہی ماخذ صفحہ ۵۷۴)

ترجمہ : ہر نظر سے لوگوں کا تجھے دیکھنا مجھ پر بہت کٹھن ہے ۔ اسے سعد غیور تجھ سے یہ غیرت عجب نہیں ۔

(۲۲) اس عارف کی زندگی کے بارے مزید معلومات کے لئے رجوع فرمائیے لغت نامہ دهخدا ۔ قطب الدین عبداللہ کے زیر عنوان ۔ اور "الذریعہ" جلد ۱ ، صفحہ ۸۷ اور جلد ۹ صفحہ ۸۸۴ اور جلد ۴ صفحہ ۴۱ اور جلد ۲۲ صفحہ ۱۳۶ تا ۱۳۹ اور "ریحانة الادب" ج ۴ صفحہ ۳ ۔ ۴۷۲ اور "فہرست نسخه های خطی فارسی" جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۸ و ۱۴۴۵-۷ اور "ارزش میراث صوفیہ" صفحہ ۸ ۹ اور ۲۵۰ تا ۲۵۳ و ۳۶۲ و ۹۸ اور "تذکرهٔ روز روشن" صفحہ ۶۶۲ اور "تذکرهٔ هفت اقلیم" جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ ، ۲۱۰ اور "مجالس المؤمنین" جلد ۱ صفحہ ۶ اور ۵۱ تا ۵۱۷ اور "فهرست کتابخانه مجلس" جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۲۳ تا ۱۲۲۸ ۔

(۲۳) ای که پنجاه رفت و در خوابی — مگر این پنج روز در یابی
(کلیات سعدی صفحہ ۴)

ترجمہ : اسے کہ تمہاری زندگی کے پچاس سال گذر گئے اور تم ابھی تک خواب غفلت میں ہو ۔ چند روزہ باقی ماندہ زندگی سے تو کوئی فائدہ اٹھالو ۔

چو پنجاه سالت برون شد ز دست — غنیمت شمر پنج روزی که هست
(وہی ماخذ صفحہ ۳۱۸)

Marfat.com

ترجمہ : زندگی کے پچاس سال تیرے ہاتھ سے نکل گئے۔ باقی ماندہ پنج روزہ زندگی کو غنیمت سمجھ۔

(۲۴) سعدی نے گلستان کو ۶۵۶ھ میں تالیف کیا اور اس بارے میں کہتا ہے کہ :

در ایں مدت کہ ما را وقت خوش بود ز ھجرت ششصد و پنجاہ و شش بود

(وہی ماخذ صفحہ ۳۱۸)

ترجمہ : اس زمانے میں ہم آسودہ و خوشحال تھے اور یہ سال ۶۵۶ ہجری کا سال تھا۔

اور بوستان ، گلستان کی تصنیف سے ایک سال پہلے لکھی گئی۔

(با کاروان حلہ، صفحہ ۲۳۲)

(۲۵) کلیات سعدی ۳۱۸

(۲۶) وہی صفحہ ۲۶۶

(۲۷) فرھنگ دکتر معین جلد ۵ صفحہ ۸۰ اور ۳۹۵

(۲۸) ایضاً از مقالہ استاد محیط طباطبائی

(۲۹) با کاروان حلہ صفحہ ۲۷۵

(۳۰) وہی ماخذ صفحہ ۳۷۶

(۳۱) وہی ماخذ صفحہ ۲۸۲

(۳۲) دیوان حافظ بہ تصحیح خانلری صفحہ ۳۸۸

(۳۳) دیوان حافظ بہ تصحیح خانلری صفحہ ۲۶۸، دیوان حافظ کا مقدمہ انجوی کے قلم سے صفحہ ۶۰

(۳۴) دیوان حافظ بہ تصحیح خانلری صفحہ ۲۲۷

(۳۵) وہی ماخذ صفحہ ۹۰۰

(۳۶) وہی ماخذ صفحہ ۲۹۰

Marfat.com

(۳۷) وہی ماخذ صفحہ ۹۰

(۳۸) وہی ماخذ صفحہ ۵۴۲

(۳۸) وہی ماخذ صفحہ ۵۴۲

(۳۹) وہی ماخذ صفحہ ۶۲۶

(۴۰) وہی ماخذ صفحہ ۳۶۶

(۴۱) وہی ماخذ صفحہ ۴۹۷

(۴۲) وہی ماخذ صفحہ ۶۸۰

(۴۳) وہی ماخذ صفحہ ۷۲

(۴۴) وہی ماخذ صفحہ ۴۱۰

(۴۵) وہی ماخذ صفحہ ۸۱۴

(۴۶) وہی ماخذ صفحہ ۹۷۸

(۴۷) وہی ماخذ صفحہ ۹۳۰

(۴۸) وہی ماخذ صفحہ ۷۳۴

(۴۹) وہی ماخذ صفحہ ۵۲

(۵۰) وہی ماخذ صفحہ ۸۱۰

(۵۱) وہی ماخذ صفحہ ۸۲۲

(۵۲) لطائف اشرفی جو سید محمد اشرف جہانگیرسمنانی کے ملفوظات، سوانح و فضائل پر مشتمل ہے اور جسے نظامی یمنی نے تدوین کیا نیز اس کتاب کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے (صفحہ ۷۷ حصہ اول' مطبوعہ کراچی

(۵۳) دیوان حافظ مصحح خانلری صفحہ ۱۳۴

(۵۴) سید نے ۷۱۴ھ میں ولادت اور ۷۸۶ھ میں وفات پائی (احوال و اثار میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض خان مطبوعہ اسلام آباد ۱۳۴۶ھ۔ ش صفحہ ۶ و ۶۸۔ محمد قزوینی کے مطابق حافظ ۷۱۰ھ میں پیدا ہوا اور ۷۹۲ھ

Marfat.com

میں فوت ہوا (لغت نامہ دھخدا حرف حاء صفحہ ۱۱۴ و ۱۱۵)

اگرچہ ایک اور قول کے مطابق جو زیادہ صحیح نظر آتا ہے حافظ کی ولادت ۷۲۷ھ میں ہوئی (تاریخ ادبیات در ایران ، ڈاکٹر صفا ، مطبوعہ تہران ۱۳۶۳ھ ش جلد ۳ صفحہ ۱۰۶۶) اس طرح وہ سید سے تیرہ سال بعد پیدا ہوا۔

(۵۵) یہ کتاب " احوال و آثار میر سید علی ہمدانی " کے ضمن میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۔ اسلام آباد نے شائع کی ہے ۔

(۵۶) شیخ جام کے بارے میں جو ژندہ پیل کا لقب رکھتے ہیں ' حافظ نے کہا ہے ۔

حافظ مرید جام جم است ای صبا برو وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را

(دیوان حافظ با تصحیح الجوی صفحہ ۸)

ترجمہ : تو جام جمشید کا مرید ہے اے صبا ! جا اور خادم کی جانب سے جام کے شیخ کو بندگی پہونچا دے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شعر شیخ جام پر ایک طنز و چوٹ ہے ۔ (جستجو در تصوف ایران صفحہ ۲۳۳) . حالانکہ اس سے پہلے ہم نے دیکھا کہ حافظ کا معاصر عارف، شیخ جام کو خواجہ کا مرشد سمجھتا ہے ۔ دوسرے شعر کا انداز " ازبندہ بندگی برسان ... " شیخ جام سے حافظ کی ارادت و اخلاص کا مظہر ہے اور یہ کہ مذکورہ تعبیرات کو طنز و تضحیک کے طور پر استعمال کیا گیا ہو عبارت کے ظاہری مفہوم کے منافی ہے اور اس کے لئے قرینہ لازم ہے اور یہ کہ بعض نسخوں میں " جام جم " کی جگہ " جام مے " کا ذکر اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ حافظ نے اس شعر میں شیخ جام پر طعنہ زنی کی ہو اور بادہ گساروں سے اس کی چپقلش کے باعث اس کا مذاق اڑایا ہو کیونکہ شیخ جام کی نسبت اس کا تعظیمی لہجہ اس بات کا ثبوت ہے اگر " جام مے " ہی درست ہو تو اس شراب سے مراد روحانی و عرفانی شراب ہے اور دیوان حافظ

Marfat.com

میں بعض مواقع پر شراب سے مراد شراب ظاہری نہیں اور استاد زرین کوب بھی اس امر کی تصدیق میں رقم فرماتے ہیں :

(حافظ) ایک اور غزل میں بھی رمزوابہام سے آمیختہ لہجہ میں کہتا ہے : دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند (میں نے کل شب دیکھا کہ فرشتوں نے میخانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا) میں ایک صوفیانہ مکاشفہ کو مجسم کرتا ہے اور گویا کشف و شہود کے عالم میں تخلیق آدم کے مختلف مراحل کو دیکھتا ہے اور میخانہ میں جو عالم وجود کے لئے کنایہ ہے صاف طور پر دیکھتا ہے کہ آدم کی مٹی کو کس طرح بیخودی اور حود فراموشی کے جام سے گوندھ رہے ہیں اور ... (جستجو در تصوف ایران مطبوعہ تہران ۱۳۵۷ھ. ش : ۱۹۷۸ء صفحہ ۲۳۴، ۲۳۵)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حافظ حلاج اور ابن عربی کی طرح اپنے مکاشفات میں کائنات کی ہر چیز میں حق کی تجلی دیکھتا ہے : عکس روی تو در آئینہ جام افتاد، (جب تیرے چہرے کا عکس، جام کے آئینہ میں پڑا) شاعر پوری غزل میں اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ " یہ سب شراب کے عکس اور خوبصورت نقش کس نے بنائے " یہ حق کی ایک تجلی ہے، رخ ساقی کی چمک ہے جو جام دل پر پڑی ۔ (وہی ماخذ صفحہ ۲۳۵)

اب یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ اس شعرمیں جس میں شیخ جام کا ذکر آیا ہے " جام می " سے مقصد وہی عرفانی و روحانی معنی نہ ہوں اور اپنے پہلے مفروضہ کے مطابق ان دو لفظوں " بندہ، اور بندگی " سے مراد ادب و حرمت ہو اور نہ مذاق و تضحیک ؟

ان تمام سے صرف نظر تصوف کے بڑے بڑے مشائخ جو حافظ کے معاصر تھے (بعد کے زمانے میں بھی بہت سے) باوجود اس کے کہ شیخ جام سے مبالغہ کی حد تک ارادت و اخلاص رکھتے تھے اور ان کے مکتب فکر، تصانیف

Marfat.com

اور معنویت کو سر چشمہ الخام سمجھتے ہوے عین حال خواجہ شیراز اور اس کے اشعار کے معتقد بھی تھے اور ان سے قلبی وابستگی رکھتے تھے ، اور یہ امر بھی اس احتمال کو کمزور کر دیتا ہے کہ حافظ نے شیخ جام پر چوٹ کی ہو کیونکہ ایک روحانی پیشوا سے ممکنہ حد تک ارادت و عقیدت کوئی سیاسی تعلقات نہیں ہیں جو دو دشمن میں بھی برقرار رہ سکتے ہیں مثلاً جیسے قاسم انوار جو شیخ جام کا نہایت ہی معتقد مرید تھا اس حد تک کہ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جام شہر میں مرقد شیخ کے نزدیک سکونت اختیار کر لی تھی اور اکثر ماخذ شیخ کو اس کے لئے سر چشمہ الہام سمجھتے ہیں۔ وہ شیخ کی کتاب روضة المذنبین پر خاص نظر رکھتا تھا اور اس نے بلاشک اس کتاب اور اس کے مصنف کی تعریف و توصیف میں ایک نظم لکھی وہ کہتا ہے:

روضة المذنبین احمد جام — آن نہنگ محیط بحر آشام

آسمانی است پر ماہ وپروین — بوستانیست پر گل ونسرین

رحمت ایزدی بہ جانش باد — لعنت حق بہ دشمنانش باد

ترجمہ : احمد جام کی روضة المذنبین بحر آشام مگر مچھ ہے۔
وہ آسمان ہے جو چاند و ستاروں سے مزین ہے۔
وہ ایک باغ ہے جس میں گلاب و نسرین کی فراوانی ہے۔
خداوند متعال اس پر اپنی رحمت کرے۔
اس کے دشمنوں پر خدا کی لعنت ہو۔

اور احمد جام کی ستایش میں کہتا ہے۔

ای واہنمای ملک معانی چہ گویمت — در دین حق مساعد جانی چہ گویمت

ہرزلدہ دل کہ نام تو بشنید زندہ شد — سلطان شہر زندہ دلانی چہ گویمت

من وصف گفشت نتوانم بہ ہیچ حال — چون بادشاہ ملک عیانی چہ گویمت

تو میر رہروانی و صد جان طفیل تست — باز سفید صدر جنانی چہ گویمت

Marfat.com

سلطان ہر دو کونی و عالم گدائی تست — در ملک فقر شاہ نشانی چہ گویمت
خواہم بہ جان کہ وصف تو گویم بہ صد زبان — چو بینمت کہ بر تراز آنی چہ گویمت
ای شہریار ملک ولایت تو را سلام — برترز عقل و فکر و بیانی چہ گویمت
تو زندہ پیل حضرتی و پادشاہ جام — ای جان و دل چون جان و جہانی چہ گویمت
قاسم گدای کوی تو شد جان و دل بداد — ای شاہ جان تو امن و امانی چہ گویمت

ترجمہ : اے ملک معانی کے راہنما میں تجھے کیا کہوں۔
اے دین حق میں سازگار روح کے مالک میں تجھے کیا کہوں۔

جس زندہ دل نے بھی تمہارا نام سنا زندہ ہوگیا تم زندہ دل لوگوں کے شہر کے بادشاہ ہو میں تجھے کیا کہوں۔

میں کسی حال میں بھی تمہاری تعریف نہیں کر سکتا کیونکہ تم بظاہر ایک ملک کے تاجدار ہو۔

تم سالکان راہ طریقت کے پیشوا ہو تم پر سینکڑوں جانیں فدا۔ تم روضہ رضوان کے سفید عقاب ہو میں کیا عرض کروں۔

تم دو جہان کے بادشاہ ہو اور دنیا تمہاری گدا ہے تم مملکت فقر میں بادشاہ کی طرح ہو میں تجھے کیا کہوں۔

میں جان و دل سے چاہتا ہوں کہ صد زبان ہو کر تیرا وصف بیان کروں لیکن جب دیکھتا ہوں کہ تم ان سب سے بالاتر ہو تو میں کیا عرض کروں۔

اے ملک ولایت کے تاجدار تم پر میرا سلام ہو۔ تم میری عقل، فکر اور بیان سے بہت برتر ہو میں آپ کا وصف کیا بیان کروں۔

تم حضرت ژندہ پیل و پادشاہ جام ہو اے جان و دل آپ میرے لئے جان و جہان کی مانند ہیں میں کیا کہوں۔

قاسم تمہارے کوچے کا گدا ہے وہ اپنا دل و جان لٹا بیٹھا ہے۔ اے روح کے مالک تم آسودہ خاطر ہو میں کیا عرض کروں۔

اور پھر قاسم انوار خواجہ شیراز سے جو بقول ان کے شیخ جام کے مخالف

Marfat.com

تھے قلبی تعلق رکھتا ہو اور دیوان حافظ کو جو بقول ان کے شیخ جام پر طعن تشنیع سے لبریز ہے ہمیشہ اس کے زیر مطالعہ رہے یہ ایسی بات ہے جس کو آسانی سے قبول نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہا جائے کہ قاسم انوار جو تقریباً چالیس سال تک حافظ کا معاصر تھا لیکن اس کو پہچانتا بھی نہیں تھا اور دیوان حافظ کے متواتر مطالعہ کے نقصانات سے بھی آگاہ نہیں تھا اور نتیجتاً حافظ کے دوسرے مخالفین کی طرح اس پر لعنت بھیجنے کی بجائے اس کی تقدیس کی جائے لیکن چھ سو سال بعد کے لوگ حافظ کی زبان کو سمجھتے ہیں اور جزئیات کی وضاحت کرتے ہیں (قاسم انوار اور شیخ جام میں تعلقات کے لئے کلیات قاسم انوار مصحح و مقدمہ سعید نفیسی مطبوعہ تہران ۱۳۳۷ھ ش: ۱۹۵۸ء مقدمہ، صفحہ ۹۶، ۵۱ اور حافظ سے اس کی ملاقات کے لئے دیکھئے صفحہ ۶-۱۰۵، ۲-۳۵۱، اس بارے میں مقالے میں بھی توضیحات دی گئی ہیں۔

حافظ پر کفر گوئی کی تہمت کے بارے میں ایک اور روایت بھی ہے جس کے ایک حصے سے استاد زرین کوب نے بھی استناد کیا ہے (از گلستان عجم صفحہ ۳۳۶) اگرچہ وہ معتبر نہیں ہے باوجود اس کے اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس کے دوسرے حصے میں حافظ کا مولانا شیخ زین الدین تا یبادی سے مدد مانگنا اور اس عارف کا حافظ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونے کا واقعہ بھی درج ہے۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ تایبادی بھی اویسی تھا اور شیخ جام کی معنویت کا پروردہ تھا، بہت بعید نظر آتا ہے کہ حافظ شیخ جام کا مذاق بھی اڑائے اور اس کے معتقد مرید سے مدد بھی طلب کرے۔ اور یہ مرید بھی اپنے مرشد سے نہایت گہرے تعلق کے باوجود اسے مطعون کرنے والے کی مدد و حمایت بھی کرے اور اس کو ہلاکت سے نجات دلائے۔ پس اگر یہ داستان صحیح ہو تو حافظ کی شیخ جام سے ارادت کسی اور باطنی مناسبت سے ہوگی۔ اگرچہ اس کا زمانہ شیخ جام سے اڑھائی سو سال بعد کا زمانہ تھا لیکن اس نے معنوی

Marfat.com

طور پر شیخ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی اور یہ بات کہ خواجہ اویسی تھا سید محمد اشرف کے بیان سے بھی ظاہر ہے جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے (اس داستان کے ماخذ اور تحقیق کے لئے رجوع فرمائیے نمبر ۸۶ تا ۸۹ اور شیخ جام کے احوال زندگی اور میخواروں سے ان کی چپقلش کے بارے میں رجوع فرمائیے " مقامات ژندہ پیل " ص ۹ - ۱۸ اور تصریحات ، مطبوعہ تہران ۱۳۴۰ھ.ش : ۱۹۶۱ء)

(۵۷) اس شخص کو وہی قوام الدین عبداللہ ہونا چاہیے جس کے بارے میں زیادہ تر اطلاعات " عرفات العاشقین " میں ملتی ہیں بلاشبہ یہ کتاب فارسی کا بہترین اور جامع ترین تذکرہ ہے اور تصنیف و تالیف کے کام میں بہت ہی اہم ماخذ کے طور پر اس سے رجوع کیا گیا ہے۔ واقعات کو نقل کرنے میں دیانت اور مطالب کی صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور بعد میں آنے والے تقریباً سارے تذکرہ نویس اسی کے خوشہ چین ہیں (تاریخ تذکرہ ہای فارسی جلد ۲ ۹ - ۷ مطبوعہ تہران ۱۳۵۰ھ.ش ۱۹۷۱ء)

مصنف "عرفات "بظاہر نویں صدی ہجری میں لکھی گئی ایک معتبر کتاب کے حوالے سے مولانا قوام الدین عبداللہ (اور اس کے چچا زاد مولانا شمش عبداللہ) کو مکتب عرفان و ادب میں حافظ کا استاد سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں : شعر میں حافظ کے افکار اور بلند نظری اسی کے باعث ہے اس نے غزلیات میں ان کے انداز کو اپنایا وہ ان کے شاگردوں میں سے ہے کیونکہ کشف کشاف اس نے انہی سے پڑھی اور ہمیشہ ان کی مدح خوانی کی اور حافظ نے ان کی جن غزلیات کا جواب لکھا ان میں سے ایک یہ ہے :

ایدل برو و معتکف کوی مغان باش می برکش و خاک رہ رندان جہان باش

ترجمہ : اے دل جاؤ کوچہ مغان میں معتکف ہو جاؤ . شراب پیئو اور رندان دنیا کی راہ کی خاک بن جاؤ ۔

Marfat.com

بی رطل گران عمر سبک میرود از دست

بر خیز و سبک در طلب رطل گران باش

ترجمہ: جام شراب کے بغیر عمر گذرتی جا رہی ہے۔ اٹھو اور جام شراب کے حصول میں جلدی کرو۔

چندین زمی زهد چرا نام فروشی

بفروش بمی خرقه و بی نام و نشان باش

ترجمہ: تم شراب پارسائی سے کب تک اپنا نام بیچو گے۔ یہ فقیرانہ لباس شراب کے عوض بیچ ڈالو اور گم نام رہو۔

سرمایه جان گر بخرند از تو بجامی

بفروش و بده گو همگی مایه زیان باش

ترجمہ: اگر جام شراب کے بدلے تم سے جان بھی مانگیں تو بیچ ڈالو اگر چہ یہ تمہارے لئے باعث نقصان ہو۔

ای پیر اگرت آرزوی دور جوانیست

در حلقهٔ رندان رو و می نوش و جوان باش

ترجمہ: اے بوڑھے اگر تجھے جوانی کی تمنا ہو تو حلقہ رنداں میں جاؤ شراب پیئو اور رہو۔

بی بادهٔ تحقیق صفا نیست قواما

ایدل چو صفا میطلبی در پی آن باش

ترجمہ: ای قوام الدین شراب معرفت کے بغیر صفائے دل کہاں۔ ای دل جب پاکیزگی دل کے خواہاں ہو تو اس کی طلب میں رہو۔

(تکملہ حواشی تذکرۂ میخانہ مطبوعہ تہران ۱۳۴۰ھ ش : ۱۹۶۱ء صفحہ ۲-۹۵۱)

قوام الدین کے موجودہ اشعار میں حافظ کے بارے میں توصیفی اشعار

Marfat.com

نہیں ملتے ، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ "عرفات" کے مصنف کا مقصد منظوم مدح سے ہے یا کچھ اور لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل غزل مذکورہ غزل کے استقبال میں لکھی گئی ہو ۔

باز آی و دل تنگ مرا مونس جان باش

وین سوختہ را محرم اسرار نہان باش

ترجمہ : پھر آجا اور میرے رنجیدہ دل کے لئے' جان کا مونس بن جا اور اس سوختہ دل کے پوشیدہ رازوں کا محرم بن جا ۔

زان بادہ کہ در مصطبۂ عشق فروشند

مارا دوسہ ساغر بدہ و گو رمضان باش

ترجمہ : اس شراب سے جو عشق کے شرابخانہ میں بیچتے ہیں ہمیں دو تین ساغر دو خواہ رمضان ہی ہو۔

در خرقہ چو آتش زدی ای عارف سالک

جہدی کن و سر حلقۂ رندان جہان باش

ترجمہ : اے عارف ، سالک جبکہ تو نے گدڑی میں آگ لگا دی ہے کوشش کرو ، اور دنیا بھر کے رندوں کا سرگروہ بن جاؤ ۔

دلدار کہ گفتا بہ تو ام دل نگران است

گومی رسم اینک بہ سلامت نگران باش

ترجمہ : جس محبوب نے کہا ہے ، کہ میرا دل تیرا منتظر ہے ۔ اس سے کہدو کہ میں ابھی سلامتی سے پہونچتا ہوں ؛ منتظر رہے ۔

خون شد دلم از حسرت آن لعل روان بخش

ای درج محبت بہ ہمان مہر و نشان باش

ترجمہ : اس روح بخشنے والے ہونٹ کی حسرت میں میرا دل خون ہو گیا ۔ وہ محبت کی ڈبیہ اس مہر و نشان کے ساتھ رہے ۔

Marfat.com

تا ہر دلش از غصہ غباری نہ نشیند

ای سیل سرشک از عقب نامہ روان باش

ترجمہ: تاکہ اس کے دل پر، غصے کی وجہ سے کچھ غبار نہ بیٹھے۔
اے آنسوؤں کے سیل! خط کے پیچھے رواں ہو جا۔

ای زاهد اگر وصلت مینا دهدت دست

از همت پیران دو عالم بامان باش

ترجمہ: اے زاہد اگر صراحی کا وصل تجھے میسر آ جائے دونوں جہانوں کے بزرگوں کی باطنی توجہ سے امن میں رہ۔

حافظ کہ ہوس می کند از جام جهان بین

گو در نظر آصف جمشید مکان باش

(دیوان حافظ مصحح خانلری صفحہ ۵۵۰)

ترجمہ: حافظ جو جام جہاں بین کی ہوس کرتا ہے اس کو کہہ دو کہ جمشید مرتبہ، آصف کی نظر میں رہے۔

اور حافظ کی یہ رباعی۔

مردی ز کنندہ در خیبر پرس — اوصاف کرم ز خواجہ قنبر پرس

گر تشنۂ فیض حق بہ صدقی حافظ — سر چشمہ آن زساقی کوثر پرس

(دیوان حافظ مصحح خانلری صفحہ ۱۱۰۱)

ترجمہ: بہادری کی بات خیبر کا دروازہ اکھاڑنے والے سے پوچھ۔ کرم کے راز قنبر کے آقا سے پوچھ۔
اے حافظ اگر تو فیض حق کا سچا پیاسا ہے تو اس کا سر چشمہ کوثر کے ساقی سے پوچھ۔

ظاہراً قوام کی مندرجہ ذیل رباعی کو ذہن میں رکھتے ہوئے لکھی گئی۔

یا رب گناہ مرا بہ پیغمبر بخش — تقصیر مرا بہ ساقی کوثر بخش

از راہ خطا اگر مرا سہوی رفت — رحمی بکن و بخواجہ قنبر بخش

Marfat.com

(ایضاً تکملۂ حواشی تذکرۂ میخانہ صفحہ ۹۵۳)

ترجمہ: اے خدا پیغمبر (ص) کے صدقے میرے گناہ بخش دے۔ ساقی کوثر کے صدقے میری خطاؤں کو بخش دے۔ اگر غلطی سے مجھ سے بھول ہوگئی تو مجھ پر رحم فرما اور قنبر کے آقا (حضرت علی) کے صدقے مجھے معاف کر دے۔

مذکورہ ماخذ میں قوام کے اور اشعار بھی آئے ہیں اور شاید دیوان حافظ میں تحقیق کے باعث کچھ شواہد مل جائیں جو اس بات کا ثبوت ہوں کہ حافظ اس سے متاثر تھا۔

استاد زرین کوب کی تحریر سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مولانا قوام الدین ایک بہت ہی پارسا اور با اخلاص انسان تھے اور وہ تمام مروجہ علوم میں دسترس رکھنے کے علاوہ قرآن، تفسیر اور شرعی علوم کی تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ حافظ کئی سال آن کی شاگردی میں رہا۔ اور ان کی تدریسی محافل میں حاضر رہتا اور اس کے تعلقات ان سے کچھ ایسے تھے کہ کہا جا سکتا ہے: "کہ سحر خیزیوں کا ما حاصل وہ تمام سلامت طلبیاں اور برکتیں جو حافظ قرآن کریم کی بدولت سمجھتا تھا، قوام الدین عبداللہ کی انہی مجالس قرآن کی طرف اشارہ ہیں" از کوچہ رندان مطبوعہ تہران ۱۳۴۹ھ۔ش: ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۷ اور ۱۲، ۶۲ بھی)

(۵۸) اس شخص کی پہچان نہیں ہوئی، شاید وہی شہاب الدین سہروردی ہو جس کا سعدی نے "شیخ دانای مرشد شہاب" کے نام سے تذکرہ کیا ہے اور شاید شہاب الدین اہری ہو جس نے ۶۹۵ یا ۶۹۸ ہجری میں وفات پائی تھی لیکن جو بھی ہو یہ امر لازم ہے کہ متذکرہ مرشد کے ساتھ حافظ کا رابطہ روحانی رابطہ تھا اور اس نے ان کی روحانیت سے رشد و ہدایت کا اکتساب کیا تھا کیونکہ ان دونوں کی وفات کے کئی سال بعد حافظ کی پیدائش ہوئی ہے۔
(سہروردی کے بارے میں ملاحظہ ہو لغت نامۂ دہخدا، سہروردی کے ذیل میں،

Marfat.com

سعدی نامہ میں " سعدی و سہروردی " کے نام سے بدیع الزمان فروزانفر کا مقالہ اور نیز اھری کے بارے میں ملاحظہ کیجئے : لغت نامۂ دھخدا ' شہاب الدین کے ذیل میں)

(۵۹) شعر فارسی در عہد شاھرخ ، مطبوعہ تہران ، ۱۳۳۴ھ ش : ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰۱ و ۱۶۴ ، تاریخ ادبیات در ایران از دکتر ذبیح‌اللہ صفا ، مطبوعہ تہران ۱۳۶۳ھ ش : ۱۹۸۴ء جلد چہارم ، صفحہ ۲۵۹

(۶۰) قاسم انوار ۷۵۷ ہجری میں پیدا ہوا (مقدمہ سعید نفیسی برکلیات قاسم انوار ، صفحہ باسٹھ) اور حافظ نے ۷۹۲ھ میں وفات پائی (لغت نامہ دھخدا ' حرف ح ، صفحہ ۱۱۵)

(۶۱) مقدمہ نفیسی برکلیات قاسم انوار ، مطبوعہ تہران ۱۳۳۷ھ ش : ۱۹۵۸ء صفحہ چودہ و پندرہ ، تذکرۂ دولتشاہ سمرقندی ، مطبوعہ ہند ، ۱۳۰۵ ہجری قمری صفحہ ۱۳۱ - ریاض العارفین از ھدایت ، مطبوعہ تہران ' سال ۱۳۰۵ ہجری قمری ، صفحہ ۱۷۷

(۶۲) مقدمہ نفیسی برکلیات قاسم انوار ' صفحہ ایک سو آٹھ

(۶۳) شعر فارسی درعہد شاھرخ ' صفحہ ۱۳۱

(۶۴) جیسا کہ حافظ نے کہا ہے :

زیر شمشیر غمش رقص کنان باید رفت
کان کہ شد کشتۂ او نیک سر انجام افتاد

(دیوان حافظ بہ تصیحح خانلری ۲۲۰)

ترجمہ : اس کے غم کی تلوار کے نیچے ناچتے ہوئے جانا چاہیے اس لئے کہ جو اس کا مقتول بنا نیک انجام ہوا -

اور سید نے کہا ہے :-

پیش تیغ تو روان جان و سرالدر بازیم ہر کہ شد کشتۂ شمشیر غمت محترم است

Marfat.com

(کلیات قاسم انوار' صفحہ۴۵ ' شعر فارسی در عہد شاہرخ صفحہ ۱۵۸
ترجمہ : تیری تلوار کے نیچے سردھڑ کی بازی لگادیں گے کیونکہ تیرے غم کی تلوار کا جو مقتول بنا وہ قابل احترام ہے ۔

(۶۵) دیوان حافظ با تصحیح انجوی، صفحہ ۸۳

(۶۶) لغت نامہ دہخدا ' " جرجانی میر سید شریف " کے ذیل میں

(۶۷) نفحات الانس' بہ تصحیح توحیدی پور ، مطبوعہ تہران ، صفحہ ۳۸۶

(۶۸) ملاحظہ ہو پاورقی نمبر ۶۵

(۶۹) دیوان حافظ بہ تصحیح انجوی ، مقدمہ ' صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۷

(۷۰) جستجو در تصوف ایران ' صفحہ ۲۳۲ ' با کاروان حلہ ، صفحہ ۳۷۵ ، از کوچہ رندان ، صفحہ ۱۷۳ ' ۱۷۵ ' ۱۷۶

(۷۱) جستجو در تصوف ایران ، صفحہ ۲۳۱

(۷۲) مثنوی معنوی ' دفتر دوم ، بیت ۵۳۲ ، اس سے قبل اور بعد کے ابیات (مطبوعہ نکلسن)

(۷۳) وہی ماخذ ' دفتر پنجم ، بیت ۳۶۴

(۷۴) وہی ماخذ ' دفتر ششم ' بیت ۶ - ۳۸۵۵ اور دوسرے ابیات

(۷۵) وہی ماخذ ' دفتر سوم ، بیت ۶۷۸ و ۶۹۴ اور دوسرے ابیات

(۷۶) لغت نامۂ دہخدا ، مغربی کے ذیل میں ، دیوان شمس مغربی ، مطبوعہ تہران ' ۱۳۶۲ھش :۱۹۸۳ء مقدمہ بہ قلم صادق علی ' خصوصاً صفحہ ۲۲ '۲۳ ' ۳۲ '۳۴ '۳۵

(۷۷) از خانقہ و صومعہ و مدرسہ رستیم
در کوی مغان با می و معشوق نشستیم

ترجمہ : ہم نے خانقاہ ' صومعہ اور مدرسہ سے کنارہ کشی کر لی ہے کوچہ مغان میں مئے و معشوق کے ساتھ بیٹھ گئے ہیں ۔

Marfat.com

سجادہ و تسبیح بہ یک سوی فکندیم

در خدمت ترسا بچہ زنار بستیم

ترجمہ: ہم نے سجادہ و تسبیح کو ایک طرف پھینک دیا ہے اور ترسا بچہ کی خدمت اختیار کر کے زنار باندھ لیا ہے۔

در مصطبہ ھا خرقۂ سالوس دریدیم

در میکدہ ھا توبۂ ناموس شکستیم

ترجمہ: ہم نے خرقہ سالوس کوچے خانوں میں چاک کر دیا ہے اور میکدوں میں نیک نامی کی توبہ کو توڑ ڈالا ہے۔

از دانۂ تسبیح شمردن برھیدیم

وز دام صلاح و ورع و زھد بجستیم

ترجمہ: تسبیح کے دانے گننے سے ہم نے چھٹکارا حاصل کر لیا اور ہم نے مصلحت کوشی، پارسائی اور زہد کے دام سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اور:

باما سخن از کشف و کرامات مگوئید

چون ما ز سر کشف و کرامات گذشتیم

ترجمہ: میرے پاس کشف و کرامات کی باتیں نہ کریں کیونکہ ہم نے کشف و کرامات سے کنارہ کشی کر لی ہے۔

در خلوت تاریک ریاضات کشیدیم

در واقعہ از سبع سماوات گذشتیم

ترجمہ: ہم نے تاریک تنہائیوں میں ریاضتیں کیں در حقیقت ہم سات آسمانوں سے ماوراء چلے گئے ہیں۔

دیدیم کہ اینہا ھمگی خواب و خیالی است

مردانہ ازین خواب و خیالات گذشتیم

ترجمہ: ہم نے دیکھا کہ یہ سب خواب و خیال ہے لہذا ہم اس خواب

Marfat.com

و خیالات سے مردانہ وار گذر گئے۔

بسیار ز احوال و مقامات ملافید

باما کہ ز احوال و مقامات گذشتیم

ترجمہ: اپنے احوال و مقامات کے بارے میں ہمارے ساتھ زیادہ لافیں نہ ماریں کیونکہ ہم ان احوال و مقامات سے گذر چکے ہیں۔

ای شیخ اگر جملہ کمالات تو این است

خوش باش کزین جملہ کمالات گذشتیم

ترجمہ: اے شیخ اگر تیرے ساوے کمالات یہی ہیں تو تجھے مبارک ہوں، تو ان پر خوش رہ کیونکہ ہم ان سب کمالات سے گذر چکے ہیں۔

درد سر ارشاد زما دور کن ای پیر

کز پیر و مریدی و ارادت گذشتیم

ترجمہ: اے پیر! تو رشد و ہدایت کے درد سر کو ختم کر کیونکہ ہم پیری مریدی اور عقیدتمندی کے جھمیلوں سے گذر چکے ہیں۔

از خانقہ و صومعہ و زاویہ رستیم

ز اوراد رھیدیم و ز اوقات گذشتیم

ترجمہ: ہم نے خانقاہ، صومعہ اور گوشہ نشینی ترک کر دی ہے۔ ہم نے ورد سے نجات حاصل کر لی ہے اور مقام و حیثیت کو فراموش کر چکے ہیں۔

از کعبہ و بتخانہ و زنار و چلیپا

از میکدہ و کوی خرابات گذشتیم

ترجمہ: ہم نے کعبہ، بتخانہ، زنار، صلیب، میکدہ اور کوچہ خرابات سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہوئی ہے۔

این ھا بحقیقت ھمہ آفات طریقند

المنۃ للہ کہ ز آفات گذشتیم

Marfat.com

ترجمہ: در حقیقت یہ سب چیزیں آفات راہ ہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہم نے ان آفات سے نجات حاصل کر لی ہے۔

(دیوان شمس مغربی، صفحہ ۸-۳۱۷ و نفحات الانس جامی، صفحہ ۶۱۳ - جامی نے لکھا ہے: جب شیخ اسمعیل سیسی (مغربی کے پیر و مرشد) نے درویشوں کو چلہ کے لئے بٹھایا تو مغربی کو بھی طلب کیا۔ اس نے اپنی نئی غزل پیش کی۔ شیخ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے پسند فرمایا)

(۷۸) ارزش میراث صوفیہ، مطبوعہ تہران ۱۳۶۲ھ.ش - ۱۹۸۳ء صفحہ ۸-۲۲۵، دیوان اسیری لاہیجی، مطبوعہ تہران - ۱۳۵۷ھ ش - ۱۹۷۸ء - (مقدمہ برات زنجانی، صفحہ ج، ج، یب، یج، ید، یہ، یح، اور صفحہ ۳۴۹-۳۵۲)

(۷۹) از ما سخن کشف و کرامات مپرسید

مستان خدا را ز مقامات مپرسید

ترجمہ: ہم سے کشف و کرامات کی بات مت پوچھیں۔ مستان خدا سے مقام و مرتبہ کے بارے میں نہ پوچھیں -

با زاهد رعنا سخن از عشق مگوئید

از صوفی بی ذوق زحالات مپرسید

ترجمہ: زاہد خود بین سے عشق کی بات نہ کریں - بے ذوق صوفی سے کیفیات عشق کے بارے میں نہ پوچھیں -

صوفی بی صفا نیم زاهد بی وفا نیم

من ز خدا جدا نیم تن تللا تلا تلا

ترجمہ: میں صوفی بے صفا اور زاہد بے وفا نہیں ہوں۔ میں خدا سے جدا نہیں ہوں -

Marfat.com

سری کہ پیر میکدہ می گفت با حریف
در خانقاہ و مدرسہ رمزی از آن کجا است ؟

ترجمہ : وہ راز جو پیر میکدہ اپنے دوست سے کہہ رہا تھا ، خانقاہ و مدرسہ میں ویسا راز کہاں پایا جاتا ہے ؟
(دیوان اسیری ' صفحہ ۶ ' ۸۶ اور ۱۰۳)

(۸۰) جستجو در تصوف ایران ' صفحہ ۲۳۲ ، از کوچہ رندان ' صفحہ ۱۳۷

(۸۱) نفحات ، صفحہ ۶۱۴

(۸۲) آخری ادوار میں ایسی شخصیات : آقا محمد بید آبادی ' حاج ملا ہادی سبزواری ' ملا حسین قلی ہمدانی ' شیخ محمد بہاری ' آقا رضا قمشہی ، حاج میرزا جواد آقا ملکی تبریزی ' حاج شیخ حسن علی اصفہانی ' آقا میرزا محمد علی شاہ آبادی ۰ آقا سید علی مجتہد کازرونی شیرازی ، آقا شیخ محمد خراسانی گنا بادی ، جاج میرزا علی آقا قاضی ، جہانگیر خان قشقائی ، سید احمد کربلائی ، ملا محمد کاشی ' ملا محمد ہیدجی زنجانی اور آقا سید علی شوشتری ہیں (کتاب خدمات متقابل اسلام و ایران ، مطبوعہ ۱۳۶۲ھ. ش : ۱۹۸۳ء صفحہ ۵۹۴ ' ۶۰۲ ' ۶۰۴-۷ ' ۶۱۰ ' ۶۱۱ ' ۶۱۳ ' ۶۱۵-۷ پر این بزرگوں میں سے اکثر کے احوال و مقامات کے بارے میں ذکر ملتا ہے)

(۸۳) با کاروان حلہ ، صفحہ ۲۸۲

(۸۴) حبیب السیر ' مطبوعہ تہران ، ۱۳۳۳ھ.ش - ۱۹۵۴ء صفحہ ۳۱۵-۶

(۸۵) با کاروان حلہ ، صفحہ ۲۷۶

(۸۶) از کوچہ رندان ، صفحہ ۱۷۵

(۸۷) شیخ کی شخصیت سے بہتر شناسائی کے لئے جامی نے جو کچھ ان کے بارے میں لکھا ہے ' اس کے کچھ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں ۔

شریعت کی پابندی اور سنت رسول (صلعم) کی پیروی کے باعث باطنی

Marfat.com

علوم کے دروازے ان پر وا تھے اور وہ ولایت کے اعلی درجات و مقامات پر فائز تھے ۔ آپ حقیقت میں اویسی تھے ۔ انھوں نے شیخ الاسلام احمد الجامی سے تربیت حاصل کی تھی ۔ آپ اکثر ان کے مزار شریف پر قیام پذیر ۔ ان کے بعض حلقہ بگوشوں نے کہا ہے کہ ہماری اطلاعات کے مطابق انہوں نے شیخ جام کے مزار پر ہزار بار قرآن ختم کیا ۔ حضرت شیخ الاسلام کی روحانیت سے انہیں اشارہ ہوا کہ مشہد مقدس میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے عازم سفر ہوں ۔ وہاں پہنچے تو انہیں خلعتیں عطا ہوئیں اور بڑی نوازشات کی گئیں ۔ وہاں سے طوس میں واقع مزارات کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے ۔ رات کو شیخ ابونصر کی قبر مبارک پر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو خواب میں دیکھا ۔ آپ نے فرمایا کہ کل طوس میں تیری ملاقات ایک برہنہ درویش سے ہوگی ... علی الصبح طوس شہر آئے تو وہاں پر بابا محمود طوسی کو دیکھا جو مجذوب تھے ۔ بالکل وہی حلیہ جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا تھا ... مولانا ... اٹھ کھڑے ہوئے ۔ وہ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے ۔ اے بے ادب ! تو ان کی تعظیم نہیں کرتا جن کے ساتھ کل رات پیغمبر صلعم نے ملاقات فرمائی تھی اور ان سے تمہیں بھی ملایا تھا ۔ ان کے سامنے تو فرشتگان آسمان بھی شرماتے ہیں ۔ مولانا نے انہیں سلام کیا ۔ جواب دیا کہ جاؤ، رود بار کے اولیاء تیری آمد کے منتظر ہیں ... جنید شیرازی نے اپنی تالیف کردہ کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا روح الدین ابو المکارم ... البلدی جو معروف علما و فضلاء میں شمار ہوتے تھے اور اعلی پایہ کی علمی اسناد کے حامل تھے اور کئی سال تک شیراز کی جامعہ عتیق میں درس و تدریس میں مشغول رہے تھے ، انکی وفات کے بعد میں نے انہیں خواب میں دیکھا ۔ انہوں نے کہا کہ علماء کے مختلف درجات ہیں ۔ ایک درجہ کو چھوڑ کر دوسرے بہت سے درجات میں انبیاء اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ۔ میں نے ان سے استفسار کیا

Marfat.com

کہ بقید حیات علماء میں سے کون خدا سے زیادہ قریب ہے۔ جواب دیا کہ مولانا زین الدین ابوبکر تایبادی... (نفحات، صفحہ ۴۹۸ تا ۵۰۰) آخر میں ہم اس بات کا اضافہ کریں گے:

اس سے پیشتر حافظ کے معاصرین کے قول سے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اویسی تھے اور انہوں نے شیخ جام کو اپنا مرشد بنایا تھا۔ اور قرآن کے ساتھ ان کا انس بھی بجائے خود مسلمہ ہے۔ اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیخ تایبادی بھی ایسی صفات کے حامل تھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کی تکفیر کی داستاں کے صحیح ہونے کی صورت میں، خواجہ کی شیخ تایبادی سے مدد کی درخواست کرنا اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے خواجہ کی امداد کی ایک وجہ ان کا ہم مشرب اور ہم طریقت ہونا تھا۔ اور یہ جاننا بھی دلچسپ ہوگا کہ بعض اقوال کے مطابق شیخ اور خواجہ دونوں نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی تھی۔ (مجمع الفصحا مطبوعہ تہران ۱۳۳۹ھ ش: ۱۹۶۰ء۔ جلد ۴، صفحہ ۱۹؛ ریاض العارفین، مطبوعہ تہران، سال ۱۳۰۵ھ. ق، صفحہ ۸۳)

(۸۸) نفحات، صفحہ ۴۸۲ تا ۴۹۱، نیز علاء الدولہ کے حالات زندگی کے لئے ملاحظہ ہو، صفحہ ۴۳۹ تا ۴۴۳

(۸۹) از کوچہ رندان، صفحہ ۷ - ۱۲۶

(۹۰) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۷

(۹۱) جستجو در تصوف ایران، صفحہ ۲۳۳

(۹۲) از کوچہ رندان، صفحہ ۱۲۶

(۹۳) مجالس العشاق، مطبوعہ کانپور۔ نولکشور، ۱۳۱۴ھ ق، صفحہ ۱۴۳-۵

(۹۴) مقدمہ کلیات قاسم انوار، صفحہ بائیس

(۹۵) تاریخ ادبیات در ایران، مطبوعہ تہران، ۱۳۶۳ھ ش: ۱۹۸۴ء، جلد

Marfat.com

۳، صفحہ ۸-۵۲۷

(۹۶) با کاروان حلہ، صفحہ ۲۷۳

(۹۷) تذکرہ میخانہ، صفحہ ۸-۸۶

(۹۸) جستجو در تصوف ایران، صفحہ ۹-۲۲۸

(۹۹) با کاروان حلہ، صفحہ ۲۳۰

(۱۰۰) کلیات سعدی، صفحہ ۱۱۵

(۱۰۱) وہی ماخذ، صفحہ ۹۶

(۱۰۲) وہی ماخذ، صفحہ ۳۱۳

(۱۰۳) دیوان حافظ بہ تصحیح خانلری، ۹۳۲

(۱۰۴) وہی ماخذ، صفحہ ۱۷۱

(۱۰۵) وہی ماخذ، صفحہ ۵۸

(۱۰۶) وہی ماخذ، صفحہ ۹۱۶

(۱۰۶) وہی ماخذ، صفحہ ۵۶۲

(۱۰۷) وہی ماخذ، صفحہ ۵۶۲

(۱۰۸) وہی ماخذ، صفحہ ۵۱۷

(۱۰۹) بدرالشروح، مولانا بدر الدین، مطبوعہ تہران، ۱۳۶۲ھ. ش: ۱۹۸۳ صفحہ ۵۰۰ - شرح دیوان حافظ از عبداللہ خویشگی، مخطوطہ، گنج بخش لائبریری صفحہ ۳۲۰

(۱۱۰) مجمع الفصحاء ہدایت، مطبوعہ تہران، سال ۱۳۳۹ھ ش: ۱۹۶۰ء جلد ۳، صفحہ ۹-۳۸، ریاض العارفین، ہدایت، مطبوعہ تہران، سال ۱۳۰۵ ھ ق، صفحہ ۲۲۶ (فیض کے احوال زندگی کے بارے میں بیشتر اطلاعات کے لئے ملاحظہ ہو لغتنامہ دھخدا، فیض کاشانی کے ذیل میں)

(۱۱۱) ریاض العارفین، ہدایت، صفحہ ۲۲۸، ریاض العارفین از آفتاب رای

Marfat.com

لکھنوی مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان - اسلام آباد ' ۱۳۶۱ھ ش : ۱۹۸۲ء ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۰۷ ' لغت نامہ دھخدا ' عبدالرزاق لاھیجی اور فیاض لاھیجی کے ذیل میں "۔

(۱۱۲) ریاض العارفین ہدایت ' صفحہ ۲۶۷-۸ ' مجمع الفصحاء ' مطبوعہ تہران ' سال ۱۳۴۰ھ ش : ۱۹۶۱ء ' ج ۵ ' صفحہ ۷۰۰-۷۰۵ ' نیز ملاحظہ کیجئے لغتنامہ دھخدا "یغما" اور " نراقی ' احمد " کے ذیل میں ۔

(۱۱۳) ریاض العارفین ہدایت ، صفحہ ۳۶-۵۰ ، مجمع الفصحاء ، مطبوعہ تہران ' ۱۳۳۹ھ ش : ۱۹۶۰ء جلد ۳ ، صفحہ ۱۲-۱۵ ' کلیات اشعار و آثار شیخ بہائی ، صفحہ ۱۰۶ تا ۱۱۵ اور اس سے پہلے صفحات پر بھی شیخ کے احوال زندگی اور مؤلفات کے بارے میں کافی توضیحات درج ہیں ۔

(۱۱۴) دیوان حبیب ' مطبوعۂ تہران ' صفحہ ۴ ' ۸ ' ۲۲ - ۳۰ اور اس کے احوال زندگی کے بارے میں اطلاعات کے لئے ملاحظہ کیجئے : دیوان پر حسن حبیب کے قلم سے مفصل مقدمہ اور طبقات اعلام الشیعہ، چودھویں صدی' مطبوعۂ نجف ، ۱۳۷۳ھ ق ' جلد ۱ ' صفحہ ۳ - ۶۳

(۱۱۵) جاذبۂ و دافعۂ علی علیہ السلام ، صفحہ ۴ - ۷۳ ، حافظ عارف، حصہ دوم ' مطبوعۂ ۱۳۶۱ھ ش : ۱۹۸۲ء مقدمہ ' صفحہ تراسی و چوراسی

(۱۱۶) دیوان حافظ بہ تصحیح خانلری ' صفحہ ۹۰۳

(۱۱۷) وہی ماخذ ' صفحہ ۹۰۲

(۱۱۸) وہی ماخذ ، صفحہ ۲۹۰

(۱۱۹) جستجو در تصوف ایران' صفحہ ۶ - ۲۳۴ پر حافظ کے چند عرفانی اشعار کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔

(۱۲۰) از کوچۂ رندان ' صفحہ ۱۷۶

(۱۲۱) وہی ماخذ، مقدمہ ، صفحہ ۱۱

Marfat.com

(۱۲۲) وہی ماخذ ، صفحہ ۲۹
(۱۲۳) دیوان حافظ، بہ تصحیح خانلری، صفحہ ۹۰
(۱۲۴) وہی ماخذ ، صفحہ ۵۰۷
(۱۲۵) وہی ماخذ ،صفحہ ۹۷۰
(۱۲۶) وہی ماخذ، صفحہ ۶۰۶
(۱۲۷) وہی ماخذ ، صفحہ ۷۵۰
(۱۲۸) وہی ماخذ ، صفحہ ۹۰
(۱۲۹) وہی ماخذ، صفحہ ۹۰۸
(۱۳۰) وہی ماخذ، صفحہ ۸۷۸
(۱۳۱) وہی ماخذ، صفحہ ۶۸
(۱۳۲) با کاروان حلہ، صفحہ ۲۸۸
(۱۳۳) احسن التواریخ - مطبوعۂ تہران - ۱۳۴۹ھ ش : ۱۹۷۰ء، صفحہ ۸۱۶ - ۷ (یاد داشت ہای لوائی)
(۱۳۴) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ، احمد منزوی ، مطبوعۂ تہران جلد ۵ ، صفحہ ۳۵۳۵
(۱۳۵) تاریخ ادبیات ایران ، شفق ، مطبوعۂ ۱۳۵۲ھش : ۱۹۷۳ء صفحہ ۵۲۶ - ۸
(۱۳۶) احسن التواریخ ، صفحہ ۸۱۶
(۱۳۷) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، جلد ۴ ، صفحہ ۲۹۱۵
(۱۳۸) ہفت اورنگ جامی ، مطبوعۂ تہران، ۱۳۶۱ھش : ۱۹۸۲ء ، صفحہ ۱۲ - ۱۳
(۱۳۹) روضۃ الصفا ، مطبوعۂ تہران ، ۱۳۳۹ھ ش : ۱۹۶۱ء، جلد ۷ صفحہ ۲۶۶

Marfat.com

(۱۶۰) از سعدی تا جامی ، براؤن ، مطبوعهٔ تهران ، ۱۳۵۷هش :۱۹۷۸ء
صفحه ۷۴۷

(۱۶۱) تاریخ ادبیات ایران ، شفق ، صفحه ۵۳۲ ، نفحات الانس، صفحه ۳

(۱۶۲) لغت نامهٔ دهخدا ، حرف جیم ، صفحه ۱۰۹

(۱۶۳) فهرست نسخه های خطی فارسی ، منزوی ، مطبوعه تهران، جلد ۵،
صفحه ۳۳۵۹

(۱۶۴) با کاروان حله ، ۹ - ۲۸۸

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

رودکی سے بہار تک ۔ ایرانی شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ

از گلستانِ عجم

اردو ترجمہ و تنقید

با کاروانِ حلّہ

تألیف

ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب

ترجمہ

ڈاکٹر مہر نور محمد خان   ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سید

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

اسلام آباد

2166

Marfat.com